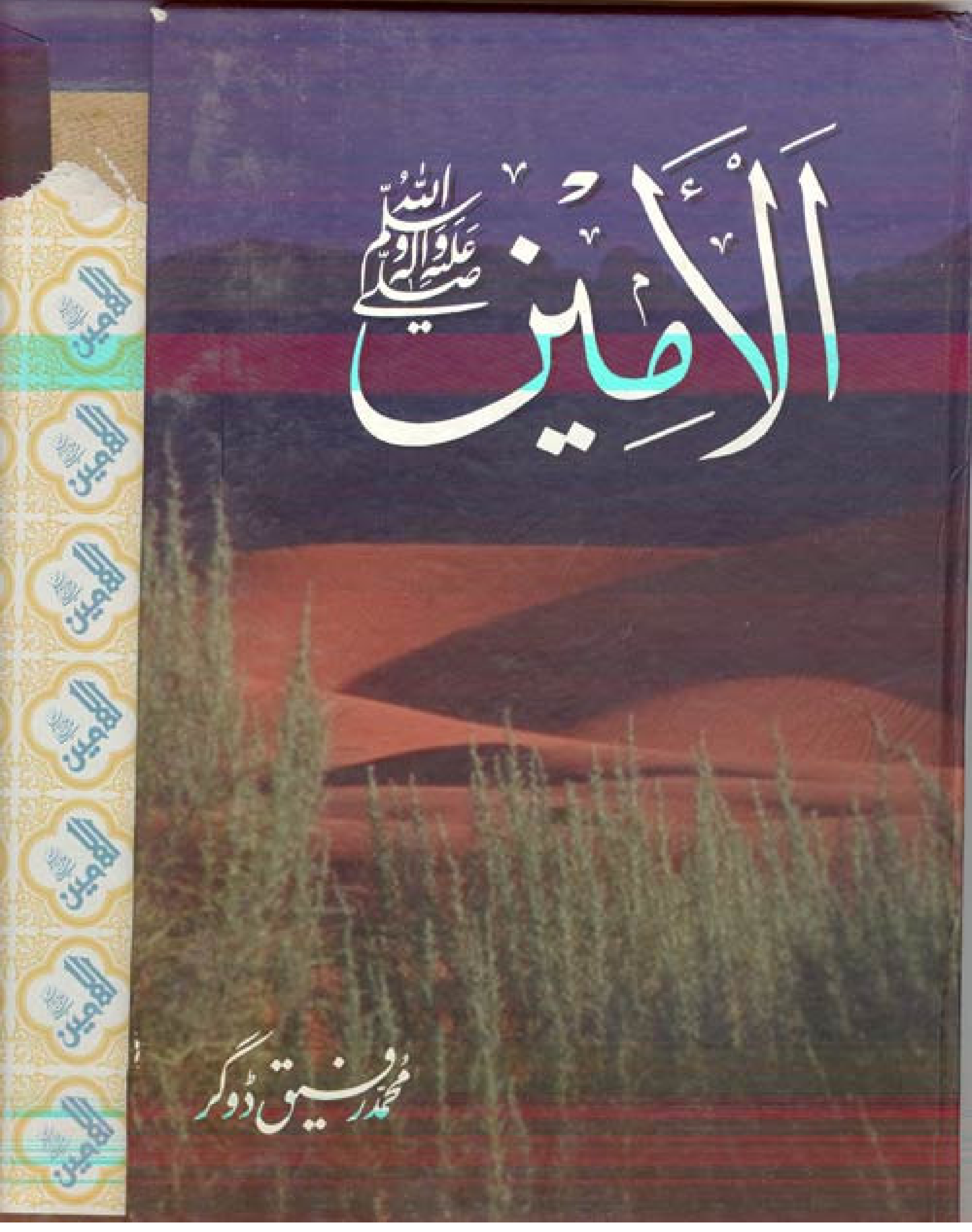
الامین
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
محمد رفیق ڈوگر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی علم بالقلم' علم الانسان مالم یعلم
والصلاۃ ولسلام علی سید نا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
وعلی آلہ واصحابہ والتابعین

○

یہ اللہ کا کرم ہے
جس نے اپنے ناچیز بے علم اور بے وسیلہ بندے کو
اپنے حبیب رہبر انسانیت خاتم الانبیاء
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی سیرت پاک کے بارے میں لکھنے کی توفیق اور ہمت دی
بندہ اپنے رب کے کس کس کرم کا شکر ادا کرے؟
فروری ۱۹۹۱ء میں شیخ زید ہسپتال لاہور میں میرے بائیں گھٹنے کا آپریشن ہوا
ایک دوپہر ڈاکٹر جی اے شاہ آئے
ان کے ہاتھ میں ایک رپورٹ تھی
"آپ کو کینسر ہے"
میں خاموش رہا

وہ بتا کر چلے گئے

اس وقت میں کمرے میں اکیلا تھا

مگر نہیں اللہ بھی اپنے بندے کے ساتھ تھا

شام کو ڈاکٹر کے نائب آئے

"کینسر کی یہ قسم بڑی تیزی سے جسم میں پھیلتی ہے گھٹنے کے اوپر سے ٹانگ کاٹ دی جائے تو آپ کو دس سال تک مل سکتے ہیں ورنہ دو اڑھائی سال بھی مشکل ہیں"

خاموش رہنے اور سننے کے سوا چارہ ہی کیا تھا؟

"ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں اپنے گھر والوں سے مشورہ کر کے جلد فیصلہ کریں"

"ڈاکٹر صاحب جس خدا نے مرض پیدا کئے ہیں وہ شفا دینے پر بھی قادر ہے"

"کیا مطلب؟"

"میرا ایمان ہے کہ اللہ کے پاس شفا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ شفا دے گا"

ہسپتال کی تنہائی میں اپنے اعمال کا جائزہ لے کر میں نے اپنے خدا سے دعا کی تھی

"میرے اللہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں نہ اس دنیا میں نہ اس کے بعد والی دنیا کے لئے تیرے پاس کس چیز کی کمی ہے کچھ مہلت عطا فرما"

میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا

نہ مرض کے بارے میں نہ اللہ سے درخواست کے بارے میں

اپنے گھر والوں کو بھی نہیں

ڈاکٹروں کے سوا ایک دو دوستوں کو علم تھا

بندہ اپنے دکھوں سے دوسرے کو کیوں پریشان کرے؟

وقت گزرتا رہا

اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ کیسے پورا کروں؟

میں سوچتا رہا

میرے پاس تو کچھ بھی نہیں

چودہ سو سال سے سیرت پاک پر لکھا جا رہا ہے

وہ لکھتے رہے جو علم و عمل والے تھے

بہت کچھ لکھا جا چکا ہے

میں تو بے علم ہوں

کیا لکھوں؟

کیسے لکھوں؟

دعا کرتا رہا

سیرت کی کتابیں پڑھتا رہا

شاید کوئی راستہ مل جائے

اللہ تعالیٰ نے راستہ دکھایا

ہمت دی رہنمائی کی

اور رسول ﷺ کی مکی زندگی ایک جلد میں مکمل ہو گئی

بندہ اپنے خالق و مالک کے کس کس کرم کا شکر ادا کرے؟

جس نے ہمت بھی دی

اور شفاء بھی دی

کسی علاج کے بغیر ایک بھی گولی کھائے بن

بلاشبہ مرض دینے والا شفا دینے پر بھی قادر ہے

وہ اپنے ناچیز اور بے وسیلہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے

دعا کریں اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے

دعا کریں اللہ تعالیٰ میری خامیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرماوے
دعا کریں اللہ تعالیٰ باقی حصہ مکمل کرنے کی توفیق اور ہمت دے
سوچتا رہا اپنی دعا اور شفاء کے بارے میں لکھوں یا نہ لکھوں؟
تشہیر کرم کہیں تشہیر ذات نہ سمجھ لی جائے

خیال آیا
یہ تو بندے کے خالق و مالک کے کرم اور قدرت کی بات ہے
بندے پر خالق کے اکرام و انعام کا ذکر تو اس کا شکر ہے
خالق اپنے بندے سے اس کرم کے ذکر پر ناراض نہیں ہو گا
وہ نیتوں کا جاننے والا ہے
دعا کریں وہ اپنے بندے پر اپنے کرم کے دروازے کھلے رکھے
میں نے کوشش کی ہے
واقعات سیرت کو ان کی تاریخی ترتیب (CHRONOLOGICAL ORDER) میں رکھا جائے
اگر کہیں وحی اور معجزے کی بات آئے تو ان موضوعات پر مضمون نہ باندھے جائیں
اس سے پڑھنے والے کی توجہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اور اصل واقعات سے ہٹ جاتی ہے
حوالے اور تشریحی نوٹس کم از کم دیئے جائیں
صرف اسی صورت میں جب ان کا دینا لازم ہو
جس ماحول اور معاشرے میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت پاک ہوئی
جس میں آپ ﷺ نے بچپن گزارا
جوانی کی عمر کو پہنچے
اور دین حنیف کی تکمیل کا مشن پورا کیا
اس کی تفصیل دی جائے

تاکہ پڑھنے والے کو اندازہ ہو سکے کہ

آپ ﷺ کی شخصیت کی تعمیر کس ماحول میں ہوئی تھی

اور آپ ﷺ نے توحید کا مشن کس معاشرے میں پورا کیا تھا

اور کن کن قوتوں اور رویوں کا آپ ﷺ کو سامنا رہا تھا

پاکستان کی نوجوان نسل عربی سے نابلد ہے

اس لئے قرآنی آیات اور احادیث شامل نہیں کی گئیں

صرف ان کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے

تاکہ نوجوان نسل اس کی طرف راغب ہو

انداز اور زبان عام فہم رہے

علمی اور فقہی اصطلاحات سے بیان کو بوجھل نہ کیا جائے

تاکہ عام آدمی کو پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے

قرآنی آیات کا ترجمہ

مختلف تراجم کے موزانہ کے بعد

وہ دیا ہے جو مجھے عربی کے مفہوم کے قریب ترین معلوم ہوا

ہر واقعہ لکھنے سے پہلے میں سیرت کی مختلف کتب کا تقابلی جائزہ لیتا تھا

اگر کوئی قرآنی آیات کسی واقعہ سے متعلق ہوں یا سیرت پاک کا کوئی واقعہ کسی قرآنی آیت سے متعلق ہو تو

اس آیت یا آیات کے بارے میں مختلف تفاسیر اور قرآن کے تراجم کے تفسیری نوٹس دیکھ کر جو کچھ سمجھ

آئے وہ لکھا جائے

میں بے علم آدمی ہوں قرآن وحدیث کی کہیں تعلیم حاصل نہیں کی

اس لئے اگر کہیں سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہو

تو

آپ

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے

ہوسکے تو آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں غلطی درست کردی جائے

اللہ کے کرم

اس کے رسول کی شفاعت

اور

پڑھنے والوں کی

دعاؤں کا طالب

رفیق ڈوگر

اب تک جو کچھ بھی لکھا رفیق ڈوگر

کے نام سے لکھا

الامینؐ

پر نام

محمد رفیق ڈوگر

دیا جارہا ہے

اگست ۱۹۹۹ء

محمد اشرف قاسمی صاحب

اور

سرفراز محمد بھٹی صاحب

نے

کتب کی فراہمی میں بھرپور تعاون کیا

نذیر حق صاحب

اور

سرفراز محمد بھٹی صاحب

نے پروف ریڈنگ میں ہاتھ بٹایا

شکور طاہر صاحب

نے

رشید بٹ صاحب سے "الامین" لکھوا کر بھیجا

سید اویس سبزواری صاحب

نے

ٹائٹل اور نقشے تیار کئے

شجروں کی کتابت عنائت اللہ صاحب نے کی

عبدالرحمان ناصر صاحب نے اعراب لگائے

میں ان سب دوستوں اور مہربانوں کا شکر گذار ہوں

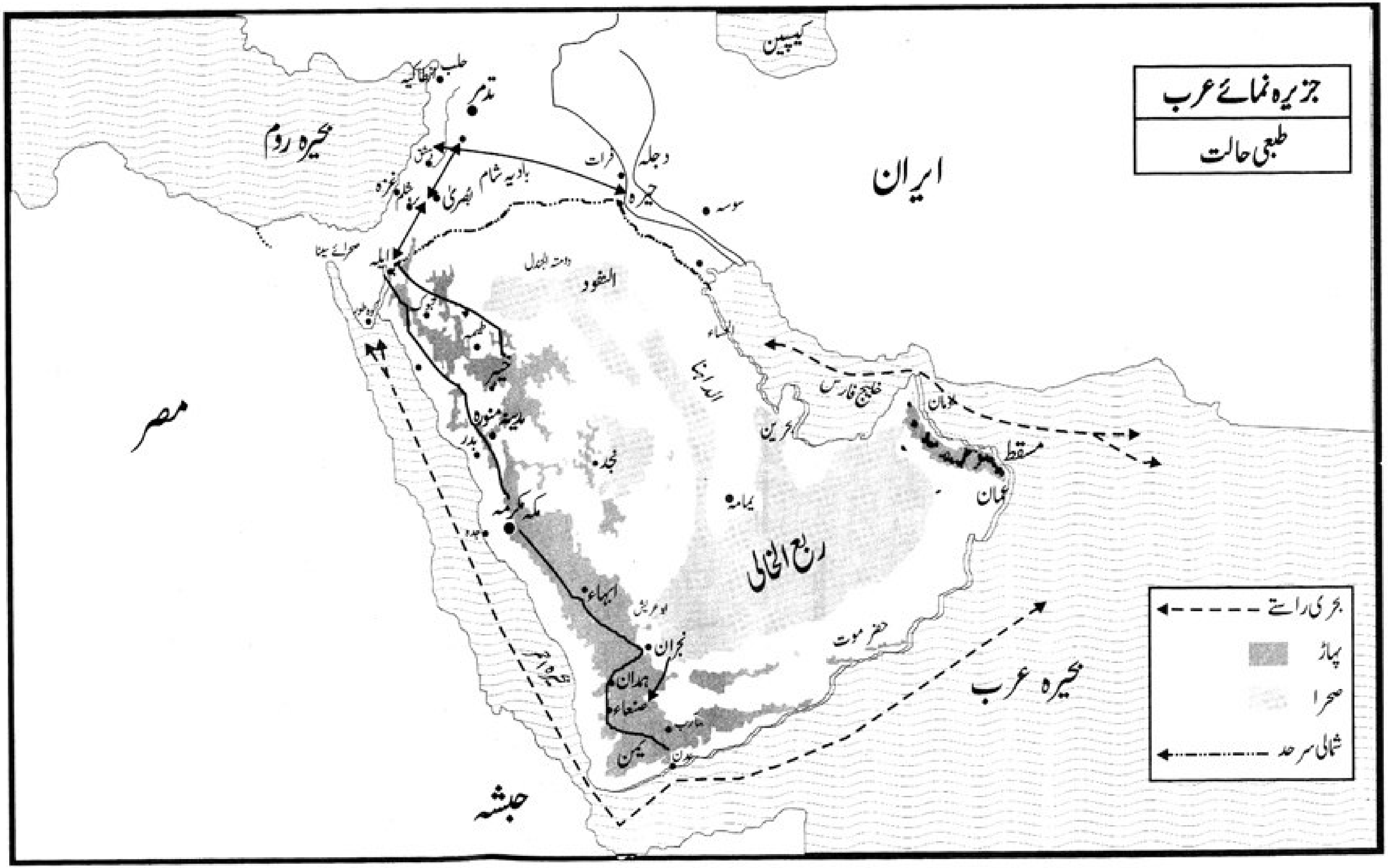
جزیرہ نمائے عرب
طبعی حالت
ایران
مصر
جبشہ
بحیرہ روم
بحیرہ عرب
بحیرہ احمر
خلیج فارس
ربع الخالی
تدمر
حیرہ
دجلہ
فرات
بادیہ شام
بصریٰ
دمشق
حلب
انطاکیہ
غزہ
سوسہ
ایلہ
دومۃ الجندل
النفود
خیبر
مدینہ منورہ
بدر
نجد
مکہ مکرمہ
جدہ
یمامہ
الاحساء
البحرین
الدہنا
ابہاء
نجران
ہمدان
صنعاء
یمن
مأرب
عدن
حضر موت
عمان
مسقط
کیسپین
بحری راستے
پہاڑ
صحرا
شمالی سرحد

جزیرۃ العرب اور عرب

رہبر انسانیت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ مکہ جزیرۃ العرب (جزیرہ نمائے عرب) میں واقع ہے۔ براعظم ایشیا کے اس خطے کو جزیرہ نما اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے تین طرف پانی ہے۔

اس کی مشرقی سرحد خلیج عمان (Gulf of Oman) سے شروع ہوتی ہے اور خلیج فارس (Persain Gulf) سے آگے دریائے دجلہ و فرات سے ہوتی ہوئی حیرہ تک چلی گئی ہے۔

اس کے مغرب میں بحیرۂ احمر (Red Sea) ہے جس کا شمالی کونا صحرائے سینا سے جا ملتا ہے۔

جنوب کی طرف بحرِ عرب ہے۔

جزیرہ نمائے عرب کی صرف ایک شمالی سرحد خشکی سے ملتی ہے۔

سسلی کے قدیم مسلمان جغرافیہ دان ادریسی نے جو نقشہ تیار کیا تھا اس میں جزیرۃ العرب کی شمالی سرحد شام اور فلسطین سے ملتی ہے اور مسلمان علماء کی اکثریت اسی کو جزیرۃ العرب کی شمالی سرحد مانتی ہے۔

بعض یورپی ماہرین صحرائے سینا، صحرائے شام اور صحرائے عراق کو بھی جزیرۃ العرب کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان تینوں صحراؤں کی زمینی ساخت اور آب و ہوا بھی باقی (اصل) جزیرۃ العرب جیسی ہی ہے اور ان میں رہنے والے لوگوں کا طرزِ زندگی بھی ویسا ہی ہے جیسا باقی جزیرہ نمائے عرب کے رہنے والوں کا ہے، لیکن ہم جب اور جہاں بھی جزیرۃ العرب کا ذکر کریں گے اس سے وہی خطہ مراد ہوگا جس کی شمالی سرحد سے آگے شام اور فلسطین واقع ہیں۔

براعظم ایشیا اور افریقہ کے سنگم پر واقع جزیرۃ العرب کا رقبہ دس سے تیرہ لاکھ مربع میل کے

درمیان بتایا جاتا ہے' اس اختلاف کی دو وجوہ ہیں ایک یہ کہ اس کی شمالی سرحد کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں کیا گیا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ابھی تک اس کی ٹھیک ٹھیک پیمائش نہیں کی گئی۔

اپنی زمین کی ساخت اور فطرت کے لحاظ سے یہ ایک بہت ہی عجیب و غریب خطہ ہے.اس میں کہیں وسیع و عریض ریگستان ہیں،کہیں بڑے بڑے چٹیل ویرانے ہیں جن میں نہ پانی ملتا ہے نہ کوئی ہریالی پائی جاتی ہے اور کہیں موٹے موٹے پتھروں اور کنکروں سے ڈھکے ہوئے بڑے بڑے میدان ہیں۔

زمینی ساخت کے لحاظ سے جزیرۃ العرب کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

مرکز میں نجد کا شدید تندخو صحرا (Hard Desert) ہے جس میں کہیں کہیں برساتی نالوں کے آس پاس چھوٹے بڑے نخلستان بھی ملتے تھے۔

ہم نے "چھوٹے بڑے نخلستان ملتے تھے" اس لیے لکھا ہے کہ تیل کی دولت اور حکومت کے ترقیاتی منصوبوں کی وجہ سے صحرائے نجد میں آج جتنی ہریالی اور زراعت مل جاتی ہے' رسولؐ اللہ کے زمانے میں وہ نہیں ہوتی تھی۔نجد کا یہ تُند و خُو صحرا وسیع و عریض ریگستانوں میں گھرا ہوا ہے۔

اس کے شمال سے شروع کریں تو سب سے پہلے النفوذ کا ریگستان ہے جو مغرب سے.مشرق تک پونے سات سو (675) کلو میٹر کے قریب لمبا ہے.مختلف مقامات پر اس کی چوڑائی مختلف ہے' اوسطاً چوڑائی تین سو چالیس (340) کلو میٹر ہوگی.اس ریگستان کے درمیان میں بہت سی تنگ وادیاں ہیں جو ریت کے ٹیلوں کی اونچی دیواروں میں گھری ہوئی ہیں.اس کا مجموعی رقبہ 56980 مربع کلو میٹر ہے.اوسطاً بلندی 915 میٹر ہے.شمال میں یہ صحرا سب سے اونچا ہے۔

النفوذ سے آگے ایک اور ریگستان ہے اس کا نام "الداہنا" ہے: شمال سے جنوب تک اس کی لمبائی چھ سو چوالیس (644) کلو میٹر ہے.اس کی اوسط چوڑائی اڑتالیس (48) کلو میٹر ہوگی.اس ریگستان میں سرخ ریت کے بہت بڑے بڑے ٹیلے ہیں جو دو سو سے تین سو فٹ تک اونچے ہیں۔ الداہنا شمال میں النفوذ سے شروع ہوتا ہے اور نجد کے مشرق سے ہوتا ہوا جنوب میں ربع الخالی سے جا ملتا ہے.ان ٹیلوں کے درمیان میں کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے چٹیل میدان ہیں جنہیں ریت کے پہاڑوں میں گھری وادیاں بھی کہا جاسکتا ہے۔

الداہنا کے جنوب میں جو ریگستان ہے،دنیا میں اور کہیں اتنا وسیع و عریض ریگستان نہیں پایا جاتا.اس کا رقبہ چھ لاکھ چالیس ہزار مربع کلو میٹر ہے اور سطح سمندر سے بلندی چھ سو میٹر تک ہے.مشرق میں یہ بلندی ایک سو اسی میٹر ہو جاتی ہے.اس میں کوئی میدان یا وادی نہیں.یہ مسلسل ریگستان

ہے اور ریت کے سخت اور طویل سلسلوں پر مشتمل ہے۔ریت کے یہ سلسلے پانچ سو فٹ تک اونچے ہیں۔یہ ریگستان آج بھی بالکل ویران اور خالی ہے' اسی لیے اسے "الربع الخالی" کہتے ہیں' کیونکہ اس میں کوئی انسان نہیں رہ سکتا۔

صحرائے نجد کے مغرب میں بھی ریت کے ٹیلے ہیں' لیکن النفوذ' الداہنا اور ربع الخالی کے ریتلے سلسلوں کے مقابلے میں یہ سلسلے مختصر ہیں۔ان ٹیلوں اور سلسلوں کی اونچائی بھی ان سے کم ہے۔

حجاز کو جانے والا راستہ ریت کے ان مغربی سلسلوں کے درمیان سے ہوکر جاتا ہے۔اس طرح یہ ریگستان نجد کے گرد دوسرا طبعی دائرہ بناتے ہیں۔

جزیرۃ العرب کا تیسرا طبعی حصہ وہ ہے جو اس ریگستانی دائرہ کے گرد واقع ہے۔اس دائرہ کے مغرب میں ایک بہت طویل پہاڑی سلسلہ ہے۔یہ پہاڑی سلسلہ بحیرہ احمر کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور اردن' شام اور لبنان سے گزر کر بحیرۂ رُوم کے مشرقی کونے تک چلا گیا ہے۔ان پہاڑوں کی بلندی پانچ سے آٹھ ہزار فٹ تک ہے۔بحیرۂ احمر کے کنارے اور اس پہاڑی سلسلے کے درمیان دس سے پندرہ میل تک دوری ہے۔یہ دوری زیادہ سے زیادہ تیس میل ہے۔ان پہاڑوں کے درمیان کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی وادیاں بھی ہیں۔جب افریقہ کی طرف سے مون سون ہوائیں آتی ہیں تو ان پہاڑی وادیوں اور پہاڑ اور سمندر کے درمیان کی زمینی پٹی پر تھوڑی بہت بارش ہو جاتی ہے۔

پہاڑوں کا ایک اور سلسلہ اس تیسرے دائرے کے جنوب سے شروع ہوتا ہے اور مشرق میں عدن اور مسقط کی طرف نکل گیا ہے۔جبلِ اکبر کی دس سے بارہ ہزار فٹ اونچی پہاڑیاں اسی سلسلۂ کوہ کا حصہ ہیں۔بحیرۂ عرب کے ساحل کے ساتھ ساتھ عدن' حضرموت اور عدن کے زرخیز علاقے اسی سلسلۂ کوہ کا دامن ہیں۔

حجاز' عسیر اور الحساء کے علاقے' مدینۃالنبیؐ' نجران اور طائف کے زرخیز خطّے سب اس تیسرے دائرہ (حصہ) میں واقع ہیں۔

یہ بیرونی دائرہ مشرق میں دجلہ و فرات کے درمیانی جزیرہ سے ہوتا ہوا شمال کی طرف چلا گیا ہے جہاں یہ ایک پتھریلے میدان سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔یہ پتھریلا میدان الحماد نامی وسیع و عریض پتھریلے میدان کا جنوبی حصہ ہے۔

جزیرۃ العرب کے اندر کوئی دریا نہیں بہتا' اس میں کوئی ہرا بھرا جنگل نہیں کیونکہ یہاں بارش بہت ہی کم ہوتی ہے۔ بحیرۂ عرب کی طرف سے جو بادل آتے ہیں' انہیں جنوب کا سلسلۂ کوہ روک

لیتا ہے۔ بحیرۂ روم کی طرف سے آنے والی ہوائیں جو بادل لاتی ہیں، ان کا پانی لبنان، فلسطین اور شام کے پہاڑ چھین لیتے ہیں۔

ان ریگستانوں اور صحراؤں میں ریت کے زبردست طوفان آتے ہیں۔ مجموعی طور پر سارے جزیرۃ العرب میں جلا دینے والی سخت گرم اور خشک ہوائیں چلتی ہیں۔ جب کبھی کسی جگہ تھوڑی بارش ہو جائے تو وہاں وقتی طور پر گھاس اگ آتی ہے۔ کھیتی باڑی تو ہو نہیں سکتی تھی، اس لیے زمانہ قدیم سے ہی وہاں کے لوگ اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالا کرتے تھے اور پانی اور ہریالی کی تلاش میں ہمیشہ صحراؤں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ مکان نہیں بناتے تھے، بلکہ اونٹ کے بالوں سے بُنے کپڑے کے خیموں میں رہتے تھے۔

یمن، حضر مُوت اور عمان کے علاقوں میں زمینیں چونکہ زرخیز ہیں، بارش بھی ہو جاتی ہے اور وہاں کی ہوا بھی معتدل ہے اس لیے زمانہ قدیم سے ہی وہاں کھیتی باڑی ہوتی رہی ہے۔ صحراؤں اور ریگستانوں پر جب کبھی موسلا دھار بارش ہو جاتی تھی تو ان کی نشیبی وادیوں میں بنے نالوں میں پانی جمع ہو جاتا تھا جس سے نخلستان زندگی حاصل کرتے تھے۔

عرب نام کب دیا گیا؟

اس خطہ کو عرب کا نام کب دیا گیا؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے۔ تورات میں جہاں ملکہ سبا اور حضرت سلیمانؑ کی ملاقات کا ذکر ہے، وہاں ملکہ سبا کے ملک کا نام عرب بیان کیا گیا ہے(1) یہ ملاقات 1005 قبل مسیح میں ہوئی تھی۔ تورات میں ملکِ عرب کا اور متعدد مقامات پر بھی ذکر آتا ہے(2) اور ایسے طریقے سے آتا ہے جیسے یہ ایک مشہور و معروف ملک ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس خطہ کو اس سے بھی بہت پہلے سے عرب کہا جاتا تھا۔

عرب نام کیوں دیا گیا؟

اس خطہ کو عرب نام دینے کی وجہ کے بارے میں سیرت نگاروں، تاریخ دانوں اور تحقیق کرنے والوں کی اکثریت میں اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ اس خطہ کی طبعی ساخت کی وجہ سے اسے عرب کا نام دیا گیا۔ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کی رائے ہے کہ سامی زبانوں میں عرب کے معنی دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ جزیرۃ العرب کا زیادہ حصہ دشت اور صحرا ہے اس لیے اس ملک کا نام عرب ہوگیا۔(3) اہلِ انساب عرب العاربہ کے جدِ اعلیٰ **یقطان** (قحطان) کے ایک بیٹے کا نام "**یعرب**" بتاتے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اسی نام کی مناسبت سے اس خطہ اور قوم کا

نام عرب ہوگیا ہو؟

جزیرۃ العرب میں بسنے والی قوموں کو بھی زمانۂ قدیم سے ہی عرب کہا جاتا رہا ہے۔تورات میں ہے ”اور خداوند نے یہورام کے خلاف فلستیوں اور ان عربوں کا‘ جو کوشیوں کی سمت میں رہتے ہیں‘ دل ابھارا۔سو وہ یہوداہ پر چڑھائی کر کے اس میں گھس آئے اور سارے مال کو جو بادشاہ کے گھر میں ملا اور اس کے بیٹوں اور اس کی بیویوں کو بھی لے گئے“(4) ایک اور جگہ ہے: ’اور خدا نے فلستیوں اور جورلعل کے رہنے والوں‘ عربوں اور معونیوں کے مقابلے میں اس کی (عزیاہ یہوواہ کے بادشاہ کی) مدد کی(5) ڈاکٹر طاہر القادری نے المنجد کے حوالہ سے لکھا ہے: ’اہلِ لغت کے نزدیک ”عرب اور اعراب“ کے معنی فصاحت‘ زبان آوری‘ خوش بیانی اور زبان دانی کے ہیں‘چونکہ اہلِ عرب اپنی فصاحت و بلاغت‘ زبان آوری اور خوش بیانی کے سامنے ساری دنیا کو ہیچ اور کمتر سمجھتے تھے‘اس لیے انہوں نے خود کو اسی احساسِ تفاخر میں ڈوب کر ”عرب“ اور دنیا کی دوسری زبانیں بولنے والی اقوام کو عجم (گونگا) کہہ کر پکارا“(6) دیگر متعدد علماء بھی اہلِ لغت کی اس وضاحت سے متفق ہیں‘لیکن کچھ کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عبرانی زبان کے ”عیبر“ سے مشتق ہے جس کے معنی خانہ بدوش کے ہیں‘چونکہ زمانۂ قدیم میں یہ لوگ خانہ بدوش تھے اس لیے انہیں عرب کہا جانے لگا۔(7) اس خطہ کی طبعی ساخت کی وجہ سے اسے عرب کا نام دیا گیا اور اس میں بسنے والی قوموں کو عرب کہا گیا یا اس میں بسنے والی قوموں نے اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اپنے کو عرب کہا اور ان کے ملک کا نام عرب ہوگیا۔اس بحث میں پڑے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانۂ قدیم سے ہی لفظ عرب اس خطہ اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا جاتا رہا ہے۔(8) اس لیے اس بحث کو بڑھانا ضروری نہیں۔

عرب قوم

دورِ حاضر کی وسیع تر اصطلاح میں جب ”عرب قوم“ کہا جاتا ہے تو اس سے مراد (سیاسی اور جغرافیائی حد بندیوں سے ماورا) وہ سب قومیں ہوتی ہیں جو عربی زبان بولتی ہیں۔ ان میں عراق‘ شام‘ اردن‘ لبنان‘ فلسطین اور مصر وغیرہ سب ممالک اور اقوام شامل ہیں‘لیکن زمانۂ قدیم میں جزیرۃ العرب کی قدیم حدود کے اندر رہنے والے ہی عرب قوم کہلاتے تھے‘جو اس خطہ کے اندر آباد تھے۔آج کی سیاسی حد بندیوں کے مطابق سعودی عرب‘ یمن‘کویت‘ مسقط‘ بحرین اور متحدہ عرب امارات میں بسنے والی قومیں ہی اس دور کی عرب قوم میں شامل ہیں‘اس لیے جب ہم قدیم عرب قوم یا حضرت محمدؐ رسول اللہ کے زمانہ کی عرب قوم کا ذکر کرتے ہیں‘ تو اس سے مراد یہی

عرب البائدہ

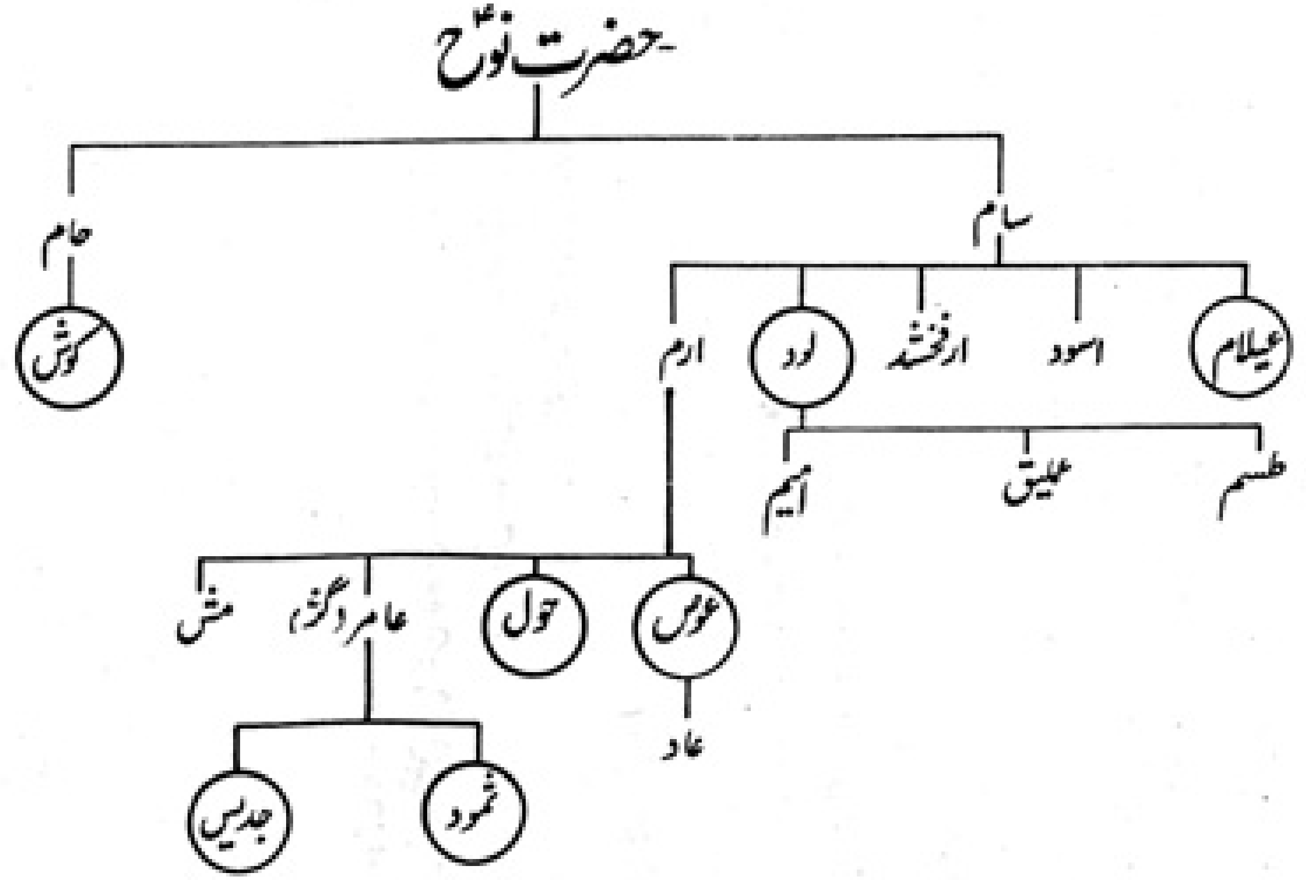

عرب البائدہ ان سات افراد کی اولاد تھے جن کے گرد دائرے ہیں۔

عرب قوم ہوتی ہے۔

عرب قوم کی گروہی تقسیم

جزیرہ نمائے عرب کے باسی قدیم عرب حضرت نوحؑ کے دو بیٹوں سام اور حام کی اولاد میں سے تھے۔ ماہرینِ انساب ان عربوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں:

عرب البائدہ

عرب العاربہ

اور

عرب المستعربہ

عرب البائدہ میں سام کے بیٹوں عیلام، لود اور ارم اور حام کے بیٹے کوش کی اولاد کو شامل کیا جاتا ہے۔ جرھم اول عیلام کی اولاد تھے۔ عملین اور امیم لود کی اولاد تھے۔ عاد، ارم کے بیٹے عوص کا بیٹا تھا۔ قوم عاد اسی کی اولاد تھی۔ قومِ ثمود اور جدیس ارم کے بیٹے عامر (گز) کی اولاد تھے۔ جول بھی ارم کا بیٹا تھا۔ اس طرح نسلی لحاظ سے عرب البائدہ سات گروہوں میں تقسیم کئے جاسکتے ہیں۔ کوش بن حام بن نوحؑ کی اولاد، جرھم بن عیلام بن نوحؑ کی اولاد (عرب العاربہ کے مشہور قبیلہ بنی جرھم سے تمیز کرنے کے لیے انہیں جرھم اولٰی کہا جاتا ہے) لود بن سام بن نوحؑ کی اولاد، عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد، حول بن ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد اور عامر بن ارم بن سام بن نوحؑ کی اولاد۔

عرب البائدہ ان سات افراد کی اولاد تھے جن کے گرد دائرے لگائے گئے ہیں۔

طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کے بیٹے سام نے جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصہ حضر مُوت اور عمان کے شاداب علاقوں میں رہائش اختیار کی تھی اور ان کی اولاد اسی جگہ سے دوسرے علاقوں میں پھیلی تھی۔

عرب العاربہ یقطان (قحطان) کی اولاد تھے۔ قحطان سام کے بیٹے ارفخشد (ارفکشاد) کا پڑپوتا تھا۔ قحطان بن عبیر بن شالخ بن سام بن نوحؑ۔ تاریخ قوموں کا وجود ان کے کارناموں اور شہرت کی بنیاد پر مانتی ہے۔ سام کے بیٹے ارفخشد کی اولاد بھی جنوبی عرب میں یمن کے مقام پر رہتی آئی تھی، لیکن جب تک اس کے ایک شخص قحطان نے حاکمیت اور عروج حاصل نہیں کیا، تاریخ نے اس کے الگ وجود اور تشخص کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے عروج کے بعد سے اس کی اولاد کا

عرب العاربہ

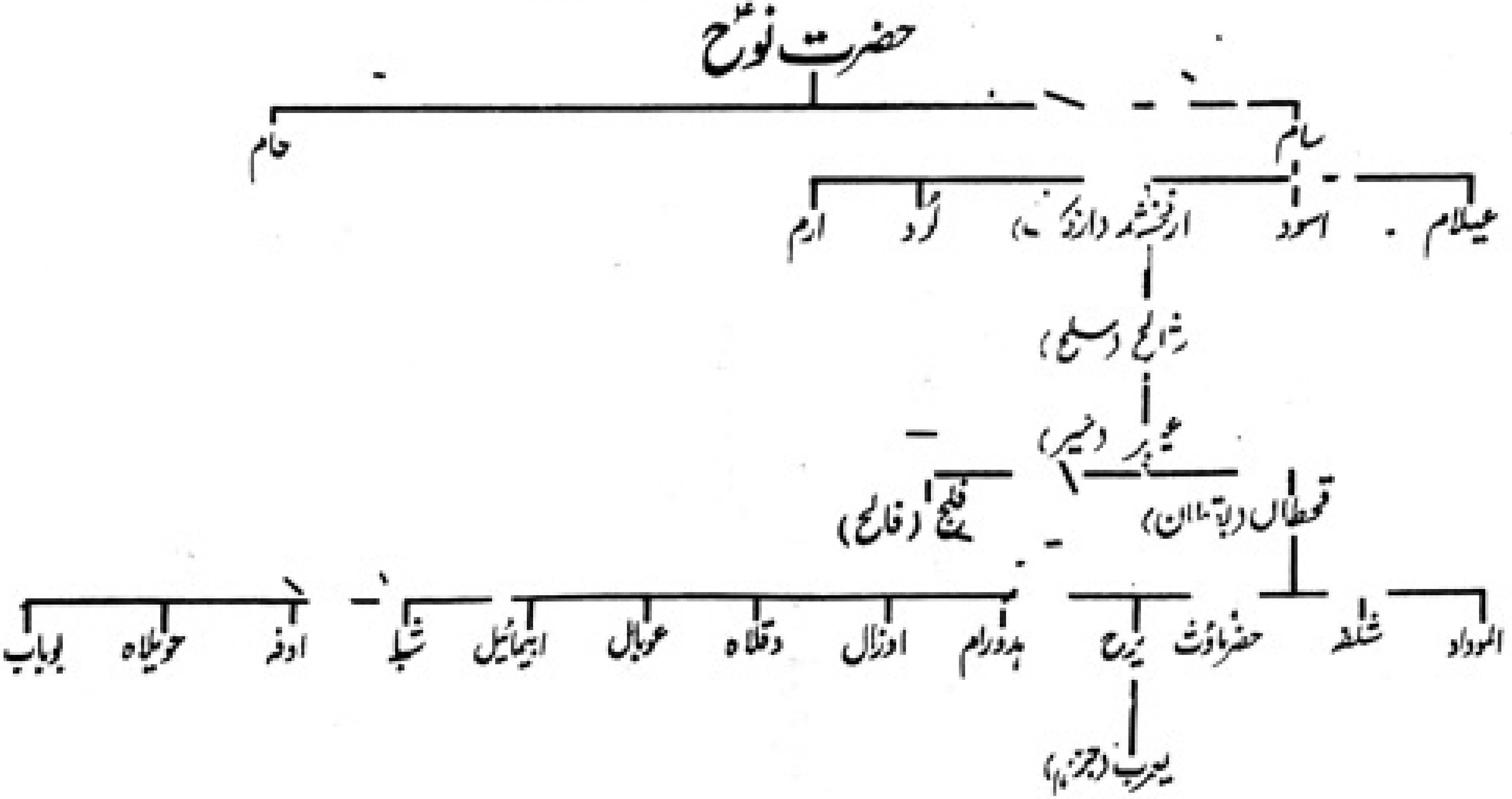

عرب عاربہ قحطان کے انہی تیرہ بیٹوں کی اولاد تھے۔

عرب المستعربہ

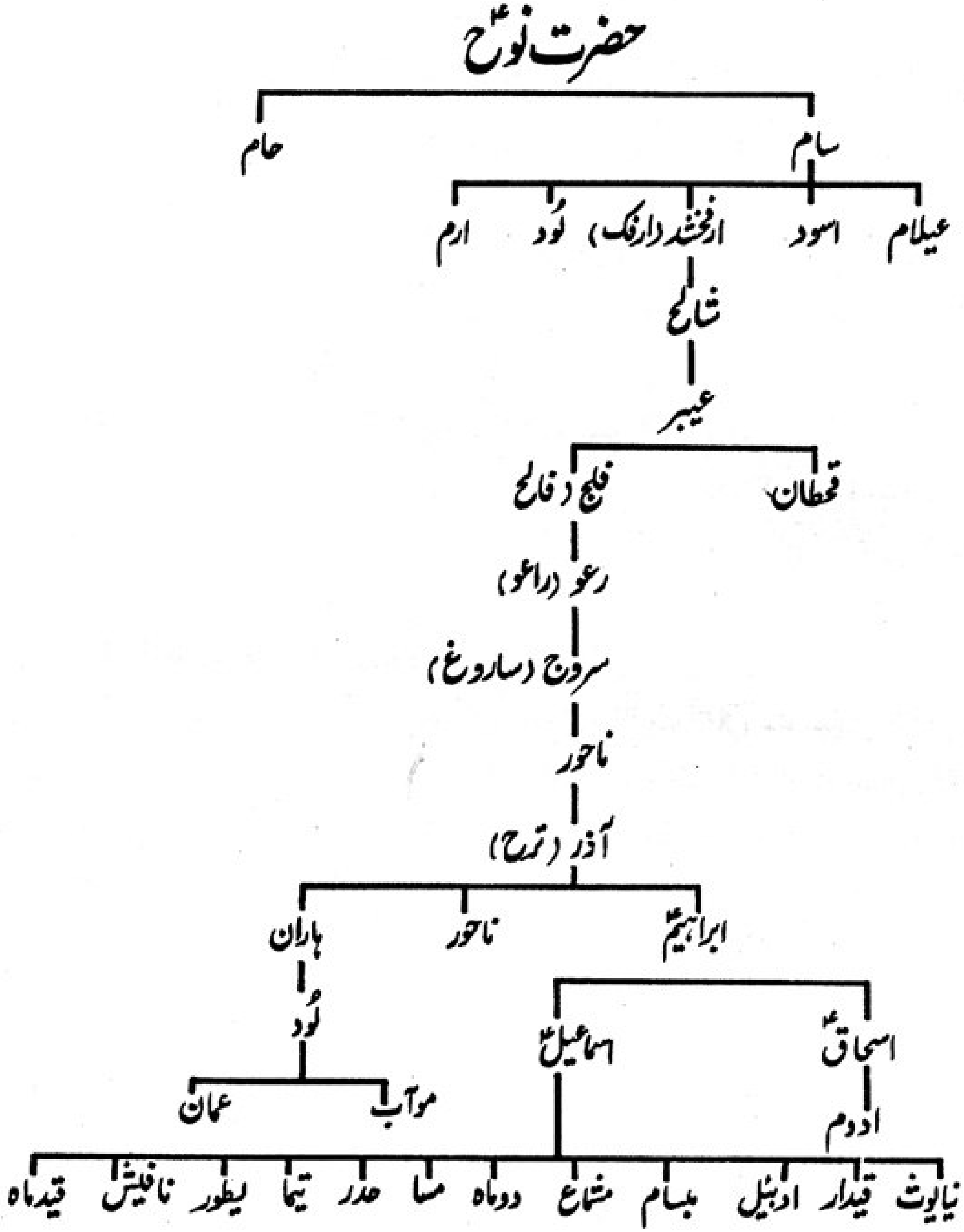

عرب المستعربہ میں حضرت اسماعیلؑ کے ان بارہ بیٹوں کی اولاد، ان کے تایا حضرت اسحاق کے بیٹے ادوم کی اولاد، حضرت ابراہیمؑ کی بیوی قطورہ کی اولاد، حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ناحور کی اولاد اور دُوسرے بھائی ہاران کے دو بیٹوں موآب اور عمان کی اولاد کو شامل کیا جاتا ہے۔

ایک الگ گروہ کے طور پر ذکر کیا جانے لگا۔قحطان کو ابو یمن بھی کہا جاتا تھا۔اس کے ایک بیٹے کا نام یعرب (جرھم) تھا۔مکہ کا قبیلہ بنو جرھم' جس کے سردار کی بیٹی سے حضرت اسماعیلؑ نے شادی کی تھی' اسی یعرب یا جرھم کی نسل سے تھا اور اپنے جدِامجد کے نام کی وجہ سے بنو جرھم کہلاتا تھا۔

عرب المستعربہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے۔ان کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے،اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ بن آزر بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالح بن عیبر بن شالح بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ۔

اس طرح عرب العاربہ اور عرب المستعربہ عیبر میں جا کر مل جاتے ہیں۔عرب العاربہ عیبر کے بیٹے قحطان کی اولاد ہیں اور عرب مستعربہ عیبر کے بیٹے فالح کی نسل سے تھے۔بنی اسرائیل یا یہودی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ کی اولاد ہیں۔اس طرح نسلی لحاظ سے بنی اسرائیل عرب المستعربہ سے حضرت ابراہیمؑ میں' عرب العاربہ سے عیبر میں اور عرب البائدہ سے سام میں جا کر مل جاتے ہیں' اسی لیے عربوں اور یہودیوں کو سامی النسل (Semitic) کہا جاتا ہے۔

عرب المستعربہ میں مرکزی حیثیت آلِ اسماعیلؑ کو حاصل ہے اور ان کا تشخص حضرت اسماعیلؑ کے حوالے سے ہی قائم ہوتا ہے۔چونکہ حضرت اسماعیلؑ بہت بعد میں جزیرہ نمائے عرب میں آئے تھے' اس لیے عرب المستعربہ کے عروج و زوال کی کہانی بھی پہلے دو گروہوں کے بعد بیان کی جاتی ہے۔ آلِ اسماعیلؑ کے علاوہ اس گروہ میں حضرت اسحاقؑ کے بیٹے ادوم' حضرت ابراہیمؑ کی بیوی قطورہ' حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ناحور اور حضرت لوطؑ کے بیٹوں مواب اور عمان کی آل اولاد کو بھی شامل کیا جاتا ہے' اس لحاظ سے عرب المستعربہ حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر کی نسل سے ہیں۔

حواشی / حوالہ جات

1- تورات / کتابِ اول یلوک باب 10 / ورس 15

2- "اور عرب کے سب بادشاہ اور ملک کے حاکم سلیمان کے پاس سونا اور چاندی لاتے تھے۔"
تورات، تواریخ- 2- باب 9 / ورس (Verse) 14

3- (i) مولانا شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ جلد اول / الفیصل ناشران کتب لاہور، 1991ء / صفحہ 76

(ii) "عربہ "ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی بنجر زمین کے ہیں اور تورات میں شام اور عرب کی حدِ فاصل کے طور پر بارہا بولا گیا ہے۔"
سرسید احمد خاں / مقالاتِ سرسید / مجلس ترقی ادب لاہور 1992ء / صفحہ 36 (بحوالہ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا)

(iii) "عرب مشتق ہے عربہ سے جس کے معنی دشت و صحرا کے ہیں، چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا پر مشتمل ہے اس لیے سارے ملک کو عرب کہنے لگے۔"
شاہ معین الدین احمد ندوی / تاریخِ اسلام حصہ اول، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، 1939ء/ صفحہ 1

(iv) "عرب" کے معنی وادی یا بیابان کے ہیں اور چونکہ ایک بڑا حصہ جزیرۃ العرب کا بالکل بیابان ہے اور وادی کے نام سے مشہور ہے، اسی وجہ سے کل جزیرہ کا نام "عرب" ہوگیا۔
سرسید احمد خاں / مقالاتِ سرسید / مجلسِ ترقی ادب لاہور، 1992ء/ صفحہ 36

(v) "عرب کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب و گیاہ زمین۔"
صفی الرحمان مبارکپوری/الرحیق المختوم، مکتبہ سلفیہ لاہور، 1992ء / صفحہ 41

4- تورات باب 21 ورس 16، 17

5- تورات باب 26 ورس 7

6- ڈاکٹر طاہر القادری / سیرتِ رسولؐ اللہ جلد اول / منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور 1996ء/ صفحہ 25

7- سرسید احمد خاں / مقالاتِ سرسید / مجلسِ ترقی ادب لاہور، 1992ء / صفحہ 36

8- صفی الرحمٰن مبارکپوری/الرحیق المختوم / مکتبہ سلفیہ لاہور، 1992ء / صفحہ 41

عرب البائدہ

انسان نے زمین پر روزی روٹی کے لیے سب سے پہلے بھیڑ بکری اور مال مویشی پالنے کا پیشہ اختیار کیا' اس کے بعد کھیتی باڑی اور پھر تجارت شروع کی' اس لیے ایسے مقامات کا سکونت کے لیے انتخاب کرنا جہاں چراگاہیں ہوں' پانی ہو' زمین زرخیز ہو اور موسم بہتر ہو' انسان کی فطری مجبوری تھی۔ جزیرۃ العرب کی زمینی ساخت اور آب و ہوا کو دیکھا جائے تو ایسے مقامات اس کے جنوب مشرق اور شمال میں ہی موجود تھے۔عرب مؤرخوں اور ماہرینِ انساب نے بھی جزیرۃ العرب میں آباد ہونے والی آلِ نوحؑ کے ابتدائی مقاماتِ سکونت میں ایسے علاقے ہی بتائے ہیں' مثلاً خلیج فارس کا ساحل اور اس کے میدان جہاں کوش کی اولاد آباد ہوئی' رودِ فرات کے جنوب کا علاقہ جس پر جرھم اول کی اولاد نے قبضہ جمایا' بحرین کا گرد و نواح جہاں لود کے بیٹے اور ان کی اولاد پھیل گئی' حضرموت اور یمن کے میدان جن پر آلِ عاد کا تصرف ہوا' عرب الوادی جسے جدیس اور اس کی اولاد نے اپنا مسکن بنایا اور شام کی جنوبی سرحد تک کا عرب کا شمالی حصہ جہاں ثمود آباد ہوئے۔یہ سب عرب البائدہ کی شاخیں تھیں' اس لیے ان مقامات کو عرب البائدہ کے قدیم مسکن بتایا جاتا ہے' لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ باقی سارا جزیرۃ العرب انسانی آبادی سے محروم تھا یا آلِ سام انہی علاقوں تک محدود رہی ہوگی۔چونکہ ان علاقوں میں تہذیب و ترقی کے مواقع ریگستانوں کی نسبت زیادہ تھے' اس لیے جو عرب ان خطوں میں آباد ہوئے' انہوں نے دوسروں کی نسبت زیادہ ترقی کی' عروج حاصل کیا اور زیادہ مشہور ہوگئے۔ تاریخ چونکہ معروف اور مشہور افراد اور قوموں کو ہی عزیز رکھتی ہے' جزیرۃ العرب کے ویرانوں اور ریگستانوں کی وسعتوں میں گم ہو جانے والے قدیم قبائل کو فراموش کر دینا تاریخ کی مجبوری تھی۔عرب البائدہ میں سے عاد اور ثمود نے بہت عروج حاصل کیا۔

قومِ عاد

قومِ عاد جزیرۃ العرب کی اولین پُرشکوہ قوم تھی۔اس کے جدِامجد عاد بن عوص تھے' اس کا مرکز حجاز' یمن اور یمامہ کا درمیانی الاحقاف کا علاقہ تھا۔ قومِ عاد الاحقاف کے اس مرکز سے نکل کر جزیرۃ العرب کے شمالی اور مشرقی حصوں میں بھی پھیل گئی اور وہاں رہنے والے قبائل پر تسلط قائم کر لیا۔اس کی شان و شوکت اور محلات کا ذکر سب قدیم تاریخوں میں ملتا ہے' اس کا زمانہ بائیسویں صدی قبل از مسیح بتایا جاتا ہے۔عروج اور خوشحالی نے قومِ عاد کو مغرور بنا دیا' وہ شرک کے مرض میں مبتلا ہوگئی اور بُتوں کی پرستش کرنے لگی۔اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح کے لیے حضرت ہُودؑ کو مبعوث فرمایا۔لیکن اس کے سرداروں نے حضرت ہُودؑ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو خدا کی طرف سے اس پر قحط سالی کا عذاب مسلط کیا گیا۔مسلسل تین سال تک بارش نہ ہوئی تو اس کے اہلِ فکر کو احساس ہوا کہ اس کا سبب خدا اور اور اس کے نبی کے احکامات کی نافرمانی ہے۔ انہوں نے حضرت ہُودؑ کو پیغام بھیج کر بلوایا تو حضرت ہودؑ نے کہا کہ اگر وہ بُت پرستی چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خشک زمینوں کی سالوں کی پیاس بجھانے کے لیے آسمانوں سے بارش نازل فرمائیں گے اور ان کی کھیتیاں ہری بھری ہو جائیں گی۔لیکن اس گمراہ اور گھمنڈی قوم کے بہت تھوڑے افراد بُت پرستی چھوڑ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے۔تب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر تیز طوفانی ہواؤں کا عذاب بھیجا۔جب افق پر طوفان جمع ہو رہے تھے تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب بادل آئیں گے اور بارش ہوگی۔لیکن جب طوفان ان کے سروں پر پہنچ گیا تو قرآن مجید میں ہے کہ وہ اس طرح اُڑ اُڑ کر زمین پر گر رہے تھے جیسے کھجور کے درخت ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے ہیں۔یہ طوفانی ہوائیں آٹھ دن اور سات راتیں چلتی رہیں اور سب کچھ برباد کر دیا۔صرف وہ تھوڑے سے لوگ اس عذاب سے بچ سکے جو حضرت ہُودؑ پر ایمان لا کر بُت پرستی سے تائب ہو چکے تھے' جزیرۃ العرب میں خدائی عذاب سے نابُود ہونے والی یہ پہلی قوم تھی۔اس کا عروج اور شکوہ نابود ہوگئے' جو لوگ بچ گئے تھے' وہ دوسرے قبائل میں تحلیل ہوگئے اور تاریخوں میں اس قوم کو نابُود ہو جانے والی قوموں میں شامل کر لیا گیا۔

قومِ عاد کے عروج و زوال کی کہانیاں زمانۂ قدیم سے عرب شاعروں کے کلام اور عام لوگوں میں مشہور رہی ہیں۔حضر مُوت کے شمال میں کچھ کھنڈرات ہیں جنہیں آج بھی "دارِ عاد" کہا جاتا ہے۔

قومِ ثمود

عاد کے بعد جزیرۃ العرب میں جس قوم نے بامِ عروج کو چھوا' وہ آلِ ثمود تھی۔اس کے مورثِ اعلیٰ ثمود بن گثر تھے۔قومِ ثمود کا مسکن جزیرہ نمائے عرب کا شمالی حصہ تھا جسے "الحجر" کہتے ہیں۔اس کا صدر مقام حجر تھا جسے اب مدائنِ صالح کہا جاتا ہے۔مدائنِ صالح مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے لائن پر واقع ہے۔قرآن مجید میں ہے کہ اس قوم نے میدانوں میں عالیشان محل تعمیر کیے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر ان میں مکانات بنائے تھے۔اس قوم کے عروج کا زمانہ 1897 قبل از مسیح کے قریب ہے۔اس کے تراشے ہوئے مکانات کے نشانات آج بھی شام کی جنوبی سرحد تک پھیلے میدان وادی القریٰ میں بکھرے پڑے ہیں۔قدیم زمانہ کے کتبات اور یونان و روم کے تاریخ اور جغرافیہ نویسوں کی تحریروں میں بھی اس قوم کا اور اس کی پہاڑوں کو تراش کر ان میں محلات بنانے کی مہارت کا ذکر آتا ہے۔میدانوں میں عالیشان محل بنانے اور پہاڑوں کو خوبصورت انداز میں تراش کر اپنی خوشحالی اور مہارتِ فن کے اظہار کی نوبت ترقی کی بہت سی منازل طے کرنے کے بعد آیا کرتی ہے' اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ قومِ ثمود تہذیب و ترقی کا طویل سفر طے کر کے اس مقام تک پہنچی تھی اور پھر برباد ہوگئی تھی۔ رسولِ اکرمؐ کے زمانہ تک عرب شاعر اور خطیب آلِ ثمود کی ترقی اور بربادی کی کہانیاں اپنی محفلوں میں بیان کیا کرتے تھے۔

قرآنِ مجید میں ہے کہ جب یہ قوم بُت پرستی اور شرک میں مبتلا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالحؑ کو ان کی طرف بھیجا' مگر ان کے سرداروں اور شرفاء نے انہیں ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم تو ہم میں سے ہمارے جیسے ہی انسان ہو' تم تو سردار بھی نہیں جس کا اپنا ایک گروہ ہو' صرف قوم کے غریب لوگوں نے حضرت صالحؑ کی آواز پر لبیک کہا۔ان کے سردار شرک اور بُت پرستی میں مبتلا رہے اور حضرت صالحؑ سے کوئی معجزہ دکھانے کا مطالبہ کرتے رہے۔آخر اللہ تعالیٰ نے ایک اُونٹنی نشانی بنا کر بھیجی اور حضرت صالحؑ نے انہیں خبردار کر دیا کہ وہ اس اونٹنی کے کھیتوں اور وادیوں میں آزادانہ چرتے پھرنے میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور اسے گزند نہ پہنچائیں' اگر وہ ایسا کریں گے تو ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔پھر جب خشک سالی کی وجہ سے اس وادی کے کنوؤں اور ٹوبوں میں پانی کم ہو گیا تو حضرت صالحؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انہیں بتا دیا کہ ایک روز اونٹنی پانی پیئے گی اور دوسرے روز ان کی اور ان کے مال مویشیوں کی باری ہو گی۔یہ ان کے لیے ایک آزمائش تھی جس پر وہ پورے نہ اتر سکے اور "انہوں نے اونٹنی

کو قتل کر ڈالا اور اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی''۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت صالحؑ کو قتل کرنے کی سازش تیار کی۔''اس شہر میں نو جتھے دار تھے جو زمین پر فتنہ و فساد پھیلاتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔انہوں نے آپس میں کہا:''خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو کہ ہم صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے' ہم بالکل سچے ہیں''۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے منصوبے پر عمل کی مہلت ہی نہ دی۔ ایک شب جب وہ اپنے محلوں میں سو رہے تھے تو رات کے پچھلے پہر ایک زبردست رَعد (کڑک) اور گونج کے ساتھ ایسا شدید زلزلہ آیا جس سے منکرین کی پوری قوم تباہ و برباد ہو گئی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لا چکے تھے' انہیں اس عذاب اور رسوائی سے بچا لیا۔

جزیرۃ العرب کی تاریخ اور سیرت پاک کے لکھنے والوں کی اکثریت عرب البائدہ کے ذکر میں کہتی ہے کہ ''یہ وہ عرب قبائل اور قومیں تھیں جو بالکل نابود ہو گئیں''۔ لیکن قرآن مجید کے مطابق حضرت ھُودؑ کی پیروی کرنے والے عاد عذابِ الٰہی سے بچ گئے تھے اور حضرت صالحؑ کے پیغام کو قبول کرنے والے ثمود کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذلت اور رسوائی سے بچا لیا تھا۔انہی کتابوں میں ثمود کو عادِ ثانی بھی لکھا جاتا ہے۔ مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے تک اس قوم کے کچھ بقایا لوگ موجود تھے۔ چنانچہ رومی مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ لوگ رومن افواج میں بھرتی ہوئے اور نبطیوں کے خلاف لڑے جن سے ان کی دشمنی تھی۔یہ بھی کہتے ہیں کہ عمالقہ عربوں کے اسی قدیم گروہ سے تعلق رکھتے تھے'اس لیے یہ کہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ عرب البائدہ وہ عرب قبائل اور قومیں تھیں جو بالکل نابود ہو گئیں۔اس کی بجائے یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ان قوموں کا نام شہرت اور ناموری کے صفحات سے غائب ہو گیا' وہ گوشۂ گمنامی میں چلی گئیں اور اپنی شناخت سے محروم ہو گئیں۔

عرب العاربہ

عرب العاربہ یقطان (قحطان) کی اولاد تھے۔یقطان سام کے بیٹے ارفخشد کی نسل سے تھا۔اس کے تیرہ بیٹے تھے جو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔حضر مُوت اس کے بیٹے' حضرماوت کا مسکن بنا اور اسی نام سے بگڑ کر یہ علاقہ حضر مُوت کہلانے لگا۔یمن' عمان' صنعا' دار قراماطابُ اور مدینہ و کاظم کا درمیانی میدان وغیرہ یقطان کی دیگر اولاد کے مسکن بنے۔ان کے بیٹے عوبال کی اولاد کے بارے میں بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ افریقہ کی طرف نکل گئے تھے۔یقطان کے تیرہویں بیٹے کا نام مختلف مؤرخ الگ الگ بتاتے ہیں۔بعض اس کا نام یرح بتاتے ہیں بعض یرہ' بعض مؤرخ یعرب اور جرھم کو اسی یرح کے دو بیٹے بتاتے ہیں' لیکن سرسید احمد خاں نے بڑی تحقیق اور بحث کے بعد لکھا ہے کہ یرح'یرہ' یعرب اور جرھم ایک ہی شخص تھا جو یقطان کا تیرھواں بیٹا تھا(1) یقطان پہلا شخص تھا جو یمن میں بادشاہ بنا۔اس کا زمانہ 2234 قبل از مسیح بتایا جاتا ہے۔یہ وہی زمانہ ہے جب بابل پر کوش کا بیٹا نمرود اور مصر پر مصریم کا بیٹا حام حکمران تھے۔عرب العاربہ نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی اور طویل عرصہ تک جنوبی عرب پر حکومت کی۔یقطان کے بعد اس کا بیٹا یعرب (جرھم)' اس کی گدی پر بیٹھا' جب یعرب نے وفات پائی تو اس کے بیٹے یشجب نے نظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔یشجب کی وفات کے بعد اس کے بیٹے عبدالشمس سبا اکبر نے اپنی آبائی ریاست کا نظم و نسق سنبھالا۔عبدالشمس کے بعد اس کا بیٹا حمیر تخت پر بیٹھا۔عبدالشمس سبا اکبر کے باقی بیٹوں کے نام عمر' کہلان اور اشعر تھے۔

عرب العاربہ کی بادشاہتیں

مشرقی مؤرخوں اور یونانی اور رومن سکالروں کی تصانیف میں جنوبی عرب کی چار قدیم

بادشاہتوں کا ذکر ملتا ہے۔یونانی ماہر جغرافیہ ایراٹوستھینس (Eratosthenes) نے مینائی قبیلہ کی ریاست منائیہ (Mainaia) کے علاوہ سبائیوں کی ریاست قتبان کی ریاست اور حضر مُوت کی ریاست کا ذکر کیا ہے۔ارسطو کے شاگرد اور دوست ماہرِ نباتات تھیوفراسٹس بھی جنوبی عرب میں پائی جانے والی جڑی بوٹیوں اور پودوں کا ذکر کرتے ہوئے ان چاروں بادشاہتوں کا ذکر کرتا ہے، لیکن یہ ریاستیں کس زمانہ میں قائم ہوئی تھیں، اس بارے میں اختلاف ہے۔ ایراٹوستھینس کا زمانہ 196 قبل از مسیح کا ہے۔قرآن مجید کی سورہ سبا میں حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سبا کی ملاقات کا ذکر ہے اور حضرت سلیمان کا زمانہ 950 قبل از مسیح کا ہے جبکہ ملکہ بلقیس اور قحطان کے درمیان سبا کے کئی دیگر حکمران گزرے تھے۔ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اس خطہ سے دو ہزار سے زائد قدیم تحریروں کی جو تختیاں (کتبے) دریافت کی ہیں، ان میں سے بیشتر ابھی پڑھی نہیں گئیں، لیکن جو پڑھی جاچکی ہیں، ان کے مطابق سبا کا ذکر 2500 قبل از مسیح میں بھی ملتا ہے۔ 2500 قبل از مسیح کے سمیرین (Sumerian) زبان کے ایک کتبے میں اردنانا (Aradnanna) نامی شخص، جو لاگاش (Lagash) کا مذہبی پیشوا اور حاکم تھا، سابویم (Sa-bu-um) کا بھی حکمران ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ماہرین کا خیال ہے کہ سابویم سے مراد سبا کا علاقہ ہی ہے، کیونکہ بعد کے ادوار کے بہت سے کتبوں میں سبا کے لیے سابویم (Sa-Bu-um) استعمال کیا گیا ہے۔اس سے سبا کی بادشاہت کی قدامت بہت پیچھے چلی جاتی ہے۔بعض ماہرین کا یہ بھی خیال ہے کہ منائیہ یا منیا کی ریاست پہلے قائم ہوئی تھی اور اس کے زوال کے بعد سبا کی ریاست وجود میں آئی تھی، لیکن اکثریت اس نظریہ سے اتفاق نہیں کرتی اور سبا کو جنوبی عرب میں منائیہ سے پہلے قائم ہونے والی عرب بادشاہت مانتی ہے۔اس تفصیل سے اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ جزیرۃ العرب میں مدوّن تاریخ کے دور سے بہت پہلے باقاعدہ بادشاہتیں اور حکمرانیاں قائم ہوگئی تھیں۔

سبا کی بادشاہت

جزیرۃ العرب کے شاداب خطہ یمن میں عربوں کی جو پہلی بادشاہت قائم ہوئی، اس کا بانی قحطان تھا(3) مگر سبا کی بادشاہت کا بانی اس کے پڑپوتے عبدالشمس سبا اکبر کو سمجھا جاتا ہے جس نے مارب اور سبا کے شہروں کی بنیادیں رکھی تھیں اور مارب کے ڈیم کی تعمیر شروع کرائی تھی۔(4) قحطان نے جس بادشاہت کی بنیاد رکھی، عبدالشمس نے اس کو وسعت دے کر اتنا مستحکم کر دیا کہ بادشاہت کا نام ہی اس کے نام پر پڑ گیا۔یہ بادشاہت دُور دُور تک اس قدر مشہور ہوگئی کہ جنوبی عرب کے سارے تاجروں کو سبائی کہا جانے لگا۔ عہد نامۂ قدیم میں بھی اس کا ذکر آتا ہے۔

عبدالشمس سبا اکبر کے بعد اس کا بیٹا حمیر بادشاہ بنا۔جب اس کا پڑپوتا یعفر حکمران تھا،حمیر کے بیٹے عوف کی نسل سے ایک اور نوجوان عامر نے حملہ کر کے بادشاہت پر قبضہ کر لیا تھا مگر جلد ہی یعفر کے بیٹے نعمان نے قبائل کو جمع کر کے عامر کو بھگا دیا' اسی نعمان کے بیٹے کو شداد بن عاد نے شکست دے کر سبا پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ عاد بھی سبا کی نسل سے تھا۔ شداد نے عرب کے اندر اور باہر بڑی شہرت اور عظمت حاصل کی۔اس نے سلطنتِ سبا کو بہت ترقی دی' بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کرائیں اور زراعت کی ترقی کے لیے جگہ جگہ پانی جمع کرنے کے تالاب بنوائے جس سے وہ مشرق کی کہانیوں اور لوک روایتوں کا حصہ بن گیا۔اس وقت تک حضر مُوت کی بادشاہت الگ تھی۔حمزہ اصفہانی کے بقول حمیر کی پندرھویں پُشت کے بادشاہ الحارث الرائش نے حضر مُوت کے بادشاہ کو شکست دے کر دونوں بادشاہتوں کو ایک کر دیا تھا۔(5) اس وجہ سے الحارث کو تبع اول بھی کہتے ہیں۔سبا کا مشہور بادشاہ ذوالقرنین اس تبع اول کا بیٹا تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی آتا ہے۔ (6) اس کا نام صعب اور لقب ذوالقرنین تھا۔ مارب کا مشہور بند ذوالقرنین نے مکمل کرایا تھا۔یہ ڈیم مارب اور ابلق پہاڑوں کے درمیان بنایا گیا تھا۔اسی بادشاہ کے پڑپوتے عمرو ذوالاذعار کے عہد میں حمیر کے بیٹے واثل کی نسل کے ایک شخص شرجیل نے سرکشی اختیار کی اور خون ریز لڑائیوں کے بعد حکومت پر قبضہ کر لیا۔سبا کی ملکہ بلقیس اسی شرجیل کی پوتی تھی۔ملکہ بلقیس کے بعد اس کا چچا زاد بھائی حکمران ہوا جس کا نام مالک اور لقب ناشرالنعم تھا۔اس کی وفات کے بعد شمر برعش تختِ سبا پر بیٹھا۔اس نے سبا کی سابقہ شان و شوکت کسی حد تک بحال کر دی،لیکن جب اس کا بیٹا ابو مالک بادشاہ بنا تو ازد قبیلہ کے ایک سردار عمران نے اس سے حکومت چھین لی۔اس طرح سبا کی حکومت بنی حمیر سے بنی کہلان میں منتقل ہوگئی۔مگر عمران کے بھائی مزیقیا کے دورِ حکومت میں ابو مالک کے بیٹے الاقرن نے اپنے باپ کی سلطنت چھین لی اور کہلان کو حکومت سے بے دخل کر دیا۔اس کے بعد باہمی لڑائیوں اور بادشاہت کے لیے قتل و غارت کے باوجود سبا کی بادشاہت بنی حمیر کے پاس ہی رہی۔اسی خاندان کے ایک بادشاہ حارث بن عمرو نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ 587 ق م میں جب بخت نصر نے فلسطین پر قبضہ کر کے یروشلم کو مسمار کر دیا تھا اور یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا تھا'اس وقت کچھ یہودی فلسطین سے بھاگ کر یمن آ گئے تھے۔خیال کیا جاتا ہے کہ انہی یہودیوں کی تبلیغ کی وجہ سے حارث بن عمرو نے یہودی مذہب قبول کیا ہوگا۔ قدیم کتبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ 340ء سے 373ء عیسوی تک جنوبی عرب پر حبشہ کا قبضہ رہا۔ 340ء کے ایک کتبہ کے مطابق حبشہ کا بادشاہ ایزانس (Aeizanes) حبشہ ' سبا' حمیر اور ریدان کا بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔اس بادشاہت نے جنوبی عرب میں کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

اس خاندان کے کچھ اور بادشاہ بھی سبا کی حکمرانی کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن 378ء کے بعد اس خطہ سے حبشہ کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا۔اندازہ ہے کہ بنی حمیر نے ہمت نہیں ہاری اور وہ بیرونی قابض کے خلاف سرگرم رہے جس کے نتیجے میں 378 میں حکومت بنی حمیر کے پاس واپس آگئی۔

بعض مؤرخ بنی حمیر کی اس حکومت کو الگ بادشاہت قرار دیتے ہیں اور حمیر کی بادشاہت کا عنوان دیتے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ بھی عبدالشمس سبا اکبر کے بیٹے حمیر کی نسل کی ہی حکومت تھی اور اہلِ حبشہ کے سبا کی حکومت سے بیدخل کیے جانے کے بعد جب حکومت اس خاندان میں واپس آئی تو حمیر کی حکومت کے نام سے مشہور ہوگئی تھی۔بنی حمیر نے جنوبی عرب پر قبضہ مستحکم کرکے اپنا دارالحکومت صنعا سے ظفار منتقل کرلیا جس کے کھنڈرات موجودہ شہر یریم کے قریب ایک پہاڑ پر پھیلے ہیں۔ یہی شہر ایک زمانہ میں حضرمُوت کا دارالحکومت ہوتا تھا۔حمیریوں نے حضرمُوت، قتبان، مانائیہ اور سبا کی قدیم مملکتوں میں منقسم رہنے والے سارے علاقے پر 115 ق م سے چوتھی صدی عیسوی تک حکومت کی۔اس عرصہ میں اس حکومت نے جسے سبا کی بادشاہت ہی کہنا چاہیے، ترقی اور زوال کے کئی ادوار دیکھے۔24 ق م میں رومی شہنشاہ نے گالس کی سرکردگی میں ان عربوں کے خلاف ایک فوج بھیجی جو راستے اور موسم کی دشواریوں کی وجہ سے ناکام لوٹ گئی۔

حمیریوں کے آخری دور میں وہ عرب جو زمانہ قدیم میں حبشہ جاکر آباد ہوگئے تھے، واپس یمن آنا شروع ہوگئے۔سبا کی حکومت کے عروج کے دور میں حبشہ میں بھی اسی نام کا ایک شہر آباد ہوگیا تھا جسے سبائیوں کی کالونی خیال کیا جاتا ہے۔آخری دورِ زوال میں حبشہ کی طرف سے سبا کی حکومت پر قبضہ کی کوششیں جاری رہیں اور 525ء میں حبشہ والے سبا کی بادشاہت ختم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔بنی حمیر کے آخری بادشاہ ذونواس نے نجران کی عیسائی کالونی پر حملہ کرکے وہاں کے عیسائیوں کو زندہ آگ میں جلا دیا تو بازنطینی شہنشاہ جسٹینین نے شاہِ حبشہ کو مراسلہ بھیجا کہ وہ یہودی ذونواس سے اس ظلم کا انتقام لے۔شاہ حبشہ نے 522ء میں ارباط نامی جرنیل کو ستر ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔ذونواس شکست کھاکر پہاڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ارباط نے مزید فوج منگوا کر اس کا تعاقب کیا اور 525ء میں اس کا خاتمہ کرکے حکومت پر قبضہ کرلیا۔حبشہ والوں کا یہ قبضہ 575ء تک رہا جب سیف بن ذی یزن نے ایرانیوں کی مدد سے حبشیوں سے ایک بار پھر حکومت چھین لی اور جنوبی عرب میں حمیریوں کی بادشاہت پھر قائم ہوگئی۔ سیف بن ذی یزن کے بعد اس کا بیٹا معد یکرب یمن کا حکمران ہوا۔اس بادشاہ کو اس کے حبشی محافظوں نے قتل کردیا تو حبشیوں اور حمیریوں کے درمیان کشمکش شروع ہوگئی۔شہنشاہِ ایران اس خطہ میں حبشہ کے عیسائیوں کا اثر و رسوخ بڑھتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔اس نے یمن پر اپنا ایرانی حاکم مقرر کردیا اور حمیریوں کی حکومت

ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ آخری ایرانی گورنر باذان نے 628ء میں اسلام قبول کرلیا اور یہ خطہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔یمن کا خطہ عربوں' ایرانیوں' حبشہ کے عیسائیوں اور رومیوں کے لیے ہمیشہ سے بہت اہم رہا تھا۔اس کی تجارتی' فوجی اور سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر سب اس پر اپنی گرفت مضبوط رکھنا چاہتے تھے۔حبشہ والوں کا حملہ اور یمن پر مکمل قبضہ بھی اسی تاریخی کشمکش کا نتیجہ تھا اس لیے ہم یمن پر حبشہ والوں کی حکومت کا الگ ذکر کریں گے۔

مانائیہ کی بادشاہت

مینائی قبیلہ کی بادشاہت مانائیہ (Mainaia یا Minaea) مملکت سبا کے شمال میں واقع تھی۔ اس کا دارالحکومت مائن (Main) تھا۔ پٹولمی (Ptolemy) نے اس قوم کو "ایک عظیم قوم" لکھا ہے۔یہ ایک تجارت پیشہ قوم تھی' جس کے تجارتی تعلقات مصر تک پھیلے ہوئے تھے' جزیرۃ العرب کے شمال میں پیڑا کے قریب سے ملنے والے قدیم کتبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قوم کی تجارتی کالونیاں وہاں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ مینائی تاجر مصر کے معبدوں' محلات اور مقبروں میں جلائی جانے والی خوشبودار لکڑی اور جڑی بوٹیاں فراہم کرتے تھے۔قاہرہ کے عجائب گھر میں رکھے ایک تاجر کے پتھر کے تابوت پر تحریر سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے(7) جنوبی عرب سے ملنے والے کتبوں کی تحریروں سے معلوم ہوا ہے کہ مینائیوں کی زبان اور مذہب اہلِ سبا سے مختلف تھے۔یہ دونوں قومیں ایک دوسری کو اپنا حریف سمجھتی تھیں۔مانائیہ کی ریاست قائم کب ہوئی اور اسے زوال کب آیا؟ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔جنوبی عرب میں کام کرنے والے ایک ماہر ای گلاسٹر (E. Glaster) کا خیال ہے کہ یہ ریاست 1250 ق م سے بھی پہلے قائم ہوئی تھی اور اس کی تہذیب اور تاریخ قومِ سبا سے بھی قدیم تر ہے۔گلاسٹر کے مطابق مینائی مملکت کو 750 ق م کے قریب زوال شروع ہوا اور آخر یہ مملکت سبا میں ضم ہوگئی۔لیکن اگر لاگاش کے مذہبی پیشوا اور حاکم اردنانا کے 2500 ق م کے کتبے میں واقعی سبا کا ذکر ہے تو پھر مانائیہ کو کسی طرح بھی سبا سے قدیم تر مملکت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قومِ سبا کے جو کتبے ملے ہیں ان کی تحریروں سے بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ مینائی ان سے پہلے تھے یا وہ بعد میں آئے تھے' اس لیے بیشتر ماہرین کا اتفاق ہے کہ مانائیہ کا زمانہ 750 ق م کے قریب ہے اور پھر اقتصادی بدحالی اور مضبوط مملکتِ سبا سے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے اس مملکت کا خاتمہ ہوگیا اور مینائی قبیلہ جزیرۃ العرب اور اس کے صحراؤں کی وسعتوں میں منتشر ہوگیا۔

قتبان کی بادشاہت

قتبان کی قدیم بادشاہت جزیرۃ العرب کے انتہائی جنوب مغرب میں واقع تھی۔اس علاقہ میں جسے اہلِ عرب، یمن کہتے ہیں' اس مملکت کے دارالحکومت کا نام تامنا (TAMNA) تھا۔عدن کی بندرگاہ اسی قدیم مملکت کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔مشہور ماہرِ آثار گلاسٹر(GLASTER) نے عدن کے نواح سے قتبان کے جو سو سے زائد قدیم کتبے تلاش کیے ہیں اور ان سے اس قوم کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں' ان کے مطابق اس کی زبان اور مذہب منائیوں اور سبائیوں سے الگ تھے اور یہ لوگ حاکم (HAUKUM) نامی دیوتا کی پوجا کرتے تھے جو بارش اور روئیدگی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔تامنا میں اس دیوتا کے 65 مندر تھے۔اس دیوتا کا جزیرۃ العرب کے کسی اور حصہ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔اس خطہ کی دیگر اقوام سبائیوں' اہلِ حضرموت اور مینائیوں کی مانند قتبان بھی خوشبودار لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی تجارت کرتے تھے اور ان کے تجارتی قافلے شمال میں عقبہ تک جاتے تھے۔ گلاسٹر نے قدیم کتبوں سے اس کے اٹھارہ بادشاہوں کے نام پڑھے ہیں۔اس کے قدیم بادشاہوں کا لقب "مکارب" ہوتا تھا جو ایک قسم کے پروہت بادشاہ (PRIEST KING) ہوتے تھے۔ ایک زمانہ میں منائیہ کی بادشاہت قتبان کی دست نگر ہوتی تھی۔ کافی عرصہ تک یہ دونوں قومیں قتبان اور مینائی مملکت سبا کے خلاف آپس میں اتحادی بھی رہیں۔قومِ سبا کے ایک قدیم کتبے میں بتایا گیا ہے کہ سبا نے قتبان اور مینائی' مشترکہ دشمنوں پر فتح حاصل کرلی تھی۔ جب اس قوم کی بادشاہت ختم ہوگئی تو اس کا نام بھی تاریخ کے سنہرے صفحات کی بجائے گمنامی کے اندھیروں میں نابود ہوگیا اور سبا ہی سارے خطہء جنوب کی نمائندہ قوم بن گئی۔جب قومِ سبا کا دارالحکومت مارب برباد ہوا تو اس کا پایہء تخت صنعا قرار پایا جو قتبان کی قدیم مملکت میں واقع ہے۔ قتبان کو زوال کس دَور میں آیا' اس بارے میں بھی ماہرین میں اختلاف ہے' تاہم پہلی صدی قبل از مسیح کی رومی مہموں میں قتبان کا ذکر ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے زوال اور مملکتِ قتبان کے سبا کے ہاتھوں شکست کے نتیجے میں ختم ہونے کا زمانہ مملکتِ منائیہ کے خاتمہ کے قریب قریب ہی ہوگا۔

حضرمُوت کی بادشاہت

حضرمُوت کی بادشاہت سبا سے مشرق میں تھی۔اس کا علاقہ بحرین سے ظفار تک پھیلا ہوا تھا اور دارالحکومت کا نام شبوہ تھا۔موجودہ شہر شبواہ اسی کے کھنڈرات پر بسایا گیا ہے۔کتابِ تکوین (GENESIS) کے دسویں باب میں JOKTAN اور HAZAR MAVETH کے نام آتے

ہیں جنہیں قحطان اور حضر مُوت شناخت کیا گیا ہے۔کتابِ تکوین کا زمانہ تصنیف دسویں صدی قبل از مسیح ہے' اس سے حضر مُوت کی قدامت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔اس مملکت کے نام کے بارے میں قسم قسم کے دعوے کیے جاتے ہیں'لیکن سر سید احمد خاں کی رائے حقیقت کے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ان کا خیال ہے کہ ارفخشد کا بیٹا حضر ماوث جنوبی عرب کے اس حصہ میں آباد ہوا تھا اس لیے حضر مُوت اسی کے نام کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔(8) حضر مُوت کی ریاست لوبان اور دوسرے خوشبودار پودوں کے لیے مشہور تھی۔خوشبودار پودوں کی کثرت کی وجہ سے بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ اس کی مٹی سے بھی خوشبو آتی تھی اور اس کے ساحل کے قریب سے گزرنے والے جہازوں کے ملاح بھی اس کی ہواؤں میں بسی خوشبو سے مسحور ہو جاتے تھے۔ لوبان اور مصالحہ جات اس کی بڑی پیداوار تھے جن کی تجارت اس کی خوشحالی کا سبب تھی حضر مُوت کی ریاست پر مملکتِ سبا کے قبضہ کا زمانہ پہلی صدی قبل از مسیح ہے۔قدیم کتبوں میں سبا کے جن بادشاہوں کے نام پڑھے جاچکے ہیں' ان میں سے چھبیس بادشاہ اپنے شاہی لقب میں "شاہ سبا و ریدان" استعمال کرتے تھے۔ ریدان سے بھی مراد حضر مُوت ہی لیا جاتا تھا۔شمر ہرعش نے اپنے لقب میں سبا کے ساتھ شاہِ یمن اور حضر مُوت کا اضافہ کر لیا تھا

حیرہ کی بادشاہت

جزیرۃ العرب کے مشرق میں ایرانی اور شمال میں صحرائے شام کے کناروں سے آگے رومی سلطنتیں تھیں' مگر ان کے حاکموں کی حرص اور قوت اس ریگزار کو عبور نہیں کر سکتی تھی۔ان کے اقتدار اور اختیار کی سرحدیں وہاں ختم ہوجاتی تھیں جہاں سے صحرا اور ریگزار شروع ہوتے تھے' جن پر عرب قبائل کی آزادی کے جھنڈے لہراتے تھے۔ایرانی اور رومی حاکم صحراؤں کے ان آزاد قبائل کو اپنی اپنی سرحدوں کے اندر آباد اورزرخیز زرعی علاقوں میں داخل ہونے سے روکنے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔عراق اور دجلہ و فرات کی زرخیز وادیاں کورُش کبیر (سائرس) کے زمانہ سے ایران کے قبضہ میں چلی آتی تھیں' لیکن جب سکندر مقدونی ایران اور ہندوستان کی فتح کے خوابوں کی تعبیر کے لیے نکلا تو جزیرۃ العرب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہونے لگے اور جب 326 ق م میں سکندر کے ہاتھوں شہنشاہِ ایران دارا اول کی شکستِ فاش سے ایرانیوں کی قوت اور دہشت دم توڑنے لگیں تو جزیرۃ العرب کے بعض قبائل صحراؤں سے نکل کر ایران کے زیرِ قبضہ سرحدی علاقوں میں داخل ہونا شروع ہوگئے اور ایرانی انہیں واپس صحراؤں میں دھکیلنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔جنوبی عرب کے قحطانی قبائل جو صحرائی عربوں کی نسبت سے زمین' زراعت

اور حکمرانی سے زیادہ واقف ہوچکے تھے' ان داخل ہونے والوں میں سب سے زیادہ تھے۔ایک تو یمن میں ان کی آبادی بڑھ رہی تھی'دوسرے مختلف قبائل میں حکمرانی کے جھگڑے تھے' انہوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور گروہ در گروہ دجلہ و فرات کی وادیوں اور کناروں پر آکر آباد ہونے لگے۔سکندر کے اصل منصوبوں میں یمن کے عربوں کی قوت اور تجارتی اجارہ داریوں کو کمزور کرنا بھی شامل تھا،لیکن ہندوستان سے واپسی کے سفر کے دوران موت کے سبب اس کے یہ ارادے پورے نہ ہوسکے' اس کی اچانک موت سے یونانی جرنیلوں میں شروع ہو جانے والی اقتدار کی کشمکش اور شکست خوردہ ایران میں طوائف الملوکی نے ان آباد کار عربوں کو اپنے پاؤں مضبوطی سے جما لینے کی مہلت فراہم کر دی اور جب تک ایران کی ساسانی حکومت اپنے اندرونی جھگڑوں سے فارغ ہوئی' اس کی سرحدوں پر متعدد عرب سرداریاں قائم ہوچکی تھیں۔ان میں سب سے اہم حیرہ کی سرداری تھی جہاں مالک بن فہم نے اپنی چھوٹی سی بادشاہت قائم کرکے عرب آباد کاروں پر تسلط قائم کر لیا تھا۔جب پہلے ساسانی شہنشاہ اردشیر نے ان عرب سرداروں کے خلاف فوج بھیجی تو اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔اس کے بیٹے شاپور اول نے عربوں کی متحدہ فوج کو شکست تو دے دی،مگر انہیں واپس صحراؤں کی طرف دھکیلنے میں وہ بھی پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔عرب سرداروں نے اندرونی خود مختاری کے عوض ایرانی شہنشاہ کو خراج دینا قبول کر لیا اور شہنشاہ نے مالک بن فہم کے نواسے عمرو بن عدی کو اس عرب "وفاق" کا حکمران تسلیم کر لیا۔عمرو حیرہ کے پہلے عرب حاکم مالک کی بیٹی رقاش کا بیٹا تھا جس نے بنی لخم کے ایک شخص عدی سے شادی کرلی تھی۔ اسی وجہ سے حیرہ کی بادشاہت کو لخمی خاندان کی بادشاہت کہا جانے لگا۔عمرو بن عدی حیرہ کا چوتھا حکمران تھا،اس سے پہلے مالک کا بھائی عمرو اور بیٹا جذیمہ بھی حاکم حیرہ رہ چکے تھے۔

ایرانی شہنشاہیت کا ہر صوبائی حاکم مقامی معاملات میں خودمختار ہوتا تھا' اس کی وفات کے بعد مقامی امراء اس کا جانشین چن لیتے تھے اور شہنشاہ عام طور پر اسے سندِ حکمرانی دے دیتا تھا۔حیرہ کے عرب حکمران کو بھی اندرونی معاملات میں ایران کے دیگر صوبائی حاکموں جیسے اختیارات حاصل تھے،لیکن باہمی معاہدوں میں اسے ایرانی سلطنت کی حدود کے اندر بسنے والے سب عرب قبائل اور سرداروں کا بادشاہ بھی تسلیم کرلیا گیا تھا۔اس کے بدلے میں اس کی ذمہ داری تھی کہ وہ مزید عرب قبائل کو ایرانی علاقہ میں داخل ہونے سے روکے گا اور اپنی حدود سے آگے جزیرۃ العرب کے صحراؤں کے اندر ایرانی مفادات کا تحفظ کرے گا۔وہ اپنے علاقہ کا بادشاہ بھی ہوتا تھا اور ایرانی شہنشاہیت کا ماتحت حاکم بھی' وہ شہنشاہِ ایران سے سندِ حاکمیت (بادشاہت) حاصل کرتا تھا اور اس کی وفاداری کا حلف لیتا تھا' ایرانی شہنشاہ اس کی موت کے بعد اس کے نامزد یا وارث کو اس کی

جگہ بادشاہ تسلیم کر لیتا تھا اور اس کی مدد کے لیے اپنی کچھ فوج اس کے پاس بھیج دیتا تھا۔یہ عرب بادشاہ ایک طرف صحرائی عرب قبائل سے گہرا تعلق رکھتے تھے،کیونکہ وہ ایرانیوں کی بجائے انہیں اپنا اور اپنے میں سے سمجھتے تھے‘تو دوسری طرف ایرانی اسے اپنا آدمی خیال کرتے تھے۔وہ جزیرۃ العرب کے تجارتی میلوں میں تجارتی قافلے بھیجتا تھا جو ایرانی مال لے جاتے تھے۔عرب قبائل سے تعلقات کی وجہ سے اس کے تجارتی قافلے بلاخوف عرب علاقوں میں سفر کرسکتے تھے۔ان قافلوں کے ذریعے وہ جزیرۃ العرب کے اندر بسنے والے عرب قبائل اور ان کے سرداروں کی سوچ اور ارادوں کے بارے میں معلومات حاصل کرکے اپنے اور ایران کے مفادات کے تحفظ کے منصوبے بناتا تھا۔صحرائی عربوں کی مداخلت اور سرکشی روکنے میں ایران کے لیے یہ سب سے بہتر انتظام تھا۔

حیرہ پر لخمیوں کی حکومت 632 عیسوی تک رہی‘جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم پر حضرت خالدؓ بن ولید نے اس خاندان کے آخری حکمران منذر بن معرور کو شکست دے کر یہ علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کرلیا۔

چار صدیوں کی حکمرانی کے دوران تین بار حکومت اس خاندان سے چھنی تھی اور تینوں دفعہ انہوں نے بادشاہت واپس حاصل کر لی تھی۔پہلی بار عمرو بن عدی کے پوتے سے عملیق خاندان کے اوس بن قلام نے حکومت چھین لی تو شہنشاہِ ایران نے اسے حیرہ کا بادشاہ تسلیم کرلیا۔لیکن امرؤ القیس ثانی نے اپنی خاندانی بادشاہت واپس لے لی۔اسی امرؤ القیس ثانی نے انسانوں کو زندہ جلانے کی وحشیانہ رسم ایجاد کی تھی جس کی بناپراسے ”المحرق“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کے بیٹے نعمان اول نے تیس سال تک حکومت کی اور پھر بادشاہت اپنے بیٹے منذر کے سپرد کرکے خود دنیاوی معاملات سے الگ ہوگیا اور عبادت میں لگ گیا تھا۔اسی نعمان کی عہد میں شہنشاہ یزدگرد اول نے اپنے بڑے بیٹے بہرام کو حکمرانی‘ شہسواری اور فوجی تربیت کے لیے حیرہ بھیجا تھا۔بہرام ابھی حیرہ میں ہی تھا کہ یزدگرد کا انتقال ہوگیا۔ایرانی دربار کے امراء نے ایک سازش کے ذریعے اس کے چھوٹے بھائی خسرو کو تخت پر بٹھا دیا‘ اس وقت حیرہ پر منذر اول حکمران تھا۔اس نے بہرام کی مدد کی اور بہرام اپنے بھائی سے حکومت چھیننے میں کامیاب ہوگیا۔اس نے ایک تو عربوں کے ہاں پرورش پائی تھی‘ دوسرے ان کی مدد سے ایران کی حکمرانی حاصل کی تھی‘چنانچہ اس کے عہد میں ایرانی دربار اور حکومت میں حیرہ کے عربوں کا بہت احترام اور اثرو رسوخ رہا۔منذر اول کے بعد اس کے بیٹے اسود اور منذر ثانی ایک کے بعد دوسرا بادشاہ بنے۔اسود نے حیرہ کی حدود کو شام کی سرحدوں تک پھیلانے کی کوشش کی اور غسانیوں سے لڑائیاں کیں۔منذر ثانی کے بعد علقمہ اور اس کے بعد نعمان اول کا بیٹا امرؤ القیس ثالث بادشاہ بنے۔ حیرہ کے بادشاہوں میں امرؤ

القیس ثالث کے بیٹے منذر ثالث نے بہت شہرت حاصل کی۔

منذر ثالث کے وقت ایران میں مزدکی مذہب کو عروج حاصل ہوا تو شہنشاہ قباذ نے بھی یہ مذہب اختیار کر لیا۔ایرانی شہنشاہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے دینی معاملات میں مداخلت نہیں کیا کرتے تھے،لیکن کسریٰ قباذ اس مذہب کا پُرجوش حامی تھا۔ اس نے منذر کو بھی مزدکی مذہب اختیار کرنے کا حکم دیا۔منذر نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا' قباذ نے اسے بادشاہت سے الگ کر دیا اور مزدکی مذہب کے ماننے والے حارث بن عمرو کندی کو اس کی جگہ حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔

قباذ کے بعد اس کا بھائی نوشیرواں ایران کے تخت پر بیٹھا۔اسے مزدکی مذہب سے نفرت تھی' اس نے پھر سے منذر کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا اور حارث کندی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔نوشیرواں نے مزدکی مذہب کے ماننے والوں کی بڑی تعداد کو قتل کروا دیا تھا۔حارث کندی اپنے انجام کے خوف سے بھاگ کر بنو کلب کے سردار کی پناہ میں چلا گیا اور بقیہ عمر وہیں گزاری اور بادشاہت واپس لخمی خاندان میں آ گئی۔

منذر ثالث رومی شہنشاہ جسٹینین (JUSTINIAN) کا ہمعصر تھا۔وہ نوشیرواں کے ساتھ رومیوں کے خلاف لڑائیوں میں شریک رہا'اس لیے جب ایران اور روم کی سلطنتوں کے درمیان معاہدۂ امن طے پایا تو شہنشاہِ روم نے نوشیرواں کے علاوہ منذر کو بھی خراج جنگ ادا کیا۔

منذر دو رومی جرنیلوں جوہن (JOHN) اور ٹیما سٹرائیس کو قیدی بنا کر حیرہ لے آیا تھا جن کی رہائی کے لیے شہنشاہِ روم نے 524ء میں اپنے دو سفیر سائمن (SIMEON) اور ابراہم (ABRAHAM) حیرہ بھیجے تھے(9) منذر ثالث کا دور حیرہ کی بادشاہت کا سنہری دور سمجھا جاتا ہے۔

اسی زمانہ میں یمن میں حمیری خاندان کی قوت کمزور پڑنے لگی تھی۔انہیں حبشہ کی طرف سے عیسائیوں کا بھی خطرہ تھا جنہیں رومی بادشاہ کی حمایت حاصل تھی'اس لئے انہوں نے اور جزیرۃ العرب کے اندر بسنے والے بہت سے سرداروں نے حیرہ کے بادشاہ کو اپنا حکمران اعلیٰ تسلیم کر لیا۔

منذر ثالث کے بعد اس کے تین بیٹے عمرو' قابوس اور منذر چہارم حیرہ کے بادشاہ ہوئے اور ایران و روم کے شہنشاہوں کے درمیان معاہدۂ امن کے باوجود حیرہ کے عربوں اور شامی سرحد پر آباد رومیوں کے اتحادی غسانی عربوں کے درمیان لڑائیاں ہوتی رہیں اور ایرانی حکمرانوں نے اپنے حامی حیرہ کے عربوں کو اس معاہدہ کی پابندی پر مجبور نہیں کیا،کیونکہ ان کی وجہ سے ایرانیوں کا اثر و رسوخ یمن اور جزیرۃ العرب کے اندر بسنے والے عربوں تک وسیع ہوگیا تھا۔قیصر روم نے اپنی سرحدوں پر امن کے استحکام کے لیے حیرہ کے بادشاہوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بہت سی پیشکشیں کیں،مگر انہوں نے قبول نہ کیں اور منذر چہارم غسانیوں کے خلاف لڑتا ہوا مارا گیا(10)

منذر چہارم کے بعد اس کا بیٹا نعمان ابو قابوس جسے نعمان پنجم بھی کہتے ہیں، حیرہ کے تخت پر بیٹھا۔ اسی نعمان کے دور میں حیرہ میں پہلی عیسائی خانقاہ تعمیر کی گئی تھی۔یہ خانقاہ اس کی ملکہ ہند نے بنوائی تھی جس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔تیسرے ساسانی شہنشاہ ہرمز اول نے بہت سے رومیوں کو جنگی قیدی بنا لیا تھا جن میں بہت سے ہنرمند اور عیسائی بھی تھے ان قیدیوں کو سلطنت کے مختلف حصوں میں الگ آبادیاں بنا کر رہنے کی اجازت تھی۔ان میں سے کچھ حیرہ کے بادشاہ کے پاس بھیج دیئے گئے تھے جو وہاں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتے رہے۔نعمان کی اس ملکہ ہند کو عیسائی مذہب کی تاریخ میں بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔نعمان ابو قابوس حیرہ کے کامیاب بادشاہوں میں شمار ہوتا ہے، لیکن پھر شہنشاہ خسرو پرویز کو اس کی وفا پر شک گزرا، اس نے اسے دارالحکومت طلب کیا۔ نعمان کو شہنشاہ کے ارادے کا علم تھا، وہ اپنے اہل وعیال اور خزانوں سمیت چپکے سے ریگستانوں کی طرف نکل گیا اور انہیں بنو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود کی پناہ میں دے کر خود کسریٰ کے دربار میں حاضر ہوگیا۔کسریٰ نے اسے قید کر دیا۔(11) اس کی وفات کسریٰ کی قید میں ہی ہوئی۔

خسرو پرویز نے نعمان کی جگہ ایاس طائی کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ ہانی بن مسعود سے نعمان کے اہل و عیال اور خزانے حاصل کرکے ایرانی دارالحکومت بھیج دے۔ایاس نے ہانی کے پاس پیغام بھیجا،مگر اس نے عرب روایات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایسا نہیں کرسکتا کیونکہ وہ انہیں پناہ دے چکا ہے۔ایاس نے لڑائی کی دھمکی دی، ہانی پھر بھی نہ مانا تو ایاس ایرانیوں کی ایک بڑی فوج کے ساتھ اس سے لڑنے کے لیے گیا۔ہانی نے اپنے قبیلہ کے افراد کو جمع کرکے کہا کہ یہ ان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہی نہیں، قبیلہ کے وقار اور تذلیل کا بھی مسئلہ ہے۔ اس کے قبیلہ کے لوگ ایرانی فوجوں کے خلاف اس طرح جان توڑ کر لڑے کہ ایرانی شکست کھا کر بھاگ گئے اور ہانی بن مسعود کو فتح حاصل ہوئی۔614ء میں ایاس کی موت کے بعد شہنشاہِ ایران نے حیرہ کو اپنی سلطنت کا صوبہ قرار دے کر ایک ایرانی گورنر مقرر کر دیا۔اس سے حیرہ اور دیگر عرب قبائل میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی، بنو بکر کے بہت سے قبائل لخمی حکمران نعمان ابو قابوس کو معزول کرنے اور قید میں ڈالنے کے وقت سے ایرانیوں کے خلاف کھلی بغاوت کا اعلان کرچکے تھے اور بحرین کی طرف چلے گئے تھے۔انہوں نے ایران اور یمن کے درمیان رابطہ ختم کر دیا تھا جس سے جزیرۃ العرب میں ایرانی اثر و رسوخ اور اقتدار ختم ہوگئے تھے۔ 632ء میں لخمیوں نے ایک بار پھر حیرہ پر قبضہ کر لیا،لیکن اس قبضہ کو ابھی آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ اسلامی فوجیں اس کے دروازوں پر نمودار ہوئیں اور چند ہی روز میں حیرہ فتح کر لیا۔

آلِ غسان کی بادشاہت

عرب العاربہ کی ایک اور حکومت صحرائے شام کے دوسری طرف تھی۔یہ حکومت صحرا کے ساتھ ساتھ شام کے آباد علاقوں سے شروع ہو کر ارضِ فلسطین تک چلی گئی تھی' شام اور فلسطین سلطنتِ روم کا حصہ تھے۔اس لحاظ سے یہ حکومت رومیوں اور صحرائی عربوں کے درمیان ایک قسم کی Buffer State تھی۔عملاً اس عرب ریاست اور اس کے حکمرانوں کی حیثیت بھی ویسی ہی تھی جیسی حیرہ کی ریاست اور اس کے بادشاہوں کی تھی۔وہ شہنشاہِ ایران کے اتحادی اور زیرِاثر تھے تو یہ شہنشاہِ روم کے اتحادی اور حاشیہ بردار ہوتے تھے۔ان کے بھی کچھ اسی قسم کے فرائض تھے جیسے حیرہ کے عرب حکمرانوں کے تھے۔صحراؤں اور ریگستانوں میں بسنے والے عرب قبائل کو رومی سلطنت کی حدود میں داخل ہونے اور کسی قسم کی کارروائی کرنے سے روکنا'ان میں رومیوں کے اثر و رسوخ کو وسعت دینا' رومیوں کو ان قبائل کے ارادوں اور نقل و حمل سے باخبر رکھنا اور بوقتِ ضرورت ایرانیوں کے خلاف لڑائیوں میں رومیوں کی مدد کرنا ان کا فرض تھا۔اس وفا کے صلہ میں رومیوں نے انہیں ان آباد علاقوں کے حکمران مان لیا تھا جہاں عرب قبائل آباد ہوگئے تھے اور ان کی چھوٹی چھوٹی سرداریاں چلی آتی تھیں۔اس طرح رومیوں کو صحرائی عربوں کے خلاف اس خطہ میں اپنی فوجیں رکھنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ریگستانوں میں رہنے والے عربوں تک اپنی حاکمیت پھیلانے کی ناکام کوششوں اور فوجی مہموں کی ناکامی کے بعد ان کے لیے یہ زیادہ مؤثر اور مفید انتظام تھا۔

صحرائے شام کے اس طرف عرب قبائل کب پہنچے اور کب اپنے اپنے اثر کے حلقے قائم کیے؟ مؤرخ اس سلسلے میں کسی حتمی تاریخ کا تعین نہیں کرسکے۔مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے مطابق شام کی سرحد پر قائم ہونے والی اس عرب مملکت کا معروف بادشاہ زیاد بن ہبولہ تھا جو قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ بنوضجعم سے تعلق رکھتا تھا'جب پہلے ساسانی شہنشاہ اردشیر کے بیٹے شاپور نے حیرہ کے عربوں کے خلاف فتح حاصل کی تو جن عرب قبائل نے ایرانیوں کے باجگزار بننا پسند نہ کیا'وہ شام کی طرف چلے گئے تھے۔ان قبائل میں قضاعہ سب سے اہم تھے۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں،لیکن اگر جنوبی عرب' یمن اور حضرت مُوت وغیرہ کے عربوں کے یونانیوں اور رومیوں کے ساتھ قدیم تجارتی روابط اور پیڑا اور ایلہ تک عرب تاجروں کی اجارہ داری کو پیشِ نظر رکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ جنوبی عرب کے تجارت اور زراعت پیشہ عربوں نے اس سے بھی پہلے ان رومی سرحدوں پر اپنی چھوٹی موٹی آبادیاں قائم کرلی ہوں گی۔

صحراؤں کے رہنے والے عرب اپنی ضروریات کے حصول کے لیے اِدھر آتے ہوں گے اور ان میں سے کچھ وہیں رہ جاتے ہوں گے اور جب حیرہ سے آنے والے عرب وہاں پہنچے ہوں گے تو ان کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہوگیا ہوگا اور رومیوں نے انہیں صحرائی عربوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی کی ہوگی چونکہ تاریخ میں ایسا کوئی بڑا حوالہ نہیں ملتا جس سے اندازہ ہو کہ ان عربوں کے خلاف رومیوں کا ردِعمل بھی ویسا ہی تھا جیسا ایرانیوں کا تھا اور انہوں نے اپنی سرحدوں کے اندر سے ان عربوں کو نکالنے کی کوئی ایسی کوشش کی ہو جیسی ایرانیوں نے کی تھی، جب ان علاقوں میں عربوں کی تعداد اور قوت مستحکم ہوگئیں تو رومیوں نے انہیں اپنے حاشیہ نشین کے طور پر تسلیم کرلیا ہوگا اور ان کے بڑے قبیلہ کے بڑے سردار کو سارے عربوں کا حاکم مان لیا ہوگا تاکہ اس کے ذریعے باقی سب سے معاملات طے کیے جاسکیں۔

بنو ضجعم نے دوسری صدی عیسوی کے اختتام تک ان علاقوں پر حکومت کی،لیکن جب کہلان کی شاخ آلِ غسان کی قوت بڑھ گئی اور انہوں نے بنو ضجعم سے حکومت چھین لی تو رومیوں نے انہیں اس خطہ کے عربوں کا حکمران مان لیا، انہیں کسی قبیلہ یا بادشاہ سے کوئی غرض تھی نہ محبت،وہ یہ دیکھتے تھے کہ کون ان میں سب سے طاقتور ہے، طاقت کے ذریعے ان کے مفادات کا تحفظ کر سکتا ہے اور ان کے مقاصد کے حصول میں زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے؟ اس خاندان کا سب سے پہلا بادشاہ جفنہ بن عمر آس تھا،ابوالفداء نے اس خاندان کے تیس حکمرانوں کی فہرست بتائی ہے،لیکن ان کے تفصیلی حالات کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے۔مغربی مصنفین نے رومیوں اور شام کی سرحد پر آباد عربوں کے تعلقات کے بارے میں اپنے ذرائع سے جو تفاصیل دی ہیں وہ بھی کوئی زیادہ نہیں۔اپریل 363ء میں جب رومی شہنشاہ جیولین (JULIAN) نے ایران کے خلاف چڑھائی کی تو اس کی فوجوں کے ساتھ اس کے عرب اتحادیوں کی فوجیں بھی شامل تھیں جن میں بنی غسان بھی شمار کیے جاتے ہیں۔(12) جیولین کی یہ مہم بری طرح ناکام ہوگئی تھی اور بچ جانے والے رومی فوجیوں کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا،وہ لکھتے ہیں کہ اس مہم کی ناکامی اور پسپائی کے وقت رومیوں کے لیے سب سے تکلیف دہ دشمن عرب تھے۔ان عرب دشمنوں سے ان کی مراد حیرہ کے عرب ہیں جو ایرانیوں کے اتحادی تھے، عیسائی چرچ کی مذہبی تاریخ لکھنے والے مؤرخ سقراط کے مطابق اس مہم کی ناکامی کے بعد غسانیوں کی ایک خاتون حکمران ماویہ (MAVIA) نے رومیوں کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا تھا اور تمام مشرقی علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا،اس وقت تک غسانی حکمران عیسائی مذہب اختیار کرچکے تھے، رومیوں نے بغاوت پر قابو پانے میں مشکلات کے بعد امن کی بات چیت شروع کی تو ماویہ نے شرط رکھی کہ اس کی

عیسائی رعایا کے لیے عرب نسل کے راہب موسیٰ (MOSES) کو بشپ بنایا جائے۔رومیوں نے یہ شرط مان لی اور 376ء میں عربوں نے رومیوں کے خلاف لڑائی بند کر دی۔ماویہ حارث ثانی کی بیوہ تھی۔ماویہ کے بعد اس کے پانچ بیٹے حکمران ہوئے جنھوں نے محلات کے علاوہ خانقاہیں بھی تعمیر کروائیں۔

اس خاندان کے بادشاہ حارث چہارم نے اس خطہ کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا۔اس نے 529ء سے 569ء تک چالیس سال حکومت کی۔541ء میں جب رومیوں نے عراق پر حملہ کیا تو حارث کی فوجیں بھی ان کے ساتھ تھیں اس مہم میں بھی رومیوں کو ناکامی ہوئی۔واپسی پر حارث رومیوں سے الگ ہوگیا جس سے رومی اس کی وفا پر شبہ کرنے لگے۔ان کا خیال تھا کہ حارث خفیہ طور پر ایرانیوں سے ملا ہوا تھا۔ 544ء میں حارث اور حیرہ کے بادشاہ منذر کے درمیان لڑائی ہوئی۔ منذر حارث کے بیٹے کو گرفتار کرکے حیرہ لے گیا اور اپنے بُت خانہ کے بڑے بُت عزیٰ کی قربان گاہ پر اس کی قربانی دے دی۔دس سال بعد حارث نے منذر کو شکست دے کر لڑائی میں قتل کر دیا' حارث 563ء میں روم گیا اور شہنشاہ جسٹینین سے ملاقات کی۔

حارث کے بعد المنذر بادشاہ بنا۔اس کے دور میں حیرہ کے بادشاہ ابو قابوس نے اس پر حملہ کیا مگر ناکام رہا۔ جسٹینین کے بعد جسٹن (JUSTIN) ثانی روم کے تخت پر بیٹھا۔وہ عربوں کو بے وفا اور ناقابلِ اعتماد سمجھتا تھا۔اس نے المنذر کو قتل کرانے کی سازش کی جو ناکام ہوگئی' جس پر بنی غسان نے رومیوں کے خلاف بغاوت کر دی اور تین سال تک ایرانیوں کے خلاف کسی قسم کا تعاون نہ کیا۔جب رومی سرحدوں پر ایرانیوں کا دباؤ بڑھنے لگا تو رومیوں نے مجبوراً عربوں کو صلح پر آمادہ کر لیا اور انھیں شہنشاہِ روم کی طرف سے زرِ تعاون ملنے لگا۔ جسٹن کی وفات کے بعد ثانی بیرس روم کا شہنشاہ ہوا تو اس نے ان عربوں سے دوستی مستحکم کرنے کے لیے 580ء میں المنذر اور اس کے دو بیٹوں کو مہمان نوازی کے لیے بلایا اور اپنے ہاتھ سے المنذر کو عربوں کے بادشاہ کا تاج پہنایا۔واپس آ کر المنذر نے حیرہ پر حملہ کر دیا'لیکن لخمی سلطنت کی سرحدوں سے آگے اس نے ایرانی علاقہ میں کوئی کارروائی نہیں کی۔رومیوں کو اس کے باپ کی مانند اس کی وفاداری پر بھی شبہ ہونے لگا اور وہ اسے بادشاہت سے الگ کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے' شہنشاہِ روم نے شام میں اپنے فوجی کمانڈر میگنوس (MAGNUS) کو یہ ذمہ داری سونپی۔اس نے المنذر کو شامی علاقہ میں تعمیر کیے گئے ایک نئے چرچ کی افتتاحی دعا میں شمولیت کے لیے بلایا اور گرفتار کرکے روم بھیج دیا۔بنی غسان کو جو زرِ تعاون ادا کیا جاتا تھا'وہ بھی روک دیا گیا' بنی غسان نے ایک بار پھر رومیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ایک لڑائی میں میگنوس نے المنذر کے بڑے

بیٹے نعمان کو گرفتار کر لیا اور اسے بھی روم بھیج دیا مگر رومی عربوں کی بغاوت دبانے اور ان کی حکومت ختم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔اس علاقہ سے متصل صحراؤں میں رہنے والے عرب قبائل پر بھی رومیوں کا اثر و رسوخ نہ رہا۔جب 613ء میں ایرانیوں نے شام پر حملہ کیا تو بنی غسان نے روایتی جوش و خروش سے رومیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا۔اگرچہ یہ سارے عرب عیسائی مذہب اختیار کرچکے تھے اور سلطنتِ روم عیسائیت کی محافظ اور پرچارک کا درجہ اختیار کرچکی تھی،لیکن جب جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا نور پھیلا تو ان عیسائی عربوں نے اپنی حفاظت کے لیے پھر سے قسطنطنیہ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔جب حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں 13 ہجری میں یرموک کی لڑائی میں رومیوں کو عبرتناک شکست ہوئی تو آلِ غسان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم مسلمان ہوگیا۔اپنے دینی خلوص کا ثبوت دینے کے لیے وہ حج پر آیا تو اس کی شاہی انا اور غرور اسلامی مساوات اور شاہی امتیاز سے بے نیازی برداشت نہ کرسکے۔واپس جاکر وہ ملحد ہوگیا اور روم بھاگ گیا۔اس کے ساتھ ہی آلِ غسان کی حکمرانی کا خاتمہ ہوگیا۔آلِ غسان کا دارالحکومت دومتہ الجندل تھا۔

آلِ کندہ کی بادشاہت

کندہ کی ایک چھوٹی سی بادشاہت حیرہ کے لخمیوں سے ملحق علاقہ نجد میں قائم ہوئی تھی۔اس خاندان کا پہلا بادشاہ حجر تھا۔بادشاہت سے پہلے بھی عرب قبائل میں اس کی سرداری تسلیم کی جاتی تھی۔حیرہ کے حکمرانوں کے باہمی انتشار کے دور میں حجر نے نجد میں اپنا اقتدار مستحکم کرلیا' اس نے بکر بن وائل کے علاقہ سے لخمیوں کو نکال دیا اور اپنے دائرہ کو وسیع کرلیا۔حیرہ کا حکمران حارث الحراب اسی حجر کا پوتا اور کندہ کا تیسرا بادشاہ تھا جسے شہنشاہِ ایران قباذ نے اس کے مزدکی مذہب کا پیرو ہونے کی وجہ سے المنذر کی جگہ حیرہ کا بادشاہ بنا دیا تھا۔اس نے تین سال تک حیرہ پر حکومت کی،لیکن قباذ کی موت کے بعد نوشیرواں ایران کے تخت پر بیٹھا تو اس نے حارث کو دارالحکومت طلب کیا۔نوشیرواں مزدکی مذہب کے خلاف تھا۔حارث نے جان کے خوف سے بھاگ کر بنو کلب کے سردار کے پاس پناہ لی' نوشیرواں نے پھر سے المنذر کو حیرہ کا بادشاہ بنا دیا۔اپنے عروج کے دنوں میں حارث نے اپنے بیٹوں کو مختلف عرب قبائل کے علاقوں کا حکمران مقرر کر رکھا تھا۔جب وہ حیرہ سے بھاگ کر صحرا میں روپوش تھا اور رومیوں سے رابطہ استوار کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس کے بیٹوں میں اقتدار کی جنگ شروع ہوگئی۔المنذر نے بھائیوں میں اس خانہ خرابی کو ہوا دی۔حارث کے دو بیٹوں شرجیل اور سلمہ کی فوجوں کے درمیان 612ء میں جنگ

ہوئی' کلاب کی اس لڑائی میں بہت سے عرب قبائل نے ایک یا دوسرے بھائی کی طرف سے حصہ لیا۔شرجیل میدانِ جنگ میں مارا گیا۔حارث کا بیٹا حجر قبیلہ بنی اسد کے علاقہ کا حاکم تھا' وہ بھی ان لڑائیوں میں مارا گیا تھا' اس کے بیٹے مشہور عرب شاعر امرؤ القیس نے قوت جمع کرکے بنی اسد پر غلبہ حاصل کرکے اپنے باپ کی سرداری بحال کرنے کی کوشش کی۔اس میں اسے کامیابی بھی ہوئی' لیکن اسی دوران حیرہ میں المنذر بادشاہ بن گیا' امرؤ القیس اس کے خوف سے بھاگ کر قسطنطنیہ گیا' مگر رومی شہنشاہ نے اس کی کوئی مدد نہ کی' اس طرح عرب العاربہ کی یہ چھوٹی سی شاہی اپنے خاتمہ کو پہنچ گئی۔

حواشی / حوالہ جات

1- سر سید احمد خاں/مقالاتِ سر سید حصہ یاز دھم/ لاہور 1992ء/ صفحہ 81 تا 83

2- ڈی لیسی اولیری DELACY OLAEARY / تاریخِ عرب قبل از محمدؐ / لاہور 1989 / صفحہ 87

3- سر سید احمد خاں/بحوالہ ابو الفدا / مقالاتِ سر سید حصہ یاز دھم / لاہور 1992ء / صفحہ 84

4- سر سید احمد خاں/بحوالہ ابو الفدا / مقالاتِ سر سید حصہ یاز دھم / لاہور 1992ء / صفحہ 85

5- سر سید احمد خاں/بحوالہ حمزہ اصفہانی / مقالاتِ سر سید حصہ یازدھم / لاہور 1992ء / صفحہ 94

6- ابو الفدا نے ابن سعید مغربی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ جس ذوالقرنین کا قرآن میں ذکر ہے وہ کون تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا ذوالقرنین مذکور صعب بن الرائش تھا نہ کہ سکندر رومی۔ (مقالات صفحہ 95)

7- قاہرہ کے عجائب گھر میں قدیم مصری ممیوں کے شعبہ میں ایک تاجر کے پتھر کے تابوت پر لکھی میناٰئی زبان کی تحریر جسے مشہور ماہر ہومل HOMMEL نے پڑھا۔

8- سر سید احمد خاں / مقالاتِ سر سید حصہ یاز دھم / لاہور 1992ء / صفحہ 79

9- History of ARABIA before Muhammad/DELACY OLEARY/ لاہور/ 1989ء صفحہ 159

10- بعض رومی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ منذر چہارم نے ایرانیوں کی بجائے رومیوں سے اتحاد کر لیا تھا،مگر قیصر کو اس پر اعتماد نہیں تھا اور رومی اسے دھوکے سے گرفتار کر کے اپنے دارالحکومت لے گئے اور قیدی بنا کر سسلی بھیج دیا تھا جہاں وہ فوت ہو گیا تھا۔

11- سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ نعمان ابو قابوس ایرانیوں کے خلاف ایک لڑائی میں مارا گیا تھا۔ مقالاتِ سر سید صفحہ 105

12- History of ARABIA- before Muhammad/ DELACY OLERY/ لاہور/ 1989ء/ صفحہ 163

یمن پر اہلِ حبشہ کی حکومت

مسلمہ تاریخی شواہد کے مطابق جنوبی عرب پر اہلِ حبشہ نے مجموعی طور پر 88 سال حکومت کی۔340ء سے 378ء تک اور 525ء سے 575ء تک۔340ء سے 378ء کے پہلے دور کے بارے میں تاریخی معلومات اور تفصیلات بہت کم دستیاب ہیں اور ان قدیم کتبوں تک محدود ہیں جو پڑھے جا چکے ہیں۔340ء میں حبشہ کا ایک حکمران ایزانس (Aeizanes) اپنے سبا' حمیر اور ریدان کا بادشاہ ہونے کا فخریہ اعلان کرتا ہے۔اس کے بعد آنے والے بادشاہانِ حبشہ بھی اس قسم کے فخریہ اعلان کرتے رہے' مگر ایسی کوئی تحریر ابھی تک نہیں ملی جس سے ثابت ہو کہ 378ء کے بعد بھی کسی شاہِ حبشہ نے ایسا اعلان کیا ہو' اس لئے ماہرین کا خیال ہے کہ یمن پر اہلِ حبشہ کی حکومت کا پہلا دور 340ء سے شروع ہو کر 378ء کو ختم ہو گیا ہو گا۔ممکن ہے یہ دور اس سے کچھ زیادہ رہا ہو۔ جو بادشاہ 340ء میں سبا' حمیر اور ریدان پر حکمران ہونے کا اعلان کرتا ہے' اس نے یا اس کے کسی پیش رو نے کچھ عرصہ پہلے یمن کے خطہ پر اپنا کنٹرول مستحکم کر لیا ہو۔ایسے بھی شواہد ملتے ہیں کہ اس پہلے دور میں حبشہ والوں نے یمن کے آس پاس کے علاقوں تک اپنا اقتدار پھیلانے کی بھی کوشش کی تھی مگر ان کے قبضہ اور کوششوں کے باوجود عرب انہیں نکال باہر کرنے کی کوششوں میں لگے رہے تھے اور انہوں نے کسی بھی مرحلہ پر حبشہ والوں کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ آخر 378ء میں عرب اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے اور یمن میں بنی حمیر کی حکومت قائم ہو گئی۔

بحیرۂ احمر (Red Sea) کے دوسری طرف برِاعظم افریقہ میں بسنے والے شاہانِ حبشہ کی یمن پر تسلط کی خواہش اور کوششوں کے کئی اسباب تھے' مگر ان میں دو سبب ہمیشہ اہم رہے ہیں۔تجارتی اور مذہبی اسباب۔زمانۂ قدیم سے بحرِ احمر سے خلیج فارس تک پھیلا جزیرۃ العرب کا جنوبی حصہ

اشیائے تجارت اور مالِ تجارت کا ایک اہم مرکز رہا ہے اور جزیرۃ العرب سے گزرنے والے راستے مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا بڑا ذریعہ رہے ہیں۔یمن اور حضرموت کی زرخیز وادیوں میں اور پہاڑی ڈھلوانوں پر پیدا ہونے والے گرم مصالحہ' خوشبودار لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی جزیرہ نما کے شمال مغرب میں فلسطین' مصر اور اس سے ملحق علاقوں میں بڑی مانگ تھی۔اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یمنی تاجر اور حضرموت کے ملاح ہندوستان تک سے یہ چیزیں لاتے تھے اور آگے بھیج دیتے تھے۔چین اور ہندوستان کا ریشم بازنطینی حکمرانوں' امراء اور شرفاء کی بہت بڑی ضرورت تھا۔ہندوستان سے بحری جہازوں سے آنے والا یہ سامان خلیج فارس کی بندرگاہوں پر اتارا جاتا تھا اور پھر عرب تاجر اسے صحرائی راستوں سے جزیرہ نما کے دوسری طرف پیڑا اور ایلا کی منڈیوں تک پہنچا دیتے تھے جہاں سے یہ مال آگے دمشق،قسطنطنیہ' مصر اور بحیرۂ روم کے ذریعہ یورپ تک جاتا تھا۔ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان لڑائیوں کی وجہ سے ایران اور عراق سے ہوکر گزرنے والا ہندوستان سے آنے والا تجارتی راستہ اکثر غیر محفوظ اور بند رہتا تھا جس کی وجہ سے بازنطینی حکمرانوں کو یہ اشیائے تعیش حاصل کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔اس صورت میں اس تجارت پر عربوں کی اجارہ داری قائم ہو جاتی تھی جس سے انہیں بہت منافع حاصل ہوتا تھا۔ بازنطینی حکمرانوں کی یہ خواہش اور کوشش رہی کہ ایک تو یہ اشیاء انہیں بلاروک ملتی رہیں' دوسرے ان سے حاصل ہونے والا منافع بھی کسی طرح ان کے پاس آجائے۔یونانیوں کے دور سے ہی یہ خواہش اور کوشش رہی کہ یمن اور عرب کی تجارت اور تجارتی راستوں پر قبضہ کرلیا جائے مگر انہیں اس میں ہمیشہ ناکامی ہوئی تھی۔

جب بازنطینی سلطنت میں عیسائیت کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل ہوگیا تو حبشہ کے عیسائیوں کے ساتھ ان کا دینی رشتہ بھی قائم ہوا۔اسکندریہ اور روم کے چرچوں کے درمیان شدید مذہبی اختلافات کے باوجود رومن چرچ کے پیروکار بازنطینی شہنشاہ اسکندریہ کے چرچ کے ماننے والے شاہانِ حبشہ کو اپنے مسیحی بھائی سمجھتے تھے۔تاریخ میں بازنطینی شہنشاہ کا حبشہ کے بادشاہ کے نام وہ خط محفوظ ہے جس میں شہنشاہِ روم نے شاہِ حبشہ کو مشورہ دیا تھا کہ وہ عربوں کی تجارت اور تجارتی راستوں پر قبضہ کرلے تاکہ اس تجارت کا فائدہ عیسائیوں اور عیسائیت کو پہنچے۔
جزیرۃ العرب کی اسی تجارتی اہمیت اور محلِ وقوع کی وجہ سے اس کے مشرق میں قائم ایرانی شہنشاہیت اور شمال میں واقع بازنطینی مملکت ہمیشہ اس کوشش میں رہتی تھیں کہ یہ ان کے زیرِاثر رہے یا اس کا زیادہ سے زیادہ حصہ اور قبائل اس کے اتحادی بن جائیں۔اس طرح حبشہ والوں کا اثر و رسوخ ایک طرح سے بازنطینیوں کا حلقۂ اثر بن جاتا تھا اور اگر یمن اور اس

سے ملحقہ علاقوں پر ان کا قبضہ ہو جائے تو وہاں سے ایرانیوں کا اثر ختم ہو جاتا تھا اسی لئے بازنطینی شاہانِ حبشہ کو اس خطہ پر قبضہ کرنے کا مشورہ ہی نہیں دیتے تھے بلکہ ایسی کوششوں میں مدد بھی دیا کرتے تھے۔ 522ء میں جب حبشہ کے بادشاہ نے یمن کے یہودی مذہب کے ماننے والے حمیری خاندان کے حکمران ذونواس کے خلاف فوج کشی کی تو اس کی فوج کو بحیرۂ احمر کے دوسرے کنارے بازنطینی شہنشاہ کے بحری جہازوں نے پہنچایا تھا۔

ان سارے عوامل کو دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ 340ء میں بھی شاہانِ حبشہ کے یمن پر حملہ اور قبضہ کی وجوہات میں ایک وجہ مذہبی بھی ہوگی کیونکہ اس وقت تک سبا کے حمیری حکمران یہودی مذہب قبول کرچکے تھے اور حبشہ عیسائیت کا علمبردار تھا۔

520ء تک جزیرۃ العرب کے شمالی کناروں پر عیسائیت کا قبضہ کافی مستحکم ہوچکا تھا۔شاہانِ ایران کی کسی حد تک مذہبی رواداری کی وجہ سے دجلہ و فرات کی وادی میں بھی بہت سے عرب عیسائی مذہب قبول کرچکے تھے اور عیسائی مشنری صحرائی علاقوں میں بھی سرگرم تھے۔ جنوبی عرب میں عیسائیوں کا سب سے اہم مرکز نجران میں تھا۔اس کے گردو نواح کی زرخیز زمینوں پر کاشتکاری کرنے والے اور کپڑا بُننے‘ ہتھیار تیار کرنے اور چمڑے کی صنعتوں سے وابستہ ہنرمند عیسائی مذہب سے وابستہ ہوچکے تھے۔مغربی مؤرخوں کے مطابق نجران کے عیسائیوں نے وہاں اپنی ایک باقاعدہ شہری ریاست قائم کرلی تھی جس کے دنیاوی امور کا سربراہ عاقب نامی ایک شخص تھا‘ مذہبی امور کا انچارج قبیلہ بنوکر سے تعلق رکھنے والا بشپ ابو حارث تھا۔عیسائیوں کی یہ بستی بڑی خوشحال تھی۔ اس میں کچھ آبادی یہودیوں کی بھی تھی۔یمن پر ذونواس حکمران تھا جو متعصب یہودی تھا۔مذہبی جنون میں اس نے نجران کی عیسائی بستی پر حملہ کر دیا اور جن عیسائیوں نے اپنا مذہب چھوڑنے سے انکار کیا انہیں آگ کی خندقوں میں پھینک کر جلا دیا۔ان میں بشپ کے علاوہ عورتیں‘ بچے‘ بوڑھے اور مرد سب شامل تھے۔ انہی عیسائیوں میں سے ایک بھاگ کر بازنطینی شہنشاہ کے دربار میں پہنچا اور عیسائیوں پر ذونواس کے مظالم کی کہانیاں سنائیں۔نجران جزیرۃ العرب کے جنوب میں واقع ہے۔شہنشاہِ روم کے لئے خود ذونواس کے خلاف فوجی کارروائی کرنا آسان نہیں تھا۔اس کے لئے اسے جزیرہ نمائے عرب کو عبور کرنا پڑتا تھا اور ماضی میں یونانیوں اور رومیوں کی ایسی سب مہمیں ناکام رہی تھیں۔ایرانیوں کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے اس کا بھی خدشہ تھا کہ ایرانی اس کے اپنے مقبوضات پر حملہ نہ کردیں اس لئے جسٹینین نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو لکھا کہ وہ ذونواس سے نجران کے عیسائیوں پر مظالم کا انتقام لے۔شہنشاہِ روم نے اس انتقامی حملہ میں اپنی طرف سے ہر قسم کی مدد کا یقین دلایا اور اپنے کچھ جنگی جہاز بحیرۂ احمر میں بھیج دیے۔شاہِ حبشہ

کی فوج کو یمن کے ساحلوں پر اتارنے کے لئے بھی اس نے بحری جہاز بھیجے چنانچہ 522ء میں حبشہ کی ستر ہزار فوج یمن کے ساحل پر اتر گئی۔اس کا کمانڈر ارياط نامی ایک جرنیل تھا' ذونواس اس فوج کا مقابلہ نہ کرسکا اور پہاڑی علاقوں کی طرف بھاگ گیا۔ارياط نے یمن کے میدانی علاقوں پر قبضہ مستحکم کرکے 525ء میں ذونواس کا تعاقب کیا اور اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔اس طرح یمن پر شاہانِ حبشہ کی حکومت کا دوسرا دور شروع ہوا۔

ارياط نے شاہِ حبشہ کے گورنر کی حیثیت میں بیس سال یمن پر حکومت کی اور پھر فوجیوں کی ایک سازش میں قتل کر دیا گیا اس کے بعد سازش کا سرغنہ ابرہہ الاشرم (Abrahm) یمن کا حاکم بن گیا۔شاہِ حبشہ کو خبر پہنچی تو وہ سخت ناراض ہوا لیکن پھر یمن میں مقیم اپنی ہی فوج کے خلاف فوجی مہم بھیجنے کا ارادہ ترک کر دیا اور ابرہہ کی معافی کی درخواست قبول کرکے اسے یمن کا گورنر تسلیم کرلیا۔ابرہہ الاشرم اسی طرح کا پرجوش عیسائی تھا جس طرح کا ذونواس متعصب یہودی تھا۔اس نے یمن میں اپنی حکومت اور عیسائی مذہب کی بنیادیں مضبوط بنانے کی بہت کوشش کی۔ مارب کا ڈیم پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں خدائی عذاب اور بارش کے سیلاب کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔اس سے سبا کے باغات اور لہلہاتے کھیت ویران ہوگئے تھے۔اس عذاب کے بعد اس قوم کے بہت سے قبائل جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کی طرف چلے گئے تھے اور کوئی بھی حمیری حکمران اس ڈیم کی مرمت نہیں کرا سکا تھا۔ابرہہ نے اس ڈیم کی نئے سرے سے تعمیر و مرمت کرائی اور آبپاشی کا پرانا نظام بحال کرکے کھیتی باڑی کو ترقی دی۔مارب کے کھنڈرات سے ابرہہ الاشرم کے ڈیم مرمت کرانے کا کتبہ ملا ہے۔اس نے ظفار کے ایک عیسائی پیشوا سے قوانین کا ایک صحیفہ بھی تیار کروایا۔نجران کی شوکت بحال کرنے کے لئے وہاں ایک شاندار کلیسا تعمیر کروایا جس کی تزئین و آرائش کے لئے شہنشاہِ روم نے بھی رقم اور نذرانے بھیجے تھے۔اس کے بعد اس نے صنعاء میں ایک اور شاندار کلیسا تعمیر کروایا۔اس کی کوشش تھی کہ یہ کلیسا جزیرۃ العرب میں عیسائیت کی عظمت و سطوت کا مرکز بن جائے۔اس طرح وہ مکہ کی مذہبی اور تجارتی اہمیت کم کرکے صنعاء کو عربوں کا مقدس مرکز بنانا چاہتا تھا مگر جب اس کی کوششوں کے باوجود جزیرۃ العرب کے باسیوں نے مکہ میں اپنے صدیوں پرانے مذہبی مرکز کو چھوڑنا گوارا نہ کیا تو اس نے کعبۂ ابراہیمی کو نابود کرنے کی قسم اٹھائی اور ساٹھ ہزار فوجیوں اور تیرہ ہاتھیوں کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کر دی' بعض عرب سرداروں نے اس کی راہ روکنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔وہ فاتحانہ انداز میں منزلیں طے کرتا ہوا نواحِ مکہ میں پہنچ گیا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو بچانے کا خود اہتمام کیا۔ ابابیلوں کے فضائی لشکر نے ابرہہ کے لشکر اور ہاتھیوں کو برباد کر دیا۔یمن کی طرف بھاگتے ہوئے

ابرہہ الاشرم بلادِ خثعم میں ہلاک ہوگیا۔اس کے بعد اس کا بیٹا ابرہہ مسروق یمن کا گورنر ہوا،مگر اس واقعہ کے بعد سے جزیرۃ العرب میں شاہِ حبشہ کا رعب و دبدبہ ختم ہوگیا اور 575ء میں سیف بن ذی یزن نے شہنشاہ ایران کی فوجوں کی مدد سے حبشیوں کو یمن سے نکال دیا اس طرح یمن پر حکمرانی کا اہلِ حبشہ کا دوسرا دور بھی ختم ہوگیا اور اس خطہ میں ایرانیوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔

عرب المستعربہ

عرب المستعربہ میں مرکزی حیثیت حضرت ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو حاصل ہے جو اپنے مرکز مکہ مکرمہ سے نکل کر جزیرۃ العرب کے دیگر حصوں میں پھیل گئی تھی۔حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے علاوہ عرب مستعربہ میں ان کے بھائی حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے ادوم کی اولاد' حضرت ابراہیمؑ کی بیوی قطورہ سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد' حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ناحور کی اولاد اور حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ کے بیٹوں مواب اور عمان کی اولاد شامل ہے(1) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو بنی اسماعیل' قطورہ کے سلسلہ کو بنی قطورہ' ادوم کی اولاد کو بنی ادوم یا ادومی' ناحور کی اولاد کو بنی ناحور اور مواب اور عمان کی اولاد کو ان کے دادا کے نام پر بنی ہاران کہا جاتا ہے' انہیں موابی اور عمانی بھی کہا جاتا ہے اس طرح عرب مستعربہ کی اصلیت ایک ہی ہے یعنی وہ سب حضرت ابراہیمؑ کے والد آذر کی نسل سے ہیں اور چوتھی پشت میں فالغ سے جا ملتے ہیں۔فالغ کا بھائی قحطان عرب العاربہ کا جدِ اعلیٰ تھا۔قحطان یمن میں آباد ہوا تھا اور آذر عراق میں رہتا تھا۔اس وقت عراق پر نمرود خاندان کی حکومت تھی جن کے دارالحکومت کا نام "اُر" تھا۔حضرت ابراہیمؑ اسی شہر میں پیدا ہوئے' پلے اور جوان ہوئے تھے۔جب حضرت ابراہیمؑ نے نمرود اور اس کی بت پرست قوم کو توحید کی دعوت دی' تو بادشاہ اور اس کی ساری قوم آپؑ کی دشمن ہوگئی اور آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق شام اور فلسطین کی طرف ہجرت کی۔خیال ہے کہ یہ 2100 قبل مسیح کا زمانہ تھا۔اس ہجرت میں آپؑ کی بیوی حضرت سارہؑ اور بھتیجے حضرت لوطؑ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔حضرت لوطؑ نے شرقِ اردن کے خطہ کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا تھا۔حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز فلسطین تھا۔حضرت ابراہیمؑ مصر سے واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت ہاجرہؑ مصری کے بطن سے ایک بیٹا اسماعیلؑ عنایت فرمایا جسے آپؑ نے اللہ کے

حکم کے مطابق مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا۔وہ وہیں جوان ہوئے' دو شادیاں کیں۔اپنے والدِ محترم کے ساتھ مل کر حرمِ کعبہ تعمیر کیا اور اس مرکز کو اپنی پیغمبرانہ سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔اس لحاظ سے عرب المستعربہ اپنے پہلے آنے والے عرب العاربہ سے چارپُشتیں بعد جزیرۃ العرب میں پہنچے تھے۔حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش 1910 قبل مسیح کی ہے' اس لئے مکہ میں ان کے آنے کا زمانہ 1907 قبل مسیح سے 1895 قبل مسیح کے درمیان ہونا چاہیے۔اس وقت تک جنوبی عرب میں عرب العاربہ کی سرداریاں' جنہیں محدود معنی میں بادشاہتیں بھی کہا جاتا ہے' قائم ہوچکی تھیں۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔نبایوث' قیدار' ادبئیل' مبسام' مشماع' دومہ' مسا' حدد' تیما' یطور' نافیش اور قدمہ۔ مکہ مکرمہ میں پرورش پانے کے بعد ان میں سے کئی ایک اپنی اولاد کے ساتھ جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں جاکر آباد ہوگئے۔سر سید احمد خاں کی تحقیق کے مطابق آلِ اسماعیلؑ میں سے نبایوث جزیرۃ العرب کے شمال مغربی حصہ میں آباد ہوا تھا اور اس کی اولاد عرب الحجر کے وسط سے مشرق میں وادی القریٰ کے اندر تک اور جنوب کی طرف خلیج عیلام اور حدودِ حجاز تک پھیل گئی تھی۔ینبوع کی بندرگاہ اور اس کے شمال میں بندرگاہ سفید (حور) اس کے علاقہ میں آتی تھیں۔اشعیاہ نبی کی کتاب میں ہے : "قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔نبایوث کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔وہ میرے مذبح پر مقبول ہوں گے اور میں اپنے پُرشوکت گھر کو جلال بخشونگا" (2) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبایوث اور اس کی اولاد کو جزیرۃ العرب میں شہرت اور ناموری حاصل تھی۔

قیدار اور اس کی اولاد کا مرکز شہر مکہ اور اس کے گرد و نواح کا حجاز کا علاقہ تھا جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں شہر شامل تھے۔قریش قیدار کی اولاد ہیں۔اس طرح قیدار کو نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِامجد ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اشعیاہ نبی کی کتاب کے اوپر کے حوالہ سے ظاہر ہے کہ آلِ قیدار بھی جزیرۃ العرب کی معروف اور نامی قوم تھی۔کتبِ مقدسہ' عرب روایات' مشرقی مؤرخ اور بطلیموس' اریانوس اور پلینی سب اس پر متفق ہیں کہ قیدار کی اولاد کا مسکن حجاز ہی تھا۔

ادبئیل مکہ مکرمہ سے نکل کر کہاں آباد ہوا' مشرقی تاریخی روایات میں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا البتہ رورنڈ فاسٹر کے مطابق ادبئیل شروع میں اپنے بھائیوں کے قرب و جوار میں ہی رہا' اس کی اولاد کے مسکن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

مبسام کی اولاد کے بارے میں بھی عربوں کی قدیم تاریخیں خاموش ہیں' یہی حال مشماع کے مقامِ سکونت کا ہے' لیکن بعض مغربی محقق کہتے ہیں کہ مشماع کا ابتدائی مقامِ سکونت نواحِ نجد میں تھا۔

دومہ کی اولاد پہلے مدینہ کے قرب و جوار اور تہامہ میں بستی تھی،لیکن جب اس کی تعداد بڑھ گئی تو اس میں سے کچھ شام کی طرف نقل مکانی کر گئے اور دومۃ الجندل انہی کا مقامِ سکونت ہے۔

مسا کی اولاد ابتداء میں تو حجاز میں ہی رہی،لیکن بعد میں وہ یمن کے زرخیز علاقوں کی طرف نکل گئے۔خیال کیا جاتا ہے کہ یمن میں "موسا" اس کا ثبوت ہے۔

حدد کی اولاد بھی یمن میں جاکر آباد ہوگئی تھی یمن کا قبیلہ بنی حدد اسی حدد کی اولاد بتایا جاتا ہے۔ "حدیدہ" اسی قبیلہ کا شہر تھا۔

تیما کا بھی ابتدائی مقام سکونت حجاز ہی تھا،لیکن بعد میں اس کی اولادنجد میں پھیل گئی اور جنوب مشرق میں خلیج فارس کے کناروں تک جا آباد ہوئی تھی۔

یطور کی اولاد کا مقامِ سکونت ضلع جدور تھا جو جبل الشیخ کے مشرق اور شاہراہِ حجاز کے مغرب میں واقع تھا۔

نافیش کی اولاد کا مرکز وادی القریٰ اور قدمہ کی اولاد کا مسکن نواحِ یمن میں بتایا جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کے مقامات کے بارے میں فرمایا ہے:"وہ حویلاہ سے شور تک آباد ہوئے تھے جو سامنے مصر کے ہے جبکہ تو اسریا کو روانہ ہو۔"(3) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد اپنے مرکز مکہ سے نکل کر جنوب میں یمن (حویلاہ) سے شمال میں شام (شور) تک پھیل گئی تھی۔

آلِ اسماعیلؑ کی سرداریاں

یمن کی سرداری

مسعودی کہتا ہے:"شہر ظفار کے دروازے پر سنگِ سیاہ کا ایک کتبہ آج تک موجود ہے جس پر ملوکِ یمن کی عہد بعہد حکومت کا سال درج ہے جن میں حبشی اور فارسی حکمران بھی شامل ہیں۔سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ ان حکمرانوں میں سے ہر ایک (سلسلہ) کے نام کے سامنے اس کا کردار بھی کندہ کر دیا گیا ہے مثلاً حمیر کو "اخیار" اہل حبش کو "اشرار" اہلِ فارس کو "احرار" اور قریش کو "تجار"(4) لکھا گیا ہے۔مشرقی مؤرخ قریش کے جدِامجد عدنان کے بیٹے "عک" کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ یمن کی طرف چلا گیا تھا۔ 1834ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک جہاز "پالی نورس" کے افسروں نے یمن کے علاقہ حصنِ غراب سے جو قدیم کتبے

دریافت کیے تھے ان میں سے ایک میں وہاں کے حکمران کا نام "عک" لکھا ہے۔ رورنڈ فاسٹر کا کہنا ہے کہ یہ وہی "عک" ابن عدنان ہے۔ان تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسماعیلؑ نے جنوبی عرب میں مختلف اوقات میں اپنی سرداریاں اور بادشاہتیں قائم کی تھیں جو بعد میں طاقتور مملکتوں میں ضم ہوگئی ہوں گی۔مسعودی کے مطابق یمن میں فارسی حکومت کے بعد وہاں پر آلِ ابراہیمؑ کی بادشاہت قائم ہوگئی تھی اور ان کے پہلے بادشاہ کا نام مفیبہ تھا جو امیم کا بیٹا تھا جس کا ذکر مشہور عرب شاعر امرؤالقیس نے بھی ایک قصیدہ میں کیا ہے اور اسے آلِ ابراہیمؑ سے لکھا ہے۔

نابتی بادشاہت

حضرت اسماعیلؑ کے بڑے فرزند نباوث کو نبیت بھی لکھا جاتا ہے۔نباوث یا نبیت کی اولاد' جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے جزیرۃ العرب کے شمال مغرب میں پھیل گئی تھی۔اس علاقہ میں' جسے عرب الحجر کہا جاتا ہے' فارسٹر کے مطابق زمانہ قدیم میں صحرائی اور ریگستانی عربوں پر نابتیوں کا بہت اثر و رسوخ تھا۔وہ ماہر تاجر اور سچے اسماعیلی ہونے کی وجہ سے جنگ کے لئے مستعد رہتے تھے۔587 ق م تک بحیرۂ روم کے اردگرد کے زرخیز علاقوں پر ان کا قبضہ ہوچکا تھا۔ان کا دارالسلطنت بطراء (پیٹرا) تھا اور ان کی بادشاہت کو نبطی بادشاہت کہا جاتا تھا۔دمشق سے الحجر تک سب تجارتی مراکز ان کے قبضہ میں تھے' انہوں نے غزہ کی بندرگاہ کو ترقی دے کر مشرق و مغرب کے درمیان تجارت کو توسیع دی تھی اور بڑے خوش حال ہوگئے تھے۔ان کی سلطنت میں شام اور لبنان کے وسیع علاقے' فلسطین' حوران اور مدین کے جنوب مشرقی حصے بھی شامل تھے۔دریائے نیل کے ڈیلٹا کے مشرقی حصوں سے ملنے والے قدیم کتبوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبطی وہاں تک پھیل گئے تھے۔اس خاندان کے پہلے بادشاہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا 105ء میں ان کی سلطنت ختم ہوگئی۔جب رومی شہنشاہ تروجن نے ان کے تجارتی مراکز اور راستوں پر قبضہ کرنے کے لئے ان پر یلغار کر دی تھی ان کا آخری بادشاہ ملک الثالث تھا۔اس خطہ کی قدیم تاریخی قوموں میں نبطی بڑی جنگجو اور آزادی پسند قوم تھی' اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتے تھے جس سے کوئی زمین ان کے پاؤں مضبوطی سے پکڑے رکھے۔اپنے قبیلہ کے لئے انہوں نے جو زندگی کے اصول بنائے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ جو کوئی مکان بنائے گا' باغ لگائے گا یا گندم بوئے گا یا زراعت کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ان کا خیال تھا کہ ایسا کرنے والے گھروں' باغوں اور کھیتوں کی محبت کی وجہ سے مجبوراً اپنی آزادی پر سمجھوتہ کرلیتے ہیں۔یہ لوگ

تجارت پیشہ تھے۔(5) اور جب کوئی زبردست بادشاہ حملہ کرتا تھا تو وہ پہاڑوں اور صحراؤں کی طرف نکل جاتے تھے۔حملہ آور ان کا تعاقب نہیں کرسکتے تھے اور کچھ عرصہ بعد مجبوراً پسپا ہو جاتے تھے۔ جب ٹروجن نے ان کے تجارتی مراکز اور راستوں پر قبضہ مستحکم کرنے کے لئے ان کے علاقہ کو اپنی سلطنت کا باقاعدہ صوبہ قرار دے دیا تو وہ صحراؤں میں گمنام ہوگئے۔

تدمور کی بادشاہت

نابتیوں کے زوال کے بعد اس خطہ میں ایک اور عرب بادشاہت قائم ہوئی جس کا مرکز تدمور (پالمیرا) صحرائے شام میں تھا۔یہ بھی ایک تجارت پیشہ عرب قبیلہ تھا جو نبطیوں کی مانند اونٹوں پر مالِ تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا تھا۔اس کی شان و شوکت کا زمانہ 130ء سے 270ء تک ہے۔ اس قبیلہ کا اہم بادشاہ اذینہ تھا۔ 257ء میں ایران کے شہنشاہ شاپور اول (SAPOR-I) نے شام میں رومیوں کو شکست دی اور ان کے بادشاہ کو گرفتار کرکے لے گیا۔اگلے سال شہنشاہِ ایران نے پھر رومیوں پر حملہ کیا اور انطاکیہ فتح کر لیا،لیکن واپسی پر اس نے تدمور کا راستہ اختیار کیا۔عربوں نے اس پر اچانک حملہ کرکے اس کی افواج کو تتر بتر کر دیا اور اس کی بیگمات کو قیدی بنا لیا۔اس کے بعد اذینہ نے آگے بڑھ کر دو دفعہ ایرانی دارالسلطنت کے دروازوں کو چھوا۔رومی اس کی بہادری اور ایرانیوں کی رسوائی پر بہت خوش ہوئے۔اذینہ کے قتل کے بعد اس کی بیوی زینت نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔زینت کی سرکردگی میں شام، ایشیائے کوچک اور مصر فتح ہوئے تھے۔(6) لیکن جب شہنشاہِ روم نے تمام رومی صوبوں پر مشتمل وفاق بنانے کی کوشش کی تو زینت نے اپنی آزادانہ حیثیت سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا، شہنشاہ نے اس کے خلاف فوج بھیجی، لڑائی میں زینت کو شکست ہوئی، رومی اسے گرفتار کرکے قسطنطنیہ لے گئے جہاں اسے سونے کی زنجیریں پہنا کر شاہراہوں پر گشت کرایا گیا۔زینت اور رومیوں کے درمیان تین سال تک لڑائیاں ہوتی رہی تھیں، رومیوں نے تدمور کو لوٹ کر برباد کر دیا اور اس کے ساتھ ہی عربوں کی یہ بادشاہی ختم ہوگئی۔تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ تدمور نسلی اور سیاسی لحاظ سے وہی حیثیت رکھتے تھے جو نبطیوں کو حاصل تھی وہ قریش اور حجاز کے دیگر عرب قبائل سے بہت قریبی تعلق رکھتے تھے۔(7) اسی بنیاد پر تدمور کے حکمران بھی عرب المستعربہ میں شمار ہوتے ہیں۔

لحیان کی بادشاہت

قبیلہ لحیان کا علاقہ مکہ سے شمال مشرق میں اور نبطی حکومت کے جنوب میں تھا۔اس کا دارالحکومت العلا تھا جو یمن سے بحیرۂ روم کے تجارتی راستہ پر واقع تھا‘ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قبیلہ کا اقتدار 115 ق م میں دیدان کی سلطنت کے خاتمہ پر شروع ہوا تھا اور نبطیوں کے زوال کے بعد ان کی سلطنت کو وسعت اور عروج حاصل ہوگیا تھا۔ اسلام کے ظہور سے پہلے لحیان مکہ کے قریب آباد تھے اور قریش کے اتحادی تھے۔شمالی حجاز سے ملنے والے کتبوں سے بھی لحیان ریاست کے وجود کی تصدیق ہوگئی ہے۔(8)

دیگر بادشاہ

عرب المستعربہ کے بعض دیگر بادشاہوں کا بھی ذکر ملتا ہے جن میں ایک کا نام وائلہ اور لقب کلیب تھا۔ وائلہ عدنان کی اولاد سے تھا۔بعض مشرقی مؤرخوں نے اس کی اہلِ یمن کے ساتھ لڑائیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ زہیر ابن جذیمہ‘ قیس ابن زہیر کے خطۂ حجاز کا بادشاہ ہونے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ وہ کس زمانہ میں بادشاہ ہوئے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ وہ جزیرۃ العرب کے اس حصہ پر حکمران تھے جو یونانیوں‘ رومیوں‘ ایرانیوں اور اہلِ حبشہ سے دور تھا اور اس سے ان کا کوئی سیاسی یا تجارتی جھگڑا نہیں تھا‘اسی لئے مغربی مؤرخوں کی تحریروں میں ان کا ذکر نہیں پایا جاتا‘ ان مورخوں نے عرب کے یا عرب نسل کے انہی بادشاہوں کا ذکر کیا ہے‘ جن کے خلاف ان کے اپنے بادشاہوں نے مہمیں بھیجی تھیں یا لڑائیاں لڑی تھیں۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان بادشاہوں کا دور مختصر تھا اور علاقہ محدود ہوگا اور ان کی اولاد آزاد خودمختار عرب قبائل کو زیادہ دیر تک فرمانبردار نہیں رکھ سکی ہوگی۔

بنی قطورہ یا ابراہیمی

تورات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ملک حضرت اسحاقؑ کو دے دیا تھا اور ان کی تیسری بیوی قطورہ سے ان کی اولاد جزیرۃ العرب کی طرف چلی گئی تھی‘ اپنی ماں کی نسبت سے وہ بنی قطورہ کہلائے۔ان کے مسکن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حدودِ حجاز سے خلیج فارس تک پھیلے ہوئے تھے‘ جہاں اب بھی ان کے آثار ملتے ہیں۔بعض مفسرین اہلِ مدین اور اصحاب الایکہ کو بھی بنو قطورہ میں سے بتاتے ہیں۔

ادومی یا بنی عیسو

کچھ مؤرخ کہتے ہیں کہ عیسو کی اولاد کبھی بھی جزیرۃ العرب میں آباد نہیں ہوئی تھی، جبکہ بعض کا خیال ہے کہ وہ حجاز کی شمالی سرحد کے ساتھ عرب الحجر میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ عیسو کی ایک بیوی حضرت اسماعیلؑ کی صاحبزادی تھی جن کا نام باسمت تھا۔ عیسو کا بیٹا رعوئیل ان کی اسی بیوی سے تھا۔ حجاز میں حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کے بیٹے نبایوث کی سرداری رہی۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا بھانجا اپنے ماموں کے ہاں آکر آباد ہوگیا ہو اور وقت کے ساتھ اس کی اولاد کی شناخت بھی ننہال کے حوالے سے قائم ہوئی ہو۔ ادومی یا بنی عیسو تعداد میں بہت کم بتائے جاتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اسی وجہ سے وہ اپنی الگ شناخت برقرار نہ رکھ سکے ہوں اور مؤرخوں نے ان کے جزیرۃ العرب میں آکر آباد ہونے سے ہی انکار کر دیا ہو۔

بنی ناحور

سرسید احمد خان نے سر ولیم مور کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بھائی ناحور کے بیٹوں "عوص" اور "بوز" کی اولاد بھی عرب میں آباد ہوئی تھی۔ اِس بارے میں سر ولیم مور سفرِ تکوین سے حوالے ڈھونڈ لائے ہیں، مگر عرب کی قدیم تاریخ اور روایات میں بنی ناحور کا اس انداز میں ذکر نہیں ملتا۔ جس کی بنا پر کہا جاسکے کہ وہ عرب المستعربہ کی کوئی بڑی شاخ تھے۔

بنی ہاران

حضرت لُوطؑ کے دو بیٹے مواب اور عمان تھے جن کی اولاد کو موابی اور عمانی بھی کہا جاتا ہے۔ موابی اور عمانی جزیرۃ العرب کے شمال میں آباد ہوگئے تھے، اس علاقہ میں جو بحرِ لوط کے مشرق میں ہے اور جس میں "کرک" اور "بلکا" کے سبزہ زار واقع ہیں۔ سرسید احمد خاں کا خیال ہے کہ عمانی خلیجِ فارس کے کناروں پر آکر آباد ہوگئے تھے اور "عمان" اسی قوم کا مسکن تھا۔ اگر یہ درست بھی ہو تو بھی ایک بات مسلّم ہے کہ بنی ہاران نے بھی جزیرۃ العرب میں کوئی شہرت اور ناموری حاصل نہیں کی اور اس خطہ میں ان کی آمد اور مسکن ثابت کرنا بھی دشوار ہے۔

عرب المستعربہ کی اس تفصیل سے ثابت ہے کہ ان میں سے صرف آلِ اسماعیلؑ کو شہرت اور ناموری حاصل ہوئی اور آذر کی نسل سے باقی جو کوئی بھی جزیرۃ العرب کی طرف آئے تھے، ان سب کی شناخت بھی آلِ اسماعیلؑ ہی بن گئی تھی، اسی لئے جب عرب المستعربہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اکثر اس سے مراد صرف آلِ اسماعیلؑ ہی لی جاتی ہے۔

حواشی/حوالہ جات

1- سرسید احمد خاں- مقالاتِ سرسید- لاہور 1992ء صفحہ 119

2- کتاب اشعیاہ باب 60 ورس (VERSE) 7

3- سفرِ تکوین باب 25 ورس 18

4- المسعودی / مروج الذہب حصہ دوئم (اردو ترجمہ) / کراچی 1985ء / صفحہ 58

5- موسیو سید یو فرانسیسی / تاریخ عرب (اردو ترجمہ) / کراچی 1986ء / صفحہ 73

6- جنرل گلب پاشا / محمدؐ رسول اللہ (اردو ترجمہ) / کراچی / صفحہ 53

7- جواد علی / المفصل جلد سوم بحوالہ ڈاکٹر یوسف گورایہ / نقوش رسول نمبر جلد یازدھم / لاہور 1985ء صفحہ 574

8- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد سوئم صفحہ 26

عرب اور تجارت

جزیرۃ العرب کا زیادہ حصہ صحراؤں اور ریگستانوں پر مشتمل ہے۔ ان مرکزی صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنے والے خانہ بدوش قبائل زمانۂ قدیم سے ہی اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالنے کے پیشہ سے وابستہ رہے ہیں، لیکن اس جزیرہ نما کے اردگرد دنیا کے قدیم ترین تہذیبی مراکز واقع ہیں۔ دریائے دجلہ و فرات کی وادی کو دنیا کا سب سے قدیم نہیں تو چند سب سے قدیم تہذیبی مرکزوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔اس سے ملحق ایران اور اس سے آگے برصغیر پاک و ہند ہیں۔اس کے شمال میں شام، فلسطین اور ان سے آگے وادیٔ نیل ہیں، بحیرۂ احمر کے اس پار حبشہ ہے۔یہ سب وہ خطے ہیں جہاں قدیم تہذیبوں نے جنم لیا، جہاں قدیم ترین سلطنتیں قائم ہوئیں۔یہ وہ علاقے ہیں جن پر قبضہ کے لئے زمانۂ قبل از تاریخ سے ہی قوموں میں باہمی لڑائیاں اور جنگیں ہوتی رہی ہیں۔ان تہذیبی مراکز اور ممالک کی آپس میں لڑائیاں بھی ہوتی رہیں اور زمانۂ قدیم سے ہی ان کے درمیان تجارت بھی ہوتی رہی ہے۔اس تجارت کے اہم اور بڑے راستے جزیرۃ العرب سے ہو کر گزرتے تھے اور جزیرۃ العرب کے مختلف تجارتی راستوں پر آباد قومیں اور قبائل، اس بین الاقوامی تجارت سے مختلف طریقوں سے وابستہ چلے آتے تھے۔ بحیرۂ عرب اور خلیجِ فارس کے ساحلی علاقوں کے عرب ملّاح جہاز رانی پر قابض تھے، ان بندرگاہوں پر جو مالِ تجارت اترتا تھا، وہ مرکزی صحرا کے گرد سے ہو کر گزرنے والے راستوں سے شام، فلسطین اور مصر کی طرف جاتا تھا۔ ان راستوں پر عرب قبائل کا قبضہ تھا، ان پر سفر کی مشکلات عربوں اور ان کے اونٹوں کے علاوہ اور کوئی برداشت نہیں کرسکتا تھا، اس لئے تجارتی مال ان کے اونٹوں پر ان کی نگرانی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا تھا اور اس تجارت سے انہیں بھی اپنا حصہ مل جاتا تھا۔ بحیرۂ عرب کے ساحلی علاقوں کی پیداوار کی مصر میں بہت زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔ مصر میں حکمرانوں اور امراء کے

جسدِ خاکی کی ممیاں بنانے کی ابتدا کب ہوئی، یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا، لیکن دریافت شدہ شواہد سے اندازہ کیا گیا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح میں بھی مصر کے حکمرانوں اور اہلِ زر کی ممیاں بنانے کا رواج موجود تھا۔ اس زمانے میں ممی بنانے کے لئے خام شورہ (Natron) استعمال کیا جاتا تھا جو مصر میں ہی دستیاب تھا۔بعد میں ممی بنانے کے عمل میں خاص جڑی بوٹیاں (Incense) بھی استعمال کی جانے لگیں۔یہ جڑی بُوٹیاں، عود اور لوبان وغیرہ جزیرۃ العرب کے جنوبی حصہ یمن اور حضرمُوت سے منگوائی جاتی تھیں۔اس خطے میں خوشبو اور دھونی دینے والی یہ جڑی بُوٹیاں اس کثرت سے پیدا ہوتی تھیں کہ قدیم یونانی اسے بُوٹیوں کا ملک (Incense Country) لکھا کرتے تھے۔یہ خوشبو دینے والی جڑی بُوٹیاں ممیاں بنانے کے علاوہ مصری مندروں اور عبادت گاہوں میں پوجا پاٹ اور دربارِ شاہی کی تقریبات کے وقت بھی جلائی جاتی تھیں، اس لئے مصریوں کو ان کی بہت بڑی مقدار کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ ساری ضرورت یمن پوری کرتا تھا۔بحرِ احمر کے دوسری طرف پنت (صومالیہ) میں بھی کچھ ایسی جڑی بوٹیاں اگتی تھیں جو وہاں سے پہلے یمن لائی جاتی تھیں اور پھر آگے مصر بھیجی جاتی تھیں۔تورات میں ہے کہ سبا کی ملکہ بلقیس حضرت سلیمانؑ سے ملنے یروشلم گئیں تو وہ ان کے لئے جو تحائف لے گئیں، ان میں خوشبو دار بوٹیوں سے لدے اونٹ بھی تھے، یمن کے عرب تاجر اہلِ مصر کو محض خوشبو سے جلنے والی جڑی بوٹیاں ہی فراہم نہیں کرتے تھے، وہ ہندوستان اور چین سے درآمد کردہ اشیاء بھی مصر اور اس سے ملحق ممالک شام و فلسطین تک لے جاتے تھے جہاں سے آگے یہ مال بحیرۂ روم کے ممالک اور یورپ تک جاتا تھا۔ان اشیاء کی تعداد میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا گیا۔ لوبان اور عود کے ساتھ عنبر، مُشک، گرم مسالے، کالی مرچ، سونٹھ، سُچّے موتی، ہیرے جواہر، تلواریں، ہاتھی دانت سے بنی اشیاء، ادویات اور ریشمی کپڑا بھی ان میں شامل ہوگئے۔جب مصر پر یونانیوں اور ان کے بعد رومیوں نے قبضہ کرلیا تو ان کے اپنے شاہی درباروں، مندروں اور امراء کے گھروں میں بھی یہ خوشبو دینے والی بُوٹیاں جلائی جانے لگیں۔یورپ میں کالی مرچ کا استعمال اتنی بڑی عیاشی سمجھا جاتا تھا کہ جب گوتھ حملہ آور ایلارک (Alaric) نے روم پر قبضہ کیا تو اس نے اہلِ شہر کو تاوانِ جنگ میں تیرہ سو ساٹھ کلو گرام کالی مرچ پیش کرنے کا حکم دیا تھا(1) چین کا بنا ریشم اور ریشمی کپڑا زمانۂ قدیم سے ہی یورپ میں امراء کی بڑی اہم ضرورت رہا ہے۔جن راستوں سے ریشم اور ریشمی کپڑا مغرب جاتا تھا، ان کے نام ہی شاہراہِ ریشم (Silk Route) پڑ گئے تھے۔ بازنطینی عہد کے رومی امراء اور درباریوں کی ریشم اتنی بڑی ضرورت تھی کہ قیصرِ روم جسٹینین (Justinian) نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ سے باقاعدہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ بحری راستہ سے ہندوستان

سے ریشم لا کر بازنطینیوں کے ہاتھ بیچا کرے تاکہ اس سے حاصل ہونے والا منافع ان کے مشترکہ دشمنوں (مذہبی) کے ہاتھ جانے سے بچ جائے۔ پلینی (Pliny) نے اس بات پر اپنے حکمرانوں کی مذمت کی ہے کہ ہر سال ان کا بہت سا روپیہ، سونا چاندی اور تانبہ ہندوستان اور چین کے مال کے عوض عربوں کے پاس چلا جاتا ہے۔

چین کا ریشم، ہندوستان اور مالا بار کے گرم مسالے اور کالی مرچ، سونٹھ، ہاتھی دانت کی اشیاء، سُچّے موتی، ہیرے جواہر، ہتھیار، ادویات اور کپڑا اور مشرقی افریقہ کا مالِ تجارت پہلے بحری راستوں سے جزیرۃ العرب کے مشرقی ساحل (خلیج فارس / خلیج عرب) اور عدن کی بندرگاہوں تک لایا جاتا تھا اور وہاں سے آگے یہ اشیاء اونٹوں پر لاد کر جزیرۃ العرب کے شمال کی منڈیوں تک پہنچائی جاتی تھیں۔ بعض دفعہ ان تجارتی قافلوں میں اڑھائی ہزار اونٹ تک شامل ہوتے۔ دجلہ اور فرات کے درمیان کا سات سو میل لمبا زرخیز علاقہ کرۂ ارض پر تہذیب کے اولیں مراکز میں سے ہے۔ اس کے جنوبی حصہ سمیر (Sumer) میں "ار" (UR) کا شہر تھا جس کے چاند دیوتا کے مندر اور شاہی محلوں پر ساگوان کی لکڑی کے شہتیر تھے۔ ساگوان ہندوستان میں پایا جاتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا گیا ہے کہ تین ہزار سال قبل مسیح میں بھی ہندوستان سے خلیج کی بندرگاہوں تک بحری تجارت ہوتی تھی۔ اس دور میں اس وادی میں موروں کی پرورش بھی ہوتی تھی، جو خاص طور پر ہندوستان کا پرندہ تھا۔ کپاس کو عبرانی (Hebrew) زبان میں "کرپاس" (Karpas) کہا جاتا ہے جس سے اندازہ کیا گیا ہے کہ اس خطہ میں کپاس بھی مشرق سے گئی تھی اور ان اشیاء کی ساری بحری تجارت جزیرۃ العرب کے جنوبی اور جنوب مشرقی ساحلوں پر آباد عرب ملاحوں کے ہاتھوں میں تھی، جو سندھ اور اس سے آگے گجرات کے ساحلوں تک آتے جاتے تھے اور یہاں سے یہ اشیاء لے جا کر آگے فروخت کر دیتے تھے۔ 45ء تک ان بحری راستوں پر عربوں کی اجارہ داری رہی، کیونکہ مون سون ہواؤں کے رخ اور زیرِ آب ساحلی چٹانوں کے محلِ وقوع سے ان کے علاوہ اور کوئی واقف نہیں تھا۔ جب کیپٹن ہیپالوس (Hipalus) نے 45ء میں مون سون ہواؤں کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ چھ ماہ تک مسلسل مشرق سے مغرب کی سمت اور باقی چھ ماہ مغرب سے مشرق کو چلتی ہیں، تو اس کے بعد مغربی ملّاح ان بحری راستوں کی طرف آنے لگے تھے۔ اس کے باوجود ان بحری راستوں کے بارے میں ساری معلومات وہ اس سے بھی چالیس پچاس سال بعد جمع کر سکے تھے۔ اس کے بعد ان بحری راستوں پر ان کی آمدورفت بڑھ گئی تھی۔ سکندر مقدونی نے پنجاب سے واپسی پر اپنی فوج کا ایک حصہ سمندر کے راستے خلیج تک بھیجا تھا۔ اس کے افسران کو سمندر میں سفر کرتے تھے اور رات ساحل پر گزارتے تھے، رہنمائی کے لئے اس نے جو مقامی ملاح

ساتھ رکھا۔وہ انہیں آسانی سے خلیج تک لے گیا' اس سفر کا اصل مقصد بھی اس بحری راستے کی دریافت تھی جس کا راز عرب کسی اور کو نہیں بتاتے تھے۔یہ راستہ دریافت کر کے سکندر مقدونی بحری تجارت پر سے عربوں کی اجارہ داری ختم کرنا چاہتا تھا،لیکن اسے بھی خلیج سے آگے بحیرۂ احمر تک کا بحری راستہ دریافت کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ہندوستان سے مالِ تجارت زمینی راستوں سے بھی عراق' شام اور اس سے آگے جاتا تھا،مگر یہ راستے دشوار گزار تھے۔ان میں سے ایک راستہ بلوچستان سے ہو کر گزرتا تھا' جو بہت زیادہ دشوار گزار تھا۔دوسرا راستہ افغانستان اور آگے دشتِ لُوط سے ہوکر جاتا تھا۔اس پر چلنے والے قافلوں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا' تیسرا راستہ کوہِ البرز کے دامن کے ساتھ ساتھ ہو کر جاتا تھا۔چوتھا راستہ بحیرۂ کیسپین اور ترکستان سے ہو کر گزرتا تھا،مگر ان راستوں پر سفر سے ایک تو وقت زیادہ لگتا تھا' دوسرے پہلے مصریوں اور ایرانیوں کے درمیان اور بعد میں یونانیوں' رومیوں اور ایرانیوں کے درمیان لڑائیوں کی وجہ سے ان راستوں پر تجارتی قافلوں کی آمد و رفت بند ہو جاتی تھی اور مال کی فراہمی رک جاتی تھی۔

قبل از اسلام کے زمانہ میں ایرانیوں اور بازنطینیوں (رومیوں) کے درمیان مسلسل لڑائیوں کی وجہ سے رومیوں کو ریشم اور دوسرا مالِ تعیش حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آئیں تو قیصرِ روم کو خصوصی انتظامات کرنا پڑے تھے،لیکن بحری تجارت لڑائیوں کے دوران بھی کھلی رہتی تھی۔

جزیرۃ العرب کی بندرگاہوں سے آگے اس کے زمینی تجارتی راستے دشوار گزار ریگزاروں اور صحراؤں کو کاٹ کر گزرتے تھے' ان کی سختیوں اور موسموں کا مقابلہ صرف عرب اور ان کے اونٹ ہی کرسکتے تھے۔اس طرح بحری اور زمینی راستوں پر ان کے جہاز اور قافلے ہمیشہ آتے جاتے رہتے تھے۔اگرچہ ایرانیوں کو اس تجارت کے محصول اور منافع سے کچھ حصہ مل جاتا تھا،کیونکہ زمینی راستے ان کے علاقوں سے ہو کر گزرتے تھے' اس کے باوجود ایرانی شہنشاہ دارا نے اپنے ایک یونانی النّسل بحری کمانڈر سکائی لیکس (Skylax) کو 512ء میں دریائے سندھ سے بحیرۂ عرب اور آگے بحیرۂ احمر تک کے بحری راستوں کی تلاش کے لئے بھیجا تھا،مگر اس کے بعد ایرانیوں نے عربوں کی بحری تجارت میں زیادہ دلچسپی نہیں دکھائی۔مصریوں' یونانیوں اور رومیوں کو ہمیشہ یہ غم رہا کہ انہیں یہ اشیاء بہت مہنگی ملتی ہیں اور اس منافع میں ان کا کوئی حصہ نہیں' اس لئے زمانۂ قدیم سے ہی وہ اس میں سے حصہ بٹانے کے لئے ان راستوں پر قبضہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔مصری فراعنہ کے مقبروں کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ بادشاہِ مصر ساہورے (Sahure) نے 2743 قبل مسیح میں بحیرۂ احمر میں اپنا بحری بیڑا بھیجا تھا اور فرعون سوسیتریس نے دریائے نیل سے ایک نہر کھود کر بحیرۂ احمر سے ملا دی تھی' اس نہر کے راستے ان کے بحری جہاز

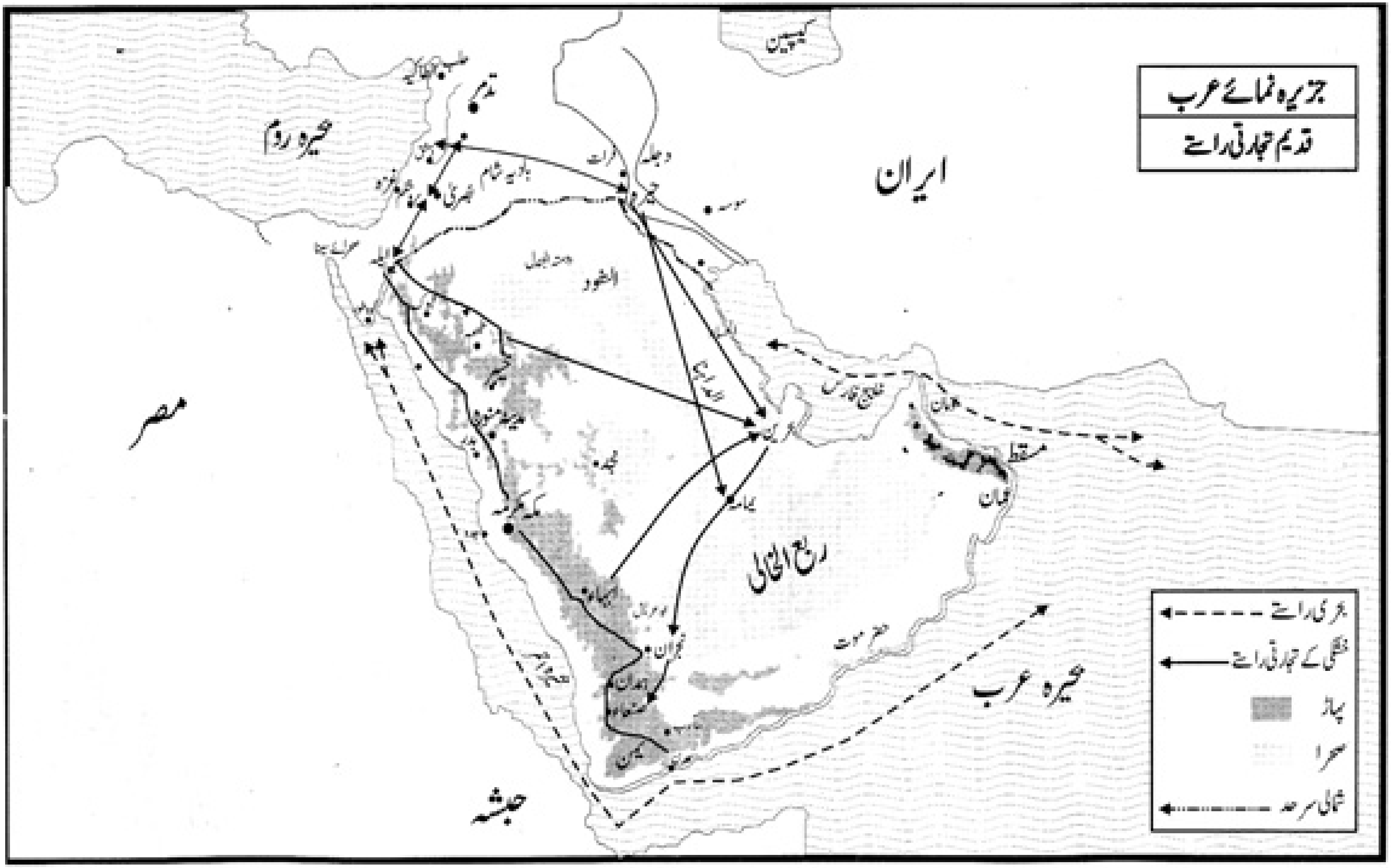
جزیرہ نمائے عرب
قدیم تجارتی راستے
ایران
مصر
حبشہ
بحیرہ روم
بحیرہ عرب
ربع الخالی
خلیج فارس
کیسپین
مسقط
عمان
بحری راستے
خشکی کے تجارتی راستے
پہاڑ
صحرا
شمالی سرحد

بحیرۂ احمر سے آگے جزیرۃ العرب کی جنوبی بندرگاہوں تک آنے لگے تھے،لیکن یہ نہر مختلف ادوار میں مختلف وجوہ کی بنا پر چالو اور بند ہوتی رہتی تھی جس کی وجہ سے یہ تجارت جاری نہیں رہ سکتی تھی۔تورات کے مطابق حضرت سلیمانؑ کے جہاز بھی بحیرۂ احمر میں موجود ہوتے تھے اور ان کے لئے سونا چاندی، ہاتھی دانت کی اشیاء، مور اور بندر لایا کرتے تھے۔ مصر پر یونانیوں کے قبضہ کے بعد بطلیموس ثانی نے 285 قبل از مسیح میں دریائے نیل کو بحیرۂ احمر سے ملانے والی نہر کی صفائی کروا کر اسے پھر سے چالو کیا،کیونکہ شام پر ایرانیوں کا قبضہ ہوگیا تھا۔مصر کے پٹولمی (Ptolemy) حکمرانوں نے اس نہر کی دیکھ بھال اور حفاظت کا بہت اہتمام کیا اور بحیرۂ احمر تک سامانِ تجارت لانے والے عرب ملاحوں اور تاجروں کو سہولتیں فراہم کیں۔اس طرح اس زمانے میں بھی مصر کو ہندوستان اور چین کا مال پہنچانے کی ساری تجارت عربوں کے ہاتھ میں رہی،مگر جب قلوپطرہ حکمران بنی تو نظامِ حکومت خراب ہوگیا اور نیل سے نکالی گئی نہر میں جہاز رانی بند ہوگئی۔اس کے بعد 30 قبل مسیح میں مصر پر رومیوں کا قبضہ ہوگیا تو انہوں نے اس نہر کو پھر سے صاف کیا اور ان کے تجارتی جہاز بحیرۂ احمر تک آنے لگے۔انہوں نے یمن کے عربوں کی دولت اور تجارتی راستوں پر قبضہ کرنے کی بھی کوشش کی۔قیصرِ روم آگسٹس نے دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک زبردست فوج جنوبی عرب پر فوج کشی کے لئے بھیجی،مگر چھ ماہ تک دشوار گزار صحراؤں میں مارے مارے پھرنے کے بعد یہ فوج واپس جانے پر مجبور ہوگئی۔اس تلخ تجربہ کے بعد رومیوں نے کبھی یمن پر حملہ کی کوشش نہیں کی،البتہ بحیرۂ احمر کے تجارتی راستے کی حفاظت کے لئے انہوں نے اپنے محافظ مقرر کر دیئے اور ان کے جہاز ہندوستان تک جانے لگے۔مون سون ہواؤں کے رُخ اور بحری راستوں کے بارے میں جملہ معلومات حاصل ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان سے ایک وقت بحری تجارت پر رومنوں کا قبضہ ہوگیا تھا،لیکن جب رومی سلطنت زوال پذیر ہوئی تو 510ء کے قریب ان راستوں پر پھر سے یمنی عربوں نے قبضہ کر لیا۔جہاں تک جزیرۃ العرب سے گزرنے والے تجارتی راستوں کا تعلق ہے،وہ ہمیشہ عربوں کے قبضہ میں رہے۔ دوسری صدی قبل از مسیح میں صحرائے شام کے کنارے آباد عربوں نے وہاں اپنی ریاست قائم کر لی تھی جس کا دارالحکومت پٹرا تھا۔اپنے عروج کے زمانہ میں یہ نبطی ریاست خلیج عقبہ تک پھیلی ہوئی تھی اور اس کا دارالحکومت بڑی تجارتی منڈی بن گیا تھا۔عربوں کے تجارتی قافلے پٹرا آتے تھے جہاں سے ایک راستہ بصریٰ اور دمشق کو چلا جاتا تھا اور دوسرا راستہ مصر اور اردن کی بندرگاہوں کی طرف نکل جاتا تھا۔ 106ء میں رومیوں نے اس ریاست کا خاتمہ کرکے اسے اپنی حکومت کا صوبہ بنا لیا اور عقبہ کے مقام پر نگران چوکیاں قائم کر دیں،جہاں تاجروں کے مال کی جانچ پڑتال کی جاتی تھی

اور ان سے محصول وصول کیا جاتا تھا۔عقبہ سے آگے یہ تجارت کا مال رومیوں کی نگرانی میں جانے لگا تھا۔

جزیرۃ العرب کا سب سے اہم زمینی تجارتی راستہ عدن سے شروع ہو کرصنعاءٔ ہمدان' مکہ' یثرب (مدینہ) العلاء' تبوک اور ایلہ سے ہوتا ہوا پیڑا تک جاتا تھا۔عقبہ سے تجارتی قافلے غزہ کی طرف جاتے تھے جہاں ان کا رابطہ بحیرۂ روم کے ساحلوں کے تاجروں سے ہو جاتا تھا۔دمشق سے ایک تجارتی راستہ جزیرۃ العرب کی ایرانی سرحد پر واقع تجارتی منڈی حیرہ تک جاتا تھا۔جو تجارتی مال خلیج فارس کے ساحل پر اتارا جاتا تھا'وہ تدمر (Palmyre) سے ہوتا ہوا آگے جاتا تھا،لیکن جو مالِ تجارت بحیرۂ عرب کی بندرگاہوں پر اتارا جاتا تھا'وہ حضرمُوت اور عدن کے راستہ سے آگے جاتا تھا۔ جزیرۃ العرب کے اوپر سے ایک تجارتی راستہ خلیج فارس کے جزائر بحرین سے ہمدان تک جاتا تھا اور اس بڑے راستے سے مل جاتا تھا۔ایک اور راستہ ایران کی سرحد پر واقع تجارتی منڈی حیرہ سے یمامہ (موجودہ ریاض) اور بنی تمیم کے علاقہ سے ہوتا ہوا نجران اور یمن تک جاتا تھا۔اس راستہ سے ایران کا مالِ تجارت جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں تک پہنچایا جاتا تھا۔اسی طرح پورے جزیرۃ العرب میں تجارتی راستوں کا ایک جال بنا ہوا تھا جو ربع الخالی اور صحرائے شام کے کناروں کے گرد پھیلا ہوا تھا۔

اس بحری اور بَرّی تجارت سے مختلف عرب مختلف طریقوں سے وابستہ تھے۔عرب ملاح ہندوستان اور مشرقی افریقہ سے مال لاتے تھے' جو تاجر یہ مال منگواتے تھے'وہ مقامی منڈی میں عرب تاجروں کے ہاتھ مال فروخت کر دیتے تھے۔جنوبی عرب کی جڑی بُوٹیوں اور درآمد شدہ مال کے تاجر اونٹوں کے مالکوں کے ذریعے مالِ تجارت دوسری منڈیوں تک پہنچاتے تھے' جن قبائل کے علاقوں سے یہ تجارتی قافلے گزرتے تھے'وہ اسی طرح محصول وصول کرتے تھے جس طرح حکومتیں اپنے علاقوں سے گزرنے والے مالِ تجارت پر محصول لیتی تھیں۔ان قبائل کے سردار تجارتی قافلوں کو پوری حفاظت کے ساتھ گزارنے کے لئے رہنما اور محافظ فراہم کرتے تھے۔اس طرح کوئی مرکزی حکومت یا نظام نہ ہونے کے باوجود پورے جزیرۃ العرب میں ایک قسم کا ضابطہ نافذ تھا جس کی سب قبائل سختی سے پابندی کرتے تھے۔جب یہ تاجر اور قافلے بیرونی منڈیوں سے واپس آتے تھے' تو وہاں سے غلّہ اور عربوں کی ضرورت کی دوسری اشیاء خرید لاتے تھے' تجارتی راستوں پر واقع شہروں کے تاجر یہ مال خرید کر ریگستانوں اور بیابانوں میں رہنے والوں تک پہنچاتے تھے یا وہ خود منڈیوں اور تجارتی میلوں سے ضرورت کی اشیاء خرید کر لے جاتے تھے[6] اس طرح اس تجارت سے جزیرۃ العرب کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو فائدہ پہنچتا تھا' ان کی ضرورت کی

اشیاء بھی فراہم ہوتی رہتی تھیں اور اس سے وابستہ مختلف گروہوں کو مختلف طریقوں سے مالی فائدہ بھی حاصل ہو جاتا تھا۔جزیرۃ العرب کے کناروں کے ساتھ ساتھ قائم بڑی سلطنتوں کی آپس کی لڑائیاں بھی ایک طرح سے عربوں کے فائدے میں رہتی تھیں۔وہ ان لڑائیوں سے الگ رہ کر سب فریقوں سے تجارت کرتے تھے اور سب کو ان کی ضرورت کی اشیاء فراہم کیا کرتے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ 2100 ق م کے قریب عراق کے شہر "اُر" میں پیدا ہوئے۔یہ شہر خاندانِ "نمو" یا نمرود کے کے بادشاہوں کا دارالحکومت تھا جس کی سلطنت کی حدودِ عراق کے زرخیز خطہ سے باہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔حضرت ابراہیمؑ کے والد تارح (آذر) بادشاہِ وقت کے ناظمِ اعلیٰ (Chief Officer) تھے(1) ملک کے لوگ دنیا دار بُت پرست تھے۔ار کے باسی ننار (چاند) دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ننار کا بُت ایک اونچی پہاڑی پر بنے مندر میں رکھا تھا۔اس کے قریب ہی "نن گل" دیوی کا مندر تھا جس کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ یہ "ننار" کی بیوی ہے۔اس کے مندر میں جنسی قربانی دی جاتی تھی۔ خواتین نجاتِ اخروی حاصل کرنے کے لئے اس مندر میں اپنی بکارت کا نذرانہ پیش کیا کرتی تھیں۔ان لوگوں کے عقیدے کے مطابق ملک اور حکومت کا اصل مالک ننار دیوتا تھا اور بادشاہِ وقت اس کی طرف سے نظمِ مملکت چلاتا تھا۔اس لئے ننار کے بُت کی مانند وہ وقت کے بادشاہ کی بھی پوجا کرتے تھے۔اس طرح ان کے دنیاوی اور دینی کلچر کا مرکز و محور ننار اور اس کا نمائندہ بادشاہِ وقت ہوتا تھا۔اس معاشرے کی ساری سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور دینی سرگرمیاں اسی عقیدے پر استوار تھیں۔حضرت ابراہیمؑ سنِ شعور کو پہنچے تو انہوں نے بُتوں اور بُت پرستی کے بارے میں غور و فکر شروع کر دیا۔قرآن کریم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی بُت پرست قوم کے درمیان مکالمہ اس طرح بیان کیا ہے:

- "اور اس سے پہلے حقیقت میں ہم نے ابراہیم کو ہدایت کی راہ دکھائی تھی اور ہم اسے خوب پہچانتے تھے۔
- جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا: "یہ مُورتیاں کیا ہیں؟ جن کی تم پرستش کرتے ہو؟"

- تو انہوں نے جواب دیا: ”ہم نے اپنے اجداد کو ان کی پُوجا کرتے دیکھا ہے۔“
- ابراہیم نے کہا: ”حقیقت میں تم اور تمہارے اجداد کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔“
- انہوں نے پوچھا: ”تم جو کچھ ہم سے کہہ رہے ہو‘ اس پر تمہارا ایمان ہے یا ہم سے دل لگی کر رہے ہو؟“
- ابراہیم نے کہا: ”نہیں میں دل لگی نہیں کر رہا‘ بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے‘ جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور میں اس سچائی کے گواہوں میں سے ہوں۔“
- ”اور اللہ کی قسم! میں تمہارے ان بُتوں کی گت بنا دوں گا جب تم ان کے پاس سے پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔“
- پھر اس نے ان سب بُتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ ان میں سے سب سے بڑے بُت کے سوا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کر سکیں (یہ جاننے کو کہ بُت کس نے توڑے ہیں)
- انہوں نے کہا: ”(اپنے بُتوں کا حال دیکھ کر) ”ہمارے معبودوں کا یہ حشر کس نے کیا ہے۔ بلاشبہ یہ کسی ستمگر کا کام ہے۔“
- کہنے لگے: ”ہم نے ایک نوجوان کو ان بُتوں کا (برائی سے) تذکرہ کرتے سنا تھا‘ اسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے۔“
- کہنے لگے: ”تو پھر بلاؤ اسے (ابراہیمؑ کو)‘ سب لوگوں کے سامنے تاکہ وہ اس پر گواہ ہوں۔“
- پھر انہوں نے پوچھا: ”اے ابراہیمؑ! ہمارے بُتوں کا یہ حشر تم نے کیا ہے؟“
- اس نے کہا: ”یہ تو ان کے ساتھ ان کے بڑے (بت) نے کیا ہے۔ اگر وہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھ لو۔“
- پس انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا (غور کیا) اور ایک دوسرے سے کہا: ”لو‘ اب تو تم خود ہی ستم گار ہو۔“
- انہوں نے (شرمندگی سے) اپنے سروں کو جھکا لیا اور کہا: ”تم تو جانتے ہو کہ یہ بُت بول نہیں سکتے۔“ (یعنی بتا نہیں سکیں گے کہ کس نے ان کا یہ حشر کیا ہے)
- اس نے (ابراہیم نے) کہا: ”تو کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔“
- ”تُف ہے تم پر اور ان سب پر جن کی تم خدا کو چھوڑ کر پُوجا کرتے ہو‘ کیا تمہیں اتنا بھی شعور نہیں۔“
- وہ چلّائے: ”اسے آگ میں جلا دو اور اپنے بُتوں کی مدد کرو۔ (بدلا لینے میں) اگر اس

بارے میں تم کچھ کرنا چاہتے ہو تو۔"

- ہم نے حکم دیا: "اے آگ! ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈی اور امن والی بن جا۔"
- انہوں نے اس کے (ابراہیمؑ کے) ساتھ برائی کرنا چاہی، مگر ہم نے انہیں بڑے زیاں کار بنا دیا۔
- ہم نے انہیں (ابراہیمؑ کو) اور لوطؑ کو نجات دلائی اس دھرتی کے لئے جسے ہم نے سب کے لئے بابرکت بنایا ہے۔
- اور ہم نے انہیں اسحاقؑ عطا فرمایا اور پوتا یعقوبؑ عطا فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کو نیکو کار بنایا۔
- اور ہم نے انہیں پیشوا بنایا۔وہ ہمارے فرمان کی طرف راہنمائی کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ خیر کے کام کریں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں اور وہ صرف ہماری عبادت کرنے والے تھے۔" (21:51--73)

برکت والی دھرتی سے مراد شام اور فلسطین ہے، جہاں عراق سے ہجرت کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے مستقل قیام فرمایا تھا۔عراق سے ہجرت میں آپ کے ہمراہ آپ کے بھتیجے لوطؑ اور آپ کی اہلیہ حضرت سارہؑ تھیں۔

"ار" سے ہجرت کے بعد سب سے پہلے آپ حران یا حاران تشریف لے گئے، وہاں کچھ دیر قیام فرمانے کے بعد آپ ارضِ فلسطین چلے گئے اور بیت ایل، جبرون اور بیرِ شبع کے مقامات پر قیام فرمایا اور وہاں توحید کی تبلیغ کرتے رہے۔انہوں نے اپنے بھتیجے حضرت لوطؑ کو شرقِ اردن کے علاقہ میں تبلیغِ دین کے لئے بھیج دیا۔اس زمانے میں عراق کے بعد تہذیب کا دوسرا بڑا گہوارہ مصر تھا۔فلسطین میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپؑ اپنی اہلیہ کے ہمراہ مصر گئے جہاں اللہ تعالیٰ نے وہ معجزہ دکھایا جس کے نتیجے میں فرعونِ مصر نے اپنی صاحبزادی حضرت ہاجرہؑ کو حضرت سارہؑ کی رفاقت میں دے دیا (یہاں اس واقعہ اور سفر کی تفصیلات اور مباحث کا بیان مقصود نہیں) مصر سے واپسی کے بعد آپؑ نے ارضِ فلسطین کو اپنا مسکن بنایا اور توحید کے مشن کا آغاز کیا، وہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو دو فرزند عنایت فرمائے۔حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ۔پھر اللہ کے حکم کے مطابق آپؑ اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کو مکہ کی وادی میں پہنچا کر واپس فلسطین چلے گئے۔ایک دفعہ اپنی بیوی اور بیٹے سے ملنے آئے، تو وادیٔ مکہ میں اللہ کا گھر تعمیر کیا، اپنے فرزند کو حج، طواف، عمرہ اور قربانی کے طریقے سکھائے اور جزیرۃ العرب کے لئے دینِ

حق کی تبلیغ کے مشن کا سربراہ مقرر کر کے واپس اپنے مرکز تبلیغ حبرون تشریف لے گئے۔ وہیں آپؑ نے وفات پائی۔ آپؑ کے بعد حبرون کے مرکز کی سربراہی آپ کے چھوٹے فرزند حضرت اسحاقؑ کے حصہ میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے دونوں صاحبزادوں کو بھی پیغمبری عنایت فرمائی اور اس دین کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری انہیں سونپ دی جس دین کی وجہ سے آپؑ کو اپنا آبائی شہر اور ملک چھوڑنا پڑا تھا۔

دینِ ابراہیمیؑ

وہ دین جسے بعد میں دینِ ابراہیمیؑ اور "دینِ حنیف" کہا گیا اور جس پر عمل اور جس کی تبلیغ کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا ملک شہر اور قوم چھوڑنا پڑے تھے' وہ تھا کیا؟ قرآنِ کریم کی مندرجہ بالا آیات میں اس دین کے چار اہم اصولوں کا ذکر ہے۔ اول صرف اور صرف خالقِ کائنات کی عبادت یعنی خالص توحید' دوئم نماز قائم کرنا' سوئم زکوٰۃ دینا' چہارم خیر کے کام کرنا۔ قرآن کریم کی متعدد دیگر سورتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس دین کا ذکر فرمایا ہے۔

آیئے' ہم ان مقامات کو دیکھیں تاکہ اس دین کی مکمل تصویر سامنے آسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

"یہ (یہودی اور نصرانی) کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ۔ تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے۔ آپؑ کہہ دیجئے کہ ہم تو ملتِ ابراہیمؑ پر رہیں گے جو حنیف تھا اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں (بت پرستوں) میں سے نہ تھے"(135:2)

- "ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے نہ نصرانی تھے۔ وہ حنیف اور صاحبِ اسلام تھے اور مشرکوں (بت پرستوں) میں سے بھی نہ تھے۔" (67:3)
- "آپؑ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا۔ سو ملتِ ابراہیمؑ کا اتباع کرو جو حنفی تھا اور مشرکین (بت پرستوں) میں سے نہیں تھا۔" (95:3)
- "اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا دین کس کا ہوگا جو اپنا رُخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو اور ملتِ ابراہیمؑ حنیف کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنا خاص دوست بنایا تھا۔" (125:4)
- اور جب ابراہیمؑ نے کہا: "اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور مجھے اور میرے فرزندوں کو بُتوں کی خدمت سے بچائے رکھ' اے میرے رب! ان بُتوں نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کر دیا۔ پھر جو کوئی میری پیروی کرے گا وہی میرا ہے اور جو شخص میرا کہا

نہ مانے تو آپ تو غفور اور رحیم ہیں۔" (36-35:14)

- "اور جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی جگہ بتا دی اور (حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک مت کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں' قیام کرنے والوں' رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا' اور لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔لوگ تمہارے پاس پیدل چل کر آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر سوار ہو کر تمام دور دراز راستوں سے پہنچیں گے' تاکہ وہ دیکھیں کہ اس میں ان کے لئے کیا فوائد ہیں اور ایامِ مقررہ کو ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں (قربانی دیں) جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عنایت فرمائے ہیں' پھر قربانی سے خود کھاؤ اور کھلاؤ غریبوں اور بدحال محتاج کو' پھر چاہئے کہ ختم کر دیں اپنا میل کچیل اور پوری کریں اپنی منتیں اور طواف کریں اس قدیم گھر کا۔" (22 : 26--29)
- "اور محنت کرو اللہ کے واسطے جیسی کرنا چاہئے اس کے واسطے محنت' اس نے تم کو پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل' دین تمہارے باپ ابراہیمؑ کا۔اسی نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اس قرآن میں تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر' سو قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور مضبوط پکڑو اللہ کو' وہ تمہارا مالک ہے' سو خوب مالک ہے اور خوب مددگار۔" (78:22)
- "سو وہ (بُت جن کی تم پُوجا کرتے ہو) میرے غنیم ہیں' مگر رب العالمین جس نے مجھے بنایا' وہی مجھے راہ دکھلاتا ہے اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھ کو مارے گا اور پھر جلائے گا۔" (79:26--81)
- "اور جب کہا ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو "میں الگ ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پُوجتے ہو' مگر جس نے مجھے بنایا سو وہ مجھ کو راہ سُجھائے گا" اور یہی بات (وہ) پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں تاکہ وہ رجوع کریں۔" (26:43--28)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

- ملتِ ابراہیم کا اتباع کرو' وہ حنیف تھا اور بُت پرستوں میں سے نہیں تھا۔ (مشرکین میں نہیں تھا)
- اپنا رُخ خلوصِ دل کے ساتھ اللہ کی طرف جھکاؤ۔

بیت اللہ کو قیام' سجدہ اور طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا' حج کا اعلان کرنا اور اللہ کے نام پر قربانی دینا۔

- نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' اللہ کو مالکِ حقیقی سمجھنا اور اس پر سختی سے قائم رہنا۔

- یہ ایمان رکھنا کہ اللہ تعالٰی ہی انسان کو پیدا کرنے والا ہے، وہی رزق اور صحت دیتا ہے، وہی موت دینے والا ہے اور روزِ قیامت کو وہی پھر زندہ کرے گا۔
- اور اللہ ہی انسانوں کا مالک اور مددگار ہے۔
- قرآنِ کریم میں یہ بھی صاف طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اسی دین کے ماننے والے تھے، اسی کی تبلیغ کرتے رہے تھے۔
- اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو اسی دین کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ جو میری بات (وہ دین جو اللہ نے میرے ذریعے اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے) مانے گا میرا وہی ہے۔

حنیف کا مطلب

قرآنِ کریم میں اکثر آیات میں حضرت ابراہیمؑ کے نام کے ساتھ آیا ہے کہ وہ حنیف تھا۔ اسی وجہ سے اس دین کو، جو اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعے اولادِ آدم کے لئے بھیجا تھا، دینِ حنیف بھی کہا گیا۔ مگر حنیف کا مطلب کیا ہے؟

- مولانا سید احمد حسن صاحب احسن التفاسیر میں لکھتے ہیں: "حنیف کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ذات میں کُوٹ کُوٹ کر توحید بھری تھی"۔
- مولانا محمود الحسن صاحب "حنیف" کا لفظ جہاں بھی آتا ہے اس کا ترجمہ کرتے ہیں: "جو ایک ہی طرف کا تھا"۔ جس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ وہ صرف اللہ کو ماننے والا تھا۔
- مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لفظ "حنیف" کا ترجمہ کرتے ہیں: "جس میں کجی کا نام نہیں"۔
- مولانا مودودی نے سورہ آلِ عمران کی آیت 67 میں لفظ حنیف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "حنیف سے مراد ایسا شخص ہے جو ہر طرف سے رُخ پھیر کر ایک خاص راستہ پر چلے یعنی "مسلمِ یک سُو"۔
- حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن کریم کے فارسی ترجمہ میں اسی آیت یعنی سورہ آلِ عمران کی آیت 67 میں لفظ حنیف کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "حنیف آنرا گفتند کہ استقبالِ کعبہ کند و حج گزارد و ختنہ نماید و از جنابت غسل کند، حاصل آنکہ نام کسے بود کہ بشریعتِ ابراہیمیؑ متدیّن باشد"۔ یعنی حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو استقبالِ

کعبہ کرے، حج ادا کرے، ختنہ کرائے اور غسلِ جنابت کرے، جس سب کا حاصل یہ ہے کہ وہ شخص جو شریعتِ ابراہیمیؑ پر عامل ہو۔

- پکتھال (Pickthal) لفظ حنیف کا ترجمہ Upright کرتا ہے۔
- شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ کی طرف سے عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ جو قرآن شائع کیا گیا ہے، اس میں سورہ آلِ عمران کی آیت 67 میں لفظ حنیف کا ترجمہ Upright کیا گیا ہے، لیکن اسی سورہ کی آیت 95 میں حنیف کے لئے Sane کا انگریزی لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔
- سورہ النساء کی آیت 125 میں ابراہیمؑ حنیف کا ترجمہ Abrahim the true in faith کیا گیا ہے۔
- سورہ البقرہ کی آیات 135 میں ابراہیم حنیف کا ترجمہ کرتے ہوئے حنیفا یا حنیف کا ترجمہ True کیا گیا ہے اور Commentry میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"Hanif :- incliened to right opinion, orthodox (in the literal meaning of the Greek words) firm in faith, sound and well balanced True:- Perhaps the last word, true sums up most of the other shades"

- مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ میں دینِ ابراہیمیؑ کو دینِ حنیفی کیوں کہتے ہیں، کے سلسلہ میں لکھا ہے: "قرآن مجید میں یہ لفظ موجود ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس دین میں بُت پرستی سے انحراف تھا اس لئے اسے حنیفی کہتے ہیں، کیونکہ حنیف کے معنی انحراف کے ہیں۔
- عبداللہ یوسف علی نے ایک جگہ اور پکتھال نے ہر جگہ حنیف کا ترجمہ Upright کیا ہے۔
- مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد کی شائع کردہ انگریزی اردو ڈکشنری میں Upright کا ترجمہ ہے "راستباز"، "متدیّن"، "ایمانداری اور اخلاقی راست روی سے متعلق"۔
انگریزی ڈکشنری میں Upright کے معنی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔

Having or manifesting a Strict regard for what is morally right- Honest-- Honourable-- Just-- Right-- True- Scrupulous

یعنی ایسا شخص جو اس چیز پر سختی سے کاربند ہو جسے وہ اخلاقی طور پر درست سمجھتا ہو۔ دیانتدار، معزز، منصف مزاج، سیدھی راہ چلنے والا، سچا، بہت زیادہ محتاط۔

حواشی / حوالہ جات

1- قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام آذر اور پیشہ بُت تراشی تھا۔

حضرت ابراہیمؑ اور جزیرۃ العرب

حضرت ابراہیمؑ فلسطین کی سرسبز دھرتی سے جزیرۃ العرب کے سفر پر نکلے‘ تو ان کی بیوی حضرت ہاجرہؓ اور بیٹا اسماعیلؑ بھی ان کے ہمراہ تھے۔وہ چلتے رہے اور طویل مسافت کے بعد ایک چھوٹی سی ویران وادی میں پہنچ گئے۔اس وادی میں کوئی آبادی نہیں تھی۔کہیں کوئی ایک انسان بھی دکھائی نہیں دیتا تھا‘ ایک درخت کے قریب اونٹ روکا‘ بیوی اور بیٹے کو چھاؤں میں بٹھا کر اونٹ پر سے کجاوا اور سامان اتارا‘ اس کا گھٹنا باندھ کر خود بھی چھاؤں میں بیٹھ گئے‘ چمڑے کے تھیلے سے کھجوریں نکال کر کھائیں‘ پانی کا مشکیزہ ساتھ لائے تھے‘ بیوی اور بیٹے کو پانی پلایا‘خود پیا اور آرام کے لئے لیٹ گئے۔

ایک صبح اٹھے‘ نماز پڑھی‘اونٹ پر پالان ڈالا‘پانی کا مشکیزہ اور کھجوروں کا تھیلا بیوی اور بچے کے پاس چھوڑ دیا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر خاموشی سے چل دیے۔

حضرت ہاجرہؓ حیران رہ گئیں :”اے ابراہیمؑ!کہاں جا رہے ہو؟“ انہوں نے پیچھے سے آواز دی۔

حضرت ابراہیمؑ نے مڑ کر نہیں دیکھا۔انہوں نے حضرت ہاجرہؓ کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔وہ خاموش چلتے رہے۔

”اے ابراہیمؑ!ہمیں اس ویران اور بیابان وادی میں کیوں چھوڑ کر جا رہے ہو؟“

حضرت ابراہیمؑ نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”کیا آپؑ اللہ کے حکم پر ہمیں یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟“

”ہاں‘میں اللہ کے حکم پر تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں“۔اس بار حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا۔

”اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو پھر اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا“۔حضرت ہاجرہ نے کہا اور واپس آکر

بیٹے کے پاس بیٹھ گئیں۔

حضرت ابراہیمؑ چلتے رہے، جب ایک موڑ مڑ کر پہاڑی کی اوٹ میں پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ دکھائی نہیں دیتے تھے، تو رُک گئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس ایسی وادی میں جہاں کوئی فصل نہیں اگتی، لا کر بسا دیا ہے تاکہ وہ یہاں نماز قائم کریں۔ اے ہمارے رب! تُو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف موڑ دے اور انہیں میووں سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔"

حضرت ہاجرہؑ اللہ کے محترم گھر کے قریب درخت کی چھاؤں میں اپنے بیٹے کے پاس بیٹھی رہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اونٹ پر سوار ہو کر واپس فلسطین چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں: "یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے اس گھر کی جگہ تجویز کی تھی۔" (26:22)

یہ "وادیٔ غیر ذی زرع" یمن سے فلسطین تک بحیرۂ احمر کے متوازی پھیلے خشک پہاڑی سلسلے میں واقع تھی۔

وہاں نہ کوئی انسان تھا نہ کھانے کو کوئی چیز ملتی تھی، نہ پانی کا کوئی کنواں تھا اور نہ چشمہ تھا۔ یمن سے شام اور فلسطین کی طرف جانے والا قدیم تجارتی راستہ اس مقام کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا، مگر کوئی قافلہ وہاں پڑاؤ نہیں کیا کرتا تھا۔

تجارتی قافلے وہیں ٹھہر سکتے تھے جہاں پانی کا وسیع ذخیرہ ہو۔

مگر اللہ کا حکم تھا اور پیغمبر کے لئے اس کی پابندی لازم تھی۔

پھر جب پانی ختم ہو گیا تو حضرت ہاجرہؑ کو فکر ہوئی۔ ان کا بچہ پیاس سے تڑپ رہا تھا۔ بچے کو وہیں درخت کے نیچے چھوڑ کر وہ پانی کی تلاش میں نکلیں کہ شاید کہیں کوئی آدمی مل جائے اور پانی کا پتہ بتا دے، مگر کہیں کوئی انسان نظر نہ آیا تو وہ بھاگتی ہوئی قریبی پہاڑی پر چڑھ گئیں کہ شاید اس کے دوسری طرف پانی یا انسان مل جائے، مگر ادھر بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔

پھر اسی طرح بھاگتی ہوئی وہ پہاڑی سے نیچے آ گئیں۔ بچے کی بھی فکر تھی، وہ اپنے بازو اٹھا کر دوڑ رہی تھیں جیسے مصیبت میں ہوں۔

بچے کو دیکھ کر پھر دوڑتی ہوئی وہ دوسری پہاڑی پر جا چڑھیں، مگر اس کے دوسری طرف بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔

فکر اور غم میں وہ پھر دوڑتی ہوئی واپس آئیں اور پھر پہلی پہاڑی پر جا چڑھیں کہ شاید اب کوئی انسان اس طرف آ گیا ہو۔

اس طرح دونوں پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہؑ نے دوڑتے ہوئے سات چکر لگائے۔

آخری بار جب وہ مروہ کی پہاڑی پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔

"چُپ ہو جا" حضرت ہاجرہؑ نے اپنے آپ سے کہا۔

شاید وہ مدد کے لئے اللہ کو پکار رہی تھیں۔

آواز پھر آئی۔

"اے شخص! تُو نے اپنی آواز مجھ تک پہنچا دی۔ کیا تیرے پاس میری فریاد رسی کے لئے بھی کچھ ہے؟" انہوں نے سوچا شاید ان کی پکار سُن کر کوئی ان کی مدد کو آیا ہے۔

ایک آدمی اپنی ایڑی سے وادی میں زمین کھود رہا تھا۔

حضرت ہاجرہؑ نے دیکھا کہ اس جگہ سے پانی اُبلنے لگا ہے، وہ دوڑیں اور اپنا مشکیزہ پانی سے بھر لیا۔

پانی زمین کے اندر سے اُبلتا رہا۔

حضرت ہاجرہؑ اس کے گرد بند بنانے لگیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہؑ کی فریاد سُن لی تھی۔

"غم نہ کرو، اللہ تمہیں محفوظ رکھے گا اس جگہ سے قریب اللہ کا گھر ہے۔ تیرا بیٹا اور اس کا باپ مل کر اللہ کے اس گھر کو نئے سرے سے تعمیر کریں گے اور اللہ اس گھر کے لوگوں کو ضائع نہیں کرے گا۔" ایڑی مار کر پانی کا چشمہ نکالنے والے شخص (فرشتے) نے خوش خبری دی اور غائب ہو گیا۔

حضرت ہاجرہؑ نے بیٹے کو نہلایا، پانی پلایا، کھجوریں ابھی باقی تھیں۔ خیمہ حضرت ابراہیمؑ لگا گئے تھے۔

حضرت ہاجرہؑ اپنے بیٹے کے ساتھ وہاں رہنے لگیں۔

اللہ نے ان کی اور ان کے بیٹے کی حفاظت کی۔

ایک خانہ بدوش قبیلے کے لوگ اپنے اونٹ اور بھیڑ بکریاں چَراتے ہوئے ان پہاڑیوں کے اس پار سے گزرے، تو انہوں نے دیکھا کہ صفا اور مروہ کے اوپر دوسری طرف ایک ایسا پرندہ فضا میں اڑ رہا ہے جو صرف ان جگہوں پر پایا جاتا ہے جہاں پانی ہو۔ صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنے

والے عرب اس قسم کے پرندوں اور علامات سے پانی کے چشموں کا محلِ وقوع تلاش کیا کرتے تھے۔
اس وادی میں اس پرندے کو دیکھ کر انہیں حیرانی ہوئی۔وہ اپنے ریوڑوں کے ساتھ پہلے بھی اِدھر سے گزرا کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہاں تو پانی کا نشان تک نہیں،لیکن اگر پانی نہیں تو پھر وہ پرندہ وہاں کیوں آگیا؟ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ وہ دیکھ کر آئے کہ صورتِ احوال کیا ہے۔
اس نے واپس جا کر بتایا کہ وادی میں پانی کا چشمہ پھُوٹ نکلا ہے اور ایک خاتون اپنے بچے کے ساتھ وہاں مقیم ہے۔
وہ خوش ہوگئے۔اپنے ریوڑ ہانک کر ادھر لے آئے۔
"آپ کی اجازت ہو تو ہم بھی یہاں قیام کرلیں؟" انھوں نے حضرت ہاجرہؑ سے پوچھا۔
"ہاں،تم قیام تو کرسکتے ہو،مگر پانی کا یہ چشمہ میری ملکیت رہے گا۔" حضرت ہاجرہؑ نے شرط لگا دی۔
"ہمیں آپ کی شرط منظور ہے۔"
وہ اپنے ریوڑ کے ساتھ وہاں رہنے لگے۔
حضرت حاجرہؑ کی خواہش تھی کہ وہاں آبادی ہو جائے۔ان کا حُسنِ سلوک دیکھ کر خانہ بدوش اپنے بیوی بچے بھی وہاں لے آئے اور چشمے کے اردگرد خیمے لگا لئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کے دل حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی طرف پھیر دیئے اور "وادیٔ غیر ذی زرع" میں زندگی کا بسیرا ہوگیا۔
یہ خانہ بدوش قبیلہ بنو جرھم سے تعلق رکھتے تھے۔
حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے اور بیوی سے ملنے آتے رہتے تھے۔ایک دفعہ آئے تو اللہ نے خواب میں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا۔اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے اللہ کے حکم کی تعمیل کے بارے میں فرماتے ہیں: "پھر جب وہ لڑکا (اسماعیلؑ) اس کے ساتھ (باپ کے ساتھ) دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو پہنچ گیا تو (ایک روز) ابراہیمؑ نے کہا: "بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔تُو بتا تیرا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا: "ابا جان! جو کچھ آپ کو حکم دیا جا رہا ہے، اسے کر ڈالئے' انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔" آخر جب ان دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو ماتھے کے بَل گرا دیا (ذبح کرنے کو) اور ہم نے اسے صدا دی: "اے ابراہیمؑ! تُونے خواب سچ کر دکھایا۔ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔" اور ہم نے ایک بڑی قربانی فدیہ میں دے کر اس

بچے کو چھڑا لیا۔" (102:37 تا 107)
اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھے کی قربانی قبول فرمائی تھی۔
حضرت اسماعیلؑ بنی جرھم کے درمیان پل کر جوان ہوئے۔بنو جرھم ان کی صورت ا
بہت زیادہ متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ وہ ان کے ہاں شادی کریں۔حضرت ہاجرہؑ
خواہش پر بیٹے کی شادی بنو جرھم کی ایک لڑکی سے کردی۔
حضرت ابراہیمؑ جب بھی آتے ہونگے، بنو جرھم کو بھی توحید کی دعوت دیتے ہوں گے۔حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کے سیرت و کردار سے متاثر ہو کر انہوں نے بھی اسلام کی طرف رجوع کر لیا ہو گا۔
اس طریقے سے اس وادی میں، جہاں کوئی فصل نہیں اگتی تھی، ایک بستی آباد ہوگئی جس کی دینی رہنمائی حضرت اسماعیلؑ کرتے ہوں گے اور جس کے پانی کے چشمہ کے بھی وہی مالک تھے
ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ بیٹے سے ملنے آئے تو انہیں اپنی بہو کا رویہ پسند نہ آیا۔وہ اللہ کا شکر ادا کرنے والی نہیں تھی، آپ کے حکم پر اسماعیلؑ نے اسے طلاق دے دی اور قبیلہ جرھم کے سردار مضاض کی بیٹی سے شادی کرلی۔
اس آبادی اور چشمے کی عمر تیس برس ہو رہی تھی،مگر اللہ کا وہ مقدس گھر ابھی دوبارہ تعمیر نہیں ہوسکا تھا۔
ایک روز اسماعیلؑ چشمے کے پاس درخت کے نیچے بیٹھے اپنے تیر بنا رہے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ تشریف لے آئے، حضرت اسماعیلؑ باپ کو دیکھتے ہی ان سے لپٹ گئے۔
پھر ایک صبح حضرت ابراہیمؑ نے کہا:"اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک کام کا حکم دیا ہے؟"
"آپ کو اللہ تعالیٰ نے جس کام کا حکم دیا ہے، آپ اسے ضرور پورا کریں۔" حضرت اسماعیلؑ نے جواب دیا۔
"کیا تم اس کام میں میری مدد کرو گے؟" باپ نے پوچھا۔
"جی ہاں!میں اس کام میں آپ کی مدد کروں گا۔" بیٹے نے جواب دیا۔
"اللہ تعالیٰ نے مجھے وہاں ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے۔" حضرت ابراہیمؑ نے چشمہ سے تھوڑی دور ایک جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
یہ جگہ اپنے اردگرد سے کچھ بلند تھی۔
چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے وہاں اللہ کے گھر کی بنیادیں اٹھائیں۔حضرت اسماعیلؑ پتھر اٹھا کر لاتے

تھے اور حضرت ابراہیمؑ انہیں چُن چُن کر دیواریں اٹھاتے جا رہے تھے۔جب دیواریں اونچی ہو گئیں تو حضرت ابراہیمؑ ایک پتھر اٹھالائے اور اس کے اوپر کھڑے ہو کر دیواریں اٹھانے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کے بارے میں فرمایا ہے:

"لوگوں کے لئے جو پہلا گھر مقرر کیا گیا بلاشبہ وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا' برکت والا گھر اور سارے جہان والوں کے لئے (مرکزِ) ہدایت' اس میں (اللہ کی) کھلی نشانیاں ہیں' مقامِ ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جائے اسے امن مل جاتا ہے۔" (3:96-97)

جب اس وادی میں اللہ کا گھر تعمیر ہو گیا تو لوگ اس میں اللہ کی عبادت کے لئے آنے لگے۔وہ بھی' جو اس بے فصل کی وادی میں آباد ہو گئے تھے' وہ بھی جو اس راہ سے گزرتے تھے اور وہ بھی جو دوسروں سے اس کے بارے میں سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن و امان کی جگہ بنایا۔"

اور (حکم دیا) کہ جس جگہ (حضرت) ابراہیمؑ عبادت کرتے تھے' اسے نماز کی جگہ بنا لو۔
اور (حضرت) ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو ہدایت کی کہ میرے (اس) گھر کو
طواف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھو۔
اور جب ابراہیمؑ نے دعا کی کہ پروردگار' اس جگہ کو پُرامن شہر بنا دے۔
اور اس کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا'
جو بھی ان میں سے اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کفر کریں میں تھوڑے دن انہیں بھی نفع پہنچاؤں گا۔
پھر انہیں (کافروں کو) آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا۔
جو رہنے کی بُری جگہ ہے۔
اور جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے'
(تو وہ دعا کرتے جاتے تھے) اے ہمارے رب!ہماری اس کوشش کو قبول فرما۔
تُو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔
پروردگار!تُو ہم دونوں کو اپنا اطاعت گزار بنا۔
اور ہماری نسل سے ایک ایسی جماعت اٹھا جو تیری اطاعت گزار ہو۔
اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا۔

اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ۔
تُو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔
پروردگار! تُو ان لوگوں میں انہی کی جماعت (قوم) سے
ایک ایسا رسول بھیجیو ، جو انہیں تیری آیات سنائے۔
اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے۔
اور ان کے اخلاق درست کرے۔
یقیناً تُو بڑی قوت والا اور بڑا حکیم ہے۔" (125:2 تا 129)

اس ویران اور بے آب و گیاہ وادی میں' جہاں حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑ گئے تھے' پانی کا چشمہ جاری ہوگیا۔اس کے گرد آبادی بن گئی' تجارتی قافلے وہاں پڑاؤ کرنے لگے' اللہ کا اپنا گھر دوبارہ تعمیر ہوگیا اور دور دراز سے لوگ اس گھر کے طواف'حج اور عمرہ کے لئے آنے لگے۔

پھر وہاں ایک شہر بس گیا۔

قرآنِ کریم میں اس شہر کو "مکہ" اور بیت العتیق کہا گیا ہے۔تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس شہر کے پچاس کے قریب نام لکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے جو وعدے کیے تھے'سب پورے ہوگئے۔

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند نے اس شہر اور اس میں رہنے والوں کے بارے میں جو دعائیں کی تھیں'وہ سب منظور ہوئیں۔

مکہ جزیرۃ العرب کا دینی اور دنیاوی مرکز بن گیا۔

اور اس مرکز کی سربراہی حضرت اسماعیلؑ کو ملی۔

یہ دینِ ابراہیمیؑ یا دینِ حنیف کا دوسرا مرکز تھا۔

اس کے سربراہ حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی اور جزیرۃ العرب میں اسلام کی تبلیغ کا مشن انہیں سونپ دیا۔

پھر یہ مرکز ہر لحاظ سے جزیرۃ العرب کا سب سے اہم مرکز بن گیا۔

جزیرۃ العرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں بسنے والوں کے دل اس شہر اور اس میں واقع اللہ کے گھر سے بندھ گئے۔

وہ دور دراز علاقوں سے کمزور اونٹنیوں پر سوار ہوکر اس گھر کے حج اور عمرہ کے لئے آنے لگے۔

دشمنوں سے پناہ کے لئے اس گھر کا رُخ کرنے لگے۔

اہلِ عرب کو شعر و شاعری میں ناموری اسی شہر میں ملتی تھی۔

وہ اپنا مالِ تجارت اسی منڈی میں فروخت کرتے تھے اور یہیں سے اشیاءِ ضرورت خریدتے تھے۔

یہ شہر جزیرۃ العرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز بن گیا' مشرق و مغرب کا مالِ تجارت اس کے بازاروں میں بکنے لگا۔

پہلے یہ تجارتی قافلوں کا پڑاؤ بنا' پھر منڈی بنا' پھر مختلف ممالک اور خطوں سے آنے والے مالِ تجارت کے تبادلے کا مرکز بن گیا۔

اس کے باسی مشرق و مغرب کے مالِ تجارت کے بیوپاری بن گئے۔جزیرۃ العرب کے اردگرد اور بحیرۂ احمر سے اس پار کے ممالک تک ان کے تجارتی قافلے جانے لگے۔اس طرح سے حضرت ابراہیمؑ جزیرۃ العرب کا اہم ترین سیاسی اور دینی حوالہ بن گئے جس کے بغیر اس خطہ کی تاریخ مکمل ہوتی ہے نہ اس میں بسنے والے قبائل کے دینی اور ذہنی رویوں کا تجزیہ ممکن ہے۔حضرت ابراہیمؑ جزیرۃ العرب کی مشرقی سرحد کے پار "ار" میں پیدا ہوئے' دینِ حنیف کی تبلیغ کے لئے اس کی شمالی سرحدوں سے آگے فلسطین میں جا کر قیام فرمایا اور پھر مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں اللہ کا گھر بنایا' اس شہر کی بنیاد ڈالی جس نے سارے جزیرۃ العرب کے رہنے والوں میں یکجہتی اور اتحاد کے رشتے استوار کئے اور انہیں تاریخی قوت بنا دیا۔ان کا دین جزیرۃ العرب کی قوموں کا دین بن گیا' ان کی آل جزیرۃ العرب کی اہم ترین قوم بن گئی اور اس نے اردگرد کے ممالک کی تاریخ میں بھی اہم ترین کردار ادا کیا۔

تولّیتِ بَیتُ اللہ

مکہ کی بنجر وادی میں خدا تعالیٰ کے گھر کے قریب جو پہلا گھر بنا وہ حضرت حاجرہؑ اور ان کے فرزند کا تھا اور وہی چاہِ زمزم اور اللہ کے گھر کے پہلے متوّلی تھے۔اس وادی میں جو پہلا قبیلہ آکر قیام پذیر ہوا، بنو جرھم تھا۔حضرت اسماعیلؑ جوان ہوئے تو ان کی دوسری شادی اس قبیلہ کی سردار مضاض کی بیٹی سے ہوئی۔اس بیوی سے حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے (پہلے قیدار اور پھر نابت یا پہلے نابت اور پھر قیدار) بیت اللہ کے متولی بنے اور دیر تک اس کے جملہ امور اپنی مرضی کے مطابق انجام دیتے رہے۔پھر رفتہ رفتہ ان کے ماموں بنو جرھم ان پر غالب آگئے اور بیت اللہ کے متولی اور مکہ کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے(۱) مکہ کی وادی میں رزق اور بودو باش کے وسائل محدود پا کر حضرت اسماعیلؑ کے دیگر فرزند اپنی اپنی اولاد کے ساتھ جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں کی طرف چلے گئے۔بنو جرھم کے عروج کے زمانے میں ایک اور قبیلہ یمن سے آکر مکہ کی وادی میں بس گیا۔اس کا تعلق عمالیقِ ثانی سے تھا۔اس قبیلہ نے طاقت پکڑی تو بیت اللہ کی تولیت میں حصہ دار بن گیا۔بنو جرھم کچھ عرصہ تو مجبوراً انہیں برداشت کرتے رہے، پھر طاقت سے انہیں مکہ سے نکال دیا۔بنو جرھم کے صدیوں تک وادیٔ مکہ کی سماجی اور مذہبی زندگی کے مناصب پر قابض رہنے کی وجہ سے ان کی دولت عزت اور وقار میں اضافہ ہوا تو ان میں دولت اور طاقت والی خرابیاں پیدا ہونے لگیں۔وہ بیت اللہ کی حرمت اور تقدس کو پامال کرنے لگے، باہر سے آنے ولے زائرین اور تاجروں کے ساتھ ان کا سلوک ظالمانہ ہونے لگا۔انہوں نے بیت اللہ کے لئے پیش کئے جانے والے تحائف اور نذرانے خود ہضم کرنا شروع کردیئے۔بنو جرھم کے اس ظلم اور زیادتی کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں

تو بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو بکر اور خزاعہ کی شاخ بنو غبشان نے بیت اللہ کی حرمت کی بحالی کے نام پر ایک اتحاد قائم کر لیا۔نوبت لڑائی تک پہنچی' بنو جرھم کو شکست ہوئی اور وہ مکہ کی وادی چھوڑ کر یمن کی طرف چلے گئے۔بنو بکر اور بنو غبشان نے دینی اور دنیاوی امور اپنے ہاتھ میں لے لئے۔یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔حضرت اسماعیلؑ 1910 قبل مسیح میں مکہ کی وادی میں آئے تھے۔انہوں نے ایک سو پینتیس سال عمر پائی۔ان کے بعد ان کے دو فرزند بیت اللہ کے متولی ہوئے۔اس حساب سے بنو جرھم تقریباً اٹھارہ سو سال وادیٔ مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر قابض رہے۔(2) بنو جرھم کے اخراج کے بعد کچھ عرصہ بنو بکر اور بنو غبشان مل جل کر دینی اور دنیاوی امور چلاتے رہے' پھر بنو غبشان نے بنو بکر کو دنیاوی امور سے خارج کر دیا' البتہ دینی امور میں آلِ مضر کو کچھ امور دے دیئے جن میں ایامِ حج میں حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور منیٰ سے روانگی کا پروانہ دینا' دس ذی الحجہ کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی جانب روانگی اور حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا شامل تھے۔خزاعہ (بنو غبشان) 440ء تک مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر قابض رہے' جب قریش کے ایک سردار قصی بن کلاب نے سارے امور اپنے ہاتھ میں لے لئے اور مکہ کی امارت آلِ اسماعیلؑ کو تقریباً اکیس سو سال بعد واپس مل گئی۔

قریش کی سرداری

قریش کے جدِ اعلیٰ کا نام فہر اور لقب قریش تھا' اسی لئے فہر کی اولاد کو قریش کہا جاتا تھا۔فہر کے پردادا کا نام کنانہ تھا۔حضرت محمدؐ رسول اللہ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسماعیلؑ کو برگزیدہ کیا' اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو برگزیدہ کیا' بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا' قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا' بنو ہاشم میں سے مجھے ممتاز فرمایا۔''(3) فہر نے تیسری صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی۔ان کے زمانے میں یمن کے حاکم حسان نے مکہ پر حملہ کیا۔وہ بیت اللہ کو مسمار کرنا چاہتا تھا اور اس کے ملبہ کو یمن لے جا کر وہاں کعبہ تعمیر کرنا چاہتا تھا۔فہر نے اپنے بھائیوں کو ساتھ لے کر حملہ آور کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا۔ تین سال قید رکھنے کے بعد فہر نے حسان کو آزاد کر دیا۔اور وہ یمن جاتے ہوئے راستہ میں ہی مر گیا۔(4) اس وقت اگرچہ مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر خزاعہ (بنو غبشان) کا قبضہ تھا' لیکن اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فہر سردارانِ مکہ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ان کی اولاد

قریش کاشجرۂ نسب

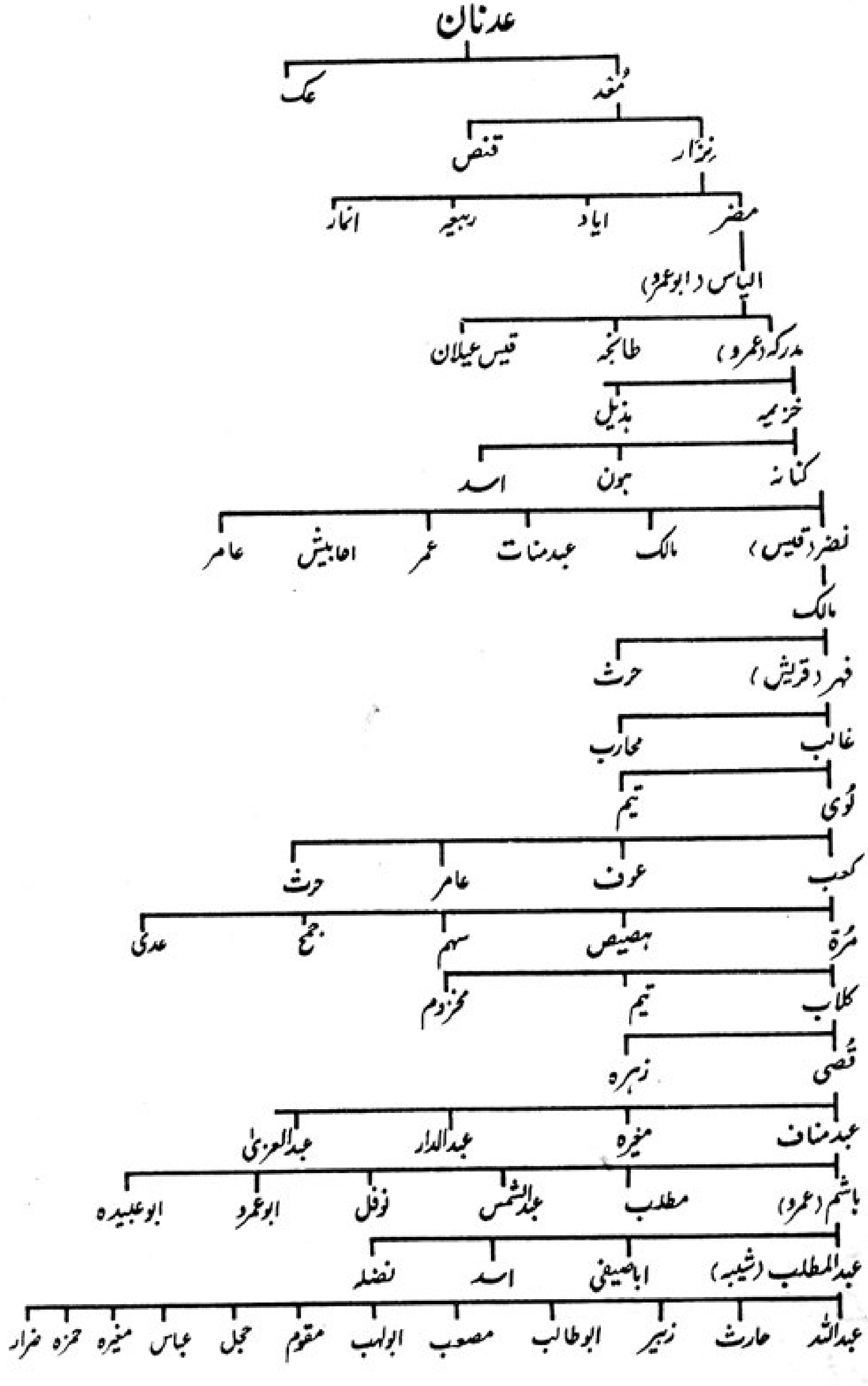

میں سے جس شخص نے مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت سے خزاعہ کو خارج کرکے قریش کی سرداری قائم کی' اس کا نام زید اور لقب قصی تھا.وہ فہر کی چھٹی پُشت میں آتا ہے.قصی کے باپ کا نام کلاب تھا.قصی ابھی بہت چھوٹا تھا جب کلاب کا انتقال ہوگیا.اس کی ماں نے ربیعہ نام کے ایک شخص سے شادی کرلی.ربیعہ کا قبیلہ شام کی سرحد پر رہتا تھا' قصی نے وہیں پرورش پائی.جب وہ جوان ہوا تو اس کا ربیعہ کے قبیلہ والوں سے کسی بات پر جھگڑا ہوگیا' ان میں سے کسی نے اسے طعنہ دیا کہ تم ہماری روٹیوں پر پلے ہو اور ہمارے سامنے اکڑتے ہو.گھر جاکر قصی نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اس کا باپ کون ہے اور قبیلہ کونسا ہے؟ ماں نے اسے بتا دیا تو اس نے اصرار کیا کہ وہ اپنے قبیلہ والوں کے پاس چلا جائے گا.ماں نے اجازت دے دی' چنانچہ حاجیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ قصی مکہ آگیا جہاں اس کا بڑا بھائی زہرہ پہلے سے آباد تھا.جب قصی مکہ پہنچا تو زہرہ نابینا ہوچکا تھا،لیکن قصی کی آواز سنتے ہی اس نے اسے پہچان لیا کہ اس کی آواز ان کے باپ سے ملتی ہے.زہرہ نے قصی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور باپ کی جائیداد میں سے اس کا حصہ بانٹ کر اسے دے دیا.اس وقت مکہ کی امارت خزاعہ کے ایک شخص حلیل کے پاس تھی.وہی بیت اللہ کا متولی تھا.زہرہ نے اپنے بھائی کے لئے حلیل سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا تو وہ راضی ہوگیا.اس طرح قصی کی شادی حلیل کی بیٹی حبی سے ہوگئی.اپنی نسبی شرافت' ذاتی وجاہت و فراست اور امارت کی وجہ سے قصی نے جلد ہی مکہ میں اہم مقام حاصل کرلیا اور حلیل کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق قصی مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر فائز ہوگیا.اس طرح مکہ کی مذہبی اور دنیاوی سرفرازی صدیوں بعد آلِ اسماعیلؑ کے پاس واپس آگئی.ان مناصب کا قریش کے پاس چلے جانا بنو خزاعہ اور بنو بکر کے لئے رسوائی اور ہزیمت تھی.وہ لڑائی پر آمادہ ہوگئے.دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگیں تو قصی نے بنو کنانہ اور صحراؤں میں بکھرے ہوئے قریش کو آواز دی.شام کی سرحد پر مقیم اس کا ماں جایا بھائی رزاح بھی اپنے قبیلہ قضاعہ کے لشکر کے ساتھ ان کی مدد کو آگیا' بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں.دونوں طرف سے بہت سے آدمی مارے گئے.آخر صلح اور ثالثی کی بات چلی.فریقین نے بنو بکر کے ایک شخص یعمر بن عوف کو ثالث مقرر کردیا اور اپنے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے دلائل پیش کیے.یعمر نے قصی کا دعویٰ قبول کرتے ہوئے فیصلہ دیا کہ مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر اس کا حق ثابت ہے.سب نے اس کے فیصلہ کو مان لیا اور خزاعہ اور بنو بکر مکہ چھوڑ کر چلے گئے.یعمر نے یہ بھی فیصلہ دیا کہ قصی کے حامی جتنے افراد ان لڑائیوں میں مارے گئے ہیں' خزاعہ اور بنو بکر ان کا خون بہا دیں گے،لیکن خزاعہ اور

بنو بکر کے جو آدمی مارے گئے ہیں، قصی پر ان کی دیت یا خون بہا لاگو نہیں ہوگا(5) بنو بکر کے ثالث کے اس فیصلہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قصی حق پر تھا اور لڑائی خزاعہ اور بنو بکر کی زیادتی تھی۔

مکہ کی امارت اور بیت اللہ کی تولیت پر اپنا حق منوا لینے کے بعد قصی نے اپنی افرادی قوت مضبوط بنانے کے لئے جزیرۃ العرب میں بکھرے سب قریش کو مکہ میں جمع کیا۔بیت اللہ کی حرمت کی وجہ سے مکہ کے باسی وہاں گھر نہیں بناتے تھے، بلکہ حرم سے دور خیموں میں رہا کرتے تھے۔قصی نے وادیٔ مکہ کو قریش کے مختلف قبیلوں میں بانٹ دیا اور انہیں وہاں اپنے گھر بنانے کا حکم دیا۔اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وادی میں اور حرم کے قریب کسی دوسرے کے لئے گھر بنانے یا خیمے لگانے کی جگہ ہی نہ رہے۔ ایک اور مقصد یہ تھا کہ جب قریش کے مختلف قبیلے ایک جگہ اپنے مکان بنالیں گے تو خانہ بدوشوں کی مانند ان کے لئے کہیں اور جانا آسان نہیں ہوگا۔ بیت اللہ کے گرد طواف اور حج وغیرہ کے مناسک کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔وادی میں پرانے درخت تھے۔گھر بنانے کے لئے بعض درختوں کا کاٹنا لازم تھا، لیکن لوگ خوف کے مارے حرم کے درخت نہیں کاٹتے تھے۔قصی نے اپنے گھر کے لئے مختص پلاٹ سے خود درخت کاٹ کر لوگوں کا یہ خوف دور کیا۔سب قریش نے ان کی پیروی کی اس طرح 440ء میں مکہ قریش کا شہر بن گیا۔

کوئی معاشرہ قبائلی ہو یا شہری، اس کے اندرونی استحکام اور بیرونی معاملات نپٹانے کے لئے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں۔حضرت اسماعیلؑ 1910 قبل مسیح میں وادیٔ مکہ میں آن کر بسے تھے۔قصی نے 440ء میں وادیٔ مکہ کی دنیاوی امارت اور بیت اللہ کی تولیت اپنے ہاتھ میں لی۔درمیان کے عرصہ میں مکہ جزیرۃ العرب کا اہم تجارتی اور مذہبی مرکز بن گیا تھا۔وادی کے دنیاوی اور بیت اللہ سے متعلق مذہبی امور نپٹانے کے لئے وہاں ایک نظم قائم ہوچکا تھا۔بنو جرھم کو مکہ سے نکالنے کے بعد خزاعہ کے بیت اللہ سے متعلق کچھ مذہبی امور مضری قبائل کو دینے سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا کوئی نظم اور تقسیم ان سے پہلے سے چلی آتی تھی۔قصی نے اس نظم کو نئے سرے سے نئی ضرورتوں کے مطابق ترتیب دیا۔ قبائلی جمہوریت میں دو چیزیں بہت اہم تھیں۔اہم امور کے بارے میں قبیلہ کے سب افراد کا مل کر مشورہ کرنا اور اس مشاورت کی روشنی میں جو فیصلہ کیا جائے، اس کی پابندی کرنا۔ایسی مشاورت قبیلہ کے سردار کے خیمے میں یا اس کے سامنے کھلے آسمان کے نیچے ہوتی تھی اور سردارِ قبیلہ اس مشاورتی اجلاس کی صدارت کرتا تھا۔دوسرا اہم مسئلہ دیگر قبائل سے لڑائی کی صورت پیش آجائے، تو اس کے بارے میں مشورہ کرکے قبیلہ کے لشکر کا کمانڈار مقرر کرنا ہوتا تھا۔قبائل چونکہ ایک ہی مشترکہ سردار کے ماتحت ہوتے تھے، اس لئے عام

طور پر سردار خود ہی قبیلے کے لشکر کا کماندار ہوتا تھا لیکن اگر کسی وجہ سے سردار قبیلہ کے لشکر کی قیادت نہ کرسکتا ہو تو وہ باہمی مشورہ سے کسی اور کو بھی کماندار مقرر کر دیتا تھا۔جزیرۃ العرب کے تقریباً سارے قبائل میں یہی طریقہ رائج تھا۔قصی نے وادیٔ مکہ کے نظمِ نَو میں قبائلی جمہوریت کی اس رُوح کو سامنے رکھا۔قریشِ مکہ چونکہ اب خیموں میں نہیں رہتے تھے' انہوں نے اپنے اپنے مستقل گھر بنا لئے تھے' اس لئے باہمی مشاورت کے لئے بھی انہوں نے حرم کے قریب شمال کی طرف ایک مکان تعمیر کر لیا جس کا ایک دروازہ بیت اللہ کی طرف رکھا گیا۔چونکہ مشاورت کا خیمہ سردارِ قبیلہ کا ہوتا تھا اس لئے جس مکان یا ہال میں قریشِ مکہ مشاورت کے لئے جمع ہوتے تھے' وہ ان کے سردار قصی کی ملکیت تھا۔اس کمرے یا ہال کا نام دارالندوہ ہوگیا۔اس میں ہونے والے مشاورتی اجلاسوں کی صدارت بھی قصی کے ہی حصہ میں آتی۔دوسرے قبائل سے لڑائی کے وقت بھی مشاورت اسی دارالندوہ میں ہوتی تھی۔یہیں فیصلہ ہوتا تھا کہ قریش اور اس کے اتحادیوں کی فوج کا کماندار کون ہوگا۔جب کماندار کا فیصلہ ہو جاتا تو اس کا باقاعدہ اعلان اسے جھنڈا حوالے کرنے کی تقریب میں ہوتا تھا اور قریش کا جھنڈا خود قصی یا ان کے بیٹوں میں سے کوئی کماندار کے حوالے کیا کرتا تھا۔اسے "لواء" کہتے تھے۔ان دنیاوی امور کے علاوہ اہم معاشرتی تقریبات میں بھی قصی ہی سارے قریش کے سردار کے طور پر اہم سمجھے جاتے تھے۔جب قبیلہ قریش میں کوئی لڑکی سِن بلوغت کو پہنچ جاتی تو اس کے لئے خاص قمیص تیار کروائی جاتی تھی اور یہ قمیص قصی ہی اس بچی کو دیتے تھے۔یہ ایک طرح کا اعلان ہوتا تھا کہ قصی قریش کی عزت و آبرو کے محافظ ہیں۔قریش کے لڑکے لڑکیوں کی شادی میں بھی اس کا مشورہ اہم ہوتا تھا۔بکھرے ہوئے قریش کو ایک شہر میں جمع کرکے انہیں ایک رشتے میں پرونے اور باہمی تعلق کو مضبوط کرنے کی یہ بڑی کامیاب کوشش تھی اسی لئے قصی کو "مجمع" یعنی جمع کرنے والا بھی کہا جاتا ہے۔

قصی چونکہ بیت اللہ کا کلید بردار بھی تھا' اس لئے دنیاوی معاملات کے علاوہ اس کے کچھ مذہبی فرائض اور ذمہ داریاں بھی تھیں۔بیت اللہ کے حج اور عمرہ کے لئے جزیرۃ العرب کے دُور دراز کے حصوں سے لوگ آتے تھے۔ان میں کچھ غریب اور نادار بھی ہوتے تھے۔قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کر دی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لئے پاک رکھ' جو طواف کرنے والے ہوں' عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں' رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں اور (حکم دیا کہ) لوگوں میں حج کا اعلان کر دو' لوگ تیرے پاس (مکہ میں) دنیا کی تمام دُور دراز راہوں سے آیا

کریں گے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو (سفر کی وجہ سے) تھکی ہوئی ہوں گی۔" اللہ کے اس فرمان کے مطابق حج اور طواف کرنے والے تمام راہوں سے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو سفر کی مشقت سے تھکی ہوتی تھیں، مکہ آیا کرتے تھے۔ قصی نے ان پاپیادہ اور تھکی ماندی سواریوں والے حاجیوں کی سہولت کے لئے بھی کئی اقدام کئے۔ چاہِ زم زم بنو جرھم اور خزاعہ کی لڑائی کے وقت سے بند پڑا تھا اس لئے حجاجِ کرام کی اتنی بڑی تعداد کے لئے پینے کے پانی کا بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔ قصی نے حرمِ کعبہ کے پاس اور دیگر مقاماتِ حج پر ایامِ حج میں پانی کی فراہمی کا مناسب اہتمام کیا۔ وہاں پر حوض بنوائے جن میں وادی کے دیگر حصوں کے کنوؤں سے پانی لا کر بھر دیا جاتا تھا۔ اس نے غریب اور مسکین حاجیوں کی عملی مدد کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ ان کی عزتِ نفس بھی مجروح نہ ہو۔ قیامِ منیٰ کے دنوں میں وہ قریشِ مکہ کی طرف سے حاجیوں کی مہمان نوازی کرنے لگا۔ اس کے لئے سارے قریشِ مکہ مل کر رقم اکٹھی کرتے تھے۔ حاجیوں کی مہمان نوازی کا یہ طریقہ مسلم خلفاء اور سلاطین کے ادوار میں بھی جاری رہا۔ اس وقت یہ مہمان نوازی خلیفہ یا سلطانِ وقت کی طرف سے کی جاتی تھی۔ حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام کرنے کو "سقایہ" اور مہمان نوازی کو "رفادہ" کہا جاتا تھا۔ سقایہ اور رفادہ اگرچہ حقوق کی بجائے فرائض یا خدمت کے زمرہ میں آتے ہیں، لیکن جس شخص کے ذمہ یہ فرائض ہوتے تھے، وہ سارے جزیرۃ العرب میں بڑا اہم اور معزز سمجھا جاتا تھا۔ حاجیوں کے لئے خانۂ کعبہ کا دروازہ کھولنے اور حرم کی پاسبانی "حجابت" کا ان کا حق پہلے ہی تسلیم کیا جاچکا تھا۔ دین اور دنیا کے اتنے اہم مناصب مل جانے کی وجہ سے قصی وادیٔ مکہ بلکہ حجاز کا والی سمجھا جانے لگا۔ قریش کے علاوہ عرب کے دیگر قبائل میں بھی اس کی بہت زیادہ عزت و تکریم کی جانے لگی اور قصی کی وجہ سے اس کی قوم قریش کے مقام و مرتبہ کا بھی سارے جزیرۃ العرب میں احترام کیا جانے لگا۔

قصی نے اہلِ مکہ کے حقوق اور رسوم و رواج میں مداخلت نہیں کی۔ ان سے پہلے حاجیوں کو عرفات سے واپس لانے کا حق صفوان کے پاس تھا اور مزدلفہ سے بنو عدوان حاجیوں کو واپس لاتے تھے، قصی نے ان کے یہ حقوق محفوظ رکھے۔

عبدالدار کی سیادت

قصی کے چار بیٹے تھے: عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور مغیرہ، وفات سے پہلے قصی نے اپنے سارے دینی اور دنیاوی منصب عبدالدار کو سونپ دیئے، باقی تینوں بھائیوں نے والد کے حکم

کے مطابق اس کی سرداری قبول کر لی۔دنیاوی اثر و رسوخ،شرف و جاہ اور مال و دولت میں باقی تینوں اپنے بھائی سے آگے تھے۔قصی نے عبدالدار سے کہا:"بیٹا!تیرے بھائی اگرچہ عزت و شرف میں تجھ سے آگے نکل گئے ہیں،لیکن میں تمہیں ان کے برابر کر دوں گا۔آئندہ جب تک تم حرم کا دروازہ نہیں کھولو گے،ان میں سے کوئی بیت اللہ کے اندر داخل نہیں ہوسکے گا۔قریش جب کسی لڑائی کے لئے نکلیں گے،تو قیادت کا جھنڈا تُو دے گا،مکہ میں لوگ تیری ہی سبیل سے پانی پیئیں گے،حاجی تیرا ہی تیار کردہ کھانا کھائیں گے اور قریش کے ہر معاملے کا فیصلہ تیرے ہی گھر ہوگا۔" فخر و مباہات کے سارے منصب مل جانے سے عبدالدار اپنے بھائیوں کے برابر تو کیا ان سے بہت آگے نکل گیا،وہ عملاً وادیٔ مکہ کا والی بن گیا۔سارے جزیرۃ العرب میں اسے وہی مقام حاصل ہوگیا جو قصی کا تھا۔ عبدالدار کی وفات کے بعد اس کے سارے دینی اور دنیاوی مناصب اس کی اولاد کو منتقل ہوگئے،تو عبدِمناف کی اولاد خاموش نہ رہی۔انہوں نے اپنا حق طلب کیا۔عبدالدار کے بیٹوں نے اپنے چچا کی اولاد کو کوئی ایک بھی منصب دینے سے انکار کر دیا۔اس پر قریش دو حصوں میں بٹ گئے،کچھ عبدالدار کی اولاد کے ساتھ ہوگئے،کچھ عبدمناف کے بیٹوں کو ان کا حق دلانے کے لئے ان کے ساتھ ہوگئے۔دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑنے کے بڑے پختہ عہد و پیمان کئے۔ خاندانِ عبدمناف کی ایک خاتون خوشبو سے لبریز پیالہ لے آئی۔یہ پیالہ بیت اللہ کے قریب رکھ کر ان کے حامیوں نے اس میں ہاتھ ڈبو کر ساتھ نہ چھوڑنے کا عہد کیا،اس لئے اس گروپ کو خوشبو والے کہا گیا۔فریقین نے "جب تک سمندر میں پانی کا ایک بھی قطرہ باقی ہے" ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور اسے مخالف کے رحم و کرم پر نہ چھوڑنے کے عہد کئے۔(6) لڑائی اور خونریزی کا خطرہ بڑھ گیا تو کچھ بزرگوں نے صلح صفائی سے جھگڑا نپٹانے کی کوششیں شروع کر دیں۔آخر اس پر سمجھوتہ ہوگیا کہ "سقایہ" (حاجیوں کے لئے پانی کی فراہمی) اور رفادہ (حاجیوں کی مہمان نوازی) عبدمناف کی اولاد کو دے دی جائے اور دارالندوہ کی سربراہی،لواء (جنگ کے وقت جھنڈا کماندار کے حوالے کرنا) اور حجابت (بیت اللہ کی کلید برداری) عبدالدار کی اولاد کے پاس رہے گی۔قریش کے مختلف خاندانوں اور وادیٔ مکہ کے دیگر قبائل کے درمیان اس موقع پر جو گروہ بندی ہوئی تھی،وہ اسلام کی آمد تک قائم رہی۔اسی کے متعلق رسولِ اکرمؐ نے فرمایا کہ "مختلف قبائل کے درمیان دوستی اور ایک دوسرے کی مدد اور تعاون کے جو معاہدے زمانۂ جاہلیت میں ہوئے تھے،اسلام ان کو توڑتا نہیں،بلکہ اور بھی مستحکم کرتا ہے۔"

ہاشم کی سرفرازی

عبدِ مناف کے چار بیٹے تھے' ان میں ہاشم سب سے بڑا تھا۔روایت کے مطابق عبدِ مناف کے بعد سقایہ اور رفادہ کے مناصب ان کے سپرد کر دیئے گئے۔(7) ہاشم کے سب سے چھوٹے بھائی کا نام مُطّلب تھا' باقی دو بھائیوں کے نام عبدالشمس اور نوفل تھے۔ہاشم بڑا زیرک اور صاحبِ تدبیر تھا۔ان کے دادا کے مناصب میں سے دو (حاجیوں کے لئے پانی کی فراہمی اور ان کی مہمان نوازی) جو ان کے حصے میں آئے'وہ اپنی نوعیت کے حوالے سے فرائض تھے۔ان فرائض کی ادائیگی پر بڑی بھاری رقم خرچ ہوتی تھی اور بڑا اہتمام کرنا پڑتا تھا' ہاشم نے ان فرائض کو بڑی خوبی سے نبھایا۔اس نے پانی جمع کرنے کے لئے پختہ حوض اور چمڑے کے بڑے بڑے ٹب بنوائے۔ حج کے موقع پر وہ یہ ٹب مختلف مقامات پر رکھوا دیتا اور اس کے خدام وادی کے مختلف حصوں میں واقع کنوؤں سے پانی لا لا کر ان میں بھرتے رہتے تھے۔حاجیوں کی مہمان نوازی کے لئے قصی نے جو روایت قائم کی تھی'اس کے مطابق وہ قریش کے سارے خاندانوں سے چندہ اکٹھا کر کے اس کا اہتمام کرتا تھا۔ہاشم بہت مالدار تھا' حاجیوں کی خدمت کے لئے وہ اپنے پاس سے بھی زرِکثیر خرچ کرتا تھا۔اس فیاضی اور اللہ کے مہمانوں کی بہتر خدمت کی وجہ سے اس کی شہرت جزیرۃ العرب کے کونے کونے تک پہنچ گئی اور عرب کے سب قبائل اس کی عزت کرنے لگے۔ہاشم باہر سے آنے والے حاجیوں کی خدمت کے علاوہ مکہ کے نادار لوگوں کی بھی مدد کرتا تھا۔ایک بار قحط کے دنوں میں اس نے مکہ کے غرباء کی ثرید سے تواضع کی' بہت سے اونٹوں کا گوشت پکوایا اور پھر اس میں روٹیاں توڑ توڑ کر بھگو دیں اور غرباء میں یہ ثرید تقسیم کروائی۔اسی وجہ اس کا نام ہی ہاشم پڑ گیا۔عربی زبان میں ہاشم کسی چیز کے ٹکڑے کرنے والے کو کہتے ہیں۔اس نے روٹیوں کے ٹکڑے کرائے تھے'ورنہ اس کا اصل نام عمرو تھا۔لوگوں کے ان کے اصل نام بھول جانے اور ان کی غریب پروری کی وجہ سے رکھے نام کو اصل نام بنا دینے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ کتنا مالدار اور غریب پرور ہو گا۔

ہاشم بڑا صاحبِ فراست تھا۔اس نے اپنے خاندان کی تجارت کو بہت ترقی دی اور مکہ کے دیگر خاندانوں کو اس میں شریک کرکے انہیں بھی مالدار بنا دیا۔جزیرۃ العرب کے اندرونی حصوں میں بسنے والے قبائل کی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کرکے ایک طرف منافع کمایا اور دوسری طرف ان سے روابط قائم کر لئے۔جیساکہ پہلے لکھا جاچکا ہے' مکہ ایک اہم تجارتی شہر تھا جہاں مشرق،مغرب' شمال' جنوب کا تجارتی مال آیا کرتا تھا۔یمن سے آنے والے تجارتی قافلے وہاں سے

گزر کر جاتے تھے۔ شمال سے آنے والے قافلوں کا پڑاؤ اس شہر میں ہوتا تھا۔ہاشم نے اس میں ایک نئی روایت ڈالی۔وہ سال میں دو ایسے تجارتی قافلے منظم کرتا جن میں زیادہ تر مکہ کے قریش اور ان کا مالِ تجارت ہی ہوتا تھا۔ان قافلوں میں سے ایک قافلہ موسمِ گرما میں شام، فلسطین اور بازنطینی سلطنت میں انقرہ تک جاتا تھا۔یہ قافلہ چین، ہندوستان، یمن، اور حبشہ سے مکہ آنے والا مالِ تجارت لے جاتا تھا اور واپسی پر غلہ اور دیگر اشیائے ضرورت لاتا تھا۔موسمِ سرما میں قریش کا ایک قافلہ یمن جاتا تھا۔وہ شمال سے لایا مال وہاں لے جاتا اور خلیج فارس اور یمن کی بندرگاہوں کے رستے حبشہ، ہندوستان، مالدیپ اور چین وغیرہ سے آنے والا مالِ تجارت خرید لاتا تھا۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مکہ سے سال میں تجارت کے صرف دو ہی قافلے جاتے تھے ایران اور حبشہ کی طرف جانے والے قافلے ان سے الگ تھے، یہ قافلے جزیرۃ العرب کے اندر مختلف قبائل کے علاقوں میں سے گزرتے تھے اور اس سے آگے مختلف حکمرانوں کے ممالک میں جاتے تھے۔ ہاشم نے قیصر روم اور اس کے ماتحت شام کے غسانی بادشاہ سے قریش کے لئے تجارتی مراعات حاصل کرلی تھیں اور ان دونوں حکمرانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں قریش کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کے فرمان جاری اور نافذ کر دیئے تھے۔ہاشم کے ان بادشاہوں کے درباروں تک ذاتی مراسم تھے۔ان کے بھائی عبدالشمس نے اسی قسم کی مراعات حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے حاصل کی تھیں۔دوسرے دو بھائیوں نوفل اور مُطّلب نے شاہانِ فارس اور شاہانِ یمن سے قریش کے تجارتی قافلوں کے لئے ایسی ہی مراعات حاصل کرلی تھیں۔جن عرب قبائل کے علاقوں سے ان کے قافلے گزرتے تھے، ان کی ضرورت کی اشیاء وہ ان کو فراہم کرتے آتے تھے۔حج کے موسم میں حاجیوں کی خدمت کی وجہ سے بھی ان کا احترام تھا، اس لئے ان کے تجارتی قافلوں کو جو تحفظ اور مراعات دی جاتی تھیں اور کسی کو حاصل نہیں تھیں، تجارت کو بین الاقوامی سطح پر منظم کرنے اور قریش کے لئے بادشاہوں اور قبائلی سرداروں سے روابط استوار کرنے کی وجہ سے ان چاروں بھائیوں کو ''تجارت کرنے والے'' (متجرین) اور ''الفت پیدا کرنے والے'' (اصحاب الایلاف) کہا جاتا تھا۔

تجارت کے اس فروغ سے مکہ کے سارے قریش اور دیگر قبائل کو فائدہ پہنچتا تھا۔جو لوگ خود قافلے کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے، وہ اپنا مال کسی دوسرے کے ساتھ شامل کر دیتے اور منافع طے شدہ شرح پر بانٹ لیتے۔جن کے پاس سرمایہ کم ہوتا وہ دوسروں کے ساتھ شراکت کرلیتے۔بیت اللہ کے حاجیوں کے خادم ہونے کے اعزاز کے ساتھ دولت کی فراوانی، تجارتی راستوں پر اجارہ داری اور جزیرۃ العرب کے عرب قبائل اور اس کی سرحدوں سے آگے کے بادشاہوں سے روابط

نے ہاشم کو مکہ اور جزیرۃ العرب کا سب سے اہم اور بااثر سردار بنا دیا۔ان کے بھائی عبد شمس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے امیہ نے اپنے سسر کے ساتھ مل کر حسد میں جب ہاشم کی سرداری کو چیلنج کرنا چاہا تو مکہ کی پنچایت کے مقرر کردہ ثالث نے اس گستاخی پر امیہ کو پچاس اونٹنیاں جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور دس سال کے لئے مکہ سے نکال دیا تھا اور امیہ کو یہ فیصلہ قبول کرنا پڑا تھا۔

عبدالمُطّلب کا افتخار

ہاشم کے بعد ان کا بیٹا **عبدالمطلب** ان کے مناصب کا وارث بنا۔جب ہاشم نے ایک تجارتی سفر کے دوران فلسطین کے شہر غزہ میں وفات پائی' اس وقت ان کا بیٹا بہت چھوٹا تھا اور یثرب میں اپنی ماں کے پاس تھا' اس لئے ان کے مناصب کچھ عرصہ کے لئے ان کے چھوٹے بھائی مُطّلب کے پاس رہے۔ہاشم نے وصیت کی تھی کہ ان کی موت کے بعد مُطّلب سقایہ اور رفادہ کا متولی ہوگا اور وہی اس کے اہل و عیال اور جائیداد کی دیکھ بھال کرے گا۔ ایک تجارتی سفر کے دوران مُطّلب نے یمن میں وفات پائی۔اس وقت تک **عبدالمطلب** جوان ہوچکا تھا' چنانچہ اس کے والد کے مناصب سقایہ اور رفادہ اسے منتقل ہوگئے۔

ہاشم تجارتی قافلہ لے کر فلسطین جاتے تو راستہ میں یثرب میں پڑاؤ کیا کرتے تھے' جہاں ان کی فوت ہوچکی بیوی کے والدین رہتے تھے۔یثرب سے مقامی تاجر ان کے قافلہ کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے۔ایک دفعہ فلسطین سے واپسی پر وہ یثرب میں رکے تو ایک خاتون اپنے مال کا حساب لینے آ گئی۔اس نے بھی اپنا مال قافلہ کے ساتھ بھیجا ہوا تھا۔مال کہاں بیچا؟ کتنے میں بکا' خرچ کیا آیا؟ واپسی پر کیا خرید لائے ہو؟ وہ خاتون بڑی مہارت اور دانشمندی سے مال لے جانے والے سے حساب کتاب کر رہی تھی۔ ہاشم اس کی فراست اور شکل و صورت سے بہت متاثر ہوئے۔

''یہ خاتون کون ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''اس کا نام سلمٰی ہے' اس کے باپ کا نام عمرو ہے' جو قبیلہ خزرج کے خاندان بنو نجار سے تعلق رکھتے ہیں'' انہیں بتایا گیا۔''اس کے سرمایہ سے کئی لوگ تجارت کرتے ہیں''

سلمٰی کی فراست اور شکل و صورت کے بعد ان کے والد اور خاندان کے مرتبہ نے انہیں اور بھی متاثر کیا۔وہ اسے نکاح کا پیغام بھیجنے کے بارے میں سوچنے لگے۔انہیں بتایا گیا کہ سلمٰی خاوند کو طلاق دینے کا حق اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔وہ شادی کے لئے یہ شرط رکھتی ہے کہ اگر خاوند کا

رویّہ اسے پسند نہ آئے تو وہ اسے طلاق دے کر علیحدگی اختیار کر لے گی.ہاشم کو ایسی کوئی فکر ہی نہ تھی کہ اس کی بیوی اس کے رویّہ سے بددل ہو جائے گی.اِس نے سلمٰی کے باپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیج دیا۔ عمروؔ اس کا خاندان اور یثرب والے تو ہاشم کی خاندانی شرافت اور مرتبہ سے واقف ہی تھے.انہوں نے بخوشی بیٹی کا نکاح ہاشم سے کر دیا.کچھ روز سسرال میں قیام کے بعد ہاشم اپنی بیوی کے ساتھ مکہ آگئے.وہاں ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام انہوں نے رقیہ رکھا. رقیہ بچپن میں ہی فوت ہوگئی.شام کے آخری تجارتی سفر پر جاتے وقت وہ سلمٰی کو ساتھ لے گئے تھے تاکہ ان کی واپسی تک وہ اپنے والد کے ہاں یثرب میں رہ لے۔بیوی کو وہاں چھوڑ کر وہ قافلہ لے کر فلسطین چلے گئے تھے اور وہیں غزہ کے مقام پر فوت ہوگئے تھے۔وہ اپنے نومولود بیٹے کو بھی نہ دیکھ سکے جو ان کے جانے کے چند روز بعد پیدا ہوا تھا.ہاشم کی وفات کے بعد سلمٰی اپنے میکے میں ہی رہیں.انہوں نے اپنے بیٹے کا نام شیبہ رکھا' بعض مؤرخوں نے شیبہ الحمد نام بتایا ہے۔شیبہ نے اپنے ننھیال میں ہی پرورش پائی.ادھر مکہ میں ان کے چچا' ان کے والد کی وصیت کے مطابق سقایہ اور رفادہ کے متولی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔جب شیبہ جوانی کی حدود تک پہنچے تو مُطّلب نے انہیں مکہ لانے کا فیصلہ کیا.وہ یثرب گئے۔بھائی کی بیوہ سے ملے' بھتیجے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اسے اپنے ارادہ سے آگاہ کیا۔

''میں یثرب میں رہوں یا آپ کے ساتھ مکہ جاؤں' اس کا فیصلہ میری والدہ کو کرنا ہے''۔شیبہ نے چچا کو جواب دیا۔

بھتیجے کی رائے جاننے کے بعد مُطّلب نے بھائی کی بیوہ سے اجازت چاہی.''مکہ میں شیبہ کا خاندان اور قبیلہ ہے.اس کے والد کی جائیداد ہے۔آپ اجازت دیں تاکہ یہ اپنے لوگوں میں رہے اور اپنے والد کے حقوق کا مالک ہو''۔

ماں کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کو جُدا کرنا بہت دشوار تھا'لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ اس کا مستقبل اپنے قبیلہ اور شہر سے وابستہ ہے.انہوں نے اجازت دے دی اور بیٹے کو دعاؤں کے ساتھ وداع کیا۔

مُطّلب اور شیبہ جب مکہ میں داخل ہوئے تو دونوں ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔آگے چچا اور اس کے پیچھے بھتیجا.شیبہ سفر کی تنگی سے تھکا ہوا بھی تھا' مُطّلب مالدار تھا' مکہ کا سردار تھا' لوگوں نے سمجھا وہ نیا غلام خرید کر لایا ہے۔''وہ دیکھو' مُطّلب غلام لایا ہے''۔کسی ایک نے کہا.عربی میں غلام کو '' عبد '' کہتے ہیں.دوسرے نے کہا.''مُطّلب کے ساتھ اونٹ پر عبدالمطلب سوار

ہے۔"

مُطّلب نے سنا تو کہا: "غلام نہیں، یہ تو میرے بھائی ہاشم کا بیٹا شیبہ ہے جو یثرب میں اپنی ماں کے پاس تھا میں اسے وہاں سے لے کر آ رہا ہوں۔"

لیکن لوگوں نے شیبہ کو دیکھتے ہی اسے جو بے ساختہ **عبدالمطلب** کہا تھا، وہی اس کا نام ہو گیا۔ اس نے بچپن یثرب میں گزارا تھا، مکہ والے اس کے بچپن کے نام سے واقف نہیں تھے، اس لئے شیبہ کی بجائے وہ اسے **عبدالمطلب** ہی کہنے لگے۔

جب مُطّلب فوت ہوئے تو ان کے بھائی نوفل ابھی زندہ تھے۔ اس نے سوچا ہو گا کہ **عبدالمطلب** کا سرپرست تو فوت ہو گیا ہے، وہ مکہ میں نیا نیا آیا ہے اس کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ نوفل نے ہاشم کی حویلی کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ **عبدالمطلب** قریش کے سارے بڑے بڑے لوگوں کے پاس گئے کہ ان کی جائیداد واپس دلائی جائے، لیکن مکہ والوں نے نوفل کے مقابلے میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے یثرب میں اپنے ماموں ابو سعید کو خط لکھا۔ وہ اپنے قبیلہ کے اَسّی آدمی لے کر فوراً مکہ پہنچ گیا اور شہر سے باہر خیمہ لگا لیا۔ **عبدالمطلب** کو معلوم ہوا تو وہ ان کے پاس گیا اور کہا کہ میرے گھر چلو، وہاں قیام کرو۔ ابو سعید نے جواب دیا جب تک نوفل سے معاملہ طے نہ کر لوں، تمہارے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ پھر وہ نوفل کی تلاش میں نکلے۔ وہ حرم کے پاس قریش کے سرداروں کی محفل میں بیٹھا مل گیا۔ ابو سعید نے تلوار نیام سے نکال لی۔ قریش گھبرا گئے۔ نوفل بھی پریشان ہو گیا۔ ابو سعید کے ساتھ اس کے مسلح ساتھی بھی تھے۔ اس نے تلوار لہراتے ہوئے کہا: "اگر تم نے میرے بھانجے کی جائیداد واپس کرنے کا اعلان نہ کیا، تو ابھی تمہارا سر تَن سے الگ کر دوں گا۔" نوفل نے فوراً **عبدالمطلب** کی جائیداد سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ ابو سعید نے وہاں موجود قریش کے سارے سرداروں کو گواہ بنایا اور وہاں سے سیدھا **عبدالمطلب** کے گھر گیا۔ ابو سعید اور اس کے ساتھی تین روز تک مکہ میں مقیم رہے۔

قبیلہ بنو خزاعہ والوں نے جب دیکھا کہ یثرب کے بنو نجار اپنے بھانجے کی مدد کے لئے قریش سے لڑائی پر بھی تیار رہتے ہیں، تو انہوں نے ابو سعید سے کہا **عبدالمطلب** جس طرح تمہاری آل ہے، اسی طرح ہماری بھی اولاد ہے۔ پھر وہ دارالندوہ گئے اور بنو ہاشم سے معاہدے کی دستاویز تیار کر کے کعبہ میں آویزاں کر دی۔ خزاعہ کے **عبدالمطلب** کو اپنی اولاد کہنے کی وجہ یہ تھی کہ عبدِ مناف کی ماں خزاعہ سے تھی۔ ابو سعید عمرہ کر کے واپس یثرب چلے گئے۔

بنو عبدالشمس تو پہلے ہی بنو ہاشم کے خلاف تھے۔ابو سعید کی طرف سے عبدالمطلب کی جائیداد واپس دلانے پر نوفل بھی بنو ہاشم کے خلاف ہوگیا اور بنو شمس سے تعاون اور مدد کا معاہدہ کر لیا۔اس طرح ہاشم اور مُطّلب کی اولاد ایک طرف رہ گئی اور عبدالشمس اور نوفل کی اولاد نے اپنا الگ جتھا بنا لیا۔

مکہ میں طاقت کا سکہ چلتا تھا' اسی لئے بڑے بڑے سردار اور قبائل دوسروں سے مدد اور تعاون کے معاہدے کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔اب قریشِ مکہ نے عبدالمطلب کی سرداری تسلیم کر لی۔عبدالمطلب خوش شکل تھا' خوش اخلاق اور شیریں زبان تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ "وہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت' سب سے زیادہ مضبوط' سب سے زیادہ بُردبار اور متین' سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ ان برائیوں سے دور رہنے والا تھا جو مردوں کو بگاڑنے والی ہوتی ہیں۔" یہ وہ اوصاف ہیں جو کسی بھی شخص کو ممتاز اور کامیاب بناتے ہیں۔

چاہِ زم زم کی دریافت

عبدالمطلب کے عظیم کارناموں میں ایک چاہِ زم زم کی دوبارہ دریافت اور صفائی بھی ہے۔وہ چاہتے تھے کہ سقایہ اور رفادہ کے فرائض بہتر طور پر انجام دیں۔اِس سلسلہ میں انہوں نے سنا ہوگا کہ ان کے والد کس طرح حجاج کی خدمت کیا کرتے تھے۔انہوں نے حرم کے قریب پانی کا تالاب بنوایا' حج کے دنوں میں وادی کے مختلف حصوں کے کنوؤں سے پانی منگوا کر وہ اس میں بھر دیا کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ اگر بنو جرھم مکہ سے جاتے ہوئے چاہِ زم زم نابود نہ کر گئے ہوتے تو اللہ کے گھر کے حاجیوں کو کتنی آسانی رہتی،لیکن بنو جرھم اور بنو خزاعہ کی لڑائی کو اتنا طویل عرصہ بیت چکا تھا کہ لوگ چاہِ زم زم کا صحیح محلِ وقوع تک بھول گئے تھے۔اردگرد کے پہاڑوں سے بارش کے پانی کے ساتھ بہہ کر آنے والی مٹی کی تہ کے نیچے کنواں کہاں دفن ہے؟ وہ سوچتے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کو چاہِ زم زم کی دریافت کا اعزاز عبدالمطلب کو بخشنا منظور تھا۔ایک بار وہ مقامِ حجر میں سو رہے تھے کہ کسی نے کہا: "برہ کو کھودو۔" انہوں نے پوچھا: "برہ کیا چیز ہے؟" کہنے والے نے کچھ نہ بتایا اور غائب ہوگیا۔

اگلے روز وہ اسی جگہ سو رہے تھے تو پکارنے والے نے کہا: " مضنونہ کو کھودو۔"

انہوں نے خواب میں ہی دریافت کیا: " مضنونہ کیا چیز ہے؟"

پکارنے والا پھر غائب ہوگیا۔

تیسرے روز خواب میں پکارنے والے نے کہا: "طیبہ کو کھودو۔"

اس روز بھی انہوں نے وہی سوال کیا کہ طیبہ کیا چیز ہے اور پکارنے والا اسی طرح غائب ہوگیا۔

چوتھے روز پکارنے والے نے کہا: "زم زم کی کھدائی کرو۔"

اور عبدالمطلب کے پوچھنے پر زم زم کے محلِ وقوع کی نشانیاں بیان کرکے کہا: "اس کے پانی میں کبھی کمی واقع نہ ہوگی۔" خواب سے بیدار ہوئے تو عبدالمطلب بہت خوش تھے۔

اگلے روز انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو ساتھ لیا اور خواب میں بتائی نشانیوں کی جگہ کھودنا شروع کر دیا۔ قریش نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ چاہِ زم زم تلاش کر رہے ہیں۔

قریش میں سے کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔

جب مٹی کے نیچے سے چاہِ زم زم کے آثار نمودار ہوگئے تو عبدالمطلب نے خوشی سے "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا۔

نعرہ سن کر قریش بھاگتے ہوئے آئے۔

چاہِ زم زم اور اس کے میٹھے پانی کے بارے میں سب نے سُن رکھا تھا اس کی دریافت بڑی نعمت تھی۔ وہ سب اس میں حصہ مانگنے لگے اور کہا چونکہ چاہِ زم زم ان سب کے والد اسماعیلؑ کی ملکیت ہے اس لئے سارے قریش اس میں حصہ دار ہیں۔

عبدالمطلب نے جواب دیا: "اللہ نے یہ کنواں مجھے دیا ہے' اس لئے میں کسی کو حصہ دار نہیں بناؤں گا۔"

کچھ اور کھودا تو کنویں میں سے تلواریں' زرہیں اور سونے کے دو ہرن برآمد ہوئے(7)

پہلے تو صرف میٹھے پانی کے کنویں کی ملکیت کا تقاضا تھا اب اس میں سے سونا' تلواریں اور زرہیں بھی نکل آئی تھیں۔ قریش عبدالمطلب سے لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔

آخر فیصلہ ہوا کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ جو چیز جس کے نام نکل آئے' اس کی ہو جائے گی۔ قرعہ اندازی میں سونے کے دونوں ہرن بیت اللہ کے نام نکلے۔ زرہیں اور تلواریں   کے نام نکل آئیں' قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ عبدالمطلب نے زرہیں اور تلواریں بیچ کر کعبہ کے دروازے بنوا دیئے' سونے کے ہرن دروازوں کی سجاوٹ کے لئے لگا دیئے۔

قریش نے چاہِ زم زم پر اللہ کے مہمانوں کو پانی پلانے والے کا تصرف تسلیم کر لیا۔ عبدالمطلب نے اعلان کیا جو چاہے' پانی لے جائے۔ کسی پر کوئی پابندی نہیں۔

چاہِ زم زم کی دریافت اور صفائی سے عبدالمطلب کی عزت اور شہرت میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ جو حاجی اس کنویں سے پانی پی کر اپنے علاقے اور قبیلے کی طرف واپس جاتے، وہ عبدالمطلب کے خواب اور قریش کے مقابلے میں قرعہٴ فال کے اس کے نام نکلنے کی کہانیاں بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ حجاجِ کرام کے لئے پانی کا انتظام اللہ نے کر دیا تو وہ تجارت کی طرف متوجہ ہوئے۔اس میں بھی انہیں بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔اب وہ ہر لحاظ سے مکہ کے بڑے سردار تھے۔ لوگ ان کی بات غور سے سنتے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ابن ہشام کا قول ہے: "عبدالمطلب کو اپنی قوم میں عزت و شرف کا وہ مقام حاصل ہوا جو ان کے اجداد میں سے کسی کو حاصل نہ ہو سکا تھا۔ان کی قوم ان سے محبت کرتی تھی اور وہ لوگوں میں بڑی عزت رکھتے تھے۔" ابن اثیر کے مطابق عبدالمطلب ہر سال ماہِ رمضان میں غارِ حرا میں خلوت نشین رہتے اور عبادت کرتے تھے۔وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے اور غریبوں کی مدد کرتے تھے۔ عبدالمطلب نے فطرت ہی نیک پائی تھی۔وہ لوگوں کو برہنہ حالت میں طوافِ کعبہ کرنے سے منع کرتے تھے' اپنی نومولود بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے والوں کا ہاتھ روکتے تھے اور اپنی اولاد کو کسی پر ظلم اور زیادتی نہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

حواشی/حوالہ جات

1- سید محمد سلیمان منصور پوری کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کے دوسرے فرزند قیدار اپنے والد کے مرکز کے وارث بنے تھے اور قیدار کی 37 ویں پشت میں عدنان اول کے بعد بنی جرھم نے مکہ کی امارت پر قبضہ کیا تھا۔ (رحمتہ للعالمینؐ جلد اول لاہور 1991ء صفحہ 24) لیکن سید ابو الاعلیٰ مودودی کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے فرزند نابت سردارِ مکہ ہوئے اور نابت کی وفات کے بعد جرھم ان کے منصب پر قابض ہوگئے۔ (سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوئم لاہور 1978 صفحہ 73) شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے مختصر سیرتِ رسولؐ (جہلم 1995ء) کے صفحہ 41، 42 پر لکھا ہے: "حضرت اسماعیلؑ کے بعد ان کے بیٹے بیت اللہ کے متولی بنے اور دیر تک اس کے جملہ امور اپنی مرضی کے مطابق سرانجام دیتے رہے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کے ماموں بنو جرھم ان پر غالب آگئے اور بیت اللہ کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے۔" سید امیر علی سپرٹ آف اسلام (The Spirit of Islam) میں لکھتے ہیں: "کعبہ کی تولیت آلِ اسماعیلؑ کے ہاتھوں میں رہی، لیکن شاہِ بابل کے حملہ کے نتیجے میں جرھم کے پاس چلی گئی۔ (صفحہ 2) سر سید احمد خاں کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے نانا مضاض نے انتظامِ کعبہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور یہ منصب بنو جرھم کے پاس چلا گیا تھا۔ (مقالاتِ سرسید لاہور 1992 صفحہ 577) سیرت النبیؐ کے مصنفین شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی کے مطابق حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندانِ بنو جرھم میں آگئی۔ (سیرت النبیؐ جلد اول لاہور 1991ء صفحہ 105)

ان تحریروں کو سامنے رکھا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مضاض نے اتنی لمبی عمر پائی تھی کہ نواسے کی وفات کے بعد اس کے منصب پر قابض ہوگئے؟ ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا۔ لہٰذا شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کی رائے ہی زیادہ محتاط معلوم ہوتی ہے۔ ایک سو پینتیس سال کی عمر تو حضرت اسماعیلؑ نے پائی تھی، مضاض اس حساب سے دو سو سال کے قریب عمر کا ہونا چاہیے تھا۔

2- سید امیر علی کے مطابق خزاعہ نے تیسری صدی کے شروع میں بنو جرھم کو مکہ سے نکالا تھا۔ اس حساب سے بنو جرھم انیس سو سال سے زائد امارتِ مکہ پر قابض رہے۔

3- صحیح مسلم روایت واثلہ بن الاسقع۔

4- قاضی محمد سلیمان منصورپوری رحمتہ للعالمینؐ لاہور 1991ء جلد دوئم صفحہ 57 بحوالہ تاریخِ کامل ابنِ اثیر۔

5- قصی کے تولیت و امارتِ مکہ پر فائز ہونے کے بارے میں تین روایتیں معروف ہیں۔ ایک یہ کہ حلیل نے اپنی زندگی میں ہی وصیت کر دی تھی کہ اس کی وفات کے بعد قصی کعبہ کی تولیت اور امارتِ مکہ پر قابض ہو جائے۔ دوسری یہ کہ حلیل نے بیت اللہ کی تولیت اپنی بیٹی کے لئے وصیت کی تھی اور ابو غبشان کو اس کا وکیل مقرر کیا تھا جس نے شراب کے ایک مشکیزہ کے عوض یہ منصب قصی کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ تیسرا یہ کہ اپنے سسر کی وفات کے بعد قصی نے بزور ان مناصب پر قبضہ کر لیا تھا اور بنو بکر اور بنو خزاعہ کو مکہ سے نکال دیا تھا۔ حالات و کوائف کو سامنے رکھا جائے تو پہلی صورت ہی ممکن معلوم ہوتی ہے، کیونکہ قصی حلیل کی زندگی میں ہی شہرت' وقار اور اثرو رسوخ حاصل کر چکا تھا جس کا اندازہ بنو بکر اور بنو خزاعہ سے لڑائی میں اس کی کامیابی اور ثالث کے فیصلہ سے ہوتا ہے۔ قصی کے ان مناصب پر قبضہ کے وقت حلیل کے کسی بیٹے کے دعویٰ کی عدم موجودگی بھی اس کا ثبوت ہے۔ شراب کے مشکیزہ کے عوض کلیدِ کعبہ خریدنے والی روایت بہت ہی مجہول ہے۔حبی قصی کی بیوی تھی' اس کے چار بیٹوں کی معزز ماں تھی' قصی مکہ کا معزز سردار تھا' اس کے باوجود حبی اس کی بجائے شراب کے رسیا ابو غبشان پر زیادہ اعتماد کرتی تھی جس نے ایک مشکیزہ کے بدلے کلید بیچ دی اور قصی نے اپنی بیوی کا حق شراب کے عوض خریدنا پسند کر لیا اور بیوی سے پوچھا تک نہ' یہ کہانی فراست کے کسی معیار پر پوری نہیں اترتی۔رہی تیسری روایت طاقت والی تو لڑائی کا مرحلہ تو قصی کے قبضہ کے بعد میں آیا اور ثالث نے خزاعہ اور بنو بکر کو دیت اور خون بہا کا حقدار بھی قرار دیا۔لڑائی کے دو فریقوں میں سے ایک کے سارے حق مان لئے جائیں اور دوسرے کو کچھ بھی نہ دلایا جائے'یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب فریقِ ثانی نے فریقِ اول کے مسلّمہ حق کو چھیننے کے لئے اس پر لڑائی ٹھونسی ہو۔یہ تبھی ممکن ہے جب حلیل اپنی وصیت میں قصی کو سب مناصب دے گیا ہو اور خزاعہ اور بنو بکر نے اس وصیت کی موجودگی میں لڑائی شروع کر دی ہو۔

6- مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے اس کا کوئی سبب نہیں بتایا کہ قصی کے دوسرے دو بیٹوں عبدالعزیٰ اور مغیرہ کی اولاد کو مناصب کی تقسیم کے وقت کوئی حصہ کیوں نہیں دیا گیا تھا۔اگر

عبد مناف کی اولاد نے اپنے اس حق کی بنیاد پر مناصب میں سے حصہ طلب کیا تھا کہ دادا قصی کے مناصب میں اس کی ساری اولاد کا حصہ ہے' تو اس اصول کے تحت عبدالعزیٰ اور عبد کی اولاد کو بھی حصہ ملنا چاہیے تھا۔ ان دونوں کی اولاد نے ان مناصب میں سے کوئی حصہ مانگا تھا یا نہیں' اس کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا۔سامی نسل میں ایک اصول رائج تھا کہ باپ کی وفات کے بعد بڑا بیٹا اس کے سب مناصب کا حقدار ہوگا۔تورات میں نبوت اور بادشاہت کے حق کے سلسلے میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔عرب بھی اسی نسل سے تھے۔ ان میں بھی یہی اصول رائج ہوگا۔اگر عبدلدار قصی کا سب سے بڑا بیٹا ہوتا اور باپ کے بعد اسی اصول کے تحت ان مناصب پر فائز ہوا ہوتا تو عبدِمناف کی اولاد اس کی اولاد سے کسی منصب کا مطالبہ نہ کرتی۔صرف عبدمناف کی اولاد کا دادا کے مناصب کا مطالبہ کرنے اور ثالثوں کے صرف عبدمناف کی اولاد کو مناصب میں سے حصہ دلوانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قصی کے بیٹوں میں عبد مناف سب سے بڑا تھا'اس لئے باپ کے سب مناصب پر اسی کا حق تھا۔باپ کی طرف سے چھوٹے بھائی کو دوسروں کے برابر کرنے کی کوشش کی وجہ سے اس نے اعتراض نہیں کیا ہوگا،لیکن جب عبدالدار کی وفات کے بعد بھی وہ منصب اس کی اولاد کے پاس ہی رہے' تو عبد مناف کی اولاد نے اپنا آبائی حق حاصل کرنے کے لئے خوشبو میں انگلیاں ڈبو کر اور رکنِ کعبہ کو پکڑ کر عہد کیا کہ وہ اپنا حق لے کر رہیں گے یا جان دے دیں گے۔الاستاذ محمد حسین ہیکل مصری اور الاستاذ محمد احمد برانق مصری کے مطابق ہاشم اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔عبدالدار کی اولاد سے ملنے والے دونوں منصب انہیں مل جانے سے بھی اس روایت کا اشارہ ملتا ہے کہ عربوں میں بھی باپ کے بعد اس کے مناصب بڑے بیٹے کو ملتے تھے۔

بعض مؤرخ اور سیرت نگار کہتے ہیں کہ بنو جرھم نے لڑائی کے بعد تلواریں' زرہیں اور ہرن چاہِ زم زم میں پھینک دیئے تھے اور اسے توڑ کر پتھروں سے بھر دیا تھا تاکہ جب کبھی وہ واپس آئیں گے تو نکال لیں گے۔ بنو جرھم مکہ سے جاتے وقت اپنا دیگر سارا مال و اسباب ساتھ لے گئے تھے۔یہ تلواریں' زرہیں اور ہرن اتنے بھاری نہیں تھے کہ وہ ساتھ نہ لے جاسکتے۔دلیل کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے وہ اس لئے یہ چیزیں ساتھ نہ لے گئے ہوں کہ یہ کعبہ کے نذرانے تھے،لیکن وہی مؤرخ اور سیرت نگار یہ بھی کہتے ہیں کہ بنو جرھم کعبہ کے نذرانے ہضم کر جاتے تھے' اسی لئے خزاعہ اور بنو بکر نے انہیں کعبہ

کی تولیت اور مکہ سے نکال دیا تھا۔اگر وہ اور نذرانے ہضم کر جاتے تھے تو یہ چیزیں ہضم کرنے میں کونسی چیز مانع تھی؟ پھر وہ بھرپور لڑائی کے بعد نکالے گئے تھے۔کیا کعبہ کی تولیت کے لئے لڑنے والوں نے انہیں اجازت دے دی ہوگی کہ وہ سب نذرانے کنویں میں پھینک کر اسے توڑ کر نابود کر دیں۔کنواں نابود کرنے کے لئے کافی وقت اور محنت کی ضرورت تھی' شکست خوردہ بنو جرہم کے پاس اتنا وقت تھا نہ انہیں ایسا کرنے کی جرأت ہوسکتی تھی۔اگر وقت ہوتا بھی تو فاتح انہیں ایسا کیوں کرنے دیتے اور اگر وہ کنواں توڑنے میں کسی طرح کامیاب ہو بھی گئے تھے' تو سارے اہلِ مکہ کو علم تھا کہ کنواں کہاں ہے۔یہ کنواں مکہ والوں کی بڑی ضرورت تھی۔وہ اسے پھر سے صاف کر لیتے۔اپنے لئے بھی اور حاجیوں کے لئے بھی۔اس وقت فوری طور پر چاہِ زم زم صاف کرنا کوئی مشکل بھی نہ ہوتا۔ لہٰذا عرب کی پرانی روایتوں کی بنیاد پر بنائی مؤرخین کی یہ کہانی واقعات اور حالات سے مطابقت نہیں رکھتی۔کیا ایسا نہ ہوسکتا تھا کہ بارش کے سیلابوں میں مختلف اوقات میں یہ چیزیں بہہ بہہ کر چاہِ زم زم میں جمع ہوتی رہی ہوں جو سب سے نشیب میں ہے اور پھر کسی ایسے ہی بڑے سیلاب سے چاہِ زم زم پہاڑوں سے بہت زیادہ مٹی بہہ کر آنے سے بھر گیا ہو۔بارش سے ایسے بڑے سیلاب تو وہاں اب بھی آتے رہتے ہیں جن میں کاریں تک ڈوب جاتی ہیں۔ہمارے پنجاب کے رواں کنوؤں کی جب کبھی صفائی کی جائے تو ان میں سے بہت سی چیزیں نکل آتی ہیں' حالانکہ ان کے گرد اونچی منڈیریں ہوتی ہیں اور ان میں کبھی سیلاب کا پانی بھی داخل نہیں ہوا ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک مکہ کی وادی میں اور بھی کنویں کھودے جاچکے تھے۔چاہِ زم زم پانی کا واحد ذریعہ نہیں رہا تھا۔اسی وجہ سے مکہ والوں نے یاسقایہ کے منصب پر فائز اصحاب نے اسے فوری طور پر صاف نہیں کیا ہوگا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ لوگ اس کا محلِ وقوع بھی بھول گئے ہونگے۔اس کی بھی بہت سی مثالیں پنجاب کے چاہی علاقوں سے مل جاتی ہیں۔

عرب قوم کے عادات و خصائل

ایران کے شہنشاہ نوشیرواں (579-531ء) کے پاس عربوں کا ایک وفد گیا۔نوشیرواں وفد کے ترجمان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا۔عرب قوم کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے اس نے ترجمان سے پوچھا:"کوئی بھی بادشاہ کبھی عرب کے صحراؤں میں رہنے والے بدوؤں کو اپنا مطیع نہیں بنا سکا۔اس کی کیا وجہ ہے؟ اور بدّو ہمیشہ صحراؤں میں کیوں گھومتے پھرتے رہتے ہیں؟"

عرب وفد کے ترجمان نے جواب دیا:"وہ آزاد پیدا ہوئے ہیں' آزادی پسند کرتے ہیں اور آزاد ہی رہنا چاہتے ہیں۔"

نوشیرواں نے پوچھا:"کھلے آسمان کے نیچے صحراؤں اور ریگستانوں میں زندگی گزارنے والے یہ لوگ ارضی اور سماوی آفات سے اپنا تحفظ کیسے کرتے ہیں؟"

ترجمان نے جواب دیا:"ہمیشہ صحراؤں میں گھومتے پھرتے رہنے کی وجہ سے وہ ان موسمی تغیرات کے عادی ہوچکے ہیں۔وہ موسموں کے مزاج سے واقف ہیں' وہ رات کو کھلے آسمان کے نیچے سو جاتے ہیں اور سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی کسی نخلستان یا شاداب مقام کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں اور عام طور پر دوپہر تک وہاں پہنچ جاتے ہیں۔صحراؤں میں راستوں کا تعیّن اور اندازہ کرنے میں ان سے زیادہ کوئی ماہر نہیں' رات کے وقت وہ آسمان پر چمکنے والے ستاروں کی مدد سے راستے پہچان لیتے ہیں۔"

نوشیرواں:"وہ متمدن علاقوں سے دور صحراؤں میں رہتے ہیں اس لئے وہ تہذیب و تمدن سے ناآشنا ہوں گے،لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں ان میں بے شمار خوبیاں ہیں۔اس بارے میں کچھ بتائیں۔"

ترجمان:"وہ حد سے زیادہ خوددار ہیں،کسی کا زیربارِ احسان ہونا پسند نہیں کرتے' حد سے زیادہ جفاکش

ہیں، وہ نہ محنت سے کتراتے ہیں اور نہ جی چراتے ہیں، حرب و ضرب میں طاق ہیں اور متمدن علاقوں میں بسنے والے عربوں سے زیادہ مہمان نواز ہیں۔"

نوشیرواں: "ان کی گزر اوقات کا ذریعہ کیا ہے؟"

ترجمان: "وہ شکار کا گوشت کھاتے ہیں، بکریوں کا دودھ پیتے ہیں، کھجوریں کھاتے ہیں اور کھلی فضا میں رہنے کی وجہ سے بہت زیادہ چاق و چوبند ہوتے ہیں۔"(1)

جزیرہ نمائے عرب کے قدیم باسیوں کی یہ ایک ہلکی سی تصویر ہے۔ان کے عادات و خصائل کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ذرا کھل کر بات کرنا ہو گی۔

کسی قوم کے اجتماعی کردار اور عادات و خصائل کے بنانے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں جس خطۂ زمین پر وہ قوم بستی ہے، اس کی طبعی ساخت اس کا محلِ و قوع اور آب و ہوا (موسم) بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔مثلاً سرد اور برفیلے علاقوں میں رہنے والے قبائل اگر چاہیں بھی تو کھلے آسمان کے نیچے زندگی گزار دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا، پہاڑی علاقوں کے باسی رات کے وقت اس آزادی سے سفر نہیں کرسکتے ہیں جس آزادی سے جزیرۃ العرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنے والے کرسکتے تھے۔زرخیز زرعی زمینوں پر کاشتکاری کرنے والے شکار پر گزارہ نہیں کیا کرتے۔صدیوں پہلے کے اس مکالمہ میں جزیرۃ العرب کے رہنے والوں کے کردار کی جن خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے کچھ اس ملک کے طبعی خدوخال اور موسموں کی وجہ سے پیدا اور مستحکم ہوگئی تھیں، کچھ ان کے معاشرتی ڈھانچہ اور پیشوں کی مجبوریاں تھیں، لیکن کچھ ان کے خون اور نفسیات میں شامل تھیں جن میں عزتِ نفس، خودداری اور ذاتی آزادی کے تحفظ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا، قبیلے کی عزت و وقار اور روایات کی حفاظت کرنا، جمہوری مزاج، مہمان نوازی، سخاوت اور شجاعت شامل ہیں۔یہ وہ خصوصیات ہیں جو جزیرۃ العرب کے جملہ باسیوں میں پائی جاتی تھیں۔خواہ وہ لق و دق صحراؤں میں بھیڑ بکریاں چراتے ہوں، یمن اور حضرمُوت کی زرخیز زمینوں پر کاشتکاری کرتے ہوں یا تجارتی شاہراہوں پر واقع شہروں اور بستیوں میں رہتے ہوں۔دنیا میں ہر انسان جب پیدا ہوتا ہے تو آزاد ہوتا ہے، ہر انسان آزادی پسند ہوتا ہے، ہر کوئی آزاد رہنا چاہتا ہے، اس خواہشِ آزادی پر پابندیاں اس کا معاشرہ اور معاشروں کو نظم میں پرونے کے لئے بنائے گئے قوانین لگاتے ہیں۔جزیرۃ العرب کے بیشتر حصے پر کبھی کوئی بڑے سے بڑا بادشاہ اپنی حکومت قائم کرکے اس میں رہنے والوں کو اپنے قوانین کا پابند نہ بنا سکا۔اس کی وجہ عربوں کی آزادی پسندی کے علاوہ اس خطہ کی ارضی

ساخت اور صحراؤں اور ریگستانوں کی وسعت بھی تھی۔یہ صحرا اور ریگستان عربوں کے آبائی اور جدی پشتی گھر تھے،لیکن باہر سے آنے والوں کے لئے یہ ایک نئی دنیا تھی جس کا انہیں کبھی تجربہ نہ ہوا تھا وہ اس نئی دنیا میں رہنے کی ضروریات اور لوازمات سے واقف نہیں تھے' ان کے عادی نہیں تھے' جہاں کوئی حکومت نہ ہو،کوئی پولیس نہ ہو اور کوئی جزا اور سزا دینے کا حکومتی نظام نہ ہو' وہاں کے رہنے والے اپنے قبیلے اور معاشرے کے لئے ایسے لوازمات اور ضابطے خود فراہم کیا کرتے ہیں۔کسی مرکزی اتھارٹی اور جزا و سزا کے نظم کے بغیر نہ کوئی گھر چل سکتا ہے نہ معاشرہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی جنگلوں اور صحراؤں میں رہنے والے قبائل کی بقا کی ضمانت دینا ممکن ہوتا ہے۔صحراؤں اور ریگزاروں میں گھومنے پھرنے والے قبائل کا سردار عملاً ان کا حکمران ہوتا تھا اور قبیلے کی روایات اس کا قانون ہوتا تھا۔قبیلے کے دانا اس کی مجلس شوریٰ ہوتے تھے اور نوجوان اس کی فوج اور پولیس ہوتے تھے۔قبیلے کے سردار کا انتخاب سارا قبیلہ مل کر کرتا تھا۔قبیلے کا سردار لڑائی،صلح اور دوسرے قبائل سے معاہدوں اور قبیلے کے اہم معاملات کے بارے میں قبیلے کے داناؤں کے مشورے سے فیصلے کرتا تھا اور مشورے میں سب کو آزادانہ رائے دینے کی مکمل آزدی ہوتی تھی،لیکن جب کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو اس کی پابندی سب پر لازم ہو جاتی تھی' اس طرح ہر قبیلہ ایک معاشرتی اکائی تھا' ہر فرد کی شناخت اور حوالہ اس کا قبیلہ ہوتا تھا۔اگر کسی وجہ سے کسی فرد کو قبیلے سے نکال دیا جائے تو اس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا تھا۔اگر کسی قبیلے کا کوئی آدمی دوسرے کسی قبیلے کے آدمی کو قتل کر دے تو اس کا خون بہا دینا سارے قبیلے کی ذمہ داری ہوتی تھی۔اگر مقتول کا قبیلہ لڑائی پر آمادہ ہو تو قاتل کے سارے قبیلے کو مقابلہ کرنا ہوتا تھا' قبیلے سے نکالے گئے آدمی کو کوئی قتل کر دے یا غلام بنا لے تو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا تھا۔اس کا کوئی والی وارث نہیں ہوتا تھا' اس لئے اپنے اپنے قبیلے کے سردار اور شوریٰ کے فیصلے ماننا' اس کے رسم و رواج اور ضوابط کی پابندی کرنا افرادِ قبیلہ کی مجبوری بھی ہوتی تھی۔جب کسی بستی یا شہر میں ایک سے زائد قبائل مستقل رہائش اختیار کرلیتے تھے تو بھی فرد کے اپنے قبیلے اور سردار کے ساتھ تعلقات کی نوعیت نہیں بدلتی تھی' بستی یا شہر کے نظم کے لئے جو مجلس بنتی تھی' اس میں ان سب قبائل کو نمائندگی دی جاتی تھی اور جب کبھی کوئی قبیلہ کسی جگہ' جیسا کہ یمن میں یا حیرہ میں' اپنی حکمرانی قائم کرلیتا تھا تب بھی سردار اور قبیلے کے افراد میں باہمی تعلق کی نوعیت کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی تھی۔

جہاں قبیلے کے ایک فرد کی عزت سارے قبیلے کی عزت سمجھی جائے اور قبیلے کی توہین اس

کے ہر فرد کی ذاتی توہین بن جائے' وہاں اجتماعی عزت اور وقار کے تحفظ کی جنگ میں کامیابی حاصل کرنا ہر فرد کا اہم ترین فریضہ بن جاتا ہے۔ اس فرض کو پورا کرنے کے لئے وہ جان توڑ کر لڑتا ہے' جان قربان کر دیتا ہے اور اسی کا نام بہادری قرار پاتا ہے۔ایسی لڑائیوں کو قبائلی تعصب کی لڑائیاں کہا جاتا ہے جو ایک بار شروع ہو جاتی تھیں' تو ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری لڑی جاتی تھیں۔

ان قبیلوں کی شہرت ان کی دولت کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی' ان کی شہرت ان کے افراد کی بہادری اور مہمان نوازی کی وجہ سے صحراؤں میں سفر کرتی تھی' قبیلے کے اپنے اور دوسرے قبیلوں کے شاعروں کے قصیدوں اور نظموں میں زندہ رہتی تھی۔اس لئے ہر قبیلہ بہادری اور مہمان نوازی میں دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔اگر کسی بدو کے ہاں اس کا دشمن بھی مہمان بن کر آ جاتا تو وہ اس کی مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا تھا۔جب تک وہ اس کا مہمان رہے' وہ اس کے جان و مال کی اپنے سے بڑھ کر حفاظت کرتا تھا اور جب تک وہ اس کے علاقہ میں موجود رہے' اس پر حملہ نہیں کرتا تھا' دشمن کو دھوکے سے قتل کرنا باعثِ شرم سمجھا جاتا تھا۔اگر کسی دو قبیلوں میں لڑائی کی نوبت آ جائے تو اکثر لڑائی کا دن پہلے سے مقرر کر لیا جاتا تھا' فریقین اچھی طرح تیاری کر کے میدانِ جنگ میں اترتے تھے۔

عرب قبائل اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے لئے چارے اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا سفر کرتے رہتے تھے' جہاں کہیں پانی اور چراگاہ کے لئے جگہ فراہم ہو جائے وہاں خیمے لگا لیتے تھے اور اپنے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے چرنے پھرنے کے علاقہ کی حدود متعین کر لیتے تھے۔ان حدود کے اندر اگر کوئی دوسرا قبیلہ مداخلت کرے تو اسے مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی سمجھا جاتا تھا۔اکثر قبائلی لڑائیاں اسی قسم کے اصولوں کی خلاف ورزیوں پر ہوتی تھیں۔

اگر کسی قبیلے کے لئے کسی مقام پر عزت اور وقار کے ساتھ قیام کرنا ممکن نہ رہے' تو وہ اس علاقہ کو چھوڑ کر دور دراز علاقوں اور صحراؤں کی طرف نکل جاتا تھا۔اس قسم کی سب سے بڑی مثال عربوں کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت ہے جو عراق جیسے اعلیٰ تہذیب و ثقافت والے خوشحال ملک کو چھوڑ کر شام کے صحراؤں کی طرف چلے گئے تھے اور بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرانے کا پیشہ اپنا لیا تھا۔حیرہ کے عرب حکمرانوں نے ایک سے زائد دفعہ ایرانیوں کی ناروا فرمانبرداری کی بجائے صحراؤں کی طرف ہجرت قبول کر لی تھی۔خطۂ یمن پر جب اہلِ حبشہ کی حکومت ہو گئی تو بہت سے عرب قبائل ریگستانوں کی طرف چلے گئے تھے۔اس سے بھی پہلے بنو قحطان کے بہت سے

لوگ باہمی جھگڑوں میں پسپائی کی وجہ سے آباد اور شاداب زمینیں چھوڑ کر صحراؤں کی طرف چلے گئے تھے' وسیع و عریض صحرا ان کی پناہ گاہیں تھیں اور ہر قسم کے ماحول میں زندہ رہنے کی صلاحیت ان کی قوت تھی۔

جو قبیلے صحراؤں میں نہیں رہتے تھے' ان میں سے کچھ یمن کی زرخیز وادیوں' ساحلی علاقوں اور موسمی دریاؤں کے گردو نواح کی زمینوں پر کھیتی باڑی کرتے تھے اور کچھ جزیرۃ العرب میں سے گزرنے والے تجارتی راستوں کے ساتھ آباد شہروں اور بستیوں میں رہتے تھے۔یہ لوگ چھوٹی موٹی تجارت کرتے تھے اور اور اگر کسی جگہ چھوٹے زرخیز قطعے تھے' تو ان پر کھجوریں اور سبزیاں اگا کر گزر اوقات کرتے تھے۔ایسے قبائل' خاص طور پر وہ جو کاشتکاری سے وابستہ تھے' چونکہ آسانی سے زمینیں چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتے تھے' اس لئے وہ صحرائی قبائل کی نسبت سے کم جنگجو تھے۔وہ لڑائیوں میں اس شدت اور سرگرمی سے حصہ نہیں لیتے تھے جو صحرائی قبائل اور عربوں کا وتیرہ تھا' اسی لئے نابتیوں یا نبطیوں نے اپنے قبیلے کے لئے جو ضابطہ بنایا تھا' اس میں کہا گیا تھا کہ جو کوئی مکان بنائے گا' باغ لگائے گا یا گندم بوئے گا' اسے قتل کر دیا جائے گا۔عربوں کا ایک اور پیشہ جزیرۃ العرب کی جنوب مشرقی بندرگاہوں اور منڈیوں سے تجارتی مال اس کے دوسرے کنارے شمال مغرب کے تجارتی مراکز تک پہنچانا تھا' جہاں سے آگے وہ مال دمشق' قسطنطنیہ' مصر اور یورپ کے تاجر خرید لے جاتے تھے' اس طویل سفر میں وہ درجنوں قبائل کے علاقوں سے گزرتے تھے اور ہر قبیلے کے سردار سے اس کے علاقہ سے تجارتی کارواں گزارنے کے معاملات طے کرلیتے تھے۔اس کے بعد اپنے علاقہ میں داخل ہونے سے دوسرے قبیلے کے علاقہ تک تجارتی مال اور قافلے بحفاظت پہنچانا ان سرداروں کا فرض ہو جاتا تھا' ان تاجروں کے جان و مال کی حفاظت اس قبیلہ کے ہر فرد کی ذمہ داری ہوتی تھی۔اگر اس سلسلے میں کوئی کوتاہی ہو جاتی تھی' کسی کا مال چُرا لیا جاتا تو یہ سارے قبیلے کے لئے باعثِ شرم ہوتا تھا' جزیرہ نما کے ایک سرے سے دوسرے کنارے تک اس کا چرچا ہو جاتا تھا' تجارتی قافلوں کے آنے جانے سے ان قبائل کو جو آمدنی ہوتی تھی' اس پر بھی برا اثر پڑتا تھا' اس لئے تجارتی مال لانے اور گزارنے کے جو اصول بن گئے تھے' کسی حکومت کے نہ ہوتے ہوئے بھی سب ان کی پابندی کرتے تھے۔

چونکہ عرب کھلے صحراؤں اور فضاؤں میں رہتے تھے اور فطرت کے اصول و ضوابط کو بڑے قریب سے دیکھتے تھے' اس لئے ان کے سوچنے کا انداز منطقی ہوتا تھا وہ چیزوں کو ان کے عملی نفع نقصان کی عینک سے دیکھتے تھے' دوستی اور دشمنی دونوں میں پکے ہوتے تھے' کمزور کی حمایت کرنے

میں فخر محسوس کرتے تھے اور اگر کوئی آدمی ان کے قبیلے کی پناہ حاصل کر لیتا تھا تو اس کے جان و مال کی اسی طرح حفاظت کرتے تھے جس طرح اپنے خون کے رشتہ والوں کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔

جزیرۃ العرب کے مشرق میں عراق اور ایران قدیم ترین تہذیبوں کے گہوارے تھے، شمال مغرب میں مصر کی تہذیب ان کے دامن کو رقیبانہ کھینچتی رہتی تھی، پھر یونانی، رومن اور حبشہ کی تہذیبیں ان کے پڑوس میں خیمہ زن رہیں، لیکن عربوں کے خیموں میں ان میں سے کوئی تہذیب بھی مسند نشین نہ ہو سکی۔ان سے تجارتی میل ملاپ اور اشیائے ضرورت کے تبادلہ کے باوجود عرب اپنی تہذیب و ثقافت کے اصولوں پر ثابت قدم رہے۔یہ ثابت قدمی ان کی خود اعتمادی اور خود کفالتی کا ثبوت ہے۔

عرب خوش بیان اور شیریں زبان تھے، شاعری ان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی تھی، اس کے ذریعے وہ اپنے ذاتی جوہر اور قبائلی تفاخر کا اظہار کرتے تھے اور دوسروں کی خوبیوں کی تعریف اور خامیوں کی تضحیک بھی تجارتی میلوں میں جہاں وہ اونٹ اور بھیڑ بکری کے بالوں سے بنے کپڑے اور نمدے بیچتے تھے اور دوسرے علاقوں سے آنے والوں سے اشیائے ضروت خریدتے تھے، وہاں مختلف علاقوں اور قبائل سے تعلق رکھنے والے شاعر اپنا اپنا کلام بھی سناتے تھے اور داد وصول کرتے تھے۔اچھے شاعروں کا نام اور کلام بھی واپسی پر وہ اپنے علاقوں اور قبیلوں میں ساتھ لے جاتے تھے، عام گفتگو اور محفلوں میں شعروں کا استعمال عام تھا، مردوں کے علاوہ خواتین بھی شعر کہتی تھیں۔عرب شعر گو اور شعر شناس تھے اور اپنی زبان دانی پر فخر کرتے تھے۔ تہذیبی تاریخ اور آثار کے ماہرین نے کسی قوم کی تہذیبی بلوغت کے چار بنیادی اصول مقرر کیے ہیں، اس کا فنِ تعمیر، بیرونی اور دور دراز علاقوں اور قوموں سے تجارت، فنکاروں اور دستکاروں اور دیگر مختلف طبقوں کی موجودگی اور اظہار اور مراسلات کے لئے اس قوم کی اپنی تحریری زبان کا ہونا۔جزیرۃ العرب میں یہ چاروں بنیادی تہذیبی عناصر زمانۂ قدیم سے موجود تھے۔عاد اور ثمود کے مکانات اور محلات کے آثار آج بھی اپنے بنانے والوں کی مہارت اور اپنے مکینوں کے ذوق کی گواہی کے لئے موجود ہیں۔ جنوبی عرب کے قدیم آثار میں سب سے اہم مارب کے بند کے آثار ہیں جو اس خطہ کے رہنے والوں کے تخیلِ تعمیر کے علاوہ ان کی برتری کی قدامت کا بھی شاہد ہے۔جس زمانہ میں پہاڑوں کے درمیان یہ عظیم بند بنایا گیا تھا اس وقت دنیا میں اور کتنی قومیں پہاڑی ندی نالوں کے پانی کو قابو کر کے اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرنے کے فن سے آگاہ تھیں؟ عربوں کی مشرق

میں انڈونیشیا' مالدیپ اور ہندوستان سے لے کر شمال مغرب میں بحیرۂ روم تک کے ممالک اور علاقوں سے تجارت کے تذکرے تورات اور یونان و روم کے تاریخ دانوں اور جغرافیہ دانوں کی کتابوں میں ملتے ہیں' خشکی کے راستوں پر تجارتی اجارہ داری کے علاوہ مون سون ہواؤں کے چلنے کے موسموں سے اہلِ مغرب کے واقف ہونے تک' اردگرد کے سمندروں میں بحری تجارت پر بھی عربوں کی تقریباً اجارہ داری رہی ہے۔ جزیرۃ العرب سے باہر حبشہ اور مشرقی افریقہ تک میں ان کی تجارتی کالونیوں کے آثار اور شہادتیں ملتی ہیں۔ یمن کے جن خطوں میں زمانۂ قدیم میں سرداریاں اور بادشاہتیں قائم تھیں' وہاں فنکاروں اور دستکاروں کے مختلف طبقے موجود تھے۔ان کی زبان کے ہزاروں کی تعداد میں کتبے دریافت ہوچکے ہیں۔اس سے جزیرۃ العرب کی تہذیب و ثقافت کی بلوغت اور بہتری کی پختہ گواہی میسر آتی ہے اور اس کی قدامت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس لئے یہ کہنا کہ جس عرب قوم میں اسلام کا سورج طلوع ہوا' وہ جہالت کے اندھیاروں میں رہتی تھی' کہنے والوں کی اپنی جہالت کی شہادت اور اہلِ مغرب کا فکری تعصب ہے۔ہر قومی تہذیب کے بنیادی عناصر اور اصول الگ الگ ہوتے ہیں جو اس قوم کے اپنے ماحول اور طرزِ زندگی کے مطابق ہوتے ہیں۔ جزیرۃ العرب کے رہنے والوں کی اپنی الگ تہذیب تھی۔اس تہذیب کی اندرونی توانائی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ اس کے پڑوس میں بسنے والی تہذیبیں اپنی برتری کے دعوؤں کے باوجود اس عرب تہذیب پر غلبہ حاصل نہ کرسکیں۔

جس زمانہ کا ہم جائزہ لے رہے ہیں' اس کے عرب (خاص طور پر صحرائی عرب) مزاج کے سادہ تھے' فطرت کے زیرِ سایہ سادہ انداز میں زندگی گزارتے تھے' ٹاٹ کے ایسے خیموں میں رہتے تھے جنہیں بوقتِ ضرورت آسانی سے اکھاڑ کر نئی جگہ لے جاسکتے تھے۔ان کی کُل کائنات ان کے مال مویشی اور اونٹ ہوتے تھے۔اگر کسی کے پاس غلام یا کنیز ہو تو یہ اس کا سب سے قیمتی اثاثہ سمجھا جاتا تھا' پچھلی رات کے سفر کے عادی ہونے کی وجہ سے صبح جلدی بیدار ہو جاتے تھے اور اسے اچھے خصائل میں شمار کیا جاتا تھا۔ہمسایہ کی عزت و ناموس اور مال و اسباب کی حفاظت اور اس کے حقوق کی پاسداری اچھے کردار اور نیکی کے لئے لازمی تصور کیے جاتے تھے۔

اس عرب معاشرہ میں اخلاقی برائیاں بھی تھیں۔اس کا تصور بھی محال ہے کہ کوئی انسان اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں قتل کردے' لیکن قبل از اسلام کے عرب میں اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینے کے واقعات بھی ملتے ہیں۔کوئی انہیں اس سے روکنے والا نہ تھا۔یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسم عام نہ تھی' مگر تھی تو۔کچھ لوگ اپنی بیٹیوں کو اس لئے زندہ دفن کر دیتے تھے کہ کوئی ان کا داماد نہ

کھلا سکے، ہوسکتا ہے کچھ پرورش کے اخراجات کے بوجھ کی وجہ سے بھی اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوں،لیکن اسی دور میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اس کے خلاف تھے۔(2) امرائے مکہ اور دیگر قبائل کے سرداروں کی کئی کئی بیٹیوں کا تاریخ میں ذکر آتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ رسم محدود تھی۔عربوں میں اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے اپنے بچوں کو قربان کرنے کا رواج بھی تھا۔اپنے باپ کی وفات کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا تھا،کیونکہ اسے باپ کا چھوڑا ہوا ورثہ سمجھا جاتا تھا اور باپ کے ورثہ کا مالک خاندان کے اسی فرد یا افراد کو سمجھا جاتا تھا جو خاندان کے لئے لڑنے اور اس کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں،اس لئے عورتوں اور بچوں کو اس ورثہ سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔اگر کوئی یتیم بچی کسی کی سرپرستی میں ہوتی تو وہ اس کے حُسن اور اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے ورثہ سے فیض یاب ہونے کے لئے خود ہی اس سے نکاح کر لیتا تھا۔اگر وہ لڑکی بدصورت ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتے تھے نہ کسی اور سے اس کا نکاح کرتے تھے تاکہ اس کی جائیداد پر قابض رہیں۔ ایک آدمی دو حقیقی بہنوں سے شادی کرسکتا تھا۔

ایک اور روایت کثرتِ ازدواج کی تھی۔ کوئی آدمی بیک وقت جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر لے،یہ برائی نہیں سمجھی جاتی تھی۔اس معاشرہ میں طلاق کا ایک ظالمانہ طریقہ رائج تھا۔اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے ناراض ہو جاتا تو اسے طلاق دے دیتا۔ طلاق کے بعد ایک معینہ مدت تک کوئی مطلقہ کسی اور مرد سے شادی نہیں کرسکتی تھی اور جس خاوند نے طلاق دی ہو،اسے یہ حق حاصل تھا کہ اس مدت کے پورا ہونے سے پہلے پہلے پھر اس کی طرف رجوع کرلے۔اس صورت میں وہ پھر سے میاں بیوی کی طرح رہ سکتے تھے۔جو خاوند اپنی بیویوں کو تنگ کرنا چاہیں، وہ ایک طلاق کے بعد معینہ مدت پوری ہونے سے پہلے پھر رجوع کر لیتے تھے اور کچھ عرصہ بعد پھر طلاق دے دیتے تھے اور یہ ظالمانہ طریقہ جب تک وہ چاہیں جاری رکھتے تھے۔

اس معاشرہ کے شرفاء شراب، جوا اور زنا کو برائی تصور نہیں کرتے تھے،بلکہ امراء کے ہاں جب کوئی سردار مہمان ہوتا تو مہمان نوازی کے لوازمات میں یہ بھی شامل تھا کہ میزبان مہمان کو شب کی ایک ساتھی بھی فراہم کرے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے یثرب کے بے تاج بادشاہ کی حیثیت رکھتا تھا، اپنے مہمانوں کے لئے چھ خوبصورت لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ان کے حُسن و جمال سے وہ دولت بھی کماتا تھا اور سرداری بھی چلاتا تھا۔اس قسم کے دھندے اکثر و بیشتر لونڈیوں کو کرنا پڑتے تھے۔

جن لونڈیوں کا کوئی سرپرست نہ ہو وہ بُرے پیشوں سے روزی کماتی تھیں۔شاعر اپنے قصیدوں کے شروع میں بڑے فخر سے دولت مندوں اور امیروں کی بیٹیوں' بہنوں اور عورتوں کے نام لے لے کر ان کی جانب بُرائیاں منسوب کرتے تھے۔مالک اپنی لونڈیوں کو گانا بجانا سکھا کر اس سے کمائی حاصل کرتے تھے۔ لڑائی میں جو عورتیں قیدی بن کر آتیں' انہیں فاتح لونڈیاں بنا لیتے تھے۔قتل کے بدلے میں فدیہ لینا اگرچہ رائج تھا،مگر اسے کمزوری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔عربوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک قتل کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے،مقتول کی رُوح کو سکون نہیں ملتا اور بدلے میں قتل بھی اسی مقام و مرتبہ کے شخص کا لازم ہے جس مقام و مرتبہ کا مقتول ہو' غلام کو آزاد کر دینے کے بعد بھی مالک کا حقِ ملکیت باقی رہتا تھا۔جس طرح غلام بیچے جاتے تھے' اسی طرح یہ حقِ ملکیت بھی بیچا جاسکتا تھا' وہ غلام بے چارہ کبھی بھی حقیقی آزادی حاصل نہیں کرسکتا تھا' سود کا نظام ایسا سخت تھا کہ اگر کوئی مقروض وقتِ معینہ پر قرض کی رقم ادا نہ کرسکے' تو اس کے ذمہ قرض دگنا ہو جاتا تھا،اگرچہ اس کے ساتھ ادائیگی کی مدت میں بھی اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

کسی معاشرہ کی نسلی اور اجتماعی زندگی میں خواتین کے حقوق و مرتبہ اور طریقِ نکاح کی بہت اہمیت ہے۔ زمانۂ قبل از اسلام کے عرب معاشرہ کی جو تفصیلات میسر ہیں' ان کے مطابق' طبقۂ اشراف میں خواتین کو احترام اور آزادی حاصل تھی' خواتین کے احترام اور اور تحفظ کے لئے وہ خونریز لڑائیاں لڑنے سے بھی نہیں کتراتے تھے' بعض خواتین کی قبائلی لڑائیاں ختم کرا دینے کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔خواتین ان میں جنگ کے شعلے بھی بھڑکا دیتی تھیں اور انہیں خاندانی معاملات میں کافی اثر و رسوخ حاصل ہوتا تھا،لیکن خاندان کا سربراہ بہرحال مرد ہی ہوتا تھا۔خواتین تجارت اور کاروبار بھی کرسکتی تھیں۔اس طبقہ میں میاں بیوی کا تعلق نکاح کے ذریعے قائم ہوتا تھا۔عورت کسی کو نکاح کا پیغام بھیج سکتی تھی' مرد بھی اپنے طور پر ایسا پیغام بھیج سکتا تھا،لیکن ان کا نکاح ولی کی رضا اور نگرانی میں ہی ہوسکتا تھا،مگر اکثر رشتہ خاندان کے بزرگ طے کرتے تھے اور اس رشتہ کے حوالے سے دونوں خاندان یا قبیلے ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے تھے۔

عرب معاشرے میں اس وقت عورت اور مرد کے باہمی تعلق کے اور بھی طریقے رائج تھے جو عملاً قحبہ گری اور زناکاری ہی کہے جاسکتے ہیں' لیکن اس پیشہ سے وابستہ وہ عورتیں ہوتی تھیں جو لاوارث ہوں یا لونڈیاں۔ایسی پیشہ ور عورتیں اپنے مکان کے دروازے پر مخصوص جھنڈے لگا کر دوسروں سے اپنی الگ پہچان قائم کرتیں' ان کے ہاں جو بھی چاہے جاسکتا تھا۔ایسی عورتوں کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ آنے والوں سے جس کسی کے بارے میں کہتی کہ یہ بچہ اس کا

ہے' اسے وہ بچہ قبول کرنا پڑتا تھا۔اگر تنازعہ ہو جائے تو قیافہ شناس فیصلہ کر دیتے تھے اور ان کا فیصلہ بھی مان لیا جاتا تھا۔ عورت اور مرد کے تعلق کی ایک اور صورت یہ ہوتی تھی کہ دس سے کم آدمی کسی ایک عورت سے آزادانہ تعلق قائم کر لیتے۔اس صورت میں بھی ان میں سے اس شخص کو بچے کی ولدیت قبول کرنا پڑتی تھی جس کے بارے میں وہ عورت کہتی کہ بچہ اس کے نطفہ سے ہے۔ ایک اور صورت وہ تھی جو ہندو مذہب میں آج بھی جائز سمجھی جاتی ہے اور جسے ہندو مذہب میں نیوک کی اصطلاح سے بیان کیا جاتا ہے۔اس کی صورت یہ ہوتی کہ کوئی مرد اگر چاہتا کہ اس کی بیوی اچھے مردانہ خصائل کے بچے کو جنم دے تو وہ اپنی بیوی کو کسی اعلیٰ خصائل کے حامل مرد سے تعلق قائم کرنے کا مشورہ دیتا تھا اور خود اپنی بیوی سے الگ رہتا تھا۔اس صورت میں بچہ اسی مرد کا سمجھا جاتا تھا جس کی وہ عورت باقاعدہ بیوی ہوتی تھی۔

عرب معاشرہ کی اس قحبہ گری اور آج کے دور کی قحبہ گری کا موازنہ کیا جائے تو اس دور کی پیشہ ور عورتوں کو کم از کم یہ تحفظ حاصل تھا کہ ان کے بچوں کو والد میسر آ جاتا تھا جبکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں ایسی خواتین کے بچوں کی صرف ماں ہی ہوتی ہے' کوئی آدمی ان کو اپنی اولاد تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا اور ایسی خواتین کے بچے گندگی کے اسی ماحول میں پرورش پاتے ہیں اور معاشرے میں گندگی کو وسعت دیتے ہیں۔اس دور میں بھی ایسی خواتین کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کو معاشرے میں وہ عزت حاصل نہیں ہو سکتی تھی جو باقاعدہ نکاح سے پیدا ہونے والی اولاد کو حاصل ہوتی تھی۔

زمانۂ قبل از اسلام کے عرب معاشرہ میں شرک' بُت پرستی اور توہمات جیسی اور بھی بہت سی برائیاں تھیں، لیکن ان کا حال ہم عربوں کے مذاہب کے باب میں بیان کریں گے۔

حواشی / حوالہ جات

-1 مسعودی / مروج الذہب و معادن الجواہر (اردو ترجمہ) حصہ دوئم / کراچی 1985ء / صفحہ 81-82

-2 طبرانی کی روایت ہے کہ معجمہ ناجیہ نے اسلام لانے کے بعد رسول اکرمؐ سے عرض کیا کہ زمانہ جاہلیت میں انہوں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندہ دفن ہونے سے بچایا تھا اور ہر بچی کے فدیہ میں دو اونٹ دیے تھے۔ پھر پوچھا کہ کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ تو رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ نے تجھے اسلام کی جو نعمت عطا فرمائی ہے' وہ اس کا اجر ہے۔

فلسطین کا مرکز

دینِ حنیف سے یہودیت تک

حضرت ابراہیمؑ فلسطین میں حبرون کے مرکز سے زندگی بھر تبلیغ اسلام فرماتے رہے(1) جب آپؑ نے 175 سال کی عمر میں رحلت فرمائی تو آپؑ کے دوسرے فرزند حضرت اسحاقؑ اس مرکز کے سربراہ بنے۔ اللہ تعالٰی نے انہیں نبوت عطا فرما کر اس مشن کو جاری رکھنے کا حکم دیا۔جب حضرت اسحاقؑ حبرون کے مرکز کی سربراہی پر فائز کئے گئے' اس وقت ان کی عمر 75 برس تھی۔جب حضرت اسحاقؑ نے ایک سو اسّی سال کی عمر میں وفات پائی تو اس مرکز کی سربراہی ان کے دوسرے بیٹے حضرت یعقوبؑ کے حصہ میں آئی۔اِس وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔کچھ عرصہ بعد حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی دعوت پر اپنے اہل و عیال سمیت مصر منتقل ہو گئے اور حبرون کا مرکزِ اسلام ختم ہوگیا۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنی عمر کے آخری سترہ سال مصر میں گزارے اور وہیں ایک سو سینتالیس سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔اِس حساب سے حضرت یعقوبؑ نے محض دس سال تک حبرون کے مرکزِ اسلام کی سربراہی فرمائی اور وہاں سے دینِ اسلام کی تبلیغ کی۔حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ مرکز قائم کیا تھا تو ان کی عمر 75 برس تھی۔اِس حساب سے حضرت ابراہیمؑ خود ایک سو سال تک اس خطہ میں اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے تھے۔اس مرکز سے حضرت اسحاقؑ نے سب سے طویل مدت تک' ایک سو پانچ سال' تبلیغ توحید فرمائی(2) اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی ارضِ فلسطین میں آمد سے حضرت یعقوبؑ کے مصر چلے جانے تک حبرون کے مرکز سے مجموعی طور پر دو سو پندرہ سال اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رہا۔

حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) کی اولاد حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے واپس فلسطین آئی۔
جب چالیس سال کی جنگل نوردی کے بعد حضرت موسیٰؑ نے 1272 قبل از مسیح میں وفات پائی تو ارضِ فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔یہ تکمیل حضرت یوشعؑ کی نبوت اور قیادت کے زمانہ میں ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کا زمانہ 2100 قبل از مسیح بتایا جاتا ہے۔(3) آپ 75 سال کی عمر یعنی 2025 قبل از مسیح میں ارضِ فلسطین میں تشریف لائے تھے' اس طرح بنی اسرائیل کے جدِامجد کی ارضِ فلسطین میں آمد اور بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے واپسی کے درمیان سات سو ترپن سال کا فصل ہے۔ان سات سو ترپن سالوں میں سے دو سو پندرہ سال جبرون کے مرکزِ اسلام سے دینِ حنیف کی تبلیغ جاری رہی۔باقی پانچ سو اڑتیس سال تک آلِ یعقوبؑ اس مرکز اور ملک سے دور رہی۔جب آلِ یعقوبؑ (بنی اسرائیل) ارضِ فلسطین پر دوبارہ قابض ہوئی تو اس کے پاس ایک کتاب تورات بھی تھی' شریعتِ موسوی بھی اور عبادات اور شہری زندگی کا ضابطۂ حیات بھی۔

حضرت ابراہیمؑ جس دین کا پیغام لے کر ارضِ فلسطین میں آئے تھے' اس کے ارکان میں توحید' نماز' زکوٰۃ اور انسانوں کی بھلائی کے کام شامل تھے۔اس کی بنیاد اس عقیدے پر تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کو پیدا کرنے والا ہے' وہی رزق اور صحت دینے والا ہے' وہی موت دیتا ہے اور وہی قیامت کے روز مُردوں کو زندہ کرے گا۔انہوں نے اپنی اولاد کو اسی دین کی پیروی کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا:"جو میری بات مانے گا وہی میرا ہے۔" جزیرۃ العرب کے مرکزِ اسلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ہدایت فرمائی تھی کہ "بیت اللہ کو قیام' سجدہ اور طواف کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا' حج کا اعلان کرنا اور اللہ کے نام پر قربانی دینا۔" یہ ذمہ داری صرف اس مرکز سے خاص تھی۔

حضرت ابراہیمؑ جس اسلام کے پیرو تھے' وہ کسی خاص قبیلہ' گروہ یا قوم کے لئے نہیں تھا' جزیرۃ العرب کے باسیوں کے لئے بھی تھا۔ارضِ فلسطین اور شام کے رہنے والوں کے لئے بھی اور شرقِ اردن کے قبائل اور قوموں کے لئے بھی (جہاں حضرت لوطؑ نے مرکزِ اسلام قائم کیا تھا) حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پوری زندگی میں کسی خطۂ زمین پر اپنی یا اپنی اولاد کی حکمرانی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ان کی وفات کے بعد ارضِ فلسطین کے مرکزِ اسلام کی سربراہی پر فائز کئے جانے والوں حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ نے بھی تبلیغ اسلام ہی کی' اپنی سرداری یا حکمرانی قائم کرنے کی کبھی کوشش کی نہ منصوبہ بندی کی۔تورات میں حضرت یعقوبؑ کے ذکر میں لکھا ہے:

"اور یعقوبؑ ملکِ کنعان میں رہتا تھا جہاں اس کا باپ مسافروں کی طرح رہا تھا۔"

لیکن جب بنی اسرائیل 538 سال مصر میں گزار کر حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں ارضِ فلسطین میں داخل ہوئے تو ان کی اولین کوشش اور خواہش اس خطہ میں اپنی ایک نسلی حکومت کا قیام تھا۔تورات میں ان کوششوں اور لڑائیوں کا بڑی تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ اور کالب نے ان لڑائیوں میں بنی اسرائیل کی قیادت کی تھی۔تورات کے مطابق خود حضرت عیسیٰؑ نے وفات سے پہلے کنعانیوں کے ملک پر قبضہ کی خاطر وہاں کے حالات معلوم کرنے کے لئے اپنے جاسوس بھیجے تھے اور اموریوں کے بادشاہ یسحون اور بسن کے بادشاہ عوج کو مار کر ان کے ملکوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ تورات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرائیل کی نسلی ریاست قائم کرنا حضرت موسیٰؑ اور ان کے خلفاء کا مذہبی فریضہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی وفات سے پہلے انہیں وہ تمام علاقے دکھا دیئے تھے جو وہ بنی اسرائیل کو دینے والا تھا۔حضرت موسیٰؑ کے درجنوں فرمان ایسے ہیں کہ ملکِ کنعان پر قبضہ کرکے تم ایسا کرنا' ایسا کرنا۔تورات میں دین اور شریعتِ موسوی کے جو بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں' وہ یہ ہیں:

"خداوند تیرا خدا جو تجھے ملکِ مصر سے اور غلاموں کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔"

- میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔
- تو اپنے لئے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا' نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔
- تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں' ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔
- اور ہزاروں پر' جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں' رحم کرتا ہوں۔
- تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔
- یاد کرکے تو سبت کا دن پاک ماننا۔
- چھ دن تک تو محنت کرکے اپنا سارا کام کاج کرنا۔
- لیکن ساتویں دن تیرے خداوند خدا کا سبت ہے' اس دن نہ تُو کوئی کام کرے' نہ تیرا بیٹا' نہ تیری بیٹی' نہ تیرا غلام' نہ تیری لونڈی' نہ تیرا چوپایہ' نہ کوئی مسافر جو تیرے ہاں تیرے

پھاٹکوں کے اندر ہو۔

- تو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔
- تُو خون نہ کرنا۔
- تُو زنا نہ کرنا۔
- تُو چوری نہ کرنا۔
- تُو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا'
- تُو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا' تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا(4)

اس میں تین چیزوں پر زور دیا گیا ہے۔اول توحید' دوئم یوم سبت کا احترام و التزام' سوئم بہتر شہریوں کی حیثیت سے مل جل کر رہنے کے بنیادی تقاضے پورے کرنا' دینِ ابراہیمؑ کے دو اہم ارکان نماز اور زکوٰۃ کا اس میں ذکر نہیں' حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"اور یاد کرو ہم نے جو عہد قومِ اسرائیل سے لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا' والدین سے حُسنِ سلوک کرنا' قرابت داروں کے ساتھ بھلائی کرنا' لوگوں سے اچھے اور نرم لہجے میں بات کرنا' نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ باقاعدگی سے ادا کرنا(5)

بنی اسرائیل کی مصر سے واپسی سے پہلے حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت یوسفؑ تک سارے نبی اور رسول' جس دینِ اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے تھے' اس کی نوعیت آفاقی تھی۔اس میں رنگ و نسل کی کوئی برتری نہیں تھی،لیکن تورات کی موجودہ حالت میں حضرت موسیٰؑ کے دین اور شریعت کی جو تفاصیل درج ہیں' ان کے مطابق وہ دین اور شریعت آفاقی نہیں' ایک قوم یا قبیلہ (بنی اسرائیل) کا دین بن کر رہ گیا ہے۔قرآنِ کریم کے مطابق حضرت موسیٰؑ بھی اسی دینِ اسلام پر پابند تھے جو حضرت ابراہیمؑ کا دین تھا' پھر وہ آفاقی دین نسلی مذہب میں کیسے تبدیل ہوگیا؟

بنی اسرائیل کی دینی فکر اور روحانی روایت کے تین اہم ماخذ ہیں: تورات (پرانا عہد نامہ) تلمود اور اسرائیلی علماء کی لکھی تحقیقی اور تاریخی کتابیں اور مقالات۔ان تین بنیادوں پر استوار اسرائیلی مذہب کو دیکھا جائے تو مصر سے واپسی کے بعد کے ان کے مذہب کو ان کی تاریخ سے اور ان کی تاریخ کو ان کے مذہب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ان کی تاریخ بھی ان کے مذہب اور

تورات کا حصہ بن گئی ہے۔تورات کے اس مذہب میں دو چیزوں پر زور دیا گیا ہے۔ایک توحید اور دوسرے یہ کہ بنی نوعِ انسان کی دنیاوی فلاح اور دینی نجات اور قیادت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل منتخب قوم ہیں۔اب بنی اسرائیل اپنے آپ کو سب سے برتر نسل سمجھنے لگے ہیں اور ایسا سمجھنا ان کے ایمان کا لازمی جزو ہے' اسی مذہب اور فکر کا نام یہودیت ہے اور یہ اسلام کے بنیادی آفاقی اصولوں سے متصادم ہے۔بنی اسرائیل کی مصر سے واپسی کے بعد ان کے تاریخی اور قومی مذہب کا جو دور شروع ہوتا ہے'وہ بالکل ایک نیا دور ہے جس کا دینِ حنیف سے کوئی تعلق نہیں۔

بنی اسرائیل پانچ صد اڑتیس (538) سال فلسطین سے باہر رہے۔ چالیس سال خدا کے حکم کی نافرمانی کی سزا کے طور پر دشتِ فاران'بیابانِ شور اور دشتِ صیین میں مارے مارے پھرتے رہے۔انہوں نے چار سو اٹھانوے (498) سال مصر میں گزارے۔ مصر ایک عظیم اور قدیم تہذیب کا گہوارہ تھا۔بادشاہ' کاہن' مندر اور بتکدے' قومی افتخار و برتری پر ناز اور اپنا ایک قومی ملک اس مصری تہذیب کے اہم ترین عناصر تھے۔حضرت یعقوبؑ جب اپنے اہل و عیال کے ہمراہ مصر منتقل ہوئے تو وہ اپنے مال مویشی اور بھیڑ بکریوں کے گلّے بھی ساتھ لے گئے تھے۔حضرت یوسفؑ نے انہیں ایک الگ تھلگ خطہ میں بسایا تھا اور فرمایا تھا کہ مصری لوگ مال مویشی پالنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔آلِ یعقوبؑ مصر میں بھی گلّہ بانی اور کاشت کاری کے پیشہ سے وابستہ رہی۔حضرت یوسفؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے طویل مدت تک مصریوں کے غلاموں کی سی زندگی بسر کی اور پھر خدا تعالیٰ نے حضرت موسیؑ کو آلِ یعقوبؑ (بنی اسرائیل) کی مصریوں کی غلامی سے رہائی کا فریضہ سونپا۔بنی اسرائیل کے نفسیاتی اور فکری رویوں کا تجزیہ کیا جائے تو ان پر غلامی کی اس زندگی اور برتر مصری تہذیب کے بڑے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔توحید کے مبلّغ اجداد کی میراث کے دعوے اور صاحبِ شریعت رسول حضرت موسیؑ کی تبلیغ اور تنبیہہ کے باوجود وہ سنہری بچھڑے کی پوجا شروع کر دیتے ہیں' اپنے لئے قومی بتوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔فلسطین میں آباد ہو جانے کے بعد بھی یہودی بُت پرستی کی لعنت کی طرف لوٹ گئے تھے جیساکہ حضرت یوشعؑ کی آخری تقریر سے ظاہر ہے۔جب وہ کہتے ہیں: ''ان دیوتاؤں کو دور کرو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا بڑے دریا کے پار مصر میں کرتے تھے۔'' اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل نے بھی مصر میں دیوتاؤں کی پوجا شروع کر دی تھی۔اب بنی اسرائیل اپنے الگ ملک کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنی قومی حکومت قائم کرسکیں اور ارضِ فلسطین پر قبضہ کے بعد اپنے لئے ایک بادشاہ

کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ اس کی سرکردگی میں وہ اپنی فوج بنائیں۔ وقت کے نبی سیموئیل کو ان کا یہ مطالبہ پسند نہیں آتا، مگر اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بھی قبول فرمالیتے ہیں اور طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کر دیتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اتنے کرم کے باوجود جب بھی کبھی معمولی سی آزمائش آتی تھی، تو وہ حضرت موسیٰؑ سے کہتے تھے: آپ نے ہمیں مروا دیا اس سے تو ہم مصر میں ہی اچھے تھے۔ ایک طرف دنیا میں اللہ تعالیٰ کی منتخب قوم ہونے کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف ذلت اور غلامی کی زندگی پر اطمینان ہے۔ اسرائیلی قوم میں برتری کا یہ احساس مصری قوم کے برتر ہونے کے دعویٰ کے ردِ عمل میں پیدا ہونے والے احساس کمتری کی پیداوار بھی کہا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں، قبیلوں اور نسلوں کے اچھے اور بُرے ہونے کا معیار ان کے اعمال کو قرار دیا ہے۔ کسی فرد کی اولاد ہونے کو نہیں، لیکن بنی اسرائیل کے سامنے فکری اور دنیاوی آئیڈیل مصری قوم اور اس کا عمل تھا۔ وہ مصریوں کے فکر و عمل کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہو چکے تھے۔

تورات میں دینِ موسوی کی جو تفصیلات درج ہیں، ان کے مطابق وہ دنیا داری کا دین ہے۔ پرانے عہد نامہ کی چار کتابوں خروج، احبار، گنتی اور استثنا میں حضرت موسیٰؑ کے دین، فرعونِ مصر سے ان کے مناظروں، بنی اسرائیل کو غلامی سے بھگا کر لانے اور انہیں ارضِ فلسطین تک پہنچانے کی سب تفصیلات موجود ہیں، مگر کسی ایک جگہ بھی حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دنیاوی زندگی کے بعد کی زندگی کی نعمتوں کی خوشخبری یا ترغیب نہیں دی۔ ہر جگہ وہ یہی فرماتے ہیں کہ اگر تم خدائے واحد کے احکامات کی تعمیل کرو گے تو وہ تمہاری اولاد اور مال میں اضافہ کرے گا۔ تمہیں دوسری قوموں پر فتح دے گا اور زرخیز کھیتوں والا ملک عنایت فرما دے گا اور اگر نافرمانی کرو گے تو تمہیں مال اور اولاد میں کمی کی سزا دے گا اور دوسروں کو تم پر حاکم بنا دے گا۔ موجودہ تورات کا دین اور شریعتِ موسوی بنی اسرائیل کی دنیاوی خوشحالی اور خوشیوں کے نسخہ سے زیادہ کچھ نہیں، پرانے عہد نامہ کی کتابِ یوشعؑ، کتابِ قضاء، کتابِ سیموئیل، کتبِ سلاطین و تواریخ اور کتابِ ایوب میں سے کسی ایک میں بھی حیاتِ بعد از موت اور جزا و سزا کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ خدا تعالیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور نبیوں سے بہت باتیں کرتے ہیں، مگر وہ ان سے موت کے بعد شروع ہونے والی زندگی اور اس زندگی میں ارضی زندگی کے اعمال کے بارے میں باز پُرس، جزا اور سزا اور جنت دوزخ کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کرتے۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اپنے بیٹوں کو برکت کی دعائیں دیتے ہیں اور سب انہیں دنیاوی زندگی کی نعمتوں کی ہی بشارت دیتے ہیں۔ تورات میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت

یعقوبؑ اللہ کے نبی اور رسول سے زیادہ ایک قبائلی سردار نظر آتے ہیں جو اپنے مال مویشی، بھیڑ بکریوں کی دیکھ بھال اور ان کے لئے چراگاہوں اور پانی کے بارے میں فکر مند رہتے ہیں اور اپنی اپنی اولاد کی دنیاوی خوشیوں کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ان کا خدا اور دین ان کی اولاد کی دنیاوی فلاح کا وسیلہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ اللہ کا نبی نہیں، صرف ایک منتخب نسل کا باپ ہے، لہٰذا یہودیت کے پھیلاؤ اور بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے وقت اس پس منظر کا سامنے رہنا لازم ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل ان کے خلیفہ حضرت یوشعؑ کی قیادت میں ارضِ فلسطین کے بہت سے علاقوں پر قابض ہوگئے تھے اور مفتوحہ علاقے قرعہ اندازی کے ذریعے انہوں نے اپنے مختلف قبائل میں تقسیم کر دیئے تھے۔فلسطین کے دیگر حصوں پر چھوٹے چھوٹے مقامی بُت پرست بادشاہ حکومت کرتے تھے۔اسرائیلی قبائل کی مذہبی اور دنیاوی قیادت نبیوں، کاہنوں اور قاضیوں کے پاس تھی جو بادشاہِ حقیقی یعنی خدا کے نمائندے سمجھے جاتے تھے، اس وقت تک بنی اسرائیل کے دین میں بادشاہِ حقیقی یعنی خدا تعالیٰ کے علاوہ کوئی دنیاوی بادشاہ نہیں ہو سکتا تھا،لہٰذا یہی نبی، کاہن اور قاضی جملہ امور میں ان کی رہنمائی کرتے تھے۔یہ دور اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرنے تک کا دور ہے۔تورات (قدیم عہد نامہ) کے مطابق حضرت سلیمانؑ نے بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے چار سو اسّیویں (480) سال یروشلم میں ہیکل کی تعمیر شروع کی تھی۔اس حساب سے یہ پہلا دور ساڑھے تین سو سال کے قریب بنتا ہے۔اس دور میں بنی اسرائیل چھوٹے چھوٹے مقامی بادشاہوں سے لڑ رہے ہیں۔ان لڑائیوں میں کبھی کسی اسرائیلی قبیلہ کو فتح ہوتی اور کبھی کوئی مقامی بادشاہ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیتا تھا۔موآب جو حضرت موسیٰؑ کے وقت بنی اسرائیل کے ہاتھ آگیا تھا،ایک بار پھر عجلون نے فتح کر لیا تھا اور اس خطہ میں آباد اسرائیلی اٹھارہ سال تک عجلون کے ماتحت رہے تھے اور پھر ایک خاتون نبیہ دبورہ کے حکم پر آہود نے دھوکے سے عجلون کو قتل کرکے بنی اسرائیل کے ان قبائل کو آزاد کرایا تھا۔ایک اور لڑائی میں فلسطینی ان کا تابوتِ سکینہ بھی چھین لے گئے تھے جو سات ماہ ان کے پاس رہا تھا۔اس زمانے میں بنی اسرائیل میں پیدا ہو جانے والی اخلاقی اور مذہبی بُرائیوں کی تورات میں جو تفصیل درج ہے،وہ بہت ہی گھناؤنی ہے۔بُت پرستی، زنا کاری، قتل و غارت، دھوکہ فریب، مفتوحین کی عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کرنا، اپنے نبیوں اور قاضیوں کو قتل کرنا ان کا عام وتیرہ تھا۔اس دور میں ان کے ساتھ خدا تعالیٰ کا سلوک بھی بڑا عجیب و غریب رہا۔

تورات کے مطابق افتاح نامی ایک شخص کسبی کا بیٹا تھا جس کے گرد شُہدے جمع تھے، مگر خدا نے اسے قاضی بنا دیا۔ان کے نبیوں کے بقول، خدا خود انہیں حکم دیا کرتا تھا کہ بنی اسرائیل سے کہو کہ وہ ایسا کریں اور ایسا نہ کریں۔اس کے باوجود وہ جو دل میں آتا تھا کرتے تھے۔پُرانے عہد نامہ کی پانچ کتابیں یشوعؑ، قضاۃ، روت، سموئیل ایک اور سموئیل دو بنی اسرائیل کی ایسی ہی بداعمالیوں اور اس کے باوجود خدا کی ان پر مہربانیوں سے بھری پڑی ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی ضابطہ تو ایک طرف، ان کا کوئی اپنا اخلاقی ضابطہ بھی نہیں تھا، مصریوں کی غلامی کے اثرات ان پر بہت گہرے تھے، خدا تعالیٰ نے انہیں غلامی سے نجات دی، ان کی دینی رہنمائی کے لئے ایک کتاب اور شریعت عنایت فرمائی، ہر وقت کوئی نبی یا قاضی ان کی قیادت کے لئے ان میں موجود رہا، لیکن خدا تعالیٰ کی منتخب قوم ہونے کا دعویٰ کرنے والی آلِ یعقوبؑ کسی لحاظ سے بھی ان بُت پرست قوموں سے برتر دکھائی نہیں دیتی۔ہم یہاں کتابِ قضاۃ کے تین چار مسلسل صفحات سے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں: ”وہ بعل اور عستارات کی پرستش کرنے لگے اور اردگرد کی قوموں کے دیوتاؤں کے آگے سجدہ کرنے لگے۔“(1) ”انہوں نے قاضیوں کی بھی نہ سنی بلکہ اور معبودوں کی پیروی اور زنا کرتے رہے، ان کو سجدے کرتے رہے اور باپ دادا کی راہ سے بہت جلد پھر گئے۔“(2) ”جب قاضی مرجاتا تو وہ برگشتہ ہو کر اور معبودوں کی پیروی میں اپنے باپ دادا سے بھی زیادہ بگڑ جاتے اور ان کی پرستش کرتے، ان کو سجدے کرتے، وہ نہ تو اپنے کاموں سے اور نہ ہی اپنی خودسری کی روش سے باز آئے۔“(3) ”سو بنی اسرائیل کنعانیوں، حتیوں، اموریوں، فرزیوں، حویوں اور یبوسیوں کے درمیان بَس گئے اور ان کی بیٹیوں سے آپ نکاح کرنے اور اپنی بیٹیاں ان کے بیٹوں کو دینے اور ان کے دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگے۔“(4) یہ تورات کی گواہی ہے، یہ بنی اسرائیل کی وہ تاریخ ہے جو ان کے لئے مذہب کا درجہ رکھتی ہے۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا سنہری دور ان کے پہلے تین بادشاہوں کا دور ہے۔بادشاہِ اول طالوت (ساؤل) کی بادشاہت کا زمانہ، طالوت کے داماد حضرت داؤدؑ کا زمانہ اور ان کے بیٹے حضرت سلیمانؑ کا زمانہ۔یہ دور ایک سو بیس سال پر محیط ہے۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی جگہ طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ مقرر کرنے کے وقت سے لے کر حضرت سلیمانؑ کی وفات تک کا زمانہ اس میں شامل ہے۔ تورات کے مطابق حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ نے چالیس چالیس سال حکومت کی تھی۔ طالوت کی بادشاہت کی مدت کا تعیّن بھی چالیس سال کے قریب کیا جاسکتا ہے۔حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ان کی شاندار سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی۔ان میں سے ایک کا دارالحکومت

سامریہ تھا۔یہ بنیامین کی اولاد کی حکومت تھی اور اسرائیل کہلاتی تھی۔دوسری حکومت کا دارالحکومت یروشلم تھا۔یہ یہودہ کی نسل کے بادشاہوں کی حکومت تھی۔پہلے تین بادشاہوں میں سے طالوت (ساؤل) کا تعلق بنیامین کی نسل سے تھا جبکہ حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ بنی یہودہ تھے۔ بنی یہودہ اپنے آپ کو دوسرے اسرائیلی قبائل سے برتر سمجھتے تھے' اس لئے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی سیموئیل نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ نامزد کیا تھا' اس وقت بھی انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا تھا جس کا قرآنِ کریم میں بھی ذکر ہے۔ طالوت نے بنی اسرائیل کے دشمنوں کو شکستیں دیں' بنی اسرائیل کی سلطنت کو وسعت دی' لیکن پُرانے عہد نامہ کے مطابق فلسطینیوں کو شکست دینے کے بعد طالوت فلسطینیوں پر اتنا زیادہ تشدد کرنے میں ناکام رہا جتنا تشدد کرنے کا بنی اسرائیل کے خدا کا حکم تھا' اس لئے "خداوند ساؤل کو بادشاہ بنانے پر ملول ہوا" اور نبی سیموئیل نے اسے خداوند کی ناراضگی سے آگاہ کرکے بتا دیا تھا کہ اس کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت اس کی آل میں نہیں رہے گی۔ سیموئیل کی وفات کے بعد طالوت نے جنّوں کی پرستش کرنے والی ایک خاتون سے درخواست کی کہ وہ سیموئیل کی رُوح کو طلب کرے اور اس کی اس سے ملاقات کرائے۔اس ملاقات کی وجہ سے "خداوند" مزید ناراض ہوگیا' اس لئے فلسطینیوں کے ساتھ ایک اور لڑائی میں طالوت اور اس کے بیٹے مارے گئے۔اس وقت فلسطین کے بہت سے حصوں میں ابھی فلسطینیوں کی بادشاہتیں باقی تھیں۔ایک لڑائی میں فتح کے بعد فلسطینی حضرت داوٗدؑ کی دونوں بیویوں کو بھی گرفتار کرکے لے گئے تھے اور حضرت داوٗدؑ نے فاتح فوجوں کا تعاقب کرکے ان سے اپنی بیویاں اور اسرائیلی قیدیوں کو رہا کرایا تھا۔

طالوت کی وفات کے بعد حضرت داوٗدؑ بادشاہ بنے تو انہوں نے باقی تمام چھوٹے بڑے بادشاہوں کو ختم کرکے آلِ یعقوبؑ کی وہ شاندار سلطنت قائم کی جسے ان کے فرزند سلیمانؑ نے بامِ عروج تک پہنچایا اور یروشلم میں ہیکل تعمیر کرکے "خداوند" سے اپنے والد کا کیا عہد پورا کیا' کیونکہ خداوند نے ان سے کہا تھا کہ "مصر سے خروج کے وقت سے میں خیمہ میں ہی مقیم چلا آ رہا ہوں' میرے لئے لکڑی کا گھر بناؤ"۔ مگر مصروفیاتِ شاہی کی وجہ سے حضرت داوٗدؑ اپنے "خداوند" کے لئے کوئی گھر تعمیر نہیں کرسکے تھے اور وہ خیمے میں ہی مقیم چلا آتا تھا۔

قرآنِ کریم کے مطابق حضرت داوٗدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں خدا کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗدؑ پر صحیفہ زبور بھی نازل فرمایا تھا جو شریعتِ موسوی کے مطابق تھا' لیکن پرانے عہد نامہ کے مطابق وہ دونوں عام بادشاہ تھے اور حضرت داوٗدؑ کے زمانہ میں ناتن نامی نبی دینی امور میں

ان کی رہنمائی کرتے تھے۔

پرانے عہد نامہ میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ سے نہایت شرمناک افعال منسوب کیے گئے ہیں۔حضرت داؤدؑ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک روز انہوں نے اپنے ایک پڑوسی کی بیوی کو دیکھ لیا' انہوں نے اسے بلوا کر اس سے زنا کیا'جب وہ حاملہ ہوگئی تو اس کے خاوند کو محاذِ جنگ پر بھجوا دیا اور کمانڈر کو پیغام بھیجا کہ لڑائی میں اسے سب سے آگے رکھا جائے تاکہ وہ مارا جائے۔جب وہ مارا گیا تو حضرت داؤدؑ نے اس خاتون سے شادی کر لی جس سے "خداوند" ان سے ناراض ہوگیا اور ناتن کے ذریعے پیغام بھیجا کہ وہ تین سزاؤں میں سے ایک کا جو چاہے انتخاب کر لیں۔ سات سال کا قحط یا تین ماہ تک دشمنوں کے خوف اور غلبہ سے بھاگے پھرنا یا مرگِ انبوہ' حضرت داؤدؑ نے تیسری سزا سے اتفاق کیا اور اس "گناہ" کی سزا میں بہت سے اسرائیلی وبا میں مر گئے۔بادشاہ کے جرم کی سزا رعایا کو دینے کی تجویز خود اس کے اللہ نے پیش کی تھی۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد ان کی شاندار سلطنت ختم ہوگئی اور ان کے بیٹے رجبعام کے پاس صرف یروشلم کی حکومت رہ گئی تھی۔پرانے عہد نامہ کے مطابق اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت سلیمانؑ نے اپنی بُت پرست بیویوں کے لئے اونچے پہاڑوں پر بُت کدے بنوا دیئے تھے جہاں وہ بتوں کی پوجا کیا کرتی تھیں۔ان کی سات سو بیویاں تھیں اور تین سو حرمیں اور جب وہ بڈھا ہوا تو ان بیویوں نے حضرت سلیمانؑ کا دل بُتوں کی طرف پھیر دیا تھا۔"خداوند" نے اسے دکھائی دے کر حکم دیا کہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کر'مگر اس نے خداوند کا حکم نہ مانا اس لئے خداوند نے کہا کہ تیرے بعد میں تیری سلطنت ختم کر دوں گا'لیکن تیرے باپ داؤدؑ کا لحاظ کرتے ہوئے ایک قبیلہ کی بادشاہت تیرے بیٹے کے پاس رہنے دوں گا'چنانچہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد بنی یہودہ کے سوا بنی اسرائیل کے باقی سب قبیلے سامریہ کی حکومت کے ساتھ مل گئے تھے۔حضرت داؤدؑ نے اپنے دورِ حکومت میں جو مردم شماری کرائی تھی'اس کے مطابق اس وقت بنی اسرائیل کی تعداد آٹھ لاکھ اور بنی یہودہ کی تعداد پانچ لاکھ تھی۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا تیسرا دور انتشار اور زوال کا دور ہے۔یہ دور حضرت سلیمانؑ کی وفات سے لے کر بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی اور یہودیوں کی اسیری تک دو سو سولہ سال پر محیط ہے۔اس زمانے میں یہودیوں کی دونوں بادشاہتیں آپس میں بھی لڑتی رہیں اور انہیں بیرونی حملہ آوروں کا بھی سامنا رہا۔حضرت سلیمانؑ کے بیٹے رجبعام کو یروشلم پر حکومت کرتے ابھی پانچ سال ہی ہوئے تھے کہ مصر کا بادشاہ سیسق یروشلم پر حملہ کرکے شاہی محل اور ہیکل کے تمام

خزانے لوٹ کر ساتھ لے گیا اور شاہِ یہودہ اس کا مقابلہ نہ کر سکا۔تورات کے مطابق ان دو سو سولہ سالوں میں اسرائیل اور یہودیہ کے تقریباً سارے ہی بادشاہوں نے خداوند کو ناراض کیا' وہ خدا کے عتاب کا شکار بھی ہوتے رہے اور خدائی احکام کی خلاف ورزی سے بھی باز نہیں آئے۔وہ بُت خانے بناتے اور بُت پرستی کرتے رہے۔اسرائیل کے پہلے بادشاہ یربعام نے حکومت پر قبضہ کرتے ہی سونے کے دو بچھڑے بنوائے اور کہا: "اے بنی اسرائیل!اپنے دیوتاؤں کو دیکھو جو تمہیں مصر سے نکال لائے تھے"۔رجبعام کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے "اپنے باپ دادا سے بھی زیادہ گناہ کیے۔" ان کے علماء انہیں دینِ موسوی پر عمل کی تلقین کرتے رہے' مگر انہوں نے اپنی مرضی کی۔آخر پہلے 721 ق م میں آشور کے بادشاہ سارگون کے ہاتھوں سامریہ کی اسرائیلی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور پھر یروشلم کی یہودیہ بادشاہت بھی ختم ہوگئی۔بابل کے حکمران بخت نصر نے 586 قبل از مسیح میں اپنے باج گزار یہودیوں کی سرکشی کے خاتمہ کے لئے یروشلم میں حضرت سلیمانؑ کے شاندار محلات اور ہیکلِ سلیمانی پیوندِ خاک کر دیئے' شہر کی فصیل بنیادوں تک اکھاڑ دی' شہر کو آگ لگا دی' بخت نصر لاکھوں یہودیوں اور ان کے بادشاہ کو قیدی بنا کر بابل لے گیا اور ایک یہودی شہزادے کو اپنا نمائندہ مقرر کر گیا' جو یہودی بخت نصر کے خوف سے شہر سے بھاگ گئے تھے' انہوں نے اس شہزادے کو ہلاک کر دیا' تو جو تھوڑے بہت خدمت گزار اور ملازم پیشہ یہودی بخت نصر یروشلم میں چھوڑ گیا تھا' وہ بھی اور جو ملک کے اندرونی علاقوں میں رہتے تھے' وہ بھی سب خوف کے مارے مصر بھاگ گئے' اسی مصر کی طرف جہاں سے حضرت موسیٰؑ انہیں غلامی کی زندگی سے نجات دلا کر فلسطین کی طرف لائے تھے۔بخت نصر ان کا تابوتِ سکینہ بھی بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل نے مصر سے واپسی کے بعد چھ سو چھیاسی (686) سالوں میں جو کچھ بنایا اور کمایا تھا' وہ سب نابود ہوگیا۔آزادی بھی' سلطنت بھی' ہیکل بھی اور یروشلم بھی' پہلے وہ صرف فرعونِ مصر کے غلام تھے' اب شاہِ مصر اور شاہِ بابل دو بادشاہوں کی غلامی میں بٹ گئے تھے۔ تورات نے بنی اسرائیل کی اس غلامی اور بربادی کی وجہ ان کی خدائی احکام کی خلاف ورزی بتائی ہے۔

بنی اسرائیل سترّ سال تک بابل اور اس کے نواح میں حالتِ اسیری میں رہے۔ 539 قبل مسیح میں ایران کے شہنشاہ سائرس (خسرو) نے بابل اور شاہِ بابل کی سلطنت پر قبضہ کر لیا تو یہودی اسیر اور فلسطین بھی اس کے قبضہ میں آ گئے۔ اس اسیری کے دوران ایک طرف ان یہودیوں میں قومیت کا جذبہ بیدار ہوا تو دوسری طرف وہ دین کی گم کردہ میراث کی تلاش میں سنجیدہ ہوگئے۔وہ اپنے اور اپنے سابقہ یہودی حکمرانوں کے ان اعمال کا جائزہ لینے لگے جو ان کے زوال کا سبب تھے۔

خود احتسابی کا یہ جذبہ فلسطین میں رہ جانے والے یہودیوں میں بھی بیدار ہوچکا تھا اور وہ اپنی دنیاوی عظمتِ رفتہ کی واپسی کی دعائیں کرنے لگے تھے اور کسی نجات دہندہ (مسیح) کی امید میں زندگی گزار رہے تھے۔(7) ایک بار سائرس نے اپنے حرم کے لئے حسیناؤں کے انتخاب کے لئے مقابلۂ حُسن کروایا تو ایک یہودی کسی طرح اپنی بھتیجی (جس کے باپ کی وفات کے بعد اس نے اسے اپنی بیٹی بنا لیا تھا) کو اس مقابلہ میں شامل کرانے میں کامیاب ہوگیا۔سائرس نے یہودی لڑکی بھی منتخب کرلی' اس سے یہودیوں کو رہائی کی امید ہوئی اور وہ "کافر" سائرس کو بھی مسیح سمجھنے لگے۔آخر سائرس نے اس یہودی حسینہ آستر کی سفارش پر 536 ق م میں یہودیوں کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی۔ 536 قبل از مسیح سے 515 قبل از مسیح تک اسیروں کے قافلے ارضِ فلسطین پہنچتے رہے' ہیکلِ سلیمانی یہودیت کی قومی اور مذہبی شناخت کی علامت بن گیا۔بابل' فلسطین' مصر اور دیگر ممالک میں بکھرے یہودی سب ہیکلِ سلیمانی کو اپنا مذہبی مرکز سمجھتے تھے۔ سائرس نے ہیکل کی تعمیرِ نَو کی بھی اجازت دے دی تو 515 ق م میں حضرت عزیرؑ اور نبی زکریا کی نگرانی میں ہیکل دوبارہ تعمیر کیا گیا(8) اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیرؑ کو یہودیوں کی بابل کی اسیری کے دوران ان کی رہنمائی کا فرض سونپا تھا اور وہ بابل میں ہی فقیہہ کے مرتبہ کو پہنچ چکے تھے' شہنشاہِ ایران کے دربار میں انہیں عزت اور احترام کا مرتبہ حاصل تھا' ہیکلِ سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کے حکم کے ساتھ جب وہ واپس فلسطین پہنچے تو شہنشاہ اردشیر نے انہیں فلسطین میں شریعتِ موسوی کے مطابق عدل و انصاف کے لئے قاضی مقرر کرنے' دینی تعلیم دینے اور بادشاہ کے فرمان پر عمل کرانے کی ذمہ داری بھی سونپ دی اور انہیں قید' مال کی ضبطی' جلاوطنی اور موت کی سزائیں دینے کا بھی اختیار دیا(9)

حضرت عزیرؑ نے اپنے علم اور تاریخی تجربہ کی روشنی میں نابود تورات نئے سرے سے مرتب کی' یروشلم کے عالموں' کاہنوں اور یہودی بزرگوں کی مجلسِ عام میں اسے پڑھ کر سنایا اور نافذ کیا۔موجودہ تورات وہی ہے جو حضرت عزیرؑ نے مرتب کی تھی' اسی لئے یہودی انہیں خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ حیاتِ بعد از ممات' روح کی بقا' دنیاوی اعمال کی جزا اور سزا اور جنت دوزخ کا عقیدہ بھی پہلی بار اسی دور میں بنی اسرائیل کے دین کا حصہ بنا۔(10) ہیکلِ سلیمانی کے بعد یروشلم شہر اور فصیلِ شہر کی نئی تعمیر کی بھی اجازت مل گئی' اس طرح یہ شہر ایک بار پھر بنی اسرائیل کا سیاسی اور روحانی مرکز بن گیا۔ایرانی بادشاہوں کی طرف سے یہودیوں کو داخلی اور دینی آزادی حاصل تھی' حضرت عزیرؑ کی کوششوں سے یہودی قوم اور معاشرے میں ایک نیا جوش و جذبہ

بیدار ہوگیا اور دینی اور دنیاوی مسائل کا حل نکالنے اور اس کے طریقوں کے بارے میں سوچ بچار کرنے والوں نے نئی راہیں تلاش کرنا شروع کر دیا۔

جب سکندر مقدونی نے ایرانی شہنشاہ دارا کو شکست دی تو یونانی فلسطین پر بھی حاکم ہوگئے۔ شروع شروع میں تو یہودیوں کی آزادی حاکموں کی اس تبدیلی سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی، لیکن سکندر کی موت کے بعد اس کے وارثوں نے فلسطین اور یہودیوں پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لئے سخت احکامات جاری کر دیئے۔ انطاکیہ کے یونانی فرمانروا انٹی یوکس نے 167 قبل مسیح میں ہیکلِ سلیمانی میں اپنے مذہبی بُت رکھوا دیئے اور یہودیوں کو مجبور کیا کہ وہ یونانی دیوتا اولمپیئن زیوس (Olympian Zeys) کی پوجا کریں۔ اس نے تورات گھر میں رکھنے والوں کے لئے موت کی سزا مقرر کر دی اور سبت منانا اور ختنے کرانا جرم قرار دے دیا۔ زمانہ قدیم میں کوئی قوم اس وقت تک آزاد سمجھی جاتی تھی جب تک اسے اپنے مخصوص دیوتا کی پوجا کی آزادی ہو(11) مشترکہ دیوتا قومی یکجہتی کی علامت خیال کیا جاتا تھا۔ یونانی حکمرانوں نے یہودیوں کی مذہبی آزادی ختم کر کے انہیں اپنے دیوتا کی پوجا کرنے' یونانی زبان بولنے' یونانی لباس پہننے اور یونانی معاشرتی اقدار اپنانے کا حکم دیا تو فلسطین کے یہودیوں میں اس کے خلاف شدید ردِعمل پیدا ہوگیا۔ حضرت عزیرؑ نے شریعتِ موسوی کی تشریح کے لئے جو قاضی (Pharsees) نظام قائم کیا تھا' اس کے قاضیوں نے ان احکامات کو یہودیوں کی مذہبی آزادی میں مداخلت قرار دے دیا۔ اس سے یہودی قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک طبقہ وہ تھا جو یونانی زبان' لباس اور معاشرت اپنا کر نئے حکمرانوں سے میل جول بڑھانے لگا تھا' دوسرا طبقہ وہ تھا جو ایسا کرنے والوں کو مذہبی اور قومی غدار قرار دیتا تھا۔ اس دوسرے گروہ کی قیادت کرنے والے مکابی کہلائے' مکابیوں نے یونانیوں کے خلاف اعلانِ بغاوت کر دیا اور انہیں ارضِ فلسطین سے نکال کر یہودی حکومت قائم کر لی جو 142 ق م سے 63 قبل از مسیح تک تقریباً اسی سال قائم رہی۔ یہ عرصہ یہودیوں کی قومی بحالی کا زمانہ ہے' اس دور میں وہ تمام علاقے ان کے قبضہ میں آ گئے تھے جو حضرت داؤدؑ کی سلطنت میں شامل تھے۔

حضرت عزیرؑ نے چار گروہوں کو یہودیوں کی مجلسِ حاکمہ کے رکن قرار دیا تھا' شاہی خاندان کے ارکان (Princes) قبائلی بزرگ (Elders) حاکم (Rulers) اور معززین (Nobles)' مکابی دور میں یہ مجلس سب سے طاقتور ادارہ تھی' اس مجلس کا سربراہ سب سے بڑا مذہبی رہنما ہوتا تھا' مجلس کو بادشاہِ وقت کے احتساب اور قومی مجرموں کو موت تک کی سزا دینے کے اختیارات حاصل تھے اور سب یہودی اس مجلس کے احکام اور فیصلے ماننے کے پابند تھے۔

قومی آزادی اور بحالی کی اس جنگ میں کامیابی کے بعد یہودیوں میں بہت سے فرقے پیدا ہوگئے۔ان میں سب سے بڑا اور طاقتور طبقہ وہی قاضیوں (Pharsees) کا تھا جو شریعت کے قوانین کے نفاذ اور تشریح کا ذمہ دار تھا اور جسے وسیع سرکاری اور مذہبی اختیارات حاصل تھے۔ان قاضیوں کی تشریح کو سرکاری مذہب کا درجہ حاصل تھا۔وقتی تقاضوں کے مطابق شریعت کی تشریح اور قوانین میں تبدیلی کے مسئلہ پر اختلافات کے علاوہ اس فرقہ بندی کی ایک اور وجہ رُوح کی بقا اور موت کے بعد جزا و سزا اور جنت' دوزخ کے بارے میں اختلاف تھا۔ قاضیوں نے آنکھ کے بدلے آنکھ کے قانون میں جسمانی نقصان کا مالی معاوضہ دینے کی تبدیلی کر دی تھی اور رُوح کی بقا اور جنت' دوزخ کے عقیدے کو یہودی مذہب کا حصہ قرار دے دیا تھا' لیکن ایک بڑا فرقہ جو صدوکیز (Sadducees) کہلاتا تھا' قاضیوں کے اور ان کی طرف سے شریعت میں کی گئی ترمیمات کے سخت خلاف تھا۔صدوکیز روح کی بقا' جنت' دوزخ اور حساب کتاب کے عقیدے کو بھی نہیں مانتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ خدا کے قانون (شریعتِ موسوی) کی پابندی کسی لالچ اور فائدہ کو سامنے رکھ کر نہیں کرنا چاہئے'بلکہ اسے اس کی اصل صورت میں (آنکھ کے بدلے آنکھ) پر عمل کرنا چاہیے۔قاضیوں کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے اعمال میں مکمل طور پر آزاد نہیں' مکمل آزادی صرف خدا کو حاصل ہے اور خدا نے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ خدا کے احکامات کے مطابق عمل کرے یا نہ کرے جبکہ صدوکیز کا عقیدہ تھا کہ خدا کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ انسان کیا کرتا ہے۔وہ اچھا عمل کرے یا بُرا انسان کے اپنے اختیار میں ہے' وہ شریعت کے قوانین کے سختی سے نفاذ کے بھی خلاف تھے۔ صدوکیز مسیح (نجات دہندہ) کی آمد پر بھی یقین نہیں رکھتے تھے جبکہ قاضیوں نے مسیح کی آمد کو مذہبی عقیدہ کے طور پر قبول کرلیا تھا۔مسیح کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ وہ آکر انہیں کفار سے نجات دلائے گا۔اگرچہ ان کے عقیدے کے مطابق مسیح کی آمد کے زمانہ کو انسانی علم سے پوشیدہ رکھا گیا تھا۔وہ کہتے تھے کہ مسیح کی آمد سے پہلے دنیا میں تباہ کُن حادثات وقوع پذیر ہوں گے۔ مسیح آلِ داوٗدؑ میں سے ہوگا۔اگرچہ مسیح کی آمد کسی غیر فطری طریقہ سے نہیں ہوگی، مگر وہ نزول کرے گا اور رُوئے زمین پر خدا کا نائب ہوگا' دین و دنیا کی دونوں بادشاہتیں اس کے پاس ہوں گی۔وہ کفار کی حکومتوں کا خاتمہ کر دے گا' گنہگاروں کو برباد کر دے گا اور تمام بنی اسرائیل کو پھر سے اکٹھا کرکے ان کی حاکمیت بحال کرے گا۔دنیا میں امن اور بھائی چارے کا نیا دور شروع ہوگا اور مسیح کے دور کی برکتوں سے یہودی اور غیر یہودی سب فیضیاب ہوں گے۔(12) اس زمانہ کی یہودی تحریروں میں انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے (Original Sin)

اور "باپ خداوند" (The fatherhood of God) کا ذکر بھی ملتا ہے(13) لیکن انسان کے پیدائشی طور پر گنہگار ہونے کے عقیدہ کو زیادہ اہمیت نہیں دی گئی تھی۔"باپ خداوند" کا عقیدہ یہودی ربیوں میں عام تھا۔ Essenes نامی شخص، جس کے نام پر یہودیوں میں ایک اور فرقہ وجود میں آ گیا تھا، دعویٰ کرتا تھا کہ خداوند اس کا باپ ہے۔یہ فرقہ دنیاوی لذتوں کو گناہ سمجھتا تھا، جائیداد کی مشترکہ ملکیت پر عمل کرتا تھا، اس کے ارکان شادی نہیں کرتے تھے (اگرچہ اس پر سختی سے عمل نہیں کرتے تھے) وہ دوسروں کے بچوں کو اپنا لیتے تھے، وہ قول کے پکے اور وفا میں بے مثل تھے۔ یہ فرقہ بھی روح کی بقا اور اچھے اور بُرے اعمال کی جزا اور سزا پر ایمان رکھتا تھا، اس کے ارکان یہودیوں کی مذہبی رسومات اور مندروں میں عبادت میں حصہ نہیں لیتے تھے، وہ قدیم علوم اور سائنسی تحقیق میں دلچسپی رکھتے تھے، ان کے فکر و عمل صوفیوں جیسے تھے جبکہ صدوکیوں کو اس دور کے قوم پرست کہا جاتا ہے۔

جب یونانی تہذیب اور رسم و رواج کے مسئلہ پر یہودیوں میں تفریق پیدا ہوئی تو بہت سے یہودیوں کو ربیوں نے یروشلم سے نکال دیا تھا، ان میں کچھ وہ تھے جنہوں نے یونانی خواتین سے شادیاں کر لی تھیں،انہی میں یروشلم کے سب سے بڑے ربی کا ایک بھائی بھی شامل تھا۔وہ سب سامریہ چلے گئے اور وہاں پر ہیکلِ سلیمانی کے مقابلہ میں اپنا الگ مندر بنا لیا۔جب یونانیوں اور مکابیوں میں لڑائی ہوئی تو اس فرقہ کے پیروکاروں نے یونانیوں کا ساتھ دیا تھا۔اس فرقہ نے اپنی مذہبی کتب بھی ایک قدیم رسم الخط میں الگ لکھ لی تھیں، ان میں یہودیوں کے بہت سے ان نبیوں کی تعلیمات کو شامل نہیں کیا گیا تھا جنہیں یہ فرقہ مانتا نہیں تھا۔(14) مذہبی اور سیاسی طور پر یہ فرقہ یہودیت سے سب سے دُور تھا۔

مکابی دَور میں مذہبی رہنماؤں اور نیم مذہبی حکمرانوں کی ملی بھگت اور سخت پالیسیوں کے خلاف ردِعمل شروع ہوگیا، حکمران اور ان کے سرپرست مذہبی پیشوا عبادت گاہوں میں ادا کی جانے والی رسومات اور قربانیوں کو ہی مذہب سمجھنے لگے تھے جبکہ علماء اور مفکرین تورات کے قوانین پر عمل کو لازم قرار دیتے تھے۔تہذیب کے قدیم ترین گہوارہ بابل میں طویل قیام کی وجہ سے یہودیوں کے فکر و عمل پر اس تہذیب کے بھی گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے۔بابل سے واپس آ کر شہروں میں آباد ہونے والے یہودیوں اور دیہات میں رہنے والے یہودیوں میں بھی احکام کی تشریح پر جھگڑا پیدا ہو گیا۔ان فقہی اختلافات نے سیاسی انتشار کی صورت اختیار کر لی جس سے یہودیہ کی سلطنت کمزور پڑ گئی۔63 ق م میں رومی جرنیل پومپی نے فلسطین پر قبضہ کر کے

یہودیوں کی خودمختاری کا خاتمہ کر دیا۔ 63 ق م سے 6ء تک یہودیوں کی قومی اور مذہبی زندگی کا ایک الگ دور ہے جس میں رومیوں نے اپنی حاکمانہ پالیسی کے تحت یہودیوں کو اندرونی خودمختاری تو دے رکھی تھی،لیکن رومیوں کے باج گزار یہودی بادشاہ رومیوں کی دینی اور ثقافتی پالیسیوں کی مخالفت نہیں کرسکتے تھے۔رومیوں کے لئے قیصرِ وقت بھی ان کے دیوتا کی حیثیت رکھتا تھا' وہ دیوتاؤں کے ساتھ ساتھ اس کی بھی پرستش کرتے تھے۔رومیوں کے قومی کھیل تماشے بھی ان کے لئے مذہبی تہوار کی حیثیت رکھتے تھے۔ دیوتا قیصر اور کھیل تماشے رومیوں کی قومیت اور سلطنت کی مذہبی وحدت کی علامت سمجھے جاتے تھے'لیکن یہودی اپنی تمام تر فرقہ بندی اور مذہبی بگاڑ کے باوجود مجموعی طور پر توحید پرست تھے۔ہیکلِ سلیمانی کی تباہی اور بخت نصر کے ہاتھوں اپنی قومی سلطنت کی بربادی اور گرفتاری کے بعد ان میں خود احتسابی کا جذبہ بیدار ہوگیا تھا اور وہ اس بربادی کو اپنے قومی گناہوں کی سزا سمجھتے تھے۔ حضرت دانیال اور خاص طور پر حضرت عزیر کی تبلیغی سرگرمیوں اور مذہبی نظم کی وجہ سے ان میں خدا کی طرف رجوع کا جذبہ شدید ہوگیا تھا اور وہ کسی غیر اللہ کی پوجا کرنے پر تیار نہیں تھے' اس لئے ان کا دینی اور قوم پرست طبقہ رومی ثقافت' لباس' رسم و رواج اور حاکمِ وقت کی پوجا کو اپنے دین میں مداخلت قرار دیتا تھا جس سے خطۂ فلسطین میں ہمیشہ انتشار اور بے چینی رہتی تھی۔ 37 قبل از مسیح میں رومی سینٹ نے ہیروڈ نامی ایک یہودی کو فلسطین کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ ہیروڈ مذہباً یہودی تھا اور نسلاً ادومی۔اس کا تعلق ان ادومیوں سے تھا جنہیں مکابی دور میں جبراً ختنے کرکے یہودی مذہب میں شامل کیا گیا تھا۔ ادومی اس سے پہلے بھی رومیوں کے حامی رہے تھے۔(15) ہیروڈ نے 6 ق م تک حکومت کی۔ایک طرف وہ رومیوں کی پالیسیوں پر عمل کرکے انہیں خوش رکھنے میں لگا رہا اور دوسری طرف یہودی مذہبی رہنماؤں کو مطمئن کرنے کی کوششیں کرتا رہا،لیکن دونوں کو بیک وقت خوش رکھنا ممکن نہیں تھا۔رومیوں کی نسبت یہودی قوم پرست اور مذہب پرست اس سے زیادہ نالاں تھے۔رومیوں کی جابرانہ سرپرستی میں اس نے ٹیکسوں میں اضافہ کر دیا جس سے عام لوگ بھی اس کے خلاف ہوگئے تھے۔ہیروڈ کی موت کے بعد رومیوں نے اس کی ریاست اس کے تین بیٹوں میں بانٹ دی۔ اس سے یہودیوں کی قومی وحدت کا رہاسہا تخیل بھی ختم ہوگیا اور رومیوں کی گرفت مزید مضبوط ہوگئی۔وہ تینوں بھائی ایک دوسرے سے بڑھ کر رومیوں کو خوش کرنے کی دوڑ میں لگ گئے۔مذہب پرست اور قوم پرست یہودیوں کا غم و غصہ اور بھی بڑھ گیا جس پر قابو پانے کے لئے 6ء میں قیصر آگسٹس نے ہیروڈ کے بڑے بیٹے ارخلاؤس کو معزول کرکے یہودیہ' سامریہ اور شمالی ادومیہ کے

علاقے براہِ راست رومی گورنر کے ماتحت کردیئے۔ ہیروڈ کا دوسرا بیٹا ہیروڈ اینٹی پاس، شمالی فلسطین اور شرق اردن پر حکمران تھا،یہی وہ یہودی بادشاہ ہے جس نے اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے حضرت یحییٰؑ کو قتل کروا دیا تھا اور ان کا سر اسے پیش کیا تھا۔حضرت یحییٰؑ اپنے وقت کے بڑے مبلّغ توحید تھے، وہ یہودیوں کو ان کے مشرکانہ کاموں سے باز رہنے کی تبلیغ کرتے تھے اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈراتے اور نجات دہندہ (مسیح) کی آمد کی خوشخبری دیتے تھے۔لوگ بڑی تعداد میں ان کے پیروکار بن گئے تھے۔وہ انہیں دینی اور دنیاوی غلاظتوں سے پاک کرنے کے لئے پہلے مشرکانہ عقائد سے توبہ کراتے اور پھر غسل دیتے،اسی لئے انہیں بپتسمہ دینے والا یوحنا (John-the Baptist) بھی کہا جاتا ہے۔حضرت یحییٰؑ حضرت عیسیٰؑ سے عمر میں چھ ماہ بڑے تھے، ان کی والدہ اور حضرت عیسیٰؑ کی والدہ رشتہ میں بہنیں تھیں۔ Gospels میں اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی حضرت یحییٰؑ نے بپتسمہ دیا تھا اور ان سے پوچھا تھا:"کیا آپ وہی ہیں جسے آنا تھا یا ہمیں کسی اور کا ابھی انتظار کرنا ہے۔"(16) یروشلم، یہودیہ، سامریہ اور دیگر علاقوں کے بے شمار یہودیوں نے ان سے بپتسمہ لیا تھا۔اسی وجہ سے یہودی حکمران ان سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔جب وہ گلیلی پہنچے تو لوگوں نے بڑے جوش و جذبہ سے ان کا استقبال کیا۔انہوں نے بادشاہ اور اس کی بیوی کے طور طریقوں پر سخت تنقید کی، بادشاہ نے انہیں جیل میں ڈال دیا۔بادشاہ کی سالگرہ پر اس کی بیٹی نے رقص کیا تو بادشاہ نے خوش ہو کر کہا مانگ کیا مانگتی ہے، بیٹی نے ماں کے مشورہ پر کہا:"یوحنا کا سر چاہیے۔" بادشاہ نے حضرت یحییٰؑ کو جیل سے منگوا کر قتل کرا دیا اور ان کا سر بیٹی کو پیش کر دیا۔حال ہی میں بحیرۂ مردار کے قریب سے یہودیوں کے مذہب اور تاریخ کے جو قدیم مسودات (Scrolls) ملے ہیں،ان کے بارے میں ماہرین کا خیال ہے کہ وہ حضرت یحییٰؑ اور ان کی تعلیمات سے متعلق ہیں۔ان مسودات کے مطابق انہیں ماننے والے قمران (Qumran) کہلاتے تھے۔قمران دیگر یہودی فرقوں کو گمراہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہودی حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات سے منحرف ہوگئے ہیں۔ جب آخری نجات دہندہ آئے گا تو وہ لوگوں کو راہِ راست پر واپس لائے گا۔(17) حکومتیں ختم ہو جانے کے باوجود قوم پرست صدوکی اور مکابی رومیوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف رہے، ان کی مذہبی تقریبات میں لڑائی مار کٹائی کے واقعات عام ہوگئے۔مختلف گروہوں میں خونی جھڑپیں شروع ہوگئیں، تو رومیوں نے ایک بار پھر یہودیوں کو یہودی حاکم کے ذریعے قابو رکھنے کا نسخہ آزمانے کا فیصلہ کیا اور 41ء میں ہیروڈ کے پوتے ہیروڈ اگرپا کو ان تمام علاقوں پر حکمران بنا دیا جو اس کے دادا کے ماتحت ہوتے تھے، مگر وہ

بھی یہودی مذہب پرستوں کی شورش نہ دبا سکا۔ 66ء میں اس شورش نے بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ مذہب پرست یروشلم پر قابض ہوگئے' اگر پا اور رومی گورنر کی فوجیں بغاوت دبانے اور یروشلم پر قبضہ کرنے میں ناکام ہوگئیں' تو قیصر ٹائی ٹس (Titus) نے 70ء میں زبردست فوج بھیج کر باغیوں کو کچل دیا۔ یروشلم پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں کے ہیڈ کوارٹر ہیکلِ سلیمانی کو پیوندِ خاک کر دیا۔ سب یہودیوں کو یروشلم سے نکال دیا' بہت سے باغیوں کو گرفتار کرکے صحرائے سینا کی کانوں میں کام کرنے بھیج دیا اور فلسطین رومی سلطنت کا باقاعدہ حصہ قرار دے دیا گیا۔ اس طرح یہودیوں کی آزادی کے بعد نیم خود مختاری کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ رومیوں نے یروشلم کو اپنی چھاؤنی میں تبدیل کر دیا اور اس کا نام بھی بدل کر ایلیا رکھ دیا۔ یہودیوں کو اس شہر میں سال میں صرف ایک بار داخل ہونے کی اجازت تھی۔ اس دور میں یہودی تین گروپوں میں تقسیم ہوگئے تھے' ایک گروپ وہ تھا جو اس قومی لڑائی کو مذہبی قرار دے کر رومیوں کے خلاف برسرِپیکار رہا' دوسرا وہ تھا جو پہلے بھی بغاوت کی کامیابی کے امکانات پر یقین نہیں رکھتا تھا اور رومیوں کی حاکمیت کے سامنے سرِتسلیم خم کر دینے کا حامی رہا تھا' اس گروپ کا مذہبی لیڈر جو ہانن بن ذکی تھا جسے باغیوں نے یہودی قوم کا غدار قرار دے دیا تھا اور وہ ایک تابوت میں چھپ کر یروشلم سے بھاگ جانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ تیسرے گروپ کا لیڈر جوزفس (Josephus) نامی ایک مذہبی رہنما تھا جو رومیوں سے دوستی کے بھی حق میں تھا اور تورات کے قوانین پر عمل پر بھی زور دیتا تھا۔

بخت نصر کے وقت سے ہی یہودی فلسطین کی بجائے دوسرے ملکوں میں آباد ہونا شروع ہوگئے تھے۔ اس کے حملہ کے وقت جو یہودی مصر بھاگ گئے تھے' انہوں نے اسکندریہ میں اپنا مرکز قائم کر لیا تھا۔ بابل سے فلسطین واپسی کی اجازت کے بعد بھی بابل میں یہودی اکادمی قائم رہی تھی۔ اس سارے دور میں ان دونوں مرکزوں میں تورات کی تعلیم و تربیت کا کام جاری رہا تھا۔ اسکندریہ میں یہودیوں کی جو بہت بڑی آبادی تھی' وہ رومی رسم و رواج' زبان اور لباس اپنا چکے تھے۔ سکندر مقدونی کے قبضہ کے وقت ہی یہودی اس کی سلطنت کے پُرامن اور کاروباری مراکز میں آباد ہونا شروع ہوگئے تھے۔ فلسطین میں آپس کے جھگڑوں' انتشار اور قابض حکمرانوں کے خلاف بغاوتوں کی وجہ سے یہودیوں کے باہر منتقل ہونے کی رفتار تیز ہوگئی تھی۔ 70ء میں جب یروشلم اور ہیکل کو ایک بار پھر برباد کیا گیا' اس سے پہلے ہی رومی سلطنت کے طول و عرض میں جگہ جگہ یہودیوں کی کالونیاں بن چکی تھیں۔ 48ء میں کلاڈین نے جو مردم شماری کرائی تھی' اس کے مطابق اس وقت رومی سلطنت میں 6944000 یہودی بستے تھے(18) جو کُل آبادی کے دس فیصد کے برابر

تھے۔ رومی علاقوں میں جا کر بس جانے والے یہودی مذہب اور تورات سے وابستگی کے باوجود مقامی لوگوں کے سماجی اور معاشرتی رنگ میں رنگے جاچکے تھے۔یروشلم اور یہودیہ میں رہنے والے قوم پرست یہودیوں کی تعداد باہر والوں کے مقابلے میں بہت کم رہ گئی تھی۔سکندرِ اعظم کی فوج میں باقاعدہ یہودی رجمنٹیں شامل تھیں' رومیوں کی فوج میں بھی یہودی رجمنٹیں تھیں۔ (۱۹) فلسطین سے باہر رہنے والے یہودی اپنے مقامی مذہبی پیشواؤں کی ہدایت کے مطابق مقامی لوگوں سے میل ملاپ کے ذریعے ان میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے تھے' تاکہ انتقامی رجحانات کو کم کیا جاسکے۔انہوں نے حکمران طبقوں میں بھی اپنے ہمدرد پیدا کر لئے تھے' اس لئے رومی حکمران ان کے بارے میں اپنی پالیسیاں تبدیل کرتے رہتے تھے۔وہ کبھی سختی اور کبھی نرمی سے یہودیوں کو قابو رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔فلسطین پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے رومیوں نے ایک طرف فاریسیوں کے سول اور فوجداری نوعیت کے مقدمات کی سماعت کے اختیارات ختم کر دیئے' تو دوسری طرف ساری رومی سلطنت میں آباد یہودیوں کو مذہبی تہواروں اور عبادت کے اوقات میں رومی عدالتوں اور حاکموں کے روبرو حاضری سے مستثنیٰ قرار دے دیا اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو دینی معاملات میں کُلّی اختیارات دے دیئے۔یہودیوں سے ٹیکس جمع کرنے کے لئے بھی یہودی افسر مقرر کئے گئے'مگر فلسطین کے یہودی آزادی اور نجات دہندہ کے خواب دیکھتے رہے۔ 117ء میں انہوں نے ایک اور شورش بپا کی۔132ء میں ایک "مسیح" سائمن نے یہودیہ میں تحریکِ نجات چلائی'مگر ناکام رہا۔اس دورِ زوال میں یہودیوں میں پیدا ہونے والا یہ آخری "مسیح" تھا جس کی ناکامی یہودیوں کی 1272 ق م میں شروع ہونے والی تاریخ کا آخری باب تھا۔

اس وقت یہودیوں کے علماء' فقیہوں' فاریسیوں اور صدوکیوں کی مذہبی حالت کیسی تھی؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے ہم عہدنامۂ جدید میں شامل حضرت عیسیٰؑ کے خطبوں سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ یسوع نے فقیہوں اور فریسیوں سے کہا: "تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر دیا ہے"۔ "ریاکارو یسعیاہ نے تمہارے حق میں کیا خوب نبوت کی کہ "یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے' مگر ان کا دل مجھ سے دُور ہے اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ (یہ) انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں" ..... "وہ اندھے راہ بتانے والے ہیں"۔

یسوع نے کہا: "محصول لینے والے اور کسبیاں تم سے پہلے خدا کی بادشاہت میں شامل ہوں گے' کیونکہ یوحنا راست بازی کے طریق سے تمہارے پاس آیا۔تم نے اس پر یقین نہ کیا'مگر

انہوں نے یقین کیا"۔ "ریا کار فقیہو' فریسیو' (تم) بیواؤں کے گھروں کو دبائے بیٹھے ہو' دکھاوے کے لئے نماز کو طول دیتے ہو' (تم نے) انصاف' رحم اور ایمان چھوڑ دیا ہے' مچھر کو چھانتے اور اونٹ کو نگل جاتے ہو (تم) اندر سے لُوٹ اور ناپرہیز گاری سے بھرے ہو' ریا کاری اور بے دینی سے بھرے ہو" حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کی اس نسل کو بے اعتقاد اور کجرو قرار دیا تھا اور اپنے ماننے والوں کو فریسیوں اور صدوکیوں کی تعلیمات سے خبردار رہنے کا حکم دیا تھا۔

یہ اس قوم کے بارے میں اللہ کے اس پیغمبر کی شہادت ہے جس نے فرمایا تھا: "میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" اور یہ بھی کہ "میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں آیا' اس کی تکمیل کرنے آیا ہوں" اس قوم کے کاہنوں اور فقیہوں نے اس پیغمبر کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے اسے کوڑے لگانے اور صلیب پر پھانسی دینے کی سزا سنائی تھی۔ رومی قانون کے تحت ایسی سزا نہیں دی جاسکتی تھی، مگر رومی گورنر نے یہودیوں کے شر اور فتنہ کے خوف سے اس سزا کی تصدیق کر دی تھی(20) اور رومی قانون میں یہ کہہ کر ترمیم کر دی کہ حضرت عیسیٰؑ رومی شہریت کے حامل نہیں۔ رومیوں کے ہاتھوں تباہی کے بعد سے یہودیوں کی دینی فکر' قومیت اور ہیکلِ سلیمانی کی پھر سے تعمیر کے گرد گھومنے لگی' جو فقیہہ سرکاری اور عدالتی ذمہ داریوں سے فارغ کر دیئے گئے تھے' انہوں نے عبادت گاہوں کو اپنے مرکز بنا لیا' ہیکل کی تعمیر یہودیوں کا اولین مقصد ٹھہرا' دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی یہودی آباد تھا' وہ اپنی آمدنی سے ایک مقررہ حصہ ہیکل کی تعمیر کے لئے ....ادا کرتا رہا اور کسی نئے مسیح کی آمد کے خواب دیکھتا رہا۔ جب تک رومیوں نے عیسائیت کو الگ مذہب تسلیم کرکے اس کی سرپرستی شروع نہیں کی تھی' یہودیوں نے رومی حاکموں کے ساتھ مل کر حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کو بے پناہ تشدد اور انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا، لیکن جب عیسائیت رومی بادشاہوں کا مذہب قرار پائی تو تشدد کا نشانہ بننے کی یہودیوں کی باری آ گئی' اس تشدد اور جبر کی وجہ سے رومی سلطنت میں یہودیوں کی تعداد کم ہونے لگی' کچھ یہودی ایرانی شہنشاہوں کے زیرِاثر علاقوں میں منتقل ہو گئے اور کچھ رومنوں میں ضم ہو گئے۔ جبرون کے مرکزِ اسلام کے بعد آلِ یعقوبؑ کا یروشلم کا قومی مرکز بھی ختم ہو گیا' نسلی بادشاہت اور عظمت کے خواب دیکھنے والی یہودی قوم پناہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر بکھر گئی۔

حواشی / حوالہ جات

1- تیسرا مرکز شرقِ اردون میں تھا جس کے سربراہ حضرت لوطؑ تھے۔
2- یہ سب عمریں تورات سے لی گئی ہیں۔
3- سید ابو الاعلیٰ مودودی / سیرتِ سرورِ عالمؐ / لاہور 1978 / صفحہ 512
4- تورات- خروج- باب 20 - 2 تا 17
5- قرآن (82:2)
6- ا- قضاۃ 1:11-15
ب- قضاۃ 1:18
ج- قضاۃ 2:20
د- قضاۃ 3:7
7- Encyclopaedia of Religions and Ethics / Endburg / 1937 / VOL 7 p 586
8- حاشیہ سورہ بنی اسرائیل قرآن کریم (انگریزی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ)
King Fahd Holy Quran Printing Complex AL-Madinah / 1410 H / P 776
9- تورات عزرا: 8:25-26
10- اسی وجہ سے بعض مغربی اور یہودی مؤرخ اسے بنی اسرائیل کی دینی فکر پر ایرانی فلسفہ اور زرتشت کے مذہب کا اثر قرار دیتے ہیں۔
11- Gerhard Wetting/ Aussen politik Vol. 47/ Hamburg /page 5
12- Encyclopaedia of Religions and Ethics /Ednburg / 1937 / VOL 7 p 590
13- Encyclopaedia of Religions and Ethics /Ednburg / 1937 / VOL 7 p 590
14- Encyclopaedia of Religions and Ethics /Ednburg / 1937 / VOL 7 p 589
15- De Lacy O'leary/History of Arabia before Muhammiad/page 172
16- J. M. Roberts-Penguin History of the world 1995/Page 256-257
17- J. M. Roberts-Penguin History of the world 1995 Page 256
18- Andre Wink Al-Hind the making of the Indo-Islamic World volume I New York 1990 Page 86
19- J. M. Roberts/History of the world page 254
20- J. M. Roberts/History of the world Page 257

مکّہ کا مرکز

دینِ حنیف سے قریشیت تک

جزیرۃ العرب کے مرکزِ توحید مکہ سے دینِ حنیف کی تبلیغ کا فریضہ حضرت اسماعیلؑ کو سونپا گیا تھا۔حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے عمر کے کس حصہ میں نبوت سے سرفراز فرمایا' اس بارے میں کچھ معلوم نہیں' تورات کے مطابق ان کی وفات 137 سال کی عمر میں ہوئی تھی۔حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی کو نبوت عطا کی گئی تھی یا نہیں' اس بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں' اس لئے فرض کیا جاسکتا ہے کہ مکہ کے مرکزِ توحید سے ایک سو دس پندرہ سال تک دینِ ابراہیمیؑ کی تبلیغ جاری رہی ہو گی' جبکہ فلسطین کے مرکز میں حضرت یعقوبؑ کے مصر منتقل ہونے تک دو سو پندرہ سال تک تبلیغِ اسلام جاری رہی تھی۔جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ کی قیادت میں مصر سے واپس آئے تو اس دین اور شریعت کا مرکز بھی فلسطین ہی بنا جس دین کی تبلیغ کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو سونپا تھا اور جس کی تجدید و تکمیل کے لئے حضرت عیسیٰؑ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔بنی اسرائیل کی مصر سے واپسی سے رومیوں کے ہاتھوں یروشلم اور ہیکلِ سلیمانی کی تباہی تک تیرہ سو بیالیس سال تک اس کی جو بھی شکل رہی' اس کا مرکز یروشلم ہی رہا اور مکہ کے مرکزِ توحید سے دینِ اسلام کی تبلیغ نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی بعثت تک بند رہی۔یہ مدت دو ہزار تین سو بیس سال کے قریب بنتی ہے۔اس طویل عرصہ میں موجود شواہد کے مطابق جزیرۃ العرب میں کوئی نبی یا پیغمبر مبعوث نہیں ہوا۔حضرت شعیبؑ کا زمانہ اسی مدت کے درمیان خیال کیا جاتا ہے' لیکن ان کا مرکزِ تبلیغ مدین میں تھا جو حجاز کے شمال میں شام اور فلسطین سے ملحق بتایا جاتا ہے۔دو ہزار تین سو بیس سال کے اس زمانہ میں جزیرۃ العرب میں دینِ اسلام کن مراحل سے گزرا' کس زمانے میں اس میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں' کن حالات

و واقعات کے زیرِ اثر یہ تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں، ان کا کوئی ایسا ریکارڈ موجود نہیں جیسا فلسطین میں دینِ حنیف کے یہودیت کی شکل اختیار کرنے کا تاریخی، فکری اور مذہبی ریکارڈ موجود ہے، لیکن رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت جزیرۃ العرب کے باسیوں کی مجموعی مذہبی حالت کو دیکھا جائے (جس کی تفصیلات تاریخ اور سیرت و احادیث کی کتب میں موجود ہیں) تو اندازہ ہوتا ہے کہ عربوں پر دینِ اسلام کے اثرات کافی گہرے تھے اور ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود یہ اثرات مکمل طور پر زائل نہیں ہوئے تھے۔ بُتوں کی پُوجا اور قسم قسم کی مشرکانہ رسوم میں مبتلا ہوتے ہوئے بھی وہ زندگی اور موت دینے والا اللہ کو ہی مانتے تھے، ان کی اکثریت موت کے بعد دنیاوی اعمال کی جزا اور سزا پر یقین رکھتی تھی، جبکہ بنی اسرائیل میں، جیساکہ ذکر کیا گیا ہے، حیاتِ بعد از موت اور سزا کا عقیدہ بہت بعد میں بابل کی قید کے دوران آیا۔ ہیکل کی آخری تباہی 70ء تک ان کا ایک بہت بڑا اور مؤثر فرقہ صدوقی حیاتِ بعد از موت اور دنیاوی اعمال کی سزا و جزا پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ بیشتر عرب بُتوں کو خالق و مالک نہیں مانتے تھے۔ قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کے عقائد کا جو ذکر آیا ہے، اس کو یکجا کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کو پیدا کرنے والا، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، چاند اور سورج کو مسخّر کرنے والا، آسمان سے پانی برسا کر مُردہ زمین کو زندگی دینے والا، زمین کی ساری آبادی کا مالک، پناہ دینے والا مالکِ کُل، آسمان سے رزق دینے والا، سماعت اور بینائی دینے والا اور نظمِ عالم کو چلانے والا اللہ ہی کو مانتے تھے۔ وہ طوفان کے تھپیڑوں میں اللہ ہی کو نجات کے لئے پکارتے تھے، مگر بُتوں، بزرگوں کی رُوحوں، فرشتوں اور جِنّوں کو اللہ تک رسائی اور اس کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ سمجھتے تھے، انہیں سفارشی جان کر ان کے آستانوں پر چڑھاوے اور نذر نیاز گزارتے تھے اور ان کی ناراضگی سے خوفزدہ رہتے تھے، اس لئے انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے دین کو جو بھی تھا، حضرت ابراہیمؑ سے منسوب کرتے تھے اور کبھی کبھی ان بُتوں کی اپنے روایتی مزاج کے مطابق ٹھکائی بھی کر دیتے تھے جیساکہ ابنِ اسحاق نے بنو ملکان کے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے، جو اپنے اونٹوں کے گلّہ کے ساتھ برکت کے لئے سعد نامی بُت پر حاضر ہوا، اس کے اونٹ خوفناک بُت کو دیکھ کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے، تو وہ غصہ میں آگیا اور بُت کو پتھر مارتا تھا اور کہتا تھا: "اے منحوس بت! تُو نے میرے اونٹ منتشر کر دیئے۔" ایک اور عرب ذوالخلصہ نامی بُت سے پوچھنے گیا کہ وہ اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لے یا نہ لے۔ فال نکلی کہ وہ بدلا نہ لے، اس نے طیش میں آکر کہا: "اے ذوالخلصہ! اگر میری جگہ تُو ہوتا اور تیرا باپ قتل کیا گیا ہوتا تو ہرگز یہ جھوٹی بات نہ کہتا کہ ظالموں سے بدلا نہ لیا جائے۔"

جب ابرہہ ایک لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ حرمِ کعبہ کو مسمار کرنے کے ارادہ سے آیا اور اس کے آدمیوں نے سردارِ مکہ عبدالمطلب کے اونٹ پکڑ لئے' تو وہ اپنے اونٹوں کی واپسی کے لئے ابرہہ کے پاس گئے۔ابرہہ آپ کی وجاہت سے بہت متاثر ہوا۔بڑی عزت سے بٹھایا اور پوچھا: "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" سردار عبدالمطلب نے جواب دیا: "آپ کے آدمیوں نے میرے اونٹ پکڑ لئے ہیں' وہ مجھے واپس کر دیں۔" ابرہہ نے حیرانی سے کہا: "میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کی قوم کا مذہبی مرجع ہے' آپ نے اس بارے میں کوئی درخواست نہیں کی۔صرف اپنے اونٹوں کی واپسی کی درخواست کی ہے۔" تو سردار عبدالمطلب نے جواب دیا: "میں تو اونٹوں کا مالک ہوں' انہی کی واپسی کی درخواست کرتا ہوں' اس گھر کا مالک اللہ ہے' وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔" اس وقت بیت اللہ میں تین سو ساٹھ کے قریب بُت تھے' مگر انہوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ بُت مل کر اس گھر کو تم سے بچا لیں گے جس میں وہ نصب ہیں' پھر سردار عبدالمطلب قریش کے دیگر سرداروں کے ساتھ حرم میں حاضر ہوئے اور وہاں جو دعا کی اور شعر پڑھے' ابنِ ہشام نے وہ شعر نقل کیے ہیں۔ان ترجمہ اس طرح ہے:

"خدایا' بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔تُو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما'

کل ان کی صلیب اور تدبیر تیری تدبیر پر غالب نہ آنے پائے'

اگر تُو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے' تو جو تُو چاہے کر۔"

جب ابرہہ ناکام و برباد واپس گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو بچا لیا تو عرب شعراء نے قصائد لکھے۔ ان سب میں ابرہہ کی بربادی اور حرمِ کعبہ کی سلامتی' اللہ تعالیٰ کا کارنامہ قرار دیا گیا ہے۔کسی اندرونی یا بیرونی بُت کا کارنامہ قرار نہیں دیا گیا۔

سردار عبدالمطلب کے ابرہہ کو جواب' سردارانِ قریش کی دعا اور اشعار اور شعراء کے قصائد سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سب مالک و حاکمِ حقیقی اللہ تعالیٰ کو ہی سمجھتے تھے۔

جزیرۃ العرب کے سارے باسی حرمِ کعبہ کو اپنا دینی مرکز سمجھتے تھے اور دُور دراز کا سفر طے کرکے اس کے طواف اور حج کے لئے آتے تھے۔اگرچہ وقت کے ساتھ حج اور طواف کے مناسک اور تلبیہ میں کچھ تبدیلیاں کر دی گئی تھیں' لیکن دینِ ابراہیمؑ کے اس مرکز کی تعظیم اور عربوں کی اس سے وابستگی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' ان کے دینی اور قومی اتحاد کی اگر کوئی علامت تھی' تو یہی تھی۔وہ تیئس سو بیس سال سے دینِ ابراہیمی کے اس اہم رکن پر عمل کرتے آئے تھے۔ جزیرۃ العرب سے باہر کے حاکم عربوں کو خوش کرنے کے لئے ان کے اس دینی مرکز کے لئے تحائف ارسال کرتے تھے۔ عیسائیوں نے پہلے نجران میں اور پھر یمن میں عالیشان کلیسا

بنائے، ابرہہ نے ساری حاکمانہ قوت سے کوشش کی کہ عربوں کی حرمِ کعبہ سے وابستگی کمزور ہو جائے اور وہ اس کے کلیسا کو مرکز مان لیں، مگر کامیاب نہ ہوسکا تو ناکامی کے ردِ عمل میں اس مرکز کو برباد کرنے کے لئے چڑھائی کر دی۔ طائف کے جس سردار نے ابرہہ کی فوج کی رہنمائی کی تھی، اس کی موت کے بعد بھی عرب اس کی قبر پر پتھر مارا کرتے تھے، اس سے ان کی بیت اللہ سے وابستگی کی گہرائی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

عربوں کے تحت الشعور میں یہ احساس موجود تھا کہ ان کا اصل دین "دینِ ابراہیمی" ہی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی بعثت کے قریب کے زمانہ میں ایسے لوگ موجود تھے جو توحید کے متلاشی تھے، ایک جماعت تو دینِ حنیف کے حوالہ سے باقاعدہ حنفا کہلاتی تھی، کتابوں میں اس جماعت کے بہت سے لوگوں کے نام درج ہیں جو مشرکین کے دین سے لاتعلقی کا اعلان کرتے تھے اور اپنے کو دینِ حنیف کا پیرو کہتے تھے۔ ان اہلِ توحید میں سے ابوکرب اسعد حمیری تو آپؐ کی بعثت سے سات سو سال پہلے آپؐ پر ایمان لائے تھے۔ ان سے منسوب اشعار کا ترجمہ ہے:

"میں شہادت دیتا ہوں کہ احمدؐ رُوحوں کو پیدا کرنے والے خدا کے رسولؐ ہیں۔"

"اگر میری زندگی نے آپؐ کی آمد تک وفا کی تو میں آپؐ کا وزیر اور چچازاد بھائی ہوں گا۔"

حکیمِ عرب قیس بن ساعدہ بھی اسی جماعت سے تعلق رکھتے تھے جو نہ صرف توحید اور یومِ حساب پر خود ایمان رکھتے تھے، بلکہ عکاظ کے میلے میں اونٹ پر سوار ہو کر اس کی تبلیغ بھی کیا کرتے تھے۔ وہ حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور عشرہ مبشرہؓ میں سے حضرت سعیدؓ کے والدِ گرامی تھے۔ زید بن عمرو ان چار آدمیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے مکہ میں ایک بُت کے میلہ کے دوران بُت پرستی سے لاتعلقی اور نفرت کا عہد کیا تھا۔ ابن اسحاق کے مطابق ان چاروں نے مشرکوں سے الگ ہو کر میٹنگ کی اور آپس میں کہا تھا: "تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم مذہب کی پابند نہیں، انہوں نے دینِ ابراہیمی کو چھوڑ دیا ہے اور بُتوں کی پُوجا میں مبتلا ہوگئے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کسی کا نقصان کرسکتے ہیں اور نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں۔ ہم ان پتھروں کا کیونکر طواف کریں۔ دوستو! آؤ مل کر دینِ حق کی تلاش کریں، بخدا! یہ دین جس پر ہم چل رہے ہیں، دینِ حق نہیں ہے۔" ایک اور روایت کے مطابق وہی زید بن عمرو ایک روز کعبہ کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑے تھے اور اعلان کر رہے تھے: "اے قریش کی جماعت! بخدا آج میرے سوا تم میں سے کوئی بھی ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے۔" وہ بُتوں کے نام پر ذبیحہ کا گوشت بھی نہیں کھاتے تھے، صرف وہی گوشت کھاتے تھے جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

ایسے بہت سے اہلِ توحید کے نام اور واقعات بیان کیے جاسکتے ہیں، لیکن یہاں مقصد ان کی فہرست لکھنا نہیں، یہ بتانا مقصود ہے کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود مکہ اور خطہ عرب کے مختلف حصوں میں اہلِ توحید موجود تھے۔ اگرچہ وہ دینِ حنیف کی تفصیلات سے واقف نہیں تھے، مگر وہ یہ جانتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ ان کے اصل دین کو لانے والے تھے اور قریشِ مکہ جس دین کی پیروی کرتے ہیں وہ دینِ ابراہیمی نہیں ہے۔

شمالی عرب میں زبد کے مقام سے 512ء کے اور یمن سے چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبات ملے ہیں، ان کی تحریروں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جزیرۃ العرب کے ان حصوں میں بھی اہلِ توحید موجود تھے۔

خاتم النبیین حضرت محمدؐ رسول ﷺ کی بعثت کے وقت عربوں کی مجموعی مذہبی حالت کا یہ ایک پہلو ہے جسے ہم توحیدی پہلو کہہ سکتے ہیں، اس کے ساتھ بہت سے مشرکانہ پہلو بھی تھے۔ آپؐ نے مکہ اور خطہ عرب میں کس قسم کی مذہبی صورتِ حال میں توحید کا پیغام دیا اور دینِ ابراہیمی کی تجدید و تکمیل کا مشن شروع کیا تھا، اس کا اندازہ کرنے کے لئے ان مشرکانہ مذہبی پہلوؤں کا مختصر جائزہ بھی لازم ہے۔

بُت پرستی

جزیرۃ العرب کے مشرق اور شمال کی سرحدوں سے آگے بُت پرستی کے قدیم مراکز تھے۔ دجلہ و فرات کی وادی، شام و فلسطین اور اس سے آگے مصر، قدیم ترین تہذیبوں کے مرکز ہونے کے علاوہ شرک اور بُت پرستی کے بھی قدیم ترین مرکز رہ چکے تھے، جہاں بُت مرادیں دینے والے ہی نہیں سمجھے جاتے تھے، بلکہ اصل حاکم بھی وہی خیال کئے جاتے تھے اور دنیاوی حاکم ان بُتوں کے نمائندہ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جس معاشرہ اور بادشاہِ وقت کو توحید کا پیغام دیا، وہ اسی قسم کا معاشرہ اور حاکم تھے۔ فلسطین، جہاں انہوں پہلا مرکزِ توحید قائم کیا، وہاں بھی بُت ہی سیاسی اور دینی قوت کے مالک تھے۔ جب بنی اسرائیل مصر سے واپس آئے، اس وقت بھی یہی صورتِ حال تھی۔ حضرت موسیٰؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک بنی اسرائیل میں آنے والے تمام نبی اور پیغمبر، بُت پرستی سے لوگوں کو منع کرتے رہے، مگر دیگر قومیں تو ایک طرف ان کی اپنی قوم بھی پوری طرح اس سے محفوظ نہ رہ سکی۔ جزیرۃ العرب کے رہنے والوں کے زمانہ قدیم سے ان مراکز سے تجارتی تعلقات تھے۔ یمن اور حضر موت سے آنے والے تجارتی قافلے مکہ اور مدینہ سے ہو کر شام

اور فلسطین جاتے تھے' قریشِ مکہ خود تجارتی قافلے لے کر ان ممالک میں جاتے تھے' اس طرح بُت پرستی کے ان مراکز سے زمانہ قدیم سے عربوں کا جو رابطہ تھا'وہ ہمیشہ قائم رہا۔اسی تجارتی رابطے اور راستے سے بُت جزیرۃ العرب میں داخل ہوئے۔ہبل کا بُت شام سے مکہ لایا گیا' بنو خزاعہ کا سردار عمرو بن لحی کسی کام سے شام گیا۔وہاں عمالقہ کو بُتوں کی پرستش کرتے دیکھا' اسے یہ طریقِ عبادت پسند آیا' واپسی پر وہ ان سے ایک بُت مانگ کر لے آیا اور اسے بیت اللہ میں نصب کرکے لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم و تکریم کا حکم دیا(1) عمرو چونکہ سردارِ مکہ اور کاہن بھی تھا' لوگوں نے اس کی پیروی کی اور ہبل کی پرستش کرنے لگے۔ یہ انسانی شکل کا بُت تھا اور سُرخ عقیق کا بنا ہوا تھا۔جنگِ اُحد میں ابو سفیان نے اسی کی بڑائی کا نعرہ لگایا تھا:"اعلوا ہبل" یعنی ہبل کی جے اور رسول اکرم ﷺ نے اس کا نعرہ سن کر صحابہ کرام کو "اللہ اعلیٰ واجل" کا نعرہ لگانے کا حکم دیا تھا۔قریش باہمی جھگڑوں کے فیصلے اور سفر پر جانے یا نہ جانے کے بارے میں ہبل کے تیروں سے فال نکالتے تھے۔ہبل کی قدامت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبطی کتبوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔(2) یہ قریشِ مکہ کا خاص بُت تھا' صحراؤں میں رہنے والے عربوں کو اس سے کم ہی کوئی کام پڑتا تھا۔نواحِ مکہ میں دوسرا اہم بُت عُزیٰ کہلاتا تھا اور عرفات کے نزدیک اس کا عظیم الشان مندر تھا۔اس کے نزدیک درخت پر لوگ جانور قربان کرتے تھے اور حاجات کے لئے دعائیں مانگتے تھے۔ زمانہ قدیم میں وادیٔ سینا میں بھی اس کی پوجا کی جاتی تھی اور اس پر اونٹوں کی قربانی دی جاتی تھی(3) یہ بُت بھی جزیرۃ العرب میں باہر سے آیا یا لایا گیا تھا۔

خطۂ عرب میں پُوجا جانے والا ایک اور بُت "لات" تھا۔اس کا استھان طائف میں تھا' یہ قبیلہ بنی ثقیف کا خاص بُت تھا،لیکن قریشِ مکہ اور دیگر عرب قبائل بھی اس کی تعظیم کرتے تھے اور اس کے استھان پر حاضری دیتے تھے۔یہ سفید رنگ کا منقش پتھر تھا۔ قدیم نبطی کتبوں میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ نبطی سورج دیوتا کی پوجا کرتے تھے اور لات کو سورج کی دیوی سمجھتے تھے۔

تاریخ اور سیرت کی کتب کے مطابق منات کا بُت ان سب سے پہلے کا ہے' اس کا مندر قدید کے مقام پر تھا۔ قدید مکہ اور مدینہ کے درمیان بحرِ احمر کے کنارے واقع ہے۔مدینہ کے اوس' خزرج اور خزاعہ قبائل اس کے خاص معتقد تھے۔ حجِ بیت اللہ کے بعد وہ سیدھے قدید جاتے تھے' منات کا طواف کرتے تھے اور اس پر جانور قربان کرتے تھے۔ دوس' خثعم،بجیلہ اور ان کے علاقہ کے دیگر عرب قبائل ذوالخلصہ نامی بُت کی پوجا کرتے تھے۔یہ سنگِ مرمر کا سفید بُت تھا جس کے سر پر منقش تاج تھا' اس کا مندر بھی بڑا خوبصورت تھا۔جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں

میں اور بھی کئی بتوں کی پوجا کی جاتی تھی جن میں قومِ نوح کے قدیم بُت بھی شامل تھے، جن میں سے "ود" جو قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنی کارب کا بُت تھا۔ "سواع" قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی، یغوث قبیلہ طے کی شاخ انعم کا بت تھا، یعوق قبیلہ ہمدان کی شاخ خیوان کا معبود تھا، نسر کی پرستش حمیر کی بعض شاخیں کرتی تھیں۔ بعل کے ماننے والے بھی جزیرۃ العرب میں موجود تھے۔ بعل کی پرستش زمانۂ قدیم سے بابل سے مصر تک ہوتی تھی اور بنی اسرائیل میں بھی اس کی پوجا شروع ہوگئی تھی، تورات میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ دیگر قبائل کے بھی اپنے اپنے الگ بُت تھے۔

تاریخی لحاظ سے ان میں سے اکثر بُت جزیرۃ العرب میں اس کے پڑوسی ممالک اور قوموں سے آئے تھے، بڑے بتوں میں سے کوئی بھی اس خطہ کا باسی (Native) نہیں تھا، عربوں نے دوسری قوموں کو انہیں پوجتے دیکھا اور وہاں سے لا کر ان کی پوجا شروع کر دی، لیکن جزیرۃ العرب میں ان میں سے کسی بھی بت کو وہ اقتدار و مرتبہ حاصل نہیں ہوسکا تھا، جو ان ممالک میں انہیں حاصل تھا جو ان کے اصل وطن تھے۔ عرب میں ان کا اثر محدود تھا اور بت پرستی سیاسی قوت نہیں بن سکی تھی۔ صرف مکہ میں جہاں مدنی زندگی کی ابتدائی صورت موجود تھی، قریش اپنے بتوں کو اپنی سیاسی قوت کے استحکام کا وسیلہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے، مگر ان میں سے بھی کوئی یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ سردارِ مکہ یا سردارِ قریش اس لئے ہے کہ وہ بیت اللہ میں نصب کسی بت کا نمائندہ یا جانشین ہے۔ جزیرۃ العرب میں قریش کی عزت کی بنیاد اس وقت بھی ان کے حرمِ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے تھی، وہ خود بھی اپنی بڑائی کی بنیاد اسی کو مانتے تھے۔ بت مختلف عرب قبائل کے اپنے اپنے مقامی مذہبی کلچر کا حصہ تو تھے، لیکن عرب قوم کی وحدت کی بنیاد نہیں تھے، جیساکہ بابل و نینوا اور مصر و فلسطین میں ہوا کرتے تھے۔ اس وقت بھی یہ بنیاد حرمِ کعبہ اور دینِ ابراہیمؑ سے وابستگی کا احساس ہی تھی یا پھر مشترکہ عربی زبان عربوں کی وحدت کی علامت تھی۔

ابن اسحاق نے جزیرۃ العرب میں بُت پرستی کی ابتدا کے بارے میں لکھا ہے کہ "جب مکہ میں آلِ اسماعیلؑ کی آبادی بہت زیادہ ہوگئی اور مقامی وسائل ان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہوگئے تو وہ دوسرے علاقوں اور شہروں کی طرف چلے گئے، لیکن حرمِ کعبہ کی تعظیم اور اس سے تعلق کی وجہ سے جو بھی گروہ مکہ سے باہر گیا، وہ حرم کا ایک پتھر اپنے ساتھ لے گیا، وہ جہاں جاتے اس پتھر کو نصب کرکے اس کا طواف کرتے، کچھ عرصہ بعد حرم کے پتھر کی جگہ عام پتھروں نے لے لی اور طواف سے بڑھ کر وہ ان پتھروں کی عبادت کرنے لگے۔" لیکن ناتراشیدہ پتھروں کو نصب کرکے انہیں مقدس قرار دینا آلِ اسماعیلؑ تک ہی محدود نہیں تھا، آلِ اسحاقؑ میں سے حضرت

یعقوبؑ کا ناتراشیدہ پتھر کو نصب کرکے اس پر تیل ڈالنا اور وہاں قربان گاہ بنانا تورات سے ثابت ہے۔جب وہ اپنے ماموں کے پاس جا رہے تھے تو سفر میں ایک رات خدا تعالیٰ نے انہیں بشارت دی، صبح اٹھ کر انہوں نے اس پتھر کو جسے وہ رات سرہانے رکھ کر سوئے تھے،"ستون کی طرح کھڑا کیا اور اس کے سر پر تیل ڈالا اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا" اور کہا: "یہ پتھر جو میں نے کھڑا کیا ہے خدا کا گھر ہوگا۔" اپنے ماموں کے ہاں سے واپسی پر انہوں نے اس جگہ قربان گاہ بنا دی اور آگے چل کر ایک اور جگہ پتھر کا ایک ستون کھڑا کیا اور اس پر تپان کیا اور تیل ڈالا اور اس جگہ کا نام بیت ایل رکھا۔" اس مقام پر بھی تورات کے مطابق خدا تعالیٰ حضرت یعقوبؑ سے ہم کلام ہوئے تھے۔ "ایل" کا مطلب عبرانی زبان میں "خدا" ہے اور بیت ایل کا مطلب "خدا کا گھر" ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پتھر کی پوجا کرتے تھے یا اس سے کوئی اوصاف وابستہ کر دیتے تھے۔

یہ پتھر کسی مقام کے مقدس ہونے کی نشانی کے طور پر وہاں نصب کئے جاتے تھے،لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ایسے پتھروں کو ہی مقدس سمجھ لیا گیا اور یہ خیال کرکے کہ ان میں کسی اعلیٰ اور مقدس ہستی کی روح مقیم ہے، ان کی عبادت کی جانے لگی اور لوگ اس رُوح سے مرادیں مانگنے لگے۔نیک لوگوں اور اپنے بزرگوں کے بت بنانے اور ان سے مرادیں مانگنے کے عربوں کے رواج کے پیچھے بھی یہی تصور تھا کہ ان کی روحیں ان بتوں میں موجود ہیں۔آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی جاپان میں مہاتما بدھ کے جن بتوں سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، ان کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ ہے کہ مہاتما بدھ کی روح ان بتوں میں مقیم ہے، اس روح کو بلانے اور کسی بُت میں قیام کے لئے آمادہ کرنے کے لئے وہ خاص مذہبی تقریب منعقد کرتے ہیں، جب تک یہ تقریب نہ ہو اور بدھ بھکشو مہاتما بدھ کی روح کو کسی بُت میں قیام پر تیار نہ کرلیں، اس وقت تک وہ عام پتھر ہی سمجھا جاتا ہے، خواہ کتنا ہی خوبصورت تراشا گیا ہو(4) نبیوں، ولیوں اور نیک لوگوں کے بُت بنانے، ان کے آگے جھکنے اور ان سے مرادیں مانگنے کی روایت کو عیسائیت نے بھی مستحکم کیا۔

عیسائیوں کو اپنی عبادت گاہوں میں حضرت عیسیٰؑ، ان کی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ اور دیگر عیسائی پادریوں کی مورتیوں کے سامنے جھکتے اور دعائیں مانگتے دیکھ کر عرب بھی ان کی تقلید کرنے لگے، مگر وہ مورتیاں اور بُت اپنے نیک افراد اور بزرگوں کے بناتے تھے۔بعض عرب ملائکہ کی مورتیاں بنا کر انہیں زنانہ لباس پہناتے تھے اور ان سے مرادیں مانگتے تھے، وہ جِنّوں اور شیطانوں کے خوف سے ان کی بھی پرستش کرتے تھے تاکہ وہ انہیں نقصان نہ پہنچائیں۔

جزیرۃ العرب کی مشرقی سرحد کے ساتھ ایرانی سلطنت کی سرحدیں ملتی تھیں جہاں آتش

پرستی سرکاری مذہب کا درجہ رکھتی تھی۔اس کے زیرِ اثر عربوں میں بھی مجوسی موجود تھے۔اگرچہ بہت تھوڑی تعداد میں تھے۔ابن قتیبہ کے مطابق قریشِ مکہ میں بھی مجوسیوں کے مذہبی فلسفہ کے اثرات موجود تھے اور وہ نیکی اور بدی' خیر اور شر کے بنانے والوں کے دو الگ الگ ہونے پر یقین رکھتے تھے۔یہ اثرات حیرہ سے آئے تھے جس سے عربوں اور قریش کا گہرا سیاسی اور تجارتی رابطہ تھا۔ایک قلیل تعداد میں عربوں میں دہریئے بھی تھے جو کہتے تھے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد اور کچھ نہیں' انسان پیدا ہوتا ہے اور مرجاتا ہے' بس آگے اور کچھ نہیں۔

دورِ جاہلیت کے عربوں میں ایک اور مذہب کا ذکر بھی ملتا ہے جس کے ماننے والوں کو صابی کہا جاتا تھا۔اس مذہب کا مرکز بھی جزیرۃ العرب سے باہر حران میں تھا۔صابئین کی آگے دو شاخیں تھیں' محمود شکری آلوسی ایک قسم کو کافر دوسری کو مومن بتاتا ہے' کافر' صابی سات ستاروں اور بارہ بُرجوں کی تعظیم کرتے تھے' انہوں نے سورج' چاند' زہرہ' مشتری وغیرہ کی پرستش کے بڑے بڑے مندر بنا رکھے تھے' (5) لیکن ایسے کسی مندر کا ذکر جزیرۃ العرب کے اندر نہیں ملتا۔دوسرا گروہ ہر دین سے خوبیاں لے لیتا تھا اور خامیوں سے (ان کے اپنے خیال کے مطابق) اجتناب کرتا تھا۔ وہ اپنے کو دینِ حنیف کے ماننے والے کہتے تھے' بعض کا خیال ہے کہ وہ حضرت یحییٰؑ کے پیروکاروں میں سے تھے۔

قریشیت

قریشِ مکہ نے اپنے لئے جو نیا مذہب ایجاد کر رکھا تھا'اس دینِ قریش (قریشیت) کی بنیاد دنیاوی تفاخر اور تقدس پر تھی' وہ کہتے تھے کہ چونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں' حرم کے باشندے ہیں' بیت اللہ کے متولی اور مقدس شہر مکہ کے رہنے والے ہیں' اس لئے دنیاوی اور مذہبی طور پر انہیں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے' وہ کسی اور فرد یا قبیلے کو حاصل نہیں' جو تعظیم اور تکریم ان کی ہے' اس میں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔اس "تقدس" اور "برتری" کے تحفظ کے لئے انہوں نے مناسکِ حج میں اپنے لئے بدعتیں ایجاد کر لی تھیں اور اپنے لئے ایک نیا نام "حمس" تک چُن لیا تھا۔ حمس کا مطلب تھا بہادر اور گرم جوش' حرم سے باہر رہنے والی اولاد حمس کو بھی وہی مقام مرتبہ حاصل تھا جو حرم میں بسنے والے حمس نے اپنے لئے قرار دیا تھا۔ حمس کہتے تھے کہ حرم سے باہر کوئی اور جگہ ہمارے لئے حرم کی مانند قابلِ تعظیم نہیں' اسی لئے وہ حج کے لئے بھی عرفات نہیں جاتے تھے' بلکہ مزدلفہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے اضافہ کر لیتے تھے۔وہ

عرفات جانا دینِ ابراہیمی کے مطابق حج کا رکن تو مانتے تھے، مگر اپنے لئے نہیں، باقی سب کے لئے اسے لازم قرار دیتے تھے۔کنانہ اور خزاعہ کے قبائل بھی چونکہ حمس ہی میں شمار ہوتے تھے، اس لئے حرم کی حدود سے باہر رہنے کے باوجود وہ بھی عرفات نہیں جاتے تھے۔انہوں نے خود ہی احرام کی حالت میں حمس کے لئے گھی اور پنیر کا استعمال حرام قرار دے دیا تھا اور حمس احرام کی حالت میں صرف چمڑے کے خیمے میں قیام کرسکتے تھے۔عام عربوں جیسے اونٹ کی اون کے یا کسی اور اونی خیمے میں ان کے لئے قیام کرنا ممنوع تھا، احرام کی حالت میں وہ اپنے یا کسی اور کے گھر میں دروازے سے داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ آنے جانے کے لئے وہ پیچھے کی دیوار میں کھڑکی یا سوراخ نکال لیتے تھے۔یہ تو وہ بدعات تھیں جو انہوں نے اپنے لئے ایجاد کی تھیں۔ حرم کی حدود سے باہر رہنے والے غیر حمس کے لئے بھی انہوں نے کچھ پابندیاں عائد کر دی تھیں، ان میں سے ایک پابندی یہ تھی کہ جب غیر حمس حج یا عمرہ کے لئے آتے ہیں تو حدودِ حرم کے اندر وہ اپنے ساتھ باہر سے لایا ہوا کھانا نہیں کھا سکتے، اسی طرح طواف کے وقت وہ حدودِ حرم سے باہر سے لایا ہوا کوئی کپڑا بھی نہیں پہن سکتے۔ احرام کے لئے انہیں حمس سے کپڑے لینا ہوں گے، اگر ان میں سے کوئی حمس سے کپڑا نہ لے سکے تو وہ ننگے بدن ہی طواف کرے اور اگر کوئی کسی وجہ سے ننگا طواف نہیں کرتا تو جن کپڑوں میں وہ طواف کرتا ہے وہ فوراً جلا دیئے جائیں۔اس پابندی کی وجہ سے ایسے لوگ ننگے بدن طوافِ کعبہ کرنے لگے تھے، ان کی عورتیں بھی طواف کے وقت اپنے کپڑے اتار دیتی تھیں، صرف ایک قمیص بدن پر رہنے دیتی تھیں جس کے دونوں طرف چاک کئے ہوتے تھے۔ قریش نے حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کی تلبیہ میں بھی مشرکانہ اضافہ کر دیا تھا اور جزیرۃ العرب کے سارے باسیوں نے قریش کی ان بدعات اور پابندیوں کو قبول کر لیا تھا۔ عرب ان تمام باتوں میں قریش کی اتباع کو مذہب اور سعادت سمجھتے تھے۔

قریشِ مکہ نے ایک طرف تو مناسکِ حج و عمرہ میں ان تبدیلیوں سے اپنے آپ کو عرب قوم سے بلند اور مکرم منوا لیا تھا اور دوسری طرف جزیرۃ العرب کے مختلف حصوں میں پوجے جانے والے مختلف قبائل کے بُتوں اور مُورتیوں کو بیت اللہ میں نصب کرنے کی اجازت دے کر ان کے پُوجنے والوں کو بھی اپنے پیروکار بنا لیا تھا۔ بیت اللہ کی حدود میں تین سو ساٹھ کے قریب بت اور مورتیاں نصب تھیں۔ایک روایت کے مطابق حرم کی دیواروں پر مختلف تصاویر بھی بنی تھیں جن میں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویر بھی تھی۔ظاہر ہے قریشِ مکہ خود ان سارے بتوں اور مورتیوں کو نہیں مانتے ہوں گے، جس طرح جو بھی عرب شاعر نامور ہوتا تھا، اپنا کلام کعبہ میں

لٹکا جاتا تھا' اسی طرح جو بھی قبیلہ کسی بت کو پوجتا تھا وہ اپنا بت بھی وہاں نصب کر جاتا ہوگا کہ اسے بھی بیت اللہ میں جگہ مل جائے۔ مختلف بتوں کے ماننے والے اپنے بتوں کے لئے الگ الگ استھان بناتے ہیں، لیکن حرم میں سارے ہی بت ایک جگہ نصب تھے جس کی بنیادی وجہ قریشِ مکہ کی مذہبی سیاست تھی۔ وہ کسی کو بھی اپنا بت رکھنے سے منع کرکے ناراض نہیں کرتے تھے' اس طریقے سے انہوں نے سارے عربوں پر اپنی دنیاوی اور مذہبی برتری قائم کرلی تھی۔ وہ دینِ ابراہیمی کے وارث بھی کہلواتے تھے' حرمِ کعبہ کے مکرم و مقدس متولی بھی اور اس میں رکھے بتوں کے پرستار بھی۔ دینِ حنیف کے مرکز مکہ میں دو ہزار تین سو تیس سالوں میں دینِ ابراہیمی نے جو صورت اختیار کرلی تھی' وہ مذہبِ قریش تھا' اس مذہبِ قریش کو سارے جزیرہ عرب میں جو مقام حاصل تھا' اور کسی مذہب کو حاصل نہیں تھا۔ حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے وقت یہی مذہب یا قریشیت جزیرۃ العرب میں سب سے منظّم اور بڑی مذہبی اور سیاسی قوت تھی۔

تاریخ کے کسی بھی دور میں پورے جزیرۃ العرب پر کسی بادشاہ یا خاندان کی حکومت نہیں رہی۔ اس کے جنوبی' مشرقی اور شمالی حصوں میں جن عرب بادشاہتوں اور سرداروں کا ذکر کیا گیا ہے' ان کی حیثیت مقامی تھی' ان میں سے اکثر پڑوسی غیر عرب حکمرانوں کی باجگزار اور زیرِ سرپرستی ہوتے تھے۔ پورے جزیرۃ العرب پر کسی حکمران یا سیاسی قوت کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے وہاں پر کوئی مذہب بھی پورے جزیرۃ العرب پر قبضہ نہ کرسکا اور کسی حاکم نے کبھی سارے عربوں کو کوئی ایک مذہب قبول کرنے یا کسی ایک بت کی پوجا کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ قریشِ مکہ کے اس خود ساختہ دین کی عربوں میں قبولیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ کے کسی دور میں دینِ ابراہیم پورے جزیرۃ العرب کے لوگوں کا دین ہوگا۔ قریشِ مکہ چونکہ اس دین کے مرکز بیت اللہ پر قابض تھے اور ابراہیم کی نسل سے تھے' اس لئے سارے عربوں نے ان کی دینی اور دنیاوی برتری تسلیم کرلی تھی اور دینِ ابراہیمؑ میں وہ جو بھی ترمیم و اضافہ کرتے تھے' سارے عرب قبائل اس کو مان لیتے تھے۔

مکہ مکرمہ چونکہ بین الاقوامی تجارت کے راستے پر واقع تھا' ایک اہم تجارتی مرکز کی حیثیت اختیار کرگیا تھا اور مکہ کے حاکم قریش کے جزیرۃ العرب کے اردگرد کے بادشاہوں اور شہنشاہوں سے تجارتی اور سفارتی تعلقات تھے' اس لئے جزیرۃ العرب میں وہ ایک منظّم سیاسی' اقتصادی اور مذہبی قوت کی حیثیت اختیار کرگئے تھے اور ریگستانوں میں رہنے والے قبائل نے قریشِ مکہ کو اس خطہ کی بڑی سیاسی قوت بھی تسلیم کرلیا تھا۔ کسی شہنشاہ' بادشاہ اور حاکم کی عدم موجودگی میں قریشِ مکہ ہی حکمرانوں کی حیثیت رکھتے تھے' اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ "قریشیت" نے جزیرۃ العرب کے مذہب کی حیثیت اختیار کرلی تھی' تو اس میں کافی زیادہ وزن اور سچائی ہے۔

حواشی رحوالہ جات

1- شیخ عبد اللہ بن محمد عبد الوہاب/ مختصر سیرتِ رسولؐ (اردو ترجمہ) جہلم 1990ء/ صفحہ 60

2- ڈی لیسی اولیری/ تاریخ خطۂ عرب قبل از محمدؐ (انگریزی) لاہور/ 1989ء/ صفحہ 198

3- ڈی لیسی اولیری/ تاریخ خطۂ عرب قبل از محمدؐ (انگریزی) لاہور/ 1989ء/ صفحہ 194

4- رفیق ڈوگر جاپان نورد لاہور 1989ء صفحہ 83

5- محمود شکری آلوسی بلوغ الارب/ اردو ترجمہ جلد 3 صفحہ 117-120 بحوالہ سیرتِ سروری" جلد اول صفحہ 60G

عرب اور یہودیت

جزیرۃ العرب کے شرک کے سمندر میں کہیں کہیں یہودیت کے چھوٹے چھوٹے جزیرے بھی موجود تھے' ان میں بسنے والے یہودی بتوں کی پوجا تو نہیں کرتے تھے،لیکن وہ اس دین اور تورات کے ماننے والے بھی نہیں تھے جو حضرت موسیٰؑ لائے تھے' ان کا دین وہ مذہبی عقائد اور معاشرتی ضوابط و رسومات تھیں جو یہودی کاہنوں' احبار اور مؤرخوں نے بنی اسرائیل کے صدیوں کے عروج و زوال کے دوران مرتب کرکے اسے یہودی مذہب کا نام دے دیا تھا۔

عرب اور یہودی ایک ہی سامی نسل اور اصل سے تعلق رکھتے تھے.ان کی دینی اصل بھی ایک ہی دینِ حنیف تھی' ان میں کبھی باہمی رشتہ داریاں بھی ہوئیں' حضرت اسحاقؑ کے بڑے بیٹے عیصو نے حضرت اسماعیلؑ کی بیٹی بشامہ سے شادی کی تھی اور جب حضرت یعقوبؑ اپنے باپ کے مرکز کے وارث قرار پائے تو عیصو اپنے مال اور اولاد کے ساتھ اس مرکز سے ہجرت کرکے جس علاقہ کی طرف گئے'وہ جزیرۃ العرب سے منسلک ہے.ان کی اولاد وہیں پھلی پھولی.ان میں اور آلِ اسماعیل میں بھی لازماً رشتہ داریاں ہوئی ہوں گی۔یہودیوں کے سب سے بڑے بادشاہ حضرت سلیمانؑ نے جزیرۃ العرب کے دوسرے کنارے پر واقعہ ریاست سبا کی ملکہ بلقیس سے شادی کی تھی' عربوں خاص طور پر جنوبی عرب کے تاجروں کے خطۂ فلسطین اور شام سے قدیم اور مضبوط تجارتی روابط رہے تھے' اس کے باجود یہودیوں اور یہودیت کا رخ جزیرۃ العرب کی طرف کم اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی طرف ہمیشہ زیادہ رہا'حالانکہ وہاں انہیں جبر کا نشانہ بنایا گیا' قیدی اور غلام بنا کر رکھا گیا' پھر بھی ان کے علمی' فکری' سیاسی اور مذہبی مراکز انہی علاقوں میں بنے۔ رومی دور میں صرف ایک شہر اسکندریہ کی یہودی آبادی یروشلم سے زیادہ تھی اور روم میں پچاس لاکھ

یہودی رہتے تھے۔جزیرۃ العرب کی قدیم شاعری میں بھی یہودیت یا یہودیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا' پہلی بار بخت نصر کے ہاتھوں یروشلم کی تباہی اور یہودیوں کی اسیری کے بعد عرب میں یہودیوں کا حوالہ ملتا ہے جب یمن کے حمیری بادشاہ حارث بن عمرو نے یہودی مذہب قبول کیا تھا' خیال کیا جاتا ہے کچھ یہودی بخت نصر سے بچ کر یمن بھاگ آئے تھے اور انہی کی تبلیغ کی وجہ سے حارث نے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا۔یمن کے ایک اور حمیری حکمران ذونواس (یوسف) نے بھی یہودی مذہب قبول کر لیا تھا جس نے نجران کی عیسائی کالونی پر حملہ کیا تھا'مگر ان دونوں کے درمیان تقریباً گیارہ سو سال کا فصل ہے۔اس عرصہ میں یمن میں یہودیت کا کیا حال رہا' اس بارے میں کچھ معلوم نہیں' البتہ دوسری صدی عیسوی کا مشنیٰ کا ایک حوالہ موجود ہے جس میں عرب خواتین کو پردہ کے لئے لمبا گھونگھٹ نکالنے اور نوجوان لڑکیوں (عرب) کو چادر اوڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔یہودیوں کے رہائشی گھروں کے لئے جن ضوابط کی پابندی لازم قرار دی گئی ہے' ان سے مستثنیٰ مقامات میں عرب کا خیمہ بھی ہے جس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس دور میں کچھ ایسے یہودی بھی تھے جن کا کلچر اور بود و باش عربوں جیسے تھے۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے زمانہ میں جزیرۃ العرب میں یہودیوں کی جو آبادیاں تھیں' ان میں اہم ترین یثرب (مدینہ) اور خیبر کی یہودی آبادیاں تھیں۔ان کے علاوہ تبوک' تیما' ایلہ' مقنا' وادی القریٰ اور فدک میں بھی کچھ یہودی آباد تھے۔یہ یہودی کس زمانے میں وہاں آئے تھے اور کہاں سے آئے تھے؟ کسی مؤرخ کے پاس اس کا ٹھیک جواب نہیں۔اس کا بھی کوئی اندازہ نہیں کہ آیا وہ یہودی بنی اسرائیل کی نسل سے تھے یا مقامی عرب تھے جنہوں نے یہودی مذہب قبول کر لیا تھا۔عام خیال یہ ہے کہ یہ وہ یہودی قبائل تھے جو رومنوں کے ہاتھوں یروشلم کی بربادی کے بعد وہاں سے بھاگ کر جزیرۃ العرب کے شاداب علاقوں میں آباد ہوگئے تھے۔اگر ایسے ہی ہوا تھا تو کیا ان کی آمد تک یہ زرخیز اور شاداب علاقے خالی پڑے تھے؟ کہ وہ آئیں اور یہاں آباد ہو جائیں؟ بعض کا خیال ہے کہ ان کی اکثریت کا تعلق ان ادومی قبائل سے تھا جنہوں نے مکابی دور میں یہودیت قبول کر لی تھی' اسی لئے وہ آسانی سے عرب تہذیب میں رچ بس گئے تھے' لیکن اگر ان یہودیوں کی سازشوں' منافقت اور فطرت کو دیکھا جائے' خاص طور پر یثرب کے یہودیوں کو' تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے ہی تعلق رکھتے تھے۔اگرچہ ان یہودیوں کے رسم و رواج وہی تھے جو عربوں کے تھے' ان کے نام بھی اکثر عربوں والے تھے' ان کے چند علماء کے علاوہ کوئی عبرانی زبان نہیں جانتا تھا۔صرف ایک یہودی قبیلے کا نام عبرانی تھا'باقی یہودی قبائل کے نام بھی عربوں جیسے ہی

تھے۔اس کے باوجود ان یہودیوں میں صحراؤں میں رہنے والا خانہ بدوش کوئی نہیں تھا،وہ سب کھیتی باڑی کرتے تھے' تجارت اور سودی کاروبار جیسے پیشوں سے وابستہ تھے جن سے عام عرب واقف نہیں تھے۔مثلاً سونے چاندی کے زیورات بنانا' برتن سازی' لوہا ڈھالنا' شراب بیچنا اور مے خانے چلانا وغیرہ۔عرب معاشرتی ڈھانچے میں بھی انہوں نے اپنی نسلی برتری اور تعصب برقرار رکھے تھے۔

جزیرۃ العرب کے یہودی خاص طور پر یثرب کے یہودی عراقی مشنیٰ کو مانتے تھے' اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ یروشلم کی بجائے بابل کی طرف سے آئے ہوں جہاں وہ بخت نصر کی قید کے زمانہ سے عرب قوم سے زیادہ قریب تھے اور اسی وجہ سے ان کا کلچر عربوں کے قریب ہوگیا ہو۔معاشی طور پر وہ عام عربوں کی نسبت خوشحال تھے' ان کا علم اور تدبر مسلمہ تھے' ان میں دینِ موسیٰؑ کی روایت کے عالم بھی موجود تھے' وہ اپنے مذہب پر سختی سے پابند تھے'مگر اس زمانے میں بھی کوئی عرب ان کا دین قبول نہیں کرتا تھا'بلکہ عربوں میں ان سے نفرت کے جذبات پائے جاتے تھے۔کسی بڑے عرب قبیلے یا خاندان کے یہودی مذہب قبول کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔چند افراد کے سوا جزیرۃ العرب میں رہنے والے یہ یہودی سیاسی اور مذہبی لحاظ سے کوئی قابلِ توجہ قوت نہیں تھے۔

سودی کاروبار اور تجارت کی بدولت وہ عرب کی خانہ بدوش قبائلی معیشت میں شہری معیشت کا ایک مستحکم عنصر تھے'اس لئے جہاں بھی رہتے تھے'عرب قبائل کے سرداروں سے تعلقات خوشگوار رکھنے کی کوشش کرتے تھے' اپنے وجود اور مفادات کے تحفظ کے لئے وہ عرب قبائل سے معاہدے بھی کرتے تھے۔ان کے اپنے قلعے بھی تھے'لیکن عام طور پر وہ عربوں کے لڑائی جھگڑوں سے الگ رہنے کی کوشش کرتے تھے اور انہیں آپس میں لڑانے کی پالیسی پر کاربند ہوتے تھے۔

جزیرۃ العرب میں طویل عرصہ سے آباد ہونے کے باوجود ان یہودیوں میں عربوں کی سی فراخ دلی اور وسعتِ قلبی پیدا نہیں ہوسکی تھی۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں کی علمی' تہذیبی اور معاشرتی برتری اور معاشی بالاتری کے باوجود عرب قبائل نے ان کا دین کیوں قبول نہیں کیا تھا؟ اس کی سب سے بڑی وجہ دونوں دینی مراکز کا اختلاف تھا۔یہودی دنیا میں جہاں بھی تھے'ان سب کا دینی مرکز یروشلم تھا' وہ اس طرف منہ کرکے عبادت کرتے تھے' ان کا قلبی اور جذباتی لگاؤ اس شہر اور وہاں کے نابود ہوچکے' ہیکلِ سلیمانی سے تھا جبکہ عربوں کا قلبی اور جذباتی لگاؤ مکہ مکرمہ اور بیت اللہ سے تھا۔صحراؤں' ریگستانوں اور آبادیوں میں رہنے والے سارے عرب قبائل اسے اپنا اور اپنے اجداد کا مذہبی مرکز سمجھتے تھے۔اسے چھوڑ کر کسی اور مرکز سے تعلق قائم کرنا ان کے لئے

ممکن ہی نہیں تھا۔عرب دینِ ابراہیمیؑ کے وارث ہونے کے دعویدار تھے اور جزیرۃ العرب میں دینِ حنیف کی جو بھی شکل تھی،وہ عربوں کا نسلی مذہب تھی اور بیت اللہ ان کا نسلی مذہبی مرکز تھا'اس لئے اپنے نسلی مذہب اور مرکز کو چھوڑ کر یہودیوں کے نسلی مذہب اور مرکز کو قبول کرنا عربوں کی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

عرب اور عیسائیت

حضرت عیسیٰؑ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے۔وہ دینِ موسوی میں شامل ہو جانے والی بدعتیں دور کرنے آئے تھے اور توحید کا وہی پیغام دیتے تھے جو ہر نبی اور پیغمبر کا مشن اور پیغام رہا ہے۔فلسطین کے یہودی علماء نے خالص توحید کے اس پیغام کو قبول نہ کیا۔انہوں نے عیسیٰؑ کی مخالفت کی اور ان کی جان کے دشمن ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا۔ان کے شاگردوں اور ماننے والوں کا مختصر سا گروہ پیچھے رہ گیا۔وہ سب یروشلم کے اسی ہیکل میں عبادت کرتے رہے جس میں دیگر یہودی عبادت کرتے تھے۔حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنے شاگردوں کو جنہیں انجیل میں "رسول" کہا گیا ہے، تبلیغ کے لئے بھیجا تو حکم دیا تھا:"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا"(1) اور فرمایا تھا: "یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں"(2) حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار بھی اسی شریعت کو مانتے تھے جس کو باقی سب یہودی مانتے تھے۔ انہیں یہودیت کا توحید پرست فرقہ کہا جاسکتا ہے، لیکن جب سینٹ پال نے شریعتِ موسوی پر عمل کی پابندی ختم کر دی اور اعلان کر دیا کہ نجات کے لئے حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لے آنا ہی کافی ہے تو اس فرقے اور یہودی مذہب میں فاصلہ بڑھ گیا اور اس کے ردِعمل کے طور پر یہودی علماء نے انہیں گمراہ قرار دے کر اپنے سے الگ کر دیا۔ 70ء میں جب رومیوں نے فلسطین کے یہودیوں کی بغاوت ختم کرنے کے لئے فوجی کارروائی کی اور بہت سے یہودیوں کو قتل کر دیا اور باقی کو قیدی بنا کر لے گئے تو انہوں نے یروشلم کے اس ہیکل کو بھی پیوندِ خاک کر دیا جو یہودیوں اور حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں کی مشترکہ عبادت گاہ تھی۔اس سے یہودیت اور اس کے عیسوی فرقہ

میں علیحدگی کی راہ ہموار ہوگئی۔جب فلسطین پر رومی قبضہ مستحکم ہوگیا تو عیسائیت نے مشرق کی بجائے مغرب کا رخ کیا اور بحیرۂ روم کے اردگرد کے علاقوں اسکندریہ' انطاکیہ اور روم میں اس کے مشن کام کرنے لگے جس وجہ سے اس کا دینی اور دنیاوی کلچر دونوں بدل گئے۔روم میں یونانی فلسفہ اور رومی کلچر کی جڑیں بہت گہری تھیں' عیسائی عالم عیسیٰؑ کو خدا اور ان کے پیغام کو دین کا درجہ دینے کے لئے اس فلسفہ کی باریکیوں میں الجھ گئے اور یہودیوں کی مانند دینِ حنیف سے دور نکل گئے۔انہوں نے اپنی عبادت گاہوں میں حضرت مریمؑ' حضرت عیسیٰؑ اور اپنے مذہبی درویشوں کے بُت سجالئے اور ان کے سامنے سرِ نیاز جھکانے لگے۔جب چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں رومی شہنشاہ کنسٹنٹائن (Contastine) کی فوجوں کے زیرِ سایہ رومن کیتھولک چرچ جزیرۃ العرب کے شمال اور شمال مغربی علاقوں پر حملہ آور ہوا تو عیسائیت ایک سرکاری درباری مذہب کا درجہ اختیار کر چکی تھی' جس میں ایک خدا کی بجائے تین خداؤں کو ماننا لازم تھا جو تینوں مل کر ایک ہو جاتے تھے۔قبر پرستی' اولیاء پرستی' مسیح' مریم اور ان کے حواریوں کے بت عبادت گاہوں کا لازمی جزو بن چکے تھے۔جس مذہب کا نام عیسائیت تھا اور جو عیسیٰؑ کے ماننے والوں کا مذہب کہلاتا تھا' وہ شرک اور بت پرستی میں یہودیت سے بھی بہت آگے نکل چکا تھا۔سلطنتِ روما کے باہر شام اور میسوپوٹیمیا میں جو عیسائی رہتے تھے' ان کے عقائد اور کلیسائی تنظیم سب رومن کیتھولک چرچ سے بہت مختلف تھے اور ان کے عقائد پر یونانی فلسفہ کی گرفت اتنی مضبوط نہیں تھی' ان کے چرچ کی عمارتیں بھی رومن کیتھولک چرچ کی عمارتوں کے مقابلے میں سادہ اور چھوٹی تھیں' ان کی کلیسائی تنظیم بھی رومی سلطنت کی انتظامی افسر شاہی کے طرز پر منظم کی گئی رومن کیتھولک چرچ کی مذہبی افسر شاہی سے مختلف تھی اور ایرانی سرکاری افسر شاہی کے طرز پر آزاد اور خودمختار ادارے کے طور پر کام کرتی تھی۔سلطنتِ روم کے جاہ و جلال والے شہری کلچر میں پرورش پانے والے رومن کیتھولک چرچ نے بھی ظاہری جاہ و جلال کو اپنی عیسائیت کا جزو بنا دیا تھا' ان کے مذہبی رہنما رومی شہنشاہوں کے طرز پر اپنے مقام و مرتبہ کا اظہار سنہری اور روپہلی پٹیوں سے آراستہ لباس کے ذریعے کرتے تھے' ان کے نظریۂ دین میں عبادت گاہیں بلند و بالا اور شاندار ہونا لازم تھیں' کیونکہ رومی شہنشاہیت کے سرکاری اور انتظامی کلچر میں شاندار عمارتیں بڑی اہم سمجھی جاتی تھیں۔مغرب سے آنے والی اس عیسائیت کے مقابلے میں شام اور عراق میں پائی جانے والی عیسائیت کا کلچر سادہ تھا جو رومن کیتھولک چرچ کو پسند نہیں تھا۔دو مختلف شاہی نظاموں اور کلچروں کے زیرِ سایہ پلنے والی ان دو قسم کی عیسائیتوں کے درمیان تصادم جس نے آگے

چل کر دینی اور سیاسی تصادم کی صورت اختیار کر لی' اصل میں دو کلچروں کا تصادم تھا اور رومن کیتھولک چرچ کا مذہبی کلچر آزادی پسند سادہ عربوں کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔

حضرت عیسیٰؑ' ان کی والدہ محترمہ حضرت مریمؑ اور اللہ تعالیٰ کے باہمی تعلق کے تعیّن میں جو مذہبی بحثیں شروع ہوئیں' ان کی بنیاد بھی دیکھا جائے تو یہی تھی یعنی وہ مختلف کلچر جن کا دودھ پی کر عیسائیت مختلف ممالک میں جوان ہوئی تھی' ان دونوں کے درمیان بنیادی اختلاف یہ تھا کہ انسان حقیقت میں ہے کیا؟ اور انسان کے خدا بن جانے کا عملی طریقہ کیا تھا؟

ارسطو کا نظریہ تھا کہ انسان تین عناصر کے یکجا ہونے سے بنا ہے۔ جسم (Body) روح (Soul) اور تیسری کوئی چیز جس کی موجودگی سائنسی اصولوں سے ثابت نہیں کی جاسکتی' اس کا کہنا تھا: چونکہ کائنات کا نظام سائنس کے معیّنہ اصولوں کے مطابق چلتا ہے' اس لئے جو تیسری چیز سائنس کی گرفت میں نہیں آتی' اس کا تعلق کسی ایسی قوت سے ہے جو کائنات سے ماورا ہے۔ اس نظریہ پر بحث کرنے والے اسکندر (Alexander) نامی ایک مفکر نے کہہ دیا کہ جس ماورائی قوت سے یہ تیسری چیز تعلق رکھتی ہے' وہ لازماً خدا تعالیٰ ہے۔ اس تیسری چیز کو Spirit (الوہیت) کا نام دیا گیا اور کہا کہ انسان تب ہی مکمل ہوتا ہے جب اس میں یہ تینوں عناصر یکجا ہو جائیں۔

عیسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے باہمی رشتہ کی گتھیوں کو سلجھانے کی مشکلات میں مبتلا عیسائی مفکروں نے انسان کی اصلیت کے بارے میں اس نظریہ کو قبول کر لیا' لیکن اس سے مزید مشکلات پیدا ہوگئیں۔ اسکندریہ کی عیسائیت کی تعلیم و تربیت کی درسگاہ کے مفکروں نے اس بنیاد پر نظریہ پیش کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک مکمل انسان بھی تھے اور خدا بھی تھے یعنی عام انسانوں میں پائی جانے والی الوہیت' روح اور جسم نے مل کر انہیں عام انسانوں جیسا مکمل انسان بنا دیا تھا اور پھر خدا تعالیٰ پہلے سے اس مکمل انسان میں حلول کر گیا تھا۔ رومی سلطنت کی حدود میں واقع اسکندریہ کی اس اعلیٰ درسگاہ کے عیسائی علماء نے خدا تعالیٰ اور عیسیٰؑ کے باہمی تعلق کے بارے میں اس عقیدہ کو عیسائیت کی بنیاد قرار دے دیا۔

لیکن ایک اور بشپ پولینا ریس (Apollinaris) نے کہا کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی ایک مکمل انسان تھے یعنی ان میں جسم' روح اور خدا کے وجودِ حقیقی سے الگ ہو کر شامل ہونے والی چیز الوہیت (Spirit) پہلے سے موجود تھی اور پھر خدا تعالیٰ خود ان میں حلول کر آئے تھے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عیسیٰ کے وجود میں داخل ہو جانے کی وجہ سے الوہیت کا وہ حصہ جو ہر انسان میں ہوتا ہے اور جس کے جسم اور روح سے مل جانے سے انسان

میں انسانی اوصاف پیدا ہوتے ہیں' وہ حضرت عیسیٰ میں باقی نہیں رہا تھا جب اس کی جگہ حقیقتِ کُل نے خود لے لی تو اس سے عیسیٰ میں عام انسانوں کی نسبت سے الوہیت تو بہت زیادہ آ گئی تھی' لیکن اس وجہ سے عیسیٰ انسانی اوصاف سے محروم ہوگئے تھے'کیونکہ مکمل انسان ہونے کے لئے ان میں اس پہلے والی Spirit (عنصرِ الوہیت) کا موجود ہونا بھی ضروری تھا۔رومیوں کے زیرِ قبضہ علاقوں شام اور مصر میں اسکندریہ کے عیسائی علماء نے اس نظریہ کی سخت مخالفت کی،کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ انسانی اوصاف سے محروم ہوگئے تھے تو پھر تو وہ صرف خدا ہی رہ گئے تھے جبکہ عیسائیت میں حضرت عیسیٰؑ کی عظمت اور بزرگی کی بنیاد تو یہ تھی کہ وہ بیک وقت مکمل انسان بھی تھے اور خدا بھی تھے۔ مطلب یہ کہ خدا تو پہلے بھی تھا'پھر عیسیٰ کے انسانی جسم میں حلول کرنے کے بعد بھی اگر وہ صرف خدا ہی رہا تو فرق کیا پڑا۔

ایرانی سلطنت میں شامل عراق (میسوپوٹیمیا) کے ایک عیسائی مفکر تھیوڈور (Theodore) نے بندے کے خدا ہو جانے کے اس جھگڑے میں انسان کے ختم ہو جانے کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے ایک اور نظریہ پیش کر دیا۔اس نے کہا کہ عیسیٰؑ جب پیدا ہوئے تھے تو وہ ایک مکمل انسان تھے اور ان میں عام انسانوں والے تینوں اجزائے ترکیبی یکجا تھے اور پھر خود خدا تعالیٰ ان میں حلول کر آئے تو ان میں انسانوں والے تینوں اجزاء بھی اپنی جگہ موجود رہے تھے اور خدائی اوصاف بھی پیدا ہوگئے تھے۔حضرت عیسیٰؑ کو انسانی اور خدائی دونوں اوصاف کا حامل ثابت کرنے کے جوش میں بعض شامی عیسائی علماء نے تھیوڈور کے نظریہ میں اضافہ کر دیا اور کہا کہ جب عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو وہ عام انسان ہی تھے اور چونکہ حضرت عیسیٰؑ عام انسان تھے' اس لئے حضرت مریمؑ ایک عام انسان کی ماں تھیں اور چونکہ خدا تعالیٰ نے بعد میں حلول کیا تھا اس لئے حضرت مریمؑ ایک عام انسانوں کی ماؤں جیسی خاتون ہی تھیں۔

428ء میں نسٹوریس (Nestorius) نامی ایک عیسائی درویش کو قسطنطنیہ کا بڑا پادری (Patriarch) بنایا گیا۔وہ تھیوڈور کے نظریہ کی تعلیم دینے والے علماء کا شاگرد تھا' اس کا ایک ماتحت پادری پولیناریس کے نظریہ کی مخالفت کے جوش میں تھیوڈور کے نظریہ کے حامل انتہا پسندوں کے خیالات کی تبلیغ کرنے لگا تو اس کا الزام نسٹوریس پر لگا کر اور عیسائی علماء کی ایک کونسل بلا کر نسٹوریس اور اس کے نظریاتی حامیوں کو ملحد قرار دے کر عیسائی مذہب سے خارج کر دیا گیا۔نسٹوریس کے ان ساتھیوں نے تھیوڈور کے نظریہ کا پرچار جاری رکھا جس وجہ سے 547ء میں اس نظریہ کے حامل سب عیسائی علماء اور مفکروں کو رومی سلطنت کی حدود سے بھی نکال دیا

گیا۔

یہ علماء اپنے پیروکاروں کے سمیت ایرانی سلطنت کے علاقہ میں پناہ گزین ہوگئے اور وہاں اپنا علمی مرکز قائم کرلیا۔تھیوڈور کے نظریات کے حامل اس عیسائی فرقہ کو نسطوریس کے نام پر نسطورین کہا جانے لگا۔جب رومی شہنشاہ کنسٹنٹائن نے عیسائیت کے علمبردار کی حیثیت سے ایرانی علاقوں پر حملہ کیا تھا اس وقت سے ایرانی شہنشاہ اپنی سلطنت میں رہنے والے عیسائیوں کی وفاداری پر شک کرنے لگے تھے اور انہیں رومیوں کے ایجنٹ سمجھتے تھے۔ رومی سلطنت کی حدود سے نکالے گئے نسطورین علماء وفد کی صورت میں شہنشاہِ ایران کے حضور پیش ہوئے اور انہیں ان مظالم کی تفصیلات بتائیں جو رومن کیتھولک چرچ اور رومی حکمرانوں نے ان پر کئے تھے اور یقین دلایا کہ اگر شہنشاہِ ایران انہیں پناہ اور تحفظ دیں تو وہ رومی شہنشاہ کے خلاف ہمیشہ ان کا ساتھ دیں گے اور ان کے وفادار رہیں گے۔ایرانی شہنشاہ نے انہیں پناہ دینے کے علاوہ اپنی درسگاہیں اور چرچ کی تنظیم قائم کرنے کی بھی اجازت دے دی،مگر یہ پابندی لگا دی کہ وہ کسی ایرانی النسل اور ایرانی شاہی مذہب کے ماننے والے کو عیسائی نہیں بنائیں گے۔نسطورین فرقہ کے عیسائیوں کو مذہبی آزادی اور ریاستی تحفظ فراہم کرنے کا ایک مقصد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہِ ایران چاہتے تھے کہ نسطورین مخالف نظریہ والے عیسائیوں کو بھی اپنے میں شامل کرلیں اور ان کی مملکت میں رومیوں اور رومن کیتھولک چرچ کے ماننے والے عیسائیوں کی تعداد اور سرگرمیاں محدود ہو جائیں۔ ایرانی حکومت کی سرپرستی حاصل ہو جانے کے بعد نسطورین علماء نے اپنے چرچ (مذہبی تنظیم) میں صرف انہی عیسائیوں کو شامل کیا جو تھیوڈور کے نظریہ کو قبول کر لیتے تھے۔

اس نسطورین چرچ نے ایرانی سلطنت کی حدود میں اپنی درسگاہیں اور درگاہیں قائم کرکے بڑا عروج حاصل کیا۔ان درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والے عیسائی علماء اور ڈاکٹروں نے ایرانی دربار میں بڑا اثرو رسوخ حاصل کرلیا تھا۔نسطورین چرچ نے رومی علاقہ شام کے چرچ سے ہر قسم کا تعلق ختم کرلیا اور Nuns پر شادی نہ کرنے کی پابندی ختم کردی' رومن کیتھولک چرچ کے عہدیداروں کے لئے کنوارا رہنا لازم تھا' اگر کوئی پادری یا درویش شادی شدہ ہوتا تھا تو چرچ کے عہدہ پر فائز کئے جانے کے بعد اسے اپنے بیوی بچوں سے تعلق ختم کرنا پڑتا تھا۔نسطورین چرچ نے اپنے عہدیداروں پر سے یہ پابندی بھی ختم کردی اور وہ بھی عام لوگوں کی طرح بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے لگے اور مقامی لوگوں کے کلچر کے قریب آگئے۔ایرانی مذہبی فکر اور روایات

کے زیرِ اثر نسطورین چرچ نے بھی اپنے درویشوں کے لئے لازمی قرار دے دیا کہ وہ آبادیوں سے دور عام لوگوں سے الگ تھلک رہیں، لہٰذا ہندو جوگیوں اور بدھ بھکشوؤں کی مانند عیسائی درویش بھی جنگلوں اور ویرانوں میں رہنے لگے جس سے رہبانیت کا تصور اس مذہب میں بھی گہرا ہوگیا۔

نسطورین فرقہ نے حیرہ وغیرہ میں بھی اپنے تعلیمی مراکز قائم کر لئے تھے، جہاں یونانی اور رومی فلسفہ کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔حیرہ اور سرحدی علاقوں کے کچھ عرب انہی مشنریوں کی وجہ سے عیسائی ہوگئے تھے۔جنوبی عرب میں یمن تک ان نسطورین مبلغوں کی وجہ سے عیسائیت پہنچی تھی۔جزیرۃ العرب کے اندر بھی نسطورین درویشوں اور راہبوں کی درگاہوں اور عبادت گاہوں کا ذکر ملتا ہے۔

نسطورین فرقہ کے ایرانی شہنشاہیت کی پناہ میں چلے جانے کے بعد شہنشاہِ روم کے زیرِ سایہ چرچ کی حکومت میں ایک اور تفرقہ پڑ گیا، حضرت عیسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے باہمی جسمانی اتحاد کے بارے میں قسطنطنیہ کے ایک عالم ایوٹائی چیس (Eutyches) نے ایک نیا نظریہ پیش کر دیا جس کے مطابق پہلے تو انسان عیسیٰؑ میں عام انسانوں والے تینوں اجزائے ترکیبی موجود تھے یعنی جسم (Body) روح (Soul) اور الوہیت (Spirit) لیکن جب خدا تعالیٰ نے ان کے جسم میں حلول کیا تو وہ الوہیت جو پہلے سے ان میں بطورِ انسان موجود تھی، وہ پھر سے اپنی اصل یعنی خدا تعالیٰ میں جذب ہوگئی تھی۔یہ نظریہ بظاہر نیا تھا،مگر اس کی رُوح وہی پولی نارلیس کے نظریہ والی تھی کہ جب انسانی الوہیت اپنی اصل میں جاملی تو اس سے بھی وہی نتیجہ برآمد ہوا کہ پیچھے تو صرف روح اور جسم رہ گئے تھے اور ان میں خدا تعالیٰ نے حلول کیا تھا جن میں انسانی الوہیت جذب ہوچکی تھی اور چونکہ عیسیٰؑ کے وجود میں انسانوں میں پائی جانے والی الوہیت اپنی اصل شکل میں موجود نہیں تھی، اس لئے عیسیٰؑ عملاً انسانی خصوصیات سے محروم ہوگئے تھے، اس جھگڑے نے سرکاری چرچ میں انتشار پیدا کر دیا، جملہ عیسائی علماء اور چرچ کے عہدیداروں کی دو دفعہ کونسلیں منعقد کی گئیں، مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔آخر 451ء میں رومی شہنشاہ کے زیرِ فرمان ایک اور اجلاس بلایا گیا اور ایوٹائی چیس کے نظریہ کو سرکاری عیسائی مذہب کے منافی قرار دے کر اس کی مذمت کی قرارداد پاس کرا لی گئی اور اس نظریہ کے حامیوں کو چرچ سے خارج کر دیا گیا،مگر رومی سلطنت سے نہیں نکالا گیا۔ چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، شام، مصر اور فلسطین میں سب جگہ اس نظریہ کے ماننے والے پیدا ہوچکے تھے اور ان سب کو رومی سلطنت سے بھی نکالنا ممکن نہیں تھا اور یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں وہ بھی نسطورین فرقہ کی مانند ایرانی شہنشاہ کے دست و بازو نہ بن جائیں، اس نئے فرقہ کو

کے زیرِاثر نسٹورین چرچ نے بھی اپنے درویشوں کے لئے لازمی قرار دے دیا کہ وہ آبادیوں سے دور عام لوگوں سے الگ تھلک رہیں، لہٰذا ہندو جوگیوں اور بدھ بھکشوؤں کی مانند عیسائی درویش بھی جنگلوں اور ویرانوں میں رہنے لگے جس سے رہبانیت کا تصور اس مذہب میں بھی گہرا ہوگیا۔

نسٹورین فرقہ نے حیرہ وغیرہ میں بھی اپنے تعلیمی مراکز قائم کر لئے تھے، جہاں یونانی اور رومی فلسفہ کی تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔حیرہ اور سرحدی علاقوں کے کچھ عرب انہی مشنریوں کی وجہ سے عیسائی ہوگئے تھے۔جنوبی عرب میں یمن تک ان نسٹورین مبلغوں کی وجہ سے عیسائیت پہنچی تھی۔جزیرۃ العرب کے اندر بھی نسٹورین درویشوں اور راہبوں کی درگاہوں اور عبادت گاہوں کا ذکر ملتا ہے۔

نسٹورین فرقہ کے ایرانی شہنشاہیت کی پناہ میں چلے جانے کے بعد شہنشاہِ روم کے زیرِسایہ چرچ کی حکومت میں ایک اور تفرقہ پڑ گیا، حضرت عیسیٰؑ اور خدا تعالیٰ کے باہمی جسمانی اتحاد کے بارے میں قسطنطنیہ کے ایک عالم ایوٹائی چیس (Eutyches) نے ایک نیا نظریہ پیش کر دیا جس کے مطابق پہلے تو انسان عیسیٰؑ میں عام انسانوں والے تینوں اجزائے ترکیبی موجود تھے یعنی جسم (Body) روح (Soul) اور الوہیت (Spirit) لیکن جب خدا تعالیٰ نے ان کے جسم میں حلول کیا تو وہ الوہیت جو پہلے سے ان میں بطورِ انسان موجود تھی، وہ پھر سے اپنی اصل یعنی خدا تعالیٰ میں جذب ہوگئی تھی۔یہ نظریہ بظاہر نیا تھا،مگر اس کی رُوح وہی پولی نارلیس کے نظریہ والی تھی کہ جب انسانی الوہیت اپنی اصل میں جاملی تو اس سے بھی وہی نتیجہ برآمد ہوا کہ پیچھے تو صرف روح اور جسم رہ گئے تھے اور ان میں خدا تعالیٰ نے حلول کیا تھا جن میں انسانی الوہیت جذب ہوچکی تھی اور چونکہ عیسیٰؑ کے وجود میں انسانوں میں پائی جانے والی الوہیت اپنی اصل شکل میں موجود نہیں تھی، اس لئے عیسیٰؑ عملاً انسانی خصوصیات سے محروم ہوگئے تھے، اس جھگڑے نے سرکاری چرچ میں انتشار پیدا کر دیا، جملہ عیسائی علماء اور چرچ کے عہدیداروں کی دو دفعہ کونسلیں منعقد کی گئیں، مگر کوئی فیصلہ نہ ہوسکا۔آخر 451ء میں رومی شہنشاہ کے زیرِفرمان ایک اور اجلاس بلایا گیا اور ایوٹائی چیس کے نظریہ کو سرکاری عیسائی مذہب کے منافی قرار دے کر اس کی مذمت کی قرارداد پاس کرا لی گئی اور اس نظریہ کے حامیوں کو چرچ سے خارج کر دیا گیا،مگر رومی سلطنت سے نہیں نکالا گیا۔ چونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی، شام، مصر اور فلسطین میں سب جگہ اس نظریہ کے ماننے والے پیدا ہوچکے تھے اور ان سب کو رومی سلطنت سے بھی نکالنا ممکن نہیں تھا اور یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں وہ بھی نسٹورین فرقہ کی مانند ایرانی شہنشاہ کے دست و بازو نہ بن جائیں، اس نئے فرقہ کو

Monophysites کا نام دیا گیا جو آگے چل کر اس فرقہ کے ایک سرگرم مبلغ Jacob کے نام پر جیکو بائیٹس کہلایا۔جب اس فرقہ کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں تو رومی حکومت نے اس کے مبلغ اور اسکندریہ کے بڑے پادری کو گرفتار کر لیا اور اسے قسطنطنیہ بھیج دیا گیا جہاں اسے کسی پادری یا مبلغ کے کسی عہدہ پر مقرر کرنے کی اجازت نہیں تھی۔اس حکومتی سختی کے باوجود جزیرۃ العرب سے ملحق رومی علاقہ کے عیسائیوں نے سرکاری مذہب اور چرچ کو قبول نہ کیا تو 548ء میں رومی حکومت نے بنی غسان کے بادشاہ کی درخواست پر اس کے علاقہ کے عیسائی عربوں کے لئے اس فرقہ کے دو بشپ مقرر کرنے کی اجازت دے دی' بصریٰ کے لئے تھیوڈور اور اڈیسا کے لئے جیکب Jacob کو بشپ مقرر کیا گیا۔یہی جیکب ہے جس کے نام پر اس فرقہ کا نام پڑا'کیونکہ اس چرچ کی ساری تنظیم اسی نے قائم کی تھی۔تھوڑے ہی عرصہ میں شام' مصر' فلسطین کے تقریباً سارے ہی عیسائی اس چرچ اور فرقہ سے وابستہ ہوگئے' اس کے مشنریوں نے ایرانی سلطنت کی حدود کے اندر میسوپوٹیمیا میں بھی اپنا مرکز قائم کر لیا اور جب اس فرقہ سے تعلق رکھنے والا ایک عیسائی عالم ایرانی شہنشاہ خسرو ثانی کا ذاتی معالج مقرر کیا گیا تو اس کی وجہ سے جیکو بائیٹس کا اثر و رسوخ بھی ایرانی دربار میں بہت بڑھ گیا۔ان کے تعلیمی اداروں نے بڑے معروف ڈاکٹر' سائنس دان اور ماہر پیدا کئے جن کی وجہ سے ایرانی سلطنت میں نسٹورین چرچ کے ماننے والوں کے ساتھ ساتھ انہیں بھی بڑی بڑی مراعات مل گئیں۔

اب ذرا جزیرۃ العرب کے محلِ وقوع' اس کی سرحدوں سے ملحق ممالک کی باہمی کشمکش اور اس کی سرحدوں کے ساتھ ان ممالک میں عیسائیت کے پھیلاؤ کو سامنے رکھیں۔

اس کے مشرق کی طرف ایرانی سلطنت کے اندر حیرہ اور میسوپوٹیمیا میں عیسائیوں کے بڑے بڑے علمی مرکز اور مشن ہیں عیسائیوں کو ایرانی دربار میں بڑا اثر و رسوخ حاصل ہے اور حکومت کے زیرِ تحفظ انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے۔

شمال اور شمال مغربی کونے میں عظیم رومی سلطنت کا ریاستی مذہب عیسائیت ہے۔رومن کیتھولک چرچ سرکاری سرپرستی میں سرگرم ہے۔صحرائے سینا میں یونانی چرچ کے علمی مراکز اور مشن ہیں' شام اور فلسطین والوں کا مذہب بھی عیسائیت ہے' آپس کے مذہبی اختلافات اور جھگڑوں کے باوجود ان کی تبلیغی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ سرکاری رومن کیتھولک چرچ کے مقابلہ میں جیکوبائیٹس اتنے پُرجوش ہیں کہ انہوں نے سرکار اور سرکاری چرچ کے ظلم اور جبر کے باوجود وہاں اپنی تنظیم قائم کر لی ہے اور اپنے فرقہ کے بشپ مقرر کروا لئے ہیں اور حکومت اور

حکومتی چرچ ان کی بغاوت اور قوت کو کچلنے میں ناکام ہوگئے ہیں۔

بحیرۂ احمر کے اُس پار حبشہ کے بادشاہ اور رعایا کا مذہب بھی عیسائیت ہے، حبشہ جنوبی عرب پر دو بار طویل عرصہ تک قابض رہا، اس قبضہ کے دوران عیسائی حکمرانوں نے اس خطہ میں اور جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں میں عیسائیت کے فروغ کے لئے بھرپور کوششیں کی تھیں۔ ابرہہ کے ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مکہ پر حملہ کی بڑی وجہ بھی اس کا مذہبی جوش و جذبہ تھا،اس نے وہاں پر عالیشان گرجا بنوایا تھا اور اسے جزیرۃ العرب میں حرمِ مکہ کے مقابلہ میں لانا چاہتا تھا۔

شاہِ حبشہ اور رومی شہنشاہ دو مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے کے باوجود (حبشہ والوں کا تعلق جیکوبائیٹس فرقہ سے تھا) عیسائیت کے فروغ اور مفادات کے تحفظ میں ایک دوسرے سے ہر قسم کا تعاون کرتے تھے۔عیسائی مصنفین کے مطابق عیسائی مبلغ جزیرۃ العرب کے اندر میلوں اور تجارتی بازاروں میں شرکت اور تبلیغ کیا کرتے تھے۔جزیرۃ العرب سے گزرنے والے تجارتی راستے جن تجارتی مراکز تک جاتے تھے،وہاں پر عیسائیوں کی حکمرانی تھی، عرب تاجروں کا عیسائی عمال سے اکثر رابطہ رہتا تھا، تجارتی لین دین تھا اور باہمی تعلقات تھے۔

اس کے باوجود صدیاں گزر جانے پر بھی جزیرۃ العرب کے اندر عیسائیت کو فروغ حاصل نہ ہوسکا۔مؤرخ صرف نجران میں ایک عیسائی بستی کا ذکر کرتے ہیں، نجران کے عیسائی جیکو بائیٹس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ان پر مظالم کا بدلہ لینے کے لئے 522ء میں حبشہ کے عیسائی بادشاہ نے یمن پر حملہ کیا تھا۔ہوسکتا ہے نجران میں عیسائی کالونی یمن پر حبشہ کے قبضہ کے پہلے دور میں قائم ہوئی ہو، اسی وجہ سے ان عیسائیوں کا حبشہ سے تعلق قائم رہا ہو، شاید اسی تعلق کی وجہ سے بعض مؤرخوں کو شبہ گزرا ہو کہ نجران میں حبشہ والوں کا باقاعدہ گورنر ہوتا تھا حالانکہ نجران کے محلِ وقوع کو سامنے رکھا جائے تو ایسا ممکن دکھائی نہیں دیتا کہ جزیرۃ العرب کے اندر واقع اس چھوٹے سے شہر کا سیاسی اور انتظامی تعلق بحرِ احمر کے اس پار حبشہ کی مملکت سے ہو۔

یمن کے ایک عرب بادشاہ کے عیسائی مذہب قبول کر لینے کا ذکر بھی ملتا ہے،لیکن اس کی تفصیلات میسر نہیں۔عیسائیوں کی مذہبی تاریخ میں نجران کے صرف دو عرب پادریوں کا ذکر ملتا ہے۔ حارث کا جسے یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس نے زندہ جلا دیا تھا اور قیس ابن سعید کا۔بنی غسان کے جن عربوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا،وہ جزیرۃ العرب سے باہر رومی سلطنت کے سیاسی اور مذہبی نظم کے علاقوں میں رہتے تھے، اسی طرح حیرہ اور وادیٔ دجلہ و فرات کے دیگر شہروں میں جو تھوڑے بہت عرب عیسائی ہوئے،وہ بھی جزیرۃ العرب کی سرحدوں پر تھے، یمن پر دو بار

عیسائی حکمران رہے، وہاں بھی عیسائی مذہب نہیں پھیلا۔ ایرانی سلطنت کی حدود کے اندر صدیوں سے سرگرم نسٹورین اور جیکوبائیٹس مِشنوں سے تعلق رکھنے والے مشنریوں نے ایران سے ملحق دیگر ممالک آرمینیا وغیرہ میں تو کامیابیاں حاصل کر لیں، وہاں اپنے مشن قائم کر لئے، مغربی ہندوستان اور افغانستان تک جاتے رہے، لیکن جزیرۃ العرب کے اندر انہیں کوئی بڑی کامیابی حاصل نہ ہو سکی، اس کا سبب کیا تھا؟ صدیوں کی سرکاری اور غیر سرکاری کوششوں کے باوجود اس خطہ میں انہیں کامیابی کیوں نہ ہوئی؟

مغرب کے عیسائی مؤرخ اور دانشور جزیرۃ العرب کے باسیوں کے عیسائیت قبول نہ کرنے کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ چونکہ عیسائیت بیرونی حاکموں کا مذہب تھا اس لئے ان حاکموں کے خلاف ردِعمل کی وجہ سے عربوں نے عیسائیت قبول نہیں کی تھی۔ان کی اس دلیل کو مان لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اصول صرف جزیرۃ العرب پر ہی کیوں لاگو ہوا؟ شام، فلسطین، مصر، صحرائے سینا اور رومن سلطنت کے باقی بہت سے حصوں کے رہنے والوں نے بیرونی حکمرانوں کا مذہب کیوں قبول کر لیا تھا؟ عربوں کے عیسائی مذہب قبول نہ کرنے کی بنیادی وجہ ان کی وہ دینی بنیاد تھی جس میں حرمِ مکہ سے وابستگی بنیادی اہمیت رکھتی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے اپنے فرزند اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو مکہ کی وادی میں پہنچا کر واپس جانے کا زمانہ 1907 قبل مسیح سے 1885 قبل مسیح کے درمیان اندازہ کیا جاتا ہے۔ مغرب کے عیسائی محقق خود کہتے ہیں کہ 361ء تک جزیرۃ العرب میں بمشکل ہی کسی عرب نے عیسائیت قبول کی تھی۔(3) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاریخ پیدائش 571ء ہے۔اس وقت جزیرۃ العرب میں عیسائیت کی حالت وہ تھی جو اوپر بیان کی گئی ہے اس مذہب نے جزیرۃ العرب میں جو تھوڑا بہت حلقہ پیدا کیا وہ 361ء سے 570ء تک کے دو سو نو سال کی مشنریوں اور عیسائی حکومتوں کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔1907 ق م سے 361ء تک، درمیان کے دو ہزار دو سو اڑسٹھ (2268) سال اس خطہ کے باسی ایک ایسے مذہب سے وابستہ رہے تھے جس کی روح اس دین پر تھی جو حضرت ابراہیمؑ کا دین تھا، جس کی تبلیغ و ترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس پورے خطہ کے لئے حضرت اسماعیلؑ کو پیغمبر اور حضرت ابراہیمؑ کا خلیفہ مقرر فرمایا تھا دینِ ابراہیمی یا دینِ حنیف یہ تھا کہ اللہ کی صفات اور خصوصیات میں اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ کیا جائے۔حضرت ابراہیمؑ ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش، تقدیس اور اطاعت کے قائل نہ تھے۔حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم کے مطابق مکہ میں حرمِ کعبہ کی تعمیر کے بعد اسے دینِ حنیف کے ماننے والوں کے لئے حج، طواف

اور عمرہ کا مرکز قرار دیا تھا اور وہاں قربانی کرنے کی سنت کی بنیاد رکھی تھی۔اسی دین کی تبلیغ حضرت اسماعیلؑ نے کی تھی' ان کے بعد ان کی اولاد مکہ کے مرکز سے نکل کر جزیرۃ العرب کے جس حصہ میں بھی جا کر آباد ہوئی' اسی دین کا پیغام لے کر گئی' پورے جزیرۃ العرب اور اس سے باہر تک دینِ ابراہیمیؑ کے پھیلاؤ اور اس سے لوگوں کی وابستگی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ دو ہزار دو سو اڑسٹھ سالوں کے سفر کے دوران اس دین سے دور ہو جانے اور بتوں کی پرستش شروع کر دینے کے باوجود' حرمِ مکہ سب عربوں کا ایک قسم کا دینی مرکز تھا،وہ بیت اللہ کا حج اور طواف کرتے' عمرہ کرتے' عرفات اور مزدلفہ میں قیام کرتے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی دیتے تھے۔اس کے لئے وہ دور دراز سے سفر کی تکالیف برداشت کرتے تھے۔حرمِ مکہ ایک قسم کا عربوں کا ملی اور مذہبی مرکز تھا' اس سے الگ ہو کر کسی اور مرکز سے وابستہ ہونا یا کسی ایسے دین کو قبول کرنا جو حرمِ مکہ سے ان کی وابستگی ختم یا کمزور کر دے' انہیں منظور نہ تھا۔ہاتھیوں والے ابرہہ نے یمن میں اور نجران کے عیسائیوں نے نجران میں ایسے مراکز بنائے اور عربوں کو مکہ کے مرکزِ ملی سے ہٹا کر ان مراکز سے جوڑنے کی بہت کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہوسکے۔اس ناکامی کے بعد غصہ میں ابرہہ جب ہاتھی لے کر اس مرکز کو مسمار کرنے آیا تو بت پرست عرب قبائل اور اہلِ مکہ نے اس کی مخالفت کی اور اس کی پسپائی اور بربادی پر اجتماعی خوشی کا اظہار کیا۔

جب کسی قبیلہ کو مکہ سے باہر کہیں آباد ہونا پڑتا تو وہ حرمِ مکہ اور حجرِ اسود سے اپنی عقیدت اور وابستگی کی وجہ سے وہاں سے ایک پتھر اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور وہاں پر اس کا طواف کرتا تھا۔ اس عقیدت نے آگے چل کر بت پرستی کو رواج دیا۔ اہلِ مغرب کہتے ہیں کہ عربوں کو چونکہ بت تراشنا نہیں آتا تھا اس لئے وہ پتھروں اور ناتراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے تھے' حالانکہ اس کا اصل سبب وہی حرم سے وابستگی تھی۔عرب انسانی اور دیگر شکلوں کے بتوں کی بجائے ناتراشیدہ پتھروں کی اس سبب سے پرستش کرتے تھے کہ ان کی حرم سے نسبت ہوتی تھی۔بت پرستی کے دور میں بھی اکثر عربوں کا عقیدہ تھا کہ بت خالقِ حقیقی اور مالکِ کائنات کی قربت کا وسیلہ ہیں' بذاتِ خود خالق یا مالکِ حقیقی نہیں جبکہ عیسائی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے بت اس لئے پوجتے تھے کہ وہ انہیں خدائی میں حصہ دار سمجھتے تھے۔عربوں میں جہالت کے دور میں بھی ایک خدا کا تصور کسی نہ کسی صورت میں موجود تھا' اس لئے ایک خدا کی بجائے تین خداؤں کو اور مرکزِ مکہ کی بجائے کسی اور مرکزِ دینی کو قبول کرنا ان کے لئے مذہبی' تاریخی' قومی اور تہذیبی حوالوں سے بھی دشوار تھا اور تثلیث کے عقیدہ کی الجھنوں میں مبتلا ہونا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔

عربوں میں دینی رواداری کے ساتھ ساتھ اپنے دین سے (جو کچھ بھی وہ ہوتا) پورے خلوص اور پختگی سے وابستگی بھی پائی جاتی تھی۔ حرم کعبہ میں سینکڑوں بتوں اور حضرت مریمؑ اور عیسیٰؑ کی تصاویر اس کا ثبوت ہیں کہ وہ دوسروں کو وہاں اپنے اپنے بت رکھنے اور اپنے "خداؤں" کی تصاویر بنانے سے تو نہیں روکتے تھے، لیکن خود اپنے ہی مخصوص بتوں کی پوجا کرتے تھے۔
عربوں کا مزاج اور کلچر سادہ تھے، جس مذہب یا جن مذاہب سے وہ وابستہ تھے، وہ ان کے مزاج اور کلچر کے مطابق تھے، جبکہ رومی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں اور تہذیبی مراکز میں پروان چڑھنے والی عیسائیت اور اس کا دینی، تنظیمی اور تہذیبی کلچر سادگی کی بجائے تکلف اور شان و شوکت کا کلچر تھا جو عربوں کے مزاج کے مطابق نہ تھا۔ جس قبائلی معاشرے میں بے عزتی اور قتل کا بدلہ لینا اس کے افراد کے انفرادی اور اجتماعی کردار کی سب سے اعلیٰ خصوصیت ہو، وہ ایسے مذہب کو کیسے قبول کرسکتا تھا جو ایک گال پر تھپڑ کھانے کے بعد مارنے والے کے سامنے دوسرا گال پیش کرنے کی تلقین کرتا ہو۔ اسی لئے عیسائیت جزیرۃ العرب میں جو حضرت اسماعیلؑ کی خلافت کا علاقہ تھا، قدم نہیں جما سکتی تھی۔
بعض مفسر اور سیرت نگار اصحاب الاخدود کے واقعہ (4) کا تعلق ذونواس کے نجران کے عیسائیوں کے آگ سے دہکتی خندق میں جلا دینے کے واقعہ سے قائم کرتے ہیں، مگر تثلیث کے ماننے والوں کو کسی طرح بھی موحد اور مومن نہیں کہا جاسکتا (5)

حواشی/حوالہ جات

1- کتابِ مقدس- نیا عہد نامہ- متی صفحہ 13 شائع کردہ بائبل سوسائٹی لاہور

2- کتابِ مقدس- نیا عہد نامہ- متی صفحہ 8 شائع کردہ بائبل سوسائٹی لاہور

3- ڈی لیسی اولیری- تاریخِ عرب قبل از محمدؐ (انگریزی) لاہور 1989ء صفحہ 143

4- سورۃ البروج آیات 4 تا 8

5- عبداللہ یوسف علی کے قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں بھی ان آیات کو کسی خاص واقعہ سے متعلق نہیں بتایا گیا' بلکہ اسے ایک عام حوالہ قرار دیا گیا ہے جس کا اشارہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنے کے واقعہ سے بھی ہو سکتا ہے اور کفارِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں کو سخت دھوپ میں ریت پر لٹانے کی طرف بھی' یا تاریخ میں گزرے ایسے بہت سے واقعات کی طرف بھی۔

عبدُاللّٰہ بن عبدُالمُطّلب

قریشِ مکہ نرینہ اولاد کو بہت بڑی نعمت سمجھتے تھے' جب کسی کے ہاں پہلا بیٹا پیدا ہوتا تھا تو وہ باپ کا نام ہی بدل دیتے' اسے بیٹے کے نام کے حوالہ سے (فلاں کا باپ) پکارنا شروع کر دیتے' جس کسی کے جتنے زیادہ بیٹے ہوتے'وہ اتنا ہی طاقتور اور بااثر ہوتا تھا۔جب چاہِ زم زم کی کھدائی کے وقت سارے قریشِ مکہ لڑائی پر تیار ہوگئے تو عبدالمطلب کو اپنی افرادی قوت کی کمی کا احساس ہوا۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر وہ اسے دس بیٹے عنایت فرمادے تو وہ ان میں سے ایک اس کی راہ میں قربان کر دیں گے۔اللہ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی۔جب ان کے بیٹوں کی تعداد دس ہوگئی اور وہ سیانے ہوچکے تو ایک روز عبدالمطلب نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کیا اور انہیں اپنی مُنّت کے بارے میں بتایا' سب نے کہا:"ہم حاضر ہیں' آپ اپنی مُنّت پوری کریں۔"

ان میں سے کس بیٹے کو قربان کریں؟ عبدالمطلب کے لئے خود یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ انہوں نے قرعہ اندازی کا روایتی طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا' اپنے سارے بیٹوں کے نام ایک ایک تیر پر لکھے اور یہ تیر فال نکالنے والے کے پاس لے گئے' فال عبداللہ کے نام کی نکل آئی۔ باپ کو بیٹے تو سب ہی پیارے ہوتے ہیں'لیکن عبدالمطلب کو عبداللہ بہت ہی پیارا تھا(۱) ابن اسحاق نے وہ شعر لکھے ہیں جو عبداللہ کے بارے میں عبدالمطلب نے اس وقت کہے تھے:

"اگر یہ ہلال جیسا خوبصورت لڑکا قربان ہوگیا تو میں بدحال ہو جاؤں گا۔"

اور مغیرہ بن عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: "میں اس بات پر حیران ہوں کہ عبدالمطلب سونے کے مجسمے جیسے نوجوان بیٹے کو قربانی کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہیں۔"

اس پیار اور محبت کے باوجود وہ انہیں اللہ کے نام پر قربان کرنے کے لئے لے چلے۔قریشِ

مکہ حرم کے پاس بیٹھے تھے' جب انہوں نے دیکھا کہ عبدالمطلب اپنے بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لے جا رہے ہیں اور ان کے ایک ہاتھ میں چھری ہے اور عبداللہ کے بھائی اور بہنیں دردناک اشعار پڑھتے پیچھے چلے آتے ہیں' تو وہ ان کی طرف بھاگے اور انہیں عبداللہ کی قربانی دینے سے باز رکھنا چاہا۔

عبدالمطلب نے کہا: "اللہ میرا پروردگار ہے۔میں اس کی نذر پوری کر کے رہوں گا۔میں اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کے وبال سے ڈرتا ہوں۔"

قریش نے کہا کہ اگر آج آپ نے بیٹا قربان کر دیا تو باقی لوگ آپ کی تقلید شروع کر دیں گے۔ عبداللہ کے ماموں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنے بھانجے کو قربانی کی بھینٹ نہیں چڑھنے دیں گے اور اگر اس کے بدلے میں اپنا سارا مال بھی دینا پڑا تو وہ مالی قربانی دے کر عبداللہ کی جان بچا لیں گے۔

قریش نے مل کر عبدالمطلب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ عبداللہ کے بدلے میں جانوروں کی قربانی قبول فرمالیں' جیسا کہ ان کے والد حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے حکم کے وقت اللہ نے خود مینڈھے کی قربانی اسماعیلؑ کی قربانی قرار دے دی تھی' تو وہ عبداللہ کی قربانی نہیں کریں گے۔

عبداللہ کے بدلے میں کیا قربانی دی جائے؟ یہ معلوم کرنے کے لئے قریش کا ایک وفد یثرب کی ایک عرافہ (سیانی) خاتون کے پاس گیا۔انہیں بتایا گیا کہ وہ خاتون خیبر گئی ہوئی ہے' قریش اس کی تلاش میں خیبر پہنچ گئے اور اپنا مسئلہ پیش کیا' خاتون نے سُن کر کہا کل آنا' وہ دوسرے روز گئے تو اس نے پوچھا تمہارے ہاں آدمی کی دیت (خون بہا) کیا ہے؟"

"دس اونٹ۔" انہوں نے بتایا۔

خاتون نے کہا واپس مکہ جاؤ اور ایک طرف لڑکا اور دوسری طرف دس اونٹ کھڑے کر کے فال نکالو۔اگر فال اونٹوں پر نکل آئے تو اس کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لڑکے کے بدلے میں دس اونٹ قبول فرمالئے ہیں۔وہ دس اونٹ ذبح کر کے بانٹ دو' لیکن اگر فال لڑکے کے نام کی نکلے تو دس اونٹ بڑھا دو اور ایک طرف لڑکا اور دوسری طرف بیس اونٹ کھڑے کر کے فال نکالو' اگر اس بار بھی فال لڑکے کے نام کی نکلے' تو دس اونٹ مزید بڑھا دو۔اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ حتیٰ کہ فال اونٹوں پر نکل آئے۔

مکہ واپس آکر انہوں نے ایسا ہی کیا۔ایک طرف عبداللہ کو کھڑا کیا اور دوسری طرف دس اونٹ کھڑے کر کے فال نکالی' فال عبداللہ کے نام نکلی۔انہوں نے بیس اونٹ کر کے فال نکالی' تو پھر

بھی فال عبداللہ کے نام ہی نکلی۔وہ دس دس اونٹ بڑھاتے گئے۔جب اونٹوں کی تعداد ایک سو ہوگئی تو فال اونٹوں پر نکل آئی۔اس دوران عبدالمطلب مسلسل اللہ سے دعا کرتے رہے تھے کہ وہ عبداللہ کے بدلے میں اونٹوں کی قربانی قبول فرمالیں' اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

فوراً ایک سو اونٹ قربان کردیئے گئے۔

اسی روز سے قریش میں آدمی کا خون بہا (دیت) ایک سو اونٹ قرار پائی(2) اسلام کے نزول کے بعد رسولِ اکرمؐ نے بھی آدمی کا خون بہا وہی ایک سو اونٹ قائم رکھا۔

عبداللہ کی شادی

عبداللہ کی شادی سیدہ آمنہ سے ہوئی۔وہ قریش کے ایک معزز خاندان بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبدِ مناف کی صاحبزادی تھیں' نسب اور مرتبہ میں افضل ترین تھیں۔

عبداللہ سردارِ مکہ کا پیارا بیٹا تھا' حسین اور نوجوان تھا۔جب اللہ نے اس کے بدلے سو اونٹوں کی قربانی قبول فرمالی تو اس کی شہرت ہر گھر پہنچ گئی' اس لئے جب عبدالمطلب نے سیدہ آمنہؓ کے باپ کو اپنے بیٹے کے لئے رشتہ کا پیغام دیا تو وہ فوراً راضی ہوگئے۔ایک روایت یہ ہے کہ وہب بن عبد مناف وفات پا چکے تھے اور سیدہ آمنہؓ اپنے بزرگ چچا وہیب کی نگرانی اور کفالت میں تھیں۔نکاح کے بعد عربوں کے رواج کے مطابق حضرت عبداللہ تین روز تک اپنے سسرال میں رہے اور چوتھے روز دلہن کے ساتھ اپنے گھر آگئے۔

ابن اسحاق نے عبداللہ کی "نذر" کے علاوہ شادی کے بارے میں ان کے والد کے جو اشعار درج کئے ہیں' ان میں سیدہ آمنہؓ سے متعلق شعر میں عبدالمطلب نے کہا: "تعریف بزرگ و برتر خدا ہی کے لئے ہے اور میں اس کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے بنو زہرہ کی سفید چہرہ والی خاتون بطورِ بہو عطا فرمائی۔"

شادی کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنا الگ گھر بسایا' سیدہ آمنہؓ کی خدمت کے لئے ایک حبشی کنیز لائے جس کا نام برکت اور کنیت اُمِ ایمنؓ تھی۔عبداللہ کے پاس اپنے پانچ اونٹ اور بکریوں کا ایک ریوڑ تھا۔وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

عبداللہ کی وفات

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام کے لئے روانہ ہوا تو عبداللہ بھی مالِ تجارت لے کر اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔تجارت قریش کا آبائی پیشہ تھا' ان کا خاندان تجارت میں سب سے آگے

ہوتا تھا' شام سے واپسی کے سفر میں قافلہ یثرب پہنچا تو حضرت عبداللہ کی طبیعت ناساز ہوگئی' ساتھی چند روز تک ان کی صحت کی بحالی کے انتظار میں وہاں ٹھہرے رہے' انہوں نے کہا تم جاؤ میں ٹھیک ہو کر آجاؤں گا۔قافلہ مکہ روانہ ہوگیا' عبداللہ اپنی دادی کے خاندان بنو نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔جب قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب قافلے میں اپنے بیٹے کو نہ پاکر پریشان ہوگئے۔قافلہ والوں نے حضرت عبداللہ کی بیماری کے بارے میں بتایا تو عبدالمطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو یثرب بھیجا تاکہ وہ بھائی کی تیمار داری کرے اور جب وہ صحت یاب ہو جائے تو اسے ساتھ مکہ لے آئے' لیکن حارث کو بھائی کی تیمار داری کا موقع ہی نہ ملا۔اس کے یثرب پہنچنے سے پہلے ہی عبداللہ اپنی زندگی کا سفر پورا کر گئے تھے' انہیں نابغہ جعدی میں سپردِ خاک کیا جاچکا تھا۔عبداللہ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی۔

حارث بھائی کی بجائے اس کی موت کی خبر اور غم کے ساتھ واپس آئے' تو بوڑھے عبدالمطلب کی کمر دُکھ کے بوجھ سے دوہری ہوگئی' جس فرزند کی نذر کی قبولیت پر انہیں نئی زندگی ملی تھی'اس کی موت نے ان کی زندگی تلخ بنادی۔وہ جس بہو کے عطا کرنے پر اللہ کا شکر ادا کرتے تھے'وہ جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ عبداللہ کی بیوہ'اس کے باپ اور بہن بھائیوں کا غم مکہ کے سارے لوگ مل کر بھی نہیں بٹا سکتے تھے۔

آمنہؓ کا تو سہاگ اجڑ گیا تھا اور حسین خواب پریشان ہوگئے تھے' کل تک انہیں مکہ میں سب سے خوش بخت خاتون سمجھا جاتا تھا' آج وہ مکہ میں سب سے زیادہ دُکھی خاتون تھیں۔

اپنے خاوند کے غم میں سیدہ آمنہؓ نے جو مرثیہ کہا تھا'اس کے چند اشعار کا ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ ترجمہ کیا ہے:

وادیٔ بطحا کے پہلو سے بنی ہاشم کے سپوت کا نشان مٹ گیا۔
اور اسے غمغموں کے اثناء میں ایک بیرونی (دور دراز) قبر کا ہمسایہ بنا دیا گیا۔
جب موت نے اسے ایک دعوت دی تو اس نے اس دعوت کو قبول کر لیا۔
اور اس (موت) نے بنی ہاشم کے سپوت کی طرح کا کوئی شخص لوگوں میں باقی نہ چھوڑا۔
ایک دن مغرب کے وقت لوگ اس کی ڈولی لئے ہوئے روانہ ہوئے۔
وہ اس کے ساتھ ہجوم کرتے ہوئے اس پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔
موت اور اس کے حملے نے بے شک اس کو دبوچ لیا۔
لیکن وہ تھا تو انداتا (بہت دینے والا) اور بڑا صاحبِ رحم۔

حواشی/حوالہ جات

-1 بعض مؤرخوں نے لکھا ہے کہ مُطّلب کے بیٹوں میں عبداللہ سب سے چھوٹے تھے،لیکن اگر یہ روایت درست ہے کہ عبدالمطلب کے فرزند حضرت حمزہؓ حضرت محمد رسول اللہﷺ سے عمر میں چار سال بڑے تھے اور حضرت عباسؓ تین سال تو عبداللہ کیسے عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے ہوگئے؟ سید امیر علی اور سید محمد سلیمان منصور پوری نے عبدالمطلب کے بیٹوں کی تعداد بارہ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ ان میں سے دو کے حالات تاریخوں میں نہیں ملتے۔ان دونوں حوالوں کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے جب عبداللہ کی قربانی دینے کا فیصلہ کیا'اس وقت ان کے بیٹوں کی تعداد دس ہوچکی تھی اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اس واقعہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ رسولِ اکرمؐ اور ان دونوں کی عمروں میں تین چار سال کے فرق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت عبدالمطلب کے جو دس بیٹے تھے'ان میں عبداللہ سب سے چھوٹے ہوں۔

-2 اس وقت کے عرب معاشرے میں اونٹ بڑی معزز سواری اور قیمتی ملک ہوتا تھا۔زمانۂ حال میں ہم اس کا مقابلہ ایک اعلیٰ درجے کی گاڑی (کار) سے کرسکتے ہیں' لہٰذا آج آدمی کی دیت (خون بہا) کی قیمت کے تعین کے وقت اس بات کا سامنے رہنا لازم ہے۔آج اونٹ کی وہ اہمیت اور قیمت نہیں جو اس وقت تھی جب یہ دیت مقرر کی گئی تھی۔آج دیت کا تعین اس اہمیت کی آج کی سواری کی قیمت کے مطابق کرنا ہوگا۔

ہاتھیوں والے ابرہہ کی رُسوائی

یمن کے حبشی حاکم ابرہہ الاشرم کا مکہ پر حملہ اور عبرت ناک رسوائی جناب عبدالمطلب کی سرداری کے زمانہ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ابرہہ حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن پر حاکم تھا' وہ ایک پُرجوش عیسائی تھا اور جزیرۃ العرب میں عیسائیت کی وسعت اور فروغ چاہتا تھا۔اسے طاقتور بازنطینی عیسائی شہنشاہ کی مدد بھی حاصل تھی' جب یمن کے یہودی مذہب کے حامل حمیری بادشاہ نے نجران کی عیسائی کالونی برباد کر دی تھی'تو قیصرِ روم نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ کو خط لکھا تھا کہ اسے اس جرم کی سزا دی جائے۔قیصرِ روم نے یمن پر حملہ کرنے والی حبشہ کی فوج کو بحیرۂ احمر سے پار اتارنے کے لئے اپنے بحری جہاز بھی بھیجے تھے۔جب یمن پر حبشہ والوں کا قبضہ مستحکم ہوگیا تو انہوں نے نجران میں ایک شاندار کلیسا تعمیر کروایا۔اس کلیسا کی تزئین و آرائش میں قیصرِ روم نے بھرپور مدد بھیجی تھی۔

مکہ پر حملہ اور بیت اللہ کو مسمار کرنے کے اس کے منصوبے کی وجوہات مذہبی کے علاوہ سیاسی اور تجارتی بھی تھیں۔یمن پر قبضہ کرکے حبشہ والوں نے وہاں سے ایرانیوں کا سیاسی اثر تو ختم کر دیا تھا'لیکن جزیرۃ العرب کے قبائل کی اکثریت کے یمن کے نئے حاکموں کی برتری تسلیم کرنے کے بغیر وہاں پر عیسائیوں کی مذہبی اور سیاسی پوزیشن مضبوط نہیں ہوسکتی تھی۔عرب قبائل میں اس زمانے میں قریش کی بزرگی اور برتری مُسلّم تھی' بیت اللہ عربوں کا مذہبی اور قومی مرکز تھا' قریش کی فضیلت اسی مرکز کے متولّی اور ریاستِ مکہ کے حکمران ہونے کی وجہ سے تھی' جزیرۃ العرب سے گزرنے والے تجارتی راستوں اور سامانِ تجارت کی منتقلی پر قریش کو برتری حاصل تھی۔اس کا اہم سبب بھی ان کا بیت اللہ کا متولی ہونا تھا۔

اگر ابرہہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتا تو کیا ہوتا؟ قریشِ مکہ کی فضیلت و برتری ختم ہو جاتی، تجارت اور تجارتی راستوں پر ان کی گرفت کمزور پڑ جاتی، وہ مذہبی، سیاسی اور اقتصادی وجوہ ختم ہو جاتیں جن کی بناء پر وہ سارے عرب قبائل کے سردار تھے۔ مرکزیت ختم ہو جاتی تو یمن کے نئے حکمرانوں کے لئے تمام عربوں تک اپنا سیاسی اور مذہبی اثر و رسوخ پھیلانا آسان ہو جاتا، تجارتی راستوں پر قبضہ اور گرفت مضبوط ہونے سے تجارت سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد میں سب سے زیادہ حصہ یمن اور حبشہ کے حکمرانوں کا ہوتا اور قیصرِ روم کے الفاظ میں عیسائیت کو فائدہ پہنچتا۔ان مقاصد کے حصول کے لئے پہلے تو ابرہہ نے صنعا میں ایک شاندار کلیسا بنوایا، اسے اچھی طرح سجایا، عرب قبائل کو ترغیب اور دعوت دی کہ وہ بیت اللہ کی بجائے اس کے کلیسا کی زیارت کریں،مگر عرب مرکزِ ابراہیمیؑ کو چھوڑ کر اس کلیسا کو مرکزِ زیارت بنانے پر آمادہ نہ ہوئے،بلکہ ان میں اس کے خلاف ردِ عمل پیدا ہونا شروع ہوگیا۔اب ایک طرف حمیری عرب اپنی کھوئی ہوئی یمن کی حکمرانی حاصل کرنے کے لئے ایران کا تعاون اور مدد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے،تو دوسری طرف عربوں میں صنعا کے کلیسا اور ابرہہ کی کوششوں کے خلاف ردِعمل شدید ہونے لگا تھا۔ابرہہ کے لئے دونوں طرف سے خطرہ بڑھ رہا تھا۔ اس نے اس خطرہ سے نکلنے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جو ایسے معاملات میں فراست سے محروم حاکم کیا کرتے ہیں۔یہ تھا بیت اللہ کو بزورِ شمشیر نابود کرنے کا فیصلہ۔اکثر مؤرخ اور سیرت نگار لکھتے ہیں کہ بنی ملکان بن کنانہ کے ایک شخص نے ابرہہ کے کلیسا میں گندگی پھیلا دی، تو اس نے غصہ میں آکر مکہ پر چڑھائی کا حکم دے دیا تھا۔ممکن ہے فوری وجہ یہی ہوئی ہو،مگر یہ حملہ اس کے وسیع تر منصوبے کا اہم حصہ تھا،کوئی ہنگامی فیصلہ یا ردِعمل نہیں تھا۔

جب ابرہہ نے مکہ پر حملہ اور فوج کشی کا اعلان کیا تو اس کے کچھ محکوم قبائل نے کہا:"بے شک یہ شہر تو تر نوالہ ہے جسے عک اور اشعر قبیلہ والے اور ہاتھی چبا جائیں گے۔"

ابرہہ کی فوج کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جس کے ساتھ تیرہ جنگی ہاتھی بھی تھے۔عربوں نے اس سے پہلے کسی لڑائی میں ہاتھیوں کو حصہ لیتے نہیں دیکھا تھا، اس کی فوج جدھر سے گزرتی اپنی قوت کی دھاک بٹھاتی جاتی تھی، جب وہ طائف کی وادی "وج" میں پہنچا تو وہاں کے بڑے قبیلہ ثقیف نے اس کی اطاعت کا اعلان کر دیا اور اپنی دیوی "لات" کو اس سے بچانے کے لئے ابرہہ کی فوج کو مکہ کا راستہ دکھانے کے لئے ایک گائیڈ بھی فراہم کر دیا۔

ابرہہ لاؤ لشکر اور ہاتھیوں کے ساتھ مکہ سے چھ میل دور المغمس کے مقام پر پہنچا تو

وہیں ڈیرہ ڈال دیا اور قریشِ مکہ کے پاس ایک ایلچی بھیجا۔قریشِ مکہ نے ابرہہ کے ایلچی کو عبدالمطلب کے پاس بھیج دیا۔ ابرہہ کا پیغام تھا کہ میں بیت اللہ کو مسمار کرنے آیا ہوں' قریش اور اہلِ مکہ سے لڑنے یا ان کے خلاف کسی کارروائی کا ارادہ نہیں رکھتا۔

قریش نے اپنی مجلس میں اس پیغام اور صورتِ حال پر غور کیا۔وہ جانتے تھے کہ بیت اللہ کی مسماری کا کیا مطلب ہے' لیکن ان میں اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ باہمی مشورہ کے بعد مکہ کے سب باسی اپنے اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کے ساتھ وادی سے نکل کر پہاڑوں کی طرف چلے گئے' مگر عبدالمطلب اور شیبہ بن عثمان بن عبدالدار مکہ ہی میں رہے۔ عبدالمطلب چاہِ زم زم اور سقایہ کا ذمہ دار اور امارتِ مکہ کا سردار تھا۔ شیبہ بیت اللہ کا دربان اور چابی بردار تھا۔

عبدالمطلب نے کعبہ کے کواڑ تھام کر دعا کی....

"اے اللہ! آدمی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے' تُو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما' کل وہ اپنی صلیب اور چالوں سے تیری تدبیر پر غالب نہ آجائیں۔"

ابرہہ کے فوجی عبدالمطلب کے دو سو اونٹ پکڑ کر لے گئے' عبدالمطلب ابرہہ کی لشکر گاہ میں گیا۔ ابرہہ نے اسے بڑی عزت سے پاس بٹھا کر پوچھا: "آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

عبدالمطلب نے کہا: "آپ کے آدمی میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں' وہ مجھے واپس کر دیں۔"

ابرہہ نے حیرانی سے کہا: "میں اس گھر کو مسمار کرنے آیا ہوں جس سے قریش کی فضیلت ہے' آپ نے اس بارے میں تو مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی۔"

عبدالمطلب نے جواب دیا: "اے بادشاہ! میں نے اپنے مال کے بارے میں آپ سے درخواست کی ہے' میں تو ان اونٹوں کا ہی مالک ہوں' بیت اللہ کا مالک خدا ہے' وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔"

ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کرنے کا حکم دے دیا۔

اگلی صبح جب ابرہہ کی فوج حملہ کے لئے تیار ہوئی تو وہ خود ایک ہاتھی پر سوار تھا' لیکن جیسے ہی اس ہاتھی کا رُخ مکہ کی طرف کیا گیا ہاتھی بیٹھ گیا' اسے اٹھانے کی کوشش کامیاب نہ ہوئی تو ہاتھی ہانکنے والے نے اسے بہت مارا' ہاتھی پھر بھی نہ اٹھا' ابرہہ ہاتھی سے نیچے اتر آیا' ہاتھی کھڑا ہو گیا۔

مہاوت ہاتھی کا رُخ یمن کی طرف کرتا تو وہ چلنا شروع کر دیتا' مکہ کی طرف موڑتا تو پھر بیٹھ جاتا۔

یہ حالت دیکھ کر فوج کے ساتھ آنے والے عک اور اشعر قبیلہ والے الگ ہوگئے۔قبیلہ ثقیف کے سردار نے جو گائیڈ ساتھ بھیجا تھا'وہ بھی آنکھ بچا کر حرم کی طرف نکل گیا۔

اس وقت آسمان پر پرندوں کے غول نمودار ہوئے اور ابرہہ کی فوج پر کنکریاں برسنے لگیں' ایک غول کنکریاں برسا کر جاتا تو دوسرا آ جاتا' سنگ ریزہ جس کسی کو لگتا اس کا جسم چھید ڈالتا۔ ابرہہ کے فوجی سوار اور ہاتھی سراسیمگی کی حالت میں بھاگنے لگے' ابرہہ نے بھی راہِ فرار اختیار کی' اسی وقت آسمان پر گھرے بادل چھا گئے' بارش اور طوفان نے تباہی مچا دی۔مرنے والوں کی لاشیں سیلابِ بلا میں بہہ گئیں۔

واپس یمن پہنچنے تک ابرہہ نشانِ عبرت بن چکا تھا' اس کی زخمی انگلیاں جھڑ گئی تھیں' جسم زخموں سے چھلنی تھا' پھر اس کا زخمی پیٹ بھی پھٹ گیا اور ہاتھیوں والا ابرہہ الاشرم اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے:

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے ہاتھی والوں کا کیا انجام کیا۔

"کیا ان کے داؤ کو سر تا سر الٹا نہ کر دیا گیا؟

اور ان پر پرندوں کے غول کے غول بھیجے' جو ان پر پتھر کی کنکریاں پھینکتے تھے یہاں تک کہ وہ چبائے ہوئے بھوسہ کی مانند ہوگئے۔" (105:1 تا 5)

اللہ کی تدبیر ابرہہ کی صلیب اور چالوں پر غالب آگئی۔

قبیلہ ثقیف کے سردار نے ابرہہ کے ساتھ نفیل کو گائیڈ بنا کر بھیجا تھا۔شعر اور شاعری کے دلدادہ عربوں کو اس تاریخی واقعہ سے متعلق نفیل کے جو اشعار ازبر تھے' ان میں وہ کہتا ہے:

"جب میں نے پرندے دیکھے تو میں اللہ سے ڈر گیا کہ کہیں پتھر ہمیں بھی نہ لگ جائیں۔

ان میں سے ہر ایک نفیل ہی کو ڈھونڈتا تھا (واپسی میں رہنمائی کے لئے) جیسے میرے ذمے ان حبشیوں کا کچھ قرض تھا۔"

جب ابرہہ کی فوج چڑھائی کے لئے صف بستہ ہو رہی تھی' عبدالمطلب بیت اللہ کا دروازہ تھام کر دعا کر رہے تھے۔

"اے میرے پروردگار! ان سے مقابلہ میں تیرے سوا میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔

اے میرے پروردگار! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما'

بیشک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے'

بلاشبہ وہ تیری بستیوں پر کبھی غلبہ حاصل نہیں کرسکیں گے۔"

جناب عبدالمطلب ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ کبھی ہبل کے بُت سے دعا نہیں کرتے تھے۔(1)

مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم نے اس حملہ کی ناکامی کے بارے میں کہا:

"تُو نے ہاتھی کو مغمس کے مقام پر روک دیا
تُو نے ابو یکسوم (الاشرم) اور مغلس کو ہلاک کر دیا
تُو نے ان کی ہڈیاں اور جوڑ بند توڑ دیئے
تُو نے انہیں پامال کر دیا اور روند ڈالا
اور ان کا تخریبی منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا"

جس سال ہاتھیوں والے ابرہہ نے ذلت اور رسوائی اٹھائی' عرب مؤرخوں نے اس کا نام ہی عام الفیل (ہاتھیوں والا سال) رکھ دیا تھا اور مختلف واقعات کا اسی کے حوالے سے ذکر کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا نسب نامہ

محمد ﷺ

عبداللہ

عبدالمطلب (شیبہ)

ہاشم (عمرو)

عبدالمناف (مغیرہ)

قُصی (زید)

کلاب (حکیم)

مُرّہ

کعب

لوی

غالب

فہر (قریش)

مالک

نضر (قیس)

کنانہ

خزیمہ

مدرکہ (عامر، عمرو)

الیاس

مضر

نزار

معد

عدنان

ولادتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

خالقِ کائنات نے دینِ حنیف کی تکمیل کے لئے خاتم الانبیا حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔آپ بارہ ربیع الاول کو صبح کے وقت تشریف لائے' وہ پیر کا دن تھا' اس روز ہاتھیوں والے ابرہہ کی ذلت و رسوائی کو پچاس دن ہوئے تھے'اسی لئے عرب اس سال کو پہلا "عام الفیل" کہتے تھے۔یہ شمسی ماہ اپریل کی 20 یا 22 تاریخ تھی اور سال 571ء تھا(1) آپؐ کی والدہ سیدہ آمنہؓ اس رات اپنے میکے میں تھیں۔جناب عبدالمطلب کو پوتے کی پیدائش کا پیغام ملا'تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا' وہ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے' پوتے کو سینے سے لگایا' پیشانی چومی اور اسی وقت حرمِ کعبہ لے گئے' طواف کیا' بیت اللہ کا دروازہ کھلوایا' اندر جا کر اس عنایت کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شکرانے کی دعا کی' حضورؐ کی درازیٔ عمر اور سرفرازی کی دعائیں مانگیں۔خانۂ کعبہ سے جناب عبدالمطلب سیدھے اپنے گھر گئے' دروازے میں ان کے فرزند عباس ملے' تو حضرت عبدالمطلب نے نومولود پوتا اسے دکھاتے ہوئے کہا:"دیکھو' یہ تمہارا بھائی ہے"۔ عباس نے خوشی سے حضورؐ کا منہ چوما'گھر خوشی سے بھر گیا۔اپنے اہلِ خانہ کو دکھانے کے بعد جناب عبدالمطلب حضورؐ کو سیدہ آمنہؓ کے پاس لے گئے(2) جناب عبدالمطلب بیت اللہ میں اس روز یہ شعر پڑھتے رہے:

"تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے سرخی مائل گورے رنگ کا یہ پاکیزہ بیٹا عطا فرمایا'
یہ بچپن ہی میں لڑکوں کا سردار ہے'
میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں جو اس مضبوط کناروں والے گھر کا مالک ہے'
یہاں تک کہ یہ بھرپور جوانی کو پہنچ جائے اور میں دیکھوں کہ اس کا جسم مضبوط ہوگیا ہے'
میں اسے ہر دشمن کی دشمنی سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں'

اور ٹھوکریں کھانے والے اندھے اور بوڑھے حاسد کے حسد سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں
یہاں تک کہ میں اسے خطیب اور زبان آور دیکھوں؟"

دیکھا آپ نے جناب عبدالمطلب کے اشعار' کیا خوشی تھی اور کیا خواہش تھی(3) حضور ﷺ کی ولادتِ باسعادت سے کچھ عرصہ پہلے آپؐ کے والد جناب عبداللہ یثرب میں وفات پا گئے تھے۔آپؐ حضرت آمنہؓ کی پہلی اولاد تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اسی طرف اشارہ کیا ہے :"اے نبی!کیا ہم نے آپ کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟"

جناب عبدالمطلب نے عبداللہ کے بدلے میں اونٹوں کی نذر کی قبولیت کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگی تھیں' نذر کی قبولیت پر ان کے خاندان اور قریشِ مکہ نے خوشیاں منائی تھیں' ان کے لئے عبداللہ کی اس نشانی کی عطا سے بڑی خوشی اور کیا ہوسکتی تھی!

حضورؐ کی پیدائش کے ساتویں روز جناب عبدالمطلب نے اونٹ ذبح کرکے آپؐ کے عقیقہ کی دعوت کی' قریش میں یہ ابراہیمیؑ روایت بھی زندہ تھی۔مکہ والے خوشی سے دعوت میں شریک ہوئے' عبداللہ کے یتیم کو دیکھ کر سب بہت خوش تھے' جناب عبدالمطلب نے آپ کا نام محمدؐ رکھا' قریش اور ان کے اجداد میں سے کسی کا یہ نام نہیں تھا' یہ نام ان کی نام رکھنے کی روایت سے ہٹ کر تھا۔انہوں نے جناب عبدالمطلب سے محمدؐ نام رکھنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا:
"میں چاہتا ہوں کہ آسمان میں اللہ اور زمین پر خلق میرے اس بیٹے کی تعریف کریں۔" محمدؐ کا مطلب ہے ایسی ہستی جس کی ذاتی صفات کی وجہ سے بہت زیادہ تعریف کی جائے۔سیدہ آمنہؓ نے بتایا کہ انہیں خواب میں نومولود کا نام "احمد" ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔حضورؐ کا فرمان ہے :
"آسمانوں پر میرا نام احمدؐ ہے اور زمین پر محمدؐ۔" مطلب دونوں کا ایک جیسا ہی ہے۔

سیدہ آمنہؓ نے سات روز حضورؐ کو دودھ پلایا' شرفائے مکہ پیدائش کے سات روز کے بعد بچوں کو دودھ پلانے والی کے حوالے کر دیا کرتے تھے' حضورؐ کے تایا ابو لہب کی ایک لونڈی تھی۔اس کا نام ثوبیہ تھا۔اب وہ حضورؐ کو دودھ پلانے اور دیکھ بھال کرنے لگی۔

بنی سعد کے خیموں میں

مکہ ایک تجارتی شہر تھا' وہاں حبشیوں کا محلّہ تھا' غلاموں کی آبادی تھی' دوسرے ممالک اور علاقوں سے تجارت پیشہ لوگ وہاں آتے رہتے تھے۔اس شہر میں عربی کے علاوہ اور زبانیں بھی بولی جاتی تھیں جس سے مکہ کی عربی میں دیگر زبانوں کے الفاظ کی ملاوٹ ہوگئی تھی۔جزیرۃ العرب

میں کسی کے لئے یہ سب سے بڑا فخر ہوتا تھا کہ اس کی زبان خالص عربی ہے۔عربوں کو اپنی زبان دانی اور زبان پر بڑا فخر ہوتا تھا' اسی لئے وہ باقی ساری دنیا کے لوگوں کو عجمی کہتے تھے جس کے معنی گونگا کے ہیں۔وہ اپنے بچوں کو لسّان اور زبان آور بنانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔جناب عبدالمطلب نے حضورؐ کی پیدائش پر حرم کعبہ میں دعا کی تھی :"یہاں تک کہ میں اسے خطیب اور زبان آور دیکھوں"۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے لئے زبان دانی کی کتنی اہمیت تھی۔اس زمانے میں مکہ میں کوئی سکول تھا نہ مدرسہ' امرائے مکہ کے بچے بدوی قبائل کے ہاں پرورش پاتے تھے جن کی زبان ملاوٹ سے پاک اور فطرت کی رنگینیوں سے آراستہ ہوتی تھی۔بدوی عورتیں قریش کے شیرخوار بچوں کو اپنے ہاں لے جاتی تھیں۔چھ سات سال کی عمر تک یہ بچے ان کے پاس رہتے تھے اور ان کے بچوں کے ساتھ ان کے گھروں اور ماحول میں پرورش پاتے تھے۔ جب وہ ان کی زبان سیکھ جاتے تو وہ انہیں مکہ میں ان کے والدین کے پاس چھوڑ جاتی تھیں۔اس درمیان میں وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بچوں کو ان کے والدین سے ملانے مکہ لاتی رہتی تھیں اور ان سے انعام و اکرام پا کر واپس لے جاتی تھیں۔صحراؤں اور جنگلوں میں رہنے والے بدوؤں کی خیمہ بستیاں شرفاء کے بیٹوں کے لئے نرسری اور ابتدائی مدرسہ کی حیثیت رکھتی تھیں جہاں وہ ان کی زبان اور صحرائی زندگی کے آداب سیکھتے تھے' بعض بدوی قبائل بچوں کی تربیت کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے' ان میں مکہ کے جنوب مشرق میں رہنے والا قبیلہ بنی سعد بن بکر اتنا مشہور تھا کہ رسولِ اکرم ﷺ فخر سے فرمایا کرتے تھے :"میں تم میں سب سے زیادہ عربی دان ہوں۔میں قریشی ہوں اور بنی سعد بن بکر میں میری رضاعت کا زمانہ گزرا ہے"۔

جس ملک اور معاشرے میں زبان دانی سب سے بڑی دولت ہو'کسی کی قدرو قیمت اس کے زورِ خطابت سے متعین کی جائے' وہاں ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کے بچے کی تعلیم و تربیت سب سے اعلیٰ نرسری اور مدرسہ میں ہو' اس لئے قریش کے امیر کبیر خاندانوں کے بچے بنی سعد بن بکر کے ہاں پرورش پاتے تھے۔

چھوٹے بچوں کو پرورش کے لئے بدوی قبائل میں بھیجنے کی کچھ اور بھی وجوہ تھیں۔ شہروں میں وبائی امراض اکثر پھوٹ پڑتے تھے' ابرہہ کے حملہ کے بعد جزیرۃ العرب میں چیچک اور خسرہ کی وباء پھیل گئی تھی' شہروں کی نسبت صحراؤں کی ہوا اور فضا صاف تھی' وہاں ایسے امراض نہیں ہوتے تھے' کھلی فضا میں بچوں کی جسمانی نشوونما بہتر ہوتی تھی' قریش کے اجداد صحراؤں میں رہا کرتے تھے' کھلے آسمان کے نیچے دور تک پھیلے صحراؤں میں جہاں کوئی حاکم تھا نہ کوئی ماتحت'

آزادی کی ایسی زندگی کی ان کے ہاں بڑی قدر اور خواہش تھی۔ آزاد بدوی قبائل میں پرورش پانے والے بچے آزاد معاشرے کے طور طریقے سیکھ جاتے تھے۔ خیمے کی زندگی، راتوں کو قافلے کے ساتھ سفر کرنا، ستاروں سے راستوں کا تعین، ریوڑوں کی رکھوالی اور اونٹوں کی سواری سیکھنے کے علاوہ بچوں کے اپنے اجداد کے صحراؤں سے تعلق کی بھی تجدید ہو جاتی تھی۔

بدوی عورتیں امراء کے بچوں کو دودھ پلانے اور ان کی پرورش کرنے کا نقد معاوضہ نہیں لیتی تھیں۔ایسے معاوضہ کی کوئی شرح بھی مقرر نہیں کی جاتی تھی کہ ماہانہ اتنا معاوضہ ہو گا، ایسا کرنا وہ اپنی توہین سمجھتی تھیں۔کسی بچے کو دودھ پلانے اور اس کی پرورش کرنے سے اس بچے اور اس کے خاندان سے دودھ پلانے والی خاتون اور اس کی اولاد کا ایک قسم کا رشتہ قائم ہو جاتا تھا جو زندگی بھر قائم رہتا تھا۔عربوں میں خون کے رشتے کے ساتھ ساتھ دودھ کے رشتے کی بھی بہت اہمیت تھی، بدوی خواتین امراء کے جن بچوں کو دودھ پلاتی تھیں اور تربیت کرتی تھیں، ان بچوں کے والدین دودھ کے اس تعلق کی وجہ سے ان خواتین کے خاندانوں کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔ ضروریاتِ زندگی کی جو چیزیں صحراؤں میں نہیں ملتی تھیں، وہ انہیں فراہم کرتے رہتے تھے۔ جس کسی بچے نے...... کسی خاتون کا دودھ پیا ہوتا تھا، وہ جوان ہو کر اس کا اور اس کے بچوں کا خیال رکھتا تھا، اس طرح سے ایک قسم کی دودھ کی رشتہ داری قائم ہو جاتی تھی۔ابو لہب کی لونڈی ثوبیہ نے چند ہفتے حضورؑ کو دودھ پلایا تھا،مگر وہ جب تک زندہ رہی،حضورؑ اس سے حُسنِ سلوک فرماتے رہے، جب آپؑ نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کر لی، تو وہ بھی ثوبیہ کی عزت اور خدمت کرتی رہیں اور کوشش کی کہ ثوبیہ کو آزاد کرا دیا جائے۔اس کے لئے انہوں نے ابو لہب سے کہا کہ وہ جتنی رقم چاہیں لے لیں اور ثوبیہ ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے آزاد کر دیں، مگر اس نے انکار کر دیا۔جب آپؑ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں سے بھی ثوبیہ کے لئے کپڑے، ضروریات اور زرِ نقد ارسال فرمایا کرتے تھے۔ 7 ہجری میں جب آپؑ کو ثوبیہ کی وفات کی خبر ملی تو آپؑ نے اس کے بیٹے مسروح کے حالات معلوم کئے تاکہ ضرورت ہو تو اس کی مدد کی جائے،مگر معلوم ہوا کہ وہ بھی فوت ہو چکا ہے۔حضورؑ کے چچا حضرت حمزہؓ،اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ اور اُمّ المؤمنین اُمِ سلمہؓ کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہؓ نے بھی اسی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔

بنی سعد بن بکر کی جس خاتون نے حضورؑ کو دودھ پلایا، اس کا نام حلیمہؓ تھا، اس کے شوہر کا نام حارث تھا۔ حلیمہؓ بنی سعد کی دیگر خواتین کے ہمراہ مکہ آئی اور حضورؑ کو دودھ پلانے اور

پرورش کرنے کے لئے ساتھ لے گئی۔بنی سعد بن بکر کی ایک اور خاتون نے حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو دودھ پلایا تھا۔ایک بار اس خاتون نے بھی حضورؐ کو اپنا دودھ پلا دیا تھا۔اس حوالہ سے حضرت حمزہؓ اور حضورؐ میں رضاعی بھائی کا رشتہ بھی قائم ہوگیا تھا۔حضورؐ کے ایک چچیرے بھائی ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے بھی حلیمہ کا دودھ پیا تھا اور اس کے خیمے میں پرورش پائی تھی' اس طرح وہ بھی حضورؐ کے دودھ بھائی تھے۔حضورؐ پانچ سال کی عمر تک بنی سعد بن بکر کے قبیلہ میں رہے' دو سال تک دودھ پلانے کی مدت پوری ہوگئی'تو حلیمہؓ حضورؐ کو مکہ لائی' سیدہ آمنہؓ نے چاہا کہ وہ اپنے پیارے بیٹے کو پاس رکھ لیں'لیکن حلیمہؓ کا دل چھوڑنے پر آمادہ نہ تھا' وہ چاہتی تھیں کہ حضورؐ کچھ عرصہ ان کے پاس رہیں۔اس نے سیدہ آمنہؓ سے کہا کہ مکہ میں طاعون کا خطرہ ہے' اس لئے وہ حضورؐ کو وہاں چھوڑنا نہیں چاہتیں' سیدہ آمنہؓ راضی ہوگئیں اور حلیمہؓ حضورؐ کو واپس لے گئیں۔

جب حضورؐ دودھ پینے کی عمر میں تھے'تو حلیمہ کی صرف ایک چھاتی سے دودھ پیتے تھے۔ حلیمہؓ کا اپنا بچہ بھی اسی عمر کا تھا' دوسری چھاتی کا دودھ وہ پیتا تھا' حلیمہ کوشش بھی کرتی تو حضورؐ اس کے حصہ کی چھاتی سے کبھی دودھ نہ پیتے' حلیمہؓ کی ایک بیٹی جذامہ تھیں جو شیما کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ حضورؐ کو گودی میں لے کر لوری دیا کرتی تھی اور کھلایا کرتی تھی۔ ایک بار حضورؐ نے کسی بات پر مچل کر شیما کو اس زور سے کاٹا کہ اس کے کندھے پر ساری عمر اس کا نشان رہا' آگے چل کر یہ نشان شیما اور اس کے خاندان کے لئے رحمت ثابت ہوا۔ جب حضورؐ دوڑنے بھاگنے کی عمر کو پہنچے تو آپؐ بنی سعد کے بچوں کے ساتھ کھلے صحرا میں شام کو کھیلتے ہوں گے'بکری کے بچوں کے پیچھے بھاگتے ہوں گے' نیلے آسمان پر چمکتے چاند ستاروں کو دیکھ کر ان کے سفر اور خالق و مالک کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوں گے'بکریاں چرانے والوں کے ہمراہ جاتے ہوں گے۔ ایک دفعہ حلیمہ عکاظ کے میلے گئیں تو حضورؐ کو بھی ساتھ لے گئیں' عرب کے ان میلوں میں قسم قسم کے لوگ آتے تھے۔وہاں ایک دست شناس بھی تھا' حلیمہؓ نے حضورؐ کا ہاتھ بھی اسے دکھایا' وہ حضورؐ کے مستقبل سے بھی ایسی ہی دلچسپی رکھتی تھیں' جیسی مائیں اپنے حقیقی بچوں کے مستقبل کے بارے میں رکھتی ہیں۔

اس قیام کے دوران کے ایک اور واقعہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جسے "شقِ صدر" کہا جاتا ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز حضورؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ آئے' آپؐ کو زمین پر لٹا کر آپؐ کا سینہ چاک کیا۔آپؐ کے دل سے ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا اور

دل ٹھنڈے پانی میں دھو کر پھر سینہ سی دیا اور اس لوتھڑے کے بارے میں فرمایا: "یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے"۔ لیکن بعض سیرت نگار شقِ صدر کے واقعہ کو تسلیم کرنے کے حق میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا خالقِ کائنات اس پر قادر نہ تھا کہ اس لوتھڑے کو آپؐ کا سینہ چاک کئے بغیر نابود کر دے؟ اور جب اللہ نے آپؐ کو رسالت ہی کے لئے خلق فرمایا تھا تو پھر شقِ صدر کی کیا ضرورت باقی رہ گئی تھی؟

سیرت نگاروں نے ابنِ اسحاق کی لکھی وہ کہانیاں بھی دُہرائی ہیں جو انہوں نے حلیمہ کی زبان سے بیان کی ہیں کہ "جب میں بنی سعد کی دیگر خواتین کے ہمراہ مکہ آ رہی تھی تو میری چھاتیوں میں دودھ اتنا کم تھا کہ میرا اپنا بچہ بھی سیر نہیں ہوتا تھا اور رات کو بھوک کی وجہ سے سوتا نہیں تھا، لیکن جیسے ہی میں نے حضورؐ کو گود لیا، میری چھاتیاں دودھ سے بھر گئیں"۔ اور یہ کہانی بھی کہ جب حلیمہؓ مکہ آ رہی تھیں، تو ان کی گدھی اتنی کمزور تھی کہ سب سے پیچھے تھی، لیکن واپسی کے سفر میں جب وہ حضورؐ کو لے کر گدھی پر سوار ہوئیں تو وہ سب سے آگے تھی اور ان کی ساتھی خواتین حیرانی سے پوچھتی تھیں کہ حلیمہؓ کیا یہ تیری وہی گدھی ہے؟ اور یہ کہ جب وہ حضورؐ کو اپنے قبیلہ میں لے کر پہنچیں تو ان کی بکریاں بہت زیادہ دودھ دینے لگیں، خشک سالی بہت زیادہ تھی، مگر ان کی بکریاں جدھر بھی جاتیں پیٹ بھر کر آتیں۔

یہ بھی لکھا ہے کہ چونکہ حضورؐ کے والد فوت ہو چکے تھے اور سیدہ آمنہؓ غریب تھیں، اس لئے حلیمہؓ سمیت کوئی دودھ پلانے والی حضورؐ کو لے جانے پر تیار نہ تھی، لیکن جب حلیمہؓ کو کوئی اور بچہ نہ ملا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ باقی سب خواتین تو قریش کے بچے لے کر جا رہی ہیں، میں خالی ہاتھ جاتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہوں، اس لئے اسی یتیم کو لے آتی ہوں۔ ان کے خاوند نے اجازت دے دی اور وہ حضورؐ کو دودھ پلانے کے لئے لے گئی تھیں(6) اور اس کے نتیجے میں وہ خوش اور خوشحال ہوگئی تھیں۔

حلیمہؓ قناعت پسند اور پیار کرنے والی خاتون تھیں۔ انہیں حضورؐ سے بہت پیار تھا۔ اس کا سبب ننھے حضورؐ کی اپنی پیاری پیاری عادات بھی تھیں۔ حضورؐ بھی عمر بھر حلیمہؓ کا احترام کرتے رہے۔ ایک دفعہ وہ حضورؐ سے ملنے آئیں تو حضورؐ انہیں دیکھتے ہی "میری ماں! میری ماں!" کہتے ہوئے کھڑے ہوگئے، اپنی چادر بچھا کر حلیمہؓ کو اس پر بٹھایا۔ ایک دفعہ حلیمہؓ مکہ آئیں تو بتایا کہ ان کے علاقہ میں سخت خشک سالی ہے اور ان کے مویشی بھوک سے مر گئے ہیں۔ آپؐ نے اسے چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ مرحمت فرمایا۔ فتحِ مکہ کے وقت حلیمہؓ کی بہن حضورؐ

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حلیمہؓ کی وفات کے بارے میں بتایا تو آپؐ کے آنکھوں میں آنسو بھر آئے، وہ واپس جانے لگی تو آپؐ نے اسے دو سو درہم، نئے کپڑے اور سواری کے لئے کجاوے سمیت اونٹ عطا فرمایا۔

غزوۂ حنین میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔یہ جنگ بنو ہوازن کے خلاف لڑی گئی تھی جس کی بہت سی شاخیں تھیں، بنو سعد بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھی، جنگی قیدیوں میں بنو سعد کے مرد اور خواتین بھی تھے جن میں شیما بھی تھی، جو حضورؐ کو گودی کھلایا کرتی تھی اور لوریاں سنایا کرتی تھی، اس نے جب مسلمانوں کو بتایا کہ وہ حضورؐ کی رضاعی بہن ہے تو آپؐ کو اس کی اطلاع دی گئی، آپؐ نے حکم دیا کہ دیکھو اس کے کندھے پر دانت سے کاٹنے کا نشان ہے؟ نشان کی موجودگی کی خبر پر حضورؐ نے اسے طلب فرمایا اس سے بڑی شفقت فرمائی اور عزت کے ساتھ اس کے خاندان میں پہنچانے کا حکم ارشاد فرمایا۔

شیماء سے حضورؐ کا حُسنِ سلوک دیکھ کر اس کے قبیلہ کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوا اور عرض کیا: "حضورؐ! جنگی قیدیوں میں وہ خواتین بھی ہیں جو بچپن میں آپؐ کو کھلایا کرتی تھیں۔آپؐ کی رضاعی ماں حلیمہؓ سے تعلق کے حوالہ سے آپؐ کی بہت سی خالائیں بھی قیدی ہو کر آئی ہیں۔آپؐ کی پھوپھیاں بھی ہیں جو آپؐ کی خدمت کیا کرتی تھیں، ان کے عزیز و اقارب بھی قیدیوں میں شامل ہیں، آپؐ ان پر بھی کرم فرمائیں۔"

آپ نے فرمایا: "میں نے اپنا اور بنی عبدالمطلب کا حصہ چھوڑ دیا۔"

انصار نے کہا: "ہم نے اپنا حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے چھوڑ دیا۔"

پھر جس کسی نے سنا اس نے اپنے حصہ کے قیدی رہا کر دیئے، اس طرح چھ ہزار جنگی قیدی تاوانِ جنگ کے بغیر چھوڑ دیئے گئے اور ان کا مال اسباب بھی واپس کر دیا گیا جس کی مالیت کروڑوں درھم تھی۔امرائے مکہ کے سارے بیٹوں نے مل کر بھی اپنی رضاعی ماؤں اور ان کے خاندانوں پر اتنا احسان نہ کیا ہوگا جتنا عبداللہ کے اس دُرِ یتیم نے اکیلے کیا جس کے بارے میں زیب داستان کے لئے کہا گیا کہ بنی سعد کی دودھ پلانے والیاں اس کی یتیمی اور ماں کی غربت اور دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے اسے ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھیں۔

حلیمہؓ کا بیٹا عبداللہ اور بیٹی شیما حضورؐ کی زندگی میں ہی مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ بھی زندگی بھر اس خاندان سے حُسنِ سلوک اور تکریم سے پیش آتے رہے۔

ممتا سے ملاپ اور جُدائی

بنو سعد کی خیمہ بستی سے واپس آئے تو حضورؐ کافی صحت مند تھے' دوڑنے بھاگنے لگے تھے' سیدہ آمنہؓ آپؐ کو دیکھتیں'تو دل مسرت سے بے قابو ہو جاتا'لیکن کبھی کبھی انہیں جناب عبداللہ کی بھی یاد آ جاتی کہ وہ زندہ ہوتے تو بیٹے کو دیکھ کر کتنے خوش ہوتے' ایسے موقع پر وہ غمگین ہو جاتی ہوں گی' اپنے اکلوتے نورِ نظر کے مستقبل کے بارے میں ان کی سوچیں گہری اور بے قابو ہو جاتی ہوں گی!

آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اور ان کی چھوٹی بہن صفیہؓ بھی آپؐ کے ہم عمر تھے۔حضرت حمزہؓ بنو سعد میں بھی آپؐ کے ساتھ رہے تھے۔آپؐ کا زیادہ وقت ان کے ساتھ کھیلنے میں گزرتا تھا۔آپؐ کی پھوپھیاں اور چاچے' تائے آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔ایک تایا زبیر آپؐ کو گود میں لے کر لوریاں سنایا کرتے تھے' جناب عبدالمطلب اپنے عبداللہ کی نشانی کو سینے سے لگائے رکھتے۔

جب آپؐ ساتویں سال میں داخل ہوئے تو جناب عبدالمطلب آپؐ کو مدینہ لے گئے جس کا نام اس وقت یثرب تھا' وہاں جناب عبدالمطلب کے ننہال تھے۔انہوں نے اپنا بچپن وہیں گزارا تھا' آپؐ کے والد جناب عبداللہ نے بھی وہیں وفات پائی تھی' ان کی قبر یثرب میں ہی تھی۔اب آپؐ سمجھدار ہو چکے تھے' دادا چاہتے ہوں گے کہ اپنے ننہالی رشتہ والوں سے آپؐ کو ملا لائیں' وہ اپنے پیارے بیٹے کی قبر بھی دیکھنا چاہتے ہوں گے' اپنے پوتے کو اس کے والد کی اور بہو کو اس کے خاوند کی آخری آرام گاہ دکھانا چاہتے ہوں گے۔ حضورؐ کی والدہ سیدہ آمنہؓ اور ان کی لونڈی اُمِ ایمن بھی اس سفر میں ان کے ہمراہ تھیں۔

مدینہ میں جناب عبدالمطلب نے بنو عدی بن نجار کے ہاں قیام فرمایا۔وہ اپنے بیٹے کی قبر دیکھنے بھی گئے' سیدہ آمنہؓ،حضورؐ اور اُمِ ایمنؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔سیدہ آمنہؓ اپنے شوہر کی وفات کے بعد پہلی بار ان کی قبر پر آئی تھیں' وہ بہت افسردہ اور غمگین تھیں' جناب عبدالمطلب اپنا دُکھ چھپانے کی کوشش کرتے رہے۔

مکہ کی نسبت مدینہ ایک سرسبز خطہ تھا' وہاں باغات تھے' ہری بھری کھیتیاں تھیں' پانی سے بھرے کچی منڈیروں والے تالاب تھے' ننھے حضورؐ کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔بنو سعد کے صحراؤں اور مکہ کی وادی جس میں کوئی زراعت نہیں ہوتی تھی' کے بعد آپؐ نے پہلی بار پانی کے تالاب دیکھے تھے جن میں چھوٹے چھوٹے بچے نہاتے تھے اور تیر کر چھوٹے پانی سے گہرے پانی

میں جایا کرتے تھے۔بنی نجار کے بچے اپنے مہمان کو بھی ساتھ لے جاتے تھے اور حضورؐ بھی ان کے ساتھ مل کر تالاب میں نہایا کرتے اور تیرنے کی کوشش کرتے تھے۔تالاب کے پاس درختوں پر پرندے آتے تو بچے انہیں اڑانے لگتے، حضورؐ بھی اس کھیل میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے۔

مکہ سے ہجرت کرکے جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ کے ذہن میں اس قیام کے سب واقعات اور مقامات تازہ تھے۔آپؐ صحابہ کرامؓ کو اپنے بچپن کے قیامِ مدینہ کے واقعات سنایا کرتے تھے اور بتایا کرتے تھے کہ جن بچوں کے ساتھ مل کر آپؐ کھیلا کرتے تھے، ان میں ایک لڑکی کا نام انیسہ تھا۔

مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد جناب عبدالمطلب اپنی بہو اور پوتے کو ہمراہ لے کر واپس مکہ کے لئے روانہ ہوئے، اسی راستے پر جس سے زمانہ قدیم سے مکہ اور مدینہ کے درمیان قافلے سفر کرتے تھے۔جناب عبدالمطلب اس راستہ سے کئی بار پہلے بھی گزرے ہوں گے، راستے میں آنے والی آبادیوں اور خیمہ بستیوں کے سرداران کو جانتے تھے، منزل منزل چلتا ہوا ان کا قافلہ جب ابواء کی وادی میں پہنچا تو سیدہ آمنہؓ کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ جناب عبدالمطلب وہیں ٹھہر گئے اور ان کے صحت یاب ہونے کا انتظار کرنے لگے،لیکن ان کی زندگی کا سفر مکمل ہوچکا تھا۔باپ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی والدہ کو بھی دورانِ سفر ہی اپنے پاس بلا لیا۔

ابواء کے باسیوں نے پہاڑی کے دامن میں سیدہ آمنہؓ کے لئے قبر کھودی اور سیدہ آمنہؓ کو اس کے سپرد کر دیا۔

حضورؐ مدینہ میں اپنے والد کی قبر دیکھ کر آ رہے تھے، ابواء میں اپنی والدہ محترمہ کو قبر میں اترتے دیکھ لیا۔

اس وقت آپؐ کے غم اور دکھ کا کون اندازہ کرسکتا ہے۔

جب لوگ قبر پر مٹی ڈال کر واپس ہوئے تو حضورؐ قبر کے پاس افسردہ بیٹھے تھے۔

''اماں! اماں! آپ بولتی کیوں نہیں؟'' آپ پوچھ رہے تھے۔

مگر آپؐ کی ''اماں'' تو وہاں پہنچ چکی تھیں جہاں سے کوئی کسی کے سوال کا جواب نہیں دیتا۔

جناب عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے کو لے کر مکہ کے لئے روانہ ہوگئے، اسی راہ پر جس پر سے ان کے چچا مُطّلب اپنے یتیم بھتیجے شیبہ کو مکہ لے گئے تھے، وہی شیبہ اب عبدالمطلب تھا اور اس کی جگہ اس کا یتیم پوتا محمدؐ تھا، ان کے ساتھ تیسری اُمِ ایمنؓ تھیں، وہ خادمہ جسے جناب عبداللہ اپنی بیوی کی خدمت کے لئے لائے تھے اور چند ہی سال میں ان کی بیوی اُمِ ایمنؓ کو ننھے

حضورؐ کی خدمت کے لئے چھوڑ کر خود بھی عبداللہ کے پاس چلے گئی تھیں۔اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک چھ برس سے کچھ زیادہ تھی۔

جناب عبدالمطلب کا زخمی دل اس صدمہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔اب تک وہ اپنے یتیم پوتے کو باپ کی محبت اور چھاؤں فراہم کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے' اب ماں کی مامتا اور آغوشِ محبت فراہم کرنا بھی ان کے ذمہ آگیا۔

جب وہ مکہ پہنچے تو بنی ہاشم کا ہر فرد دُکھ سے نڈھال ہوگیا' حضورؐ کی پھوپھیاں اپنے پیارے بھتیجے کو سینے سے لگا کر رونا چاہتی تھیں،مگر رو نہیں سکتی تھیں کہ انہیں روتا دیکھ کر وہ بھی غمگین نہ ہو جائے۔

اللہ نے جناب عبدالمطلب کو مال اور اولاد کی نعمتوں سے بہت نوازا تھا' بیٹے بیٹیاں' پوتے پوتیاں بہت کچھ تھا،مگر عبداللہ نہیں تھا' عبداللہ کے اکلوتے فرزند کے ماں باپ نہیں تھے' اس کا انہیں بہت دکھ تھا۔وہ ہر وقت ننھے محمدؐ کو خوش رکھنے کی کوشش میں رہتے' گھر سے نکلتے تو محمدؐ ان کے ساتھ ہوتے' دادا کی انگلی پکڑے ساتھ چل رہے ہوتے' محمدؐ کھیلنا چاہتے تو بوڑھے عبدالمطلب خود بھی بچہ بن جاتے' آپؐ کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیتے' گھر میں کوئی چیز اِدھر اُدھر ہو جاتی تو دادا پوتے کو آواز دیتے اور وہ فوراً ڈھونڈ کر حاضر کر دیتے۔ایک بار حضورؐ کو آشوبِ چشم کی تکلیف ہوئی'تو دادا خود آپؐ کو عکاظ میں ایک عیسائی معالج کے پاس لے گئے۔عیسائی مشنری اکثر معالج اور حکیم ہوتے تھے اور عکاظ کے قریب ان کی ایک خانقاہ بھی تھی۔جناب عبدالمطلب قریش کے سردار تھے' امارتِ مکہ کے حکمران تھے۔جب ان کے لئے حرم کی دیوار کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تو سب لوگ ان کے سامنے زمین پر بیٹھتے تھے' ان کی اولاد میں سے کوئی بھی ان کی نشست پر نہیں بیٹھ سکتا تھا،مگر حضورؐ کو وہ فرش پر اپنے پاس بٹھاتے تھے' آپؐ کی کمر سہلاتے اور پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتے رہتے تھے۔

ایک بار ان کے بیٹوں میں سے کسی نے حضورؐ کو فرش پر دادا کے برابر بیٹھنے سے روکنا چاہا تو جناب عبدالمطلب نے کہا:"چھوڑو میرے بیٹے کو' آنے دو میرے پاس' خدا کی قسم!اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔"

پھر کبھی کسی نے حضورؐ کو دادا کے تخت پر بیٹھنے سے نہیں روکا۔جناب عبدالمطلب حضورؐ کو دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں چمک آ جاتی' وہ آپ کا منہ چُومتے' پیار کرتے اور آپ کی حرکات و سکنات دیکھتے رہتے۔

کھانا کھانے بیٹھتے تو حضورؐ کو اپنے ساتھ بٹھاتے اور کھانا کھلاتے۔جب وہ آرام کرتے یا تخلیہ میں ہوتے تو گھر کا کوئی فرد انہیں ڈسٹرب نہیں کیا کرتا تھا،لیکن حضورؐ اس وقت بھی ان کے پاس چلے جاتے۔

دارالندوہ کے اجلاس میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی شخص شامل نہیں ہوسکتا تھا اور نہ ہی اس مجلس کا رکن بن سکتا تھا' دارالندوہ کے قیام کے وقت سے یہ روایت چلی آتی تھی کہ مشاورت کے وقت صرف ارکان ہی اس ہال میں موجود ہوتے تھے۔قصی سے عبدالمطلب تک (440ء سے 575ء تک) صرف دو شخص چالیس سال سے کم عمر میں دارالندوہ کے رکن بن سکے اور رکن ہی اجلاس کے وقت وہاں موجود رہ سکتے تھے۔ مگر حضورؐ آٹھ سال کی عمر کو پہنچنے سے بھی پہلے دارالندوہ جانے لگے تھے۔ جناب عبدالمطلب قریش کے اجلاسوں میں شرکت کرنے جاتے تو بھی اپنے پوتے کو اپنے سے جُدا نہیں کرتے تھے۔جناب عبدالمطلب کی منزلت اور حضورؐ کی متانت اور سنجیدگی اور آدابِ محفل سے آگاہی کی وجہ سے کبھی کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔

اپنی عمر کے لڑکوں کے مقابلے میں حضورؐ متین تھے' سنجیدہ اور سمجھدار تھے' جسمانی لحاظ سے توانا اور مضبوط تھے' دادا کی محبت اور تربیت نے آپؐ کی خداداد صلاحیتوں کو نکھار دیا تھا اور آپؐ میں اعتماد کے جذبہ کو پروان چڑھا دیا تھا۔

جب حضورؐ کی عمر آٹھ سال ہوئی تو آپؐ اس بزرگ شجر کی ٹھنڈی چھاؤں سے بھی محروم ہوگئے۔جناب عبدالمطلب اسّی سال کی عمر میں وفات پا گئے۔حضورؐ نے والد اور ان کا پیار نہیں دیکھے تھے' ماں اور ان کی ممتا قبر کی تنہائی میں گم ہوگئی'تو دادا نے آغوشِ محبت میں لے لیا تھا' اب حضورؐ اس دنیاوی سہارے سے بھی محروم ہوگئے' جب جناب عبدالمطلب کا جنازہ اٹھایا گیا تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسوں رواں تھے۔اب آپؐ محبت اور شفقت سے محرومی کا زیادہ شعور رکھتے تھے۔

حواشی/حوالہ جات

1- رسولؐ اللہ کی ولادتِ باسعادت کی تاریخ، مہینہ اور عیسوی سن کے بارے میں مختلف سیرت نگاروں نے مختلف تاریخیں، مہینے اور سن متعین کئے ہیں۔اس اختلاف کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اس زمانے میں پیدائش کے اندراج کے رجسٹر اور خاندانی روزنامچے نہیں ہوتے تھے' پیر کے دن کے بارے میں رسولِ اکرم ﷺ نے خود فرمایا ہے۔

-2 Martin Lings / Muhammad His life based on the earliest services Book Club 1985 Page 22

3- رسولِ اکرم ﷺ کی پیدائش سے اکثر مصنفین نے عجیب و غریب روایات وابستہ کر دی ہیں۔ان میں کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے گر جانے' ایران کے آتش کدے ٹھنڈے پڑ جانے اور ایسی روشنی کا پھیل جانا شامل ہے جس میں سیدہ آمنہؓ کو شام کے محل نظر آنے لگے تھے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے ان بے سروپا روایات کو بے بنیاد ثابت کیا ہے۔ (رسولِ رحمت لاہور صفحہ 47 تا 52)

4- جس حلیمہؓ کا اپنا بچہ بھوکا رہتا تھا اور بھوک کی وجہ سے رات کو سوتا نہیں تھا' کیا وہ قریش کے کسی بچے کو بھوکا مارنے کو لینے مکہ آئی تھی؟ اگر اس کی اپنی چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا' بکریاں خشک سالی اور قحط زدہ تھیں' گدھی اسے اٹھا کر چل نہیں سکتی تھی' تو وہ کس برتے پر کسی بہت امیر قریشی کا بچہ حاصل کرنے کی امید رکھتی تھی؟ حضورؐ کی برکت سے اگر حلیمہؓ کی غربت اور عسرت فراوانی میں بدل گئی تھی تو حضورؐ کی والدہ سیدہ آمنہؓ کی غربت کیوں دور نہ ہو سکی؟ کسی بدوی عورت کے حضورؐ کو دودھ پلانے پر تیار نہ ہونے کی وجہ آپؐ کی والدہ کی غربت بتاتے ہیں' باپ کی وفات اور دادا جناب عبدالمطلب کا بڑھاپا قرار دیتے ہیں کہ وہ سوچتی تھیں جس کا باپ پہلے ہی فوت ہو چکا ہے' بوڑھا دادا مرنے والا ہے' وہ ایسے بچے کو دودھ پلانے کے لئے لے گئیں تو انہیں کچھ ملے گا۔نہیں' جناب عبدالمطلب کے فرزند حضرت حمزہؓ حضورؐ سے دو سال پہلے ہی پیدا ہوئے تھے اور بنی سعد ہی کی ایک خاتون کے پاس پرورش پا رہے تھے۔ حضرت حمزہ کو دودھ پلانے والی عورت نے یہ کیوں نہ سوچا کہ اس کا بوڑھا باپ تو مرنے والا ہے' وہ اسے کیوں لے گئی تھی؟ جبکہ دادا اپنے یتیم پوتے کے لئے دودھ پلانے والی کا انتظام کرنے کے لئے اپنے حقیقی بیٹے کی نسبت سے بھی زیادہ فکر مند تھا۔ جب تک جناب عبدالمطلب زندہ رہے وہ حضورؐ کو اپنے بیٹوں سے بھی عزیز رکھتے تھے۔اگر وہ سردارِ قریش تھے اور واقعی اپنے یتیم پوتے کو اتنا ہی عزیز رکھتے تھے جتنا انہی سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی

بدوی عورت ان کے پیارے پوتے کو دودھ پلانے پر تیار نہ ہو جبکہ بنو سعد اور قریش ایک دوسرے کے لئے کوئی اجنبی بھی نہیں تھے؟ آپؐ کا اُسوۂ مبارک اب تک کے معجزات میں سب سے بڑا معجزہ تھا اور بقول حضرت عائشہؓ صدیقہ قرآن مجید کا عملی نمونہ تھا۔کیا اتنے بڑے معجزہ کا حامل ایسے معجزات کا محتاج ہو سکتا ہے؟ جو یہ سیرت نگار ایجاد کرنے میں توانائیاں ضائع کرتے ہیں؟ حضورؐ نے اپنی زندگی میں کبھی معجزوں کو اہمیت نہیں دی' دینِ ابراہیمؑ کی تجدید و تکمیل کے مشن کے مشکل ترین مراحل میں بھی معجزوں کا سہارا نہیں لیا' آپؐ کے معجزوں سے انکار آپؐ کی رسالت سے انکار ہے' مگر ایسی کہانیاں آپؐ کی ذات سے وابستہ کرنا جن سے آپؐ کی شان میں کوئی اضافہ نہ ہو اور وہ حقائق و واقعات سے بھی مطابقت نہ رکھتی ہوں' گستاخی کے زمرہ میں آتا ہے۔ غزوۂ حنین' فتح مکہ کے بعد شوال آٹھ ہجری میں پیش آیا' اس غزوہ کے قیدیوں میں حلیمہؓ کی بیٹی شیما بھی تھی جو حضورؐ کو لوریاں دیا کرتی تھی۔حلیمہؓ کے عزیز و اقارب اور قبیلہ والے بھی قیدی ہو کر آئے تھے' جن معجزات کا سیرت نگار اور مؤرخ ذکر کرتے ہیں' شیما' اس کے عزیز اور قبیلے والے اگر ان کے چشم دید گواہ تھے' تو پھر وہ اس سے پہلے ہی حضورؐ پر ایمان کیوں نہ لے آئے؟ قدیم تاریخ دانوں کی خوش اعتقادیوں نے جن کہانیوں کو جنم دیا (شاید عیسائیوں کی ایجاد کردہ معجزاتی کہانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے) بعد میں آنے والے سیرت نگار اور مفسر صاحبان بھی وہی کہانیاں دُہراتے جا رہے ہیں۔

قریش کے قبیلوں میں شہری ریاست کے اہم عہدوں اور مناصب کی تقسیم

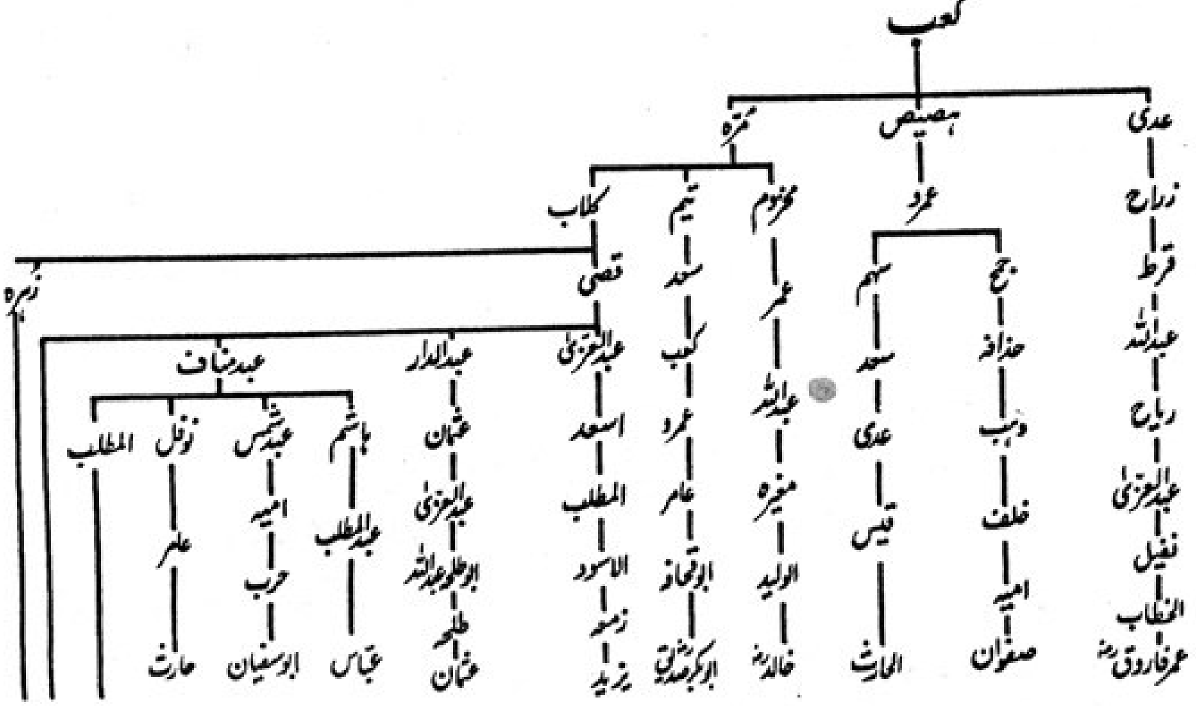

حضرت عمر فاروقؓ: سفارت کاری اور بوقتِ نزاع بحث و مباحثہ اور تاریخی حوالوں سے قریش کی برتری ثابت کرنا۔

صفوان: ــــــ فال نکالنا۔

الحارث: ــــــ بتوں کے نذرانوں اور چڑھاووں کا انتظام۔

حضرت خالدؓ بن ولید: ــ جنگ کے وقت گھوڑسوار دستوں کی تیاری، قیادت اور جنگی خیمہ گاہ کا انتظام و انصرام۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ: ــ عرب قبائل کے آپس کے جھگڑوں اور لڑائیوں کا فیصلہ کرنا، دیت (خون بہا) تاوان اور جرمانے کی رقم کا تعین کرنا اور ادا کروانا اور اگر کسی کی مالی حالت ایسی ہو کہ وہ یہ تاوان، جرمانہ یا خون بہا ادا نہ کر سکتا ہو تو اس کی مالی مدد کا بندوبست کرنا۔

یزید: ــــــ مجلسِ شوریٰ کی امارت۔

عثمان: ــــــ بیت اللہ کی دربانی، خدمت اور جنگی امور۔

حضرت عباس: ــ حج اور عمرہ کے لیے آنے والے حجاج کو پانی فراہم کرنا اور بیت اللہ کی عمارت کی مرمت اور دیکھ بھال۔

ابوسفیان: ــ قریش کی فوج کی قیادت۔

حارث: ــ حج اور عمرہ کے لیے مکہ آنے والوں کی دعوت کرنا اور ضرورت ہو تو اُن کی مالی امداد کرنا۔

مکّہ اور مکّی معاشرہ

مکہ اب ایک بڑا شہر تھا' جزیرہ نمائے عرب کا سب سے اہم شہر بن گیا تھا جس کی اپنی دینی' سیاسی' تجارتی' سفارتی' تاریخی اور جغرافیائی اہمیت تھی۔اس اہمیت کو سب مانتے تھے' عرب بھی اور غیر عرب بھی' عرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنے والے بدّو بھی اور عرب سے باہر کے ممالک کے شہنشاہ اور تاجر بھی' جب اللہ تعالیٰ کے حکم پر حضرت ابراہیمؑ حنیف اپنے فرزند اور بیوی کو مکہ کی وادی میں چھوڑنے آئے تھے' تو یہاں کوئی انسان نہیں بستا تھا' کوئی فصل نہیں اگتی تھی' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دینِ حنیف کی تکمیل کے لئے اپنے آخری نبیؐ کو بھیجا تو مکہ کی وادی میں بین الاقوامی شہرت اور اہمیت کا شہر بس چکا تھا' فصل تو اب بھی وہاں کوئی نہیں اگتی تھی'لیکن مکہ کے بازاروں میں ہر چیز وافر دستیاب تھی۔حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی : ''اے اللہ!تو اس وادی میں میری اولاد کو کھانے کو پھل دے۔'' مکہ کی وادی میں اب بھی کوئی باغ نہیں تھا۔گرد و نواح میں کھجور کا کوئی جھنڈ تک نہ تھا'لیکن اب وہاں پھلوں کا ایک الگ بازار تھا جہاں ہر قسم کے پھلوں کی دکانیں تھیں۔گندم اور دیگر اشیائے خوردنی کی دکانیں الگ تھیں' گھی اور شہد کی دکانیں تھیں' کپڑے اور جوتوں کے الگ الگ بازار تھے' ایک بازار عطر والوں کا تھا' حج اور عمرہ کو آنے والوں کے لئے حجاموں کا ایک الگ بازار بن گیا تھا' یہ بازار کھلے اور کشادہ تھے' چند تنگ گلیوں میں بھی دکانیں کھل گئیں تھیں۔یہ تو تھا مکہ کے باسیوں کی زندگی کی ضرورت کی اشیاء' حج اور عمرہ کے لئے مکہ آنے والوں کی ضرورت کی اشیاء کی فراہمی کا حال' مگر مکہ اب بین الاقوامی تجارت کا اہم مرکز بھی بن گیا تھا۔چین' مالدیپ' ہندوستان' حبشہ' افریقہ' یمن اور ایران کا مالِ تجارت وہاں آتا تھا' قریشِ مکہ یہ مال شام' مصر اور غزہ کی منڈیوں تک لے جاتے تھے'

واپسی پر وہاں سے جو مالِ تجارت خرید کر لاتے تھے' وہ حبشہ اور یمن کی طرف بھیج دیتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں رہنے والوں کی ضروریاتِ زندگی بھی مکہ کی منڈی اور تاجر فراہم کرنے لگے تھے۔مکہ والے چھوٹی دکانداری سے بڑی تجارت اور بین الاقوامی مال کی خریدوفروخت اور تبادلہ کا سب کاروبار کرتے تھے۔مکہ کا اپنا کوئی سکّہ نہیں تھا' اس کے بازاروں میں رومی اور ایرانی سکّے چلتے تھے' چاندی کے درہم بھی اور سونے کے دینار بھی' مختلف ممالک کے مختلف سکوں کے وزن الگ الگ ہوتے تھے اور مکہ والوں نے ان کی شرحِ تبادلہ کے اپنے اصول بنا لئے تھے'جنہیں سب مانتے تھے۔وہاں کے دکانداروں اور تاجروں نے ناپ اور تول کے پیمانے بھی بنا لئے تھے' اس طرح مکہ میں ایک قسم کا تجارتی اور مالی نظم قائم ہو گیا تھا جس کے تحت مختلف ممالک کے تاجروں کو خرید وفروخت اور مال کے تبادلہ میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی تھی۔زراعت کی مانند مکہ میں کوئی بڑی صنعت بھی نہیں تھی' چمڑے کی اشیاء کی تیاری کا ذکر ملتا ہے' مکہ والے دوسرے ممالک کے حاکموں کو چمڑے کی بنی اشیاء کے تحفے بھیجا کرتے تھے'لیکن چمڑے کی صنعت کا اہم مرکز مکہ کا پڑوسی شہر طائف تھا۔مکہ کے دولت مند لوگوں کے بھی طائف میں گھر اور باغات تھے اور وہ گرمی کا موسم وہاں گزارتے تھے۔ہو سکتا ہے چمڑے کی یہ صنعت طائف سے آئی ہو۔حج کے موسم میں قربانی کے جانوروں کی کھالیں عام ہوتی تھیں' لیکن ان کی تعداد کی نسبت سے مکہ میں چمڑے کی صنعت کوئی زیادہ نہیں تھی' وہاں تلواریں بنانے والوں' ہتھیار مرمت کرنے والوں اور دیگر اشیائے ضرورت تیار کرنے والے دستکاروں کی دکانیں تھیں'لیکن انہیں ہم صنعت نہیں کہہ سکتے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں پر دستکار بھی ہوتے تھے۔

جب کسی شہر میں کاروبار بڑھتا ہے' تجارت فروغ پاتی ہے تو وہاں دولت آتی ہے' اس کے باسیوں کے پاس مال و زر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔مکہ کے لوگ تجارتی قافلے لے کر ان شہروں اور ممالک میں جایا کرتے تھے'جو قدیم تہذیبوں کے مرکز تھے۔وہ وہاں کے لوگوں کے رہن سہن کے طور طریقے دیکھتے تھے اور وہاں سے نئی تہذیبی اقدار ساتھ لاتے تھے۔اس تہذیبی ملاپ اور دولت کی فراوانی سے مکہ کا کلچر بھی بدلنے لگا تھا' پہلے وہ بیت اللہ کے گرد خیمے لگا کر رہا کرتے تھے' قصی نے قریش کو گھر تعمیر کرنے پر آمادہ کیا تو وہ مٹی گارے کے مکان بنا کر رہنے لگے۔بیت اللہ کی عمارت چوکور ہے' بیت اللہ کے احترام کی وجہ سے کافی عرصہ تک مکہ والے چوکور گھر نہیں بناتے تھے' وہ اپنے گھروں کی بلندی بھی بیت اللہ سے کم رکھتے تھے' لیکن اب وہ اینٹ پتھر

کے بڑے بڑے گھروں میں رہتے تھے۔ان کے اکثر گھروں کے دو دو دروازے ہوتے تھے' ایک آگے کی طرف اور ایک پیچھے کی طرف' تاکہ اگر مردانہ حصے میں مہمان بیٹھے ہوں' کوئی محفل جمی ہو تو خواتین کو آمدورفت میں مشکل پیش نہ آئے' وہ پچھلے دروازے سے آجا سکیں۔اکثر گھروں میں قیمتی فرش پوش اور قالین بچھے ہوتے تھے۔شباب اور شراب کی محفلوں کا اہتمام ہوتا تھا' دن کی محفلیں تو حرم کے اردگرد جمتی تھیں' لیکن رات کو وہ اپنے اپنے گھروں مین رنگین محفلیں جماتے تھے۔قریش دوسرے ممالک سے شراب لاتے تھے۔خود پیتے تھے اور دوسروں کے ہاتھ بیچتے تھے۔مکہ ریشم کی بین الاقوامی تجارت کی شاہراہ پر تھا' مکہ والے ریشم پہننے لگے تھے' وہ خوش پوش تھے' مکہ والے اپنی خوش پوشاکی اور آرائش و زیبائش کے لیے مشہور ہو چکے تھے' مکہ کے خوش پوش نوجوان سرِشام وادی کی تفریح گاہوں میں جمع ہو جاتے تھے' جہاں کھیلوں اور شہسواری کے مقابلے ہوتے تھے۔مکہ والے خوش لباس تھے تو خوش بیان اور خوش شکل بھی تھے' وہ فصیح' بلیغ اور قادرالکلام تھے۔ان کی عربی عربوں کی زبان کی سَند تھی' وہ اپنی زبان کا بہت خیال رکھتے تھے' اس کی "پاکیزگی" کی حفاظت کرتے تھے' مکہ میں کوئی سکول نہیں تھا' کوئی مدرسہ نہیں تھا' زبان و بیان کی تربیت کے ان کے ادارے صحرائی بدّوؤں کے خیمے' شعرو شاعری کی محفلیں اور بزرگوں کی مجلسیں ہوتی تھیں۔وہ شعر کی اعلیٰ نزاکتوں کو سمجھتے تھے' اعلیٰ شاعری کی قدر کرتے تھے' قریش کے مردوں کے علاوہ خواتین بھی ذوقِ شعری رکھتی تھیں' اکثر خواتین خود بھی شعر کہتی تھیں۔

جب کوئی شہر اور معاشرہ تہذیب کے ایک دور سے نکل کر دوسرے دور میں داخل ہو رہا ہوتا ہے' اس میں بہت سے تضادات پیدا ہو جاتے ہیں۔اپنی پرانی تہذیب سے رشتہ قائم رکھنے اور نئی تہذیب سے رشتہ جوڑنے کی کوشش میں وہ توازن برقرار نہیں رکھ سکتا۔مکہ کے اس زمانے کا کلچر ایسے ہی عدم توازن کا شکار تھا اور مکی معاشرے کا اجتماعی ضمیر دنیاداری اور مفاد پرستی کے دور میں داخل ہو گیا تھا۔جزیرہ نمائے عرب کے شہری' نیم شہری اور صحرائی کلچر میں اپنے قبیلے سے وفاداری اور اس کے وقار اور عزت کے تحفظ کے لئے جان قربان کر دینا بڑی اعلیٰ انسانی قدر ہوتی تھی۔عرب شاعر ایسے لوگوں کی تعریف میں قصیدے لکھتے تھے' منڈیوں اور بازاروں میں قبیلے کی عزت اور وقار کی خاطر جان پر کھیل جانے والوں کی تعریف میں شعر پڑھا کرتے تھے۔اول تو ایسا ہوتا ہی نہ تھا کہ کوئی فرد اپنے قبیلے اور اس کے سردار کے فیصلے کی خلاف ورزی کرے' اگر کبھی کوئی ایسا کرتا تھا تو جو بھی سنتا تھا' اس کی مذمت کرتا تھا۔لوگ رائے عامہ کی قوت سے

خوفزدہ رہتے تھے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے تھے جو عرب معاشرے کی اجتماعی اخلاقیات کے منافی ہو اور اس سے ان کے ذاتی اور قبیلے کے وقار اور عزت کو نقصان پہنچتا ہو' لیکن جب قریشِ مکہ اور ان کے احابیش (پڑوسی قبائل کنانہ) نے بنو ہاشم اور بنو مُطّلب کا اقتصادی اور سوشل بائیکاٹ کیا' تو ابولہب نے اپنے قبیلے کا ساتھ نہیں دیا۔ سارے بنو ہاشم اور بنو مُطّلب تین سال تک مصائب میں مبتلا رہے' لیکن ابو لہب اپنے قبیلے اور خاندان کے جانی دشمنوں کے ساتھ رہا۔ ابو لہب مکہ کے امیر ترین لوگوں میں سے تھا۔ اس کے مال و دولت اور مکہ کے نئے معاشرے میں مقام و مرتبہ نے اسے قبیلے کی عزت اور وقار کی خاطر کوئی قربانی دینے سے باز رکھا' جزیرہ نمائے عرب میں اگر کوئی قبیلہ اکثریتِ رائے سے کوئی فیصلہ کر لیتا تھا' تو اس کے سب افراد اس کی پابندی کرتے تھے' وہ افراد بھی ایسے فیصلے کی پابندی کرتے تھے جو ذاتی طور پر اس سے اختلاف رکھتے ہوں' لیکن ابو لہب نے نہ قبیلے کے اجتماعی فیصلے کا احترام کیا اور نہ ہی رائے عامہ کا خوف محسوس کیا۔ مکی معاشرے نے بھی ابو لہب کی اس غیر اخلاقی اور عرب روایات کے مطابق گھٹیا ترین حرکت کی مذمت نہیں کی' کیونکہ مکی کلچر کی اخلاقی بنیادیں منتشر ہو رہی تھیں۔

عرب معاشرے میں بہادری' وفاشعاری اور مہمان نوازی اعلیٰ انسانی قدریں ہوتی تھیں۔ اس معاشرے میں افراد اور قبائل کے مقام و مرتبہ کا تعیّن ان کی مہمان نوازی' وفاشعاری اور بہادری کے معیار سے کیا جاتا تھا۔ عرب گھر کا سارا اثاثہ بیچ کر بھی مہمان کی تواضع کرتے تھے تاکہ ان کی اور ان کے قبیلے کی بدنامی نہ ہو' کسی کو تحفظ دینے کا عہد کرتے تھے' تو اسے پورا کرنے کے لئے جان پر کھیل جاتے تھے' عربوں میں بہادری کا تصور قبیلے کے اجتماعی وقار اور نام و ناموس کے تحفظ اور بلندی کے لئے ہتھیار اٹھانے اور سب کچھ قربان کر دینے پر تیار رہنا تھا۔ قریشِ مکہ نظریاتی طور پر ان قدروں کا احترام کرتے تھے' وہ مہمان نواز بھی تھے' لیکن ان کا اجتماعی کردار اس اعلیٰ اخلاقی معیار کے مطابق نہیں تھا۔ ان کے مالی مفادات روایتی اخلاقیات پر غالب آ گئے تھے۔ عرب معاشرہ کمزور کا تحفظ کرتا تھا' مگر مکی معاشرہ کمزور پر ظلم کرنے لگا تھا' وہ معاشرہ کمزور کے حقوق کے تحفظ اور اس پر طاقتور کے ظلم کو روکنے کی اجتماعی قوت سے محروم ہو چکا تھا۔ مکہ عربوں کا روحانی مرکز تھا' مگر قریش کے مکی کلچر کی روح میں روحانی عنصر نہ ہونے کے برابر تھا۔

قریش بیت اللہ کے پاسبان اور خادم تھے' یہ اعزاز بڑی عزت اور احترام کا سبب تھے' سارے عرب میں ان کی عزت کی جاتی تھی' وہ کامیاب تاجر تھے' جزیرہ نمائے عرب کے اندر اور باہر ان کے تجارتی اور سفارتی تعلقات کی قدر کی جاتی تھی' انہوں نے بڑی محنت سے یہ تعلقات

استوار کئے تھے اور بڑی ہوشیاری سے ان کی حفاظت کرتے تھے، کیونکہ ان کی دنیاوی کامیابی اور خوشحالی کی بنیاد ہی تجارت اور تعلقات پر تھی۔ قریش کے تجارتی قافلے رومی شہنشاہوں کے زیرِ انتظام منڈیوں اور شہروں میں بھی جاتے تھے اور ایرانی سلطنت کے تجارتی مراکز تک بھی جایا کرتے تھے۔ ایرانی اور رومی اس وقت کی سب سے بڑی طاقتیں تھیں' دونوں عرب کی سرحدوں کے اندر اپنا اثرورسوخ بڑھانے کی جدوجہد میں مصروف رہتی تھیں، مگر قریش دونوں سے اپنے سفارتی اور تجارتی تعلقات استوار اور بحال رکھتے تھے۔ وہ بڑی دانائی سے رومیوں اور ایرانیوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں سے الگ رہتے تھے اور اپنی غیر جانبداری قائم رکھتے تھے۔ جزیرہ نمائے عرب کے اندر رہنے والے عرب قبائل بڑے جنگجو تھے' ان میں اگر باہمی لڑائی جھگڑے شروع ہو جاتے تو کئی کئی سال جاری رہتے تھے۔ قریشِ مکہ ان قبائلی لڑائی جھگڑوں سے بھی الگ رہتے تھے، کیونکہ یہ ان کی تجارتی ضرورت تھی' اگر کسی عرب قبیلے سے ان کا کوئی جھگڑا ہو جاتا' کسی معاملے پر اختلافات پیدا ہو جاتے تو وہ مذاکرات اور سفارتی کوششوں سے یہ اختلافات دور کرنے کی کوشش کرتے تھے' تلوار صرف اس وقت اٹھاتے تھے جب ان کے تجارتی مفادات اور آزادی کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے اور ایسا موقع بہت کم آتا تھا، کیونکہ قریش کی فراست' معاملہ فہمی اور سفارت کاری سارے عرب میں مشہور تھی' وہ لڑائی سے بچنے کی پوری کوشش کرتے تھے' اس کی وجہ ان کی فوجی کمزوری نہیں تھی۔ قریش کی فوجی قوت کی سارے عرب میں دھاک تھی' ان کی فوجی طاقت میں مکہ کے اردگرد کے ان قبائل کی طاقت بھی شامل ہوتی تھی جن کے ساتھ ان کے جنگی معاہدے تھے' ان میں قبیلہ کنانہ کی بہت سی شاخیں شامل تھیں' ان کے پاس لڑنے والے حبشی غلاموں کی بھی کافی بڑی طاقت تھی' اس کے باوجود وہ امن پسند کرتے تھے' سفارت اور سیاست کے ذریعے اپنی برتری قائم رکھتے تھے۔ عرب کے ماحول اور معاشرے میں یہ بہت مشکل کام تھا، مگر قریشِ مکہ اس میں بڑے کامیاب تھے اور خیر و شر کے میدانوں میں سب کے استاد سمجھے جاتے تھے۔

مکہ کی شہری ریاست

جب 440ء میں قصی نے بیت اللہ کی تولیت اور مکہ کی امارت اپنے ہاتھ میں لی تھی تو اس نے پانچ انتظامی منصب قائم کیے تھے اور یہ پانچوں ان کی ذات میں جمع تھے۔ عبدالدار کی وفات کے بعد اس کی اولاد اور عبد مناف کی اولاد میں تنازع پیدا ہوا تو ان میں سے دو منصب

ہاشم کو منتقل ہو گئے تھے۔ہاشم کی وفات کے بعد یہ دونوں مناصب مُطّلب کے پاس رہے اور پھر 520ء میں ہاشم کے بیٹے عبدالمطلب کو منتقل ہو گئے'مگر اُتنی سال کے اس عرصہ میں قریشِ مکہ کی سماجی اور سیاسی زندگی میں بہت تبدیلیاں واقع ہو چکی تھیں۔ہاشم اور اس کے بھائیوں نے جزیرۃالعرب کے اندر بسنے والے قبائل اور اس کی سرحدوں سے پار رہنے والے بادشاہوں سے تجارتی تعلقات قائم کر کے نئے انتظامی اور سفارتی پہلو (محکمے) روشناس کرا دیئے تھے۔ مکہ کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی' اس میں بیرونی تاجروں کے نمائندے مقیم رہتے تھے' حبشیوں کی الگ بستی بس چکی تھی' مکہ کی خوشحالی نے بہت سے عرب قبائل کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا' عکاظ اور دوسرے میلوں میں ایران تک کے کاروباری اور عیسائی مشنری آنے لگے تھے' خوشحالی اور تجارتی سرگرمیاں بڑھیں'تو قبائلی اور لین دین کے جھگڑے بھی بڑھ گئے تھے' قصی کی اولاد کے باہر کے قریش بھی خوشحال اور طاقتور ہو چکے تھے'اس لئے کعبہ کی تولیت اور باہمی دنیاوی امور نپٹانے میں ان سب کا تعاون اور شمولیت لازم ہو گئے تھے۔ان ساری ضروریات کے تحت مکہ میں ایک چھوٹی سی شہری ریاست (City State) قائم ہو گئی تھی اور مناصب (عہدے) پانچ سے بڑھ کر دس ہو گئے تھے اور دس قبائل مل جل کر اس ریاست کو چلانے لگے تھے۔

قصی نے جو پانچ مناصب قائم کیے تھے'وہ اب بھی اسی کی اولاد کے پاس تھے'لیکن ایک بیٹے یا اس کی اولاد کے پاس نہیں تھے' اس کے چاروں بیٹوں کی اولاد میں تقسیم ہو چکے تھے۔ دارالندوہ کی سربراہی' بیت اللہ کی کلید برداری اور چوکیداری اور قریش کا جھنڈا دینے کے مناصب اب بھی بنو عبدالدار کے پاس تھے'لیکن میدانِ جنگ میں قریش کا جھنڈا اٹھانے کا حق (عقاب) عبد شمس کے بیٹے امیہ کی آل کو حاصل ہو گیا تھا۔جو پانچ نئے مناصب قائم کیے گئے وہ قصی کے پردادا کعب کی اولاد کی مختلف شاخوں کے پاس تھے۔ان نئے مناصب میں ایک منصب سفارت (سفارہ) کا تھا۔ جب قریش کو کسی اور قبیلے سے گفتگو اور مذاکرات کی ضرورت پیش آتی تھی' لڑائی جھگڑوں' مالی اور تجارتی معاملات کے بارے میں مذاکرات کرنے پڑتے تھے'یہ سب امور سفارہ میں شامل تھے۔مصالحت اور مطالبات منوانے کے امور کے اس منصب کو موجودہ اصطلاح میں ہم وزارت خارجہ کہہ سکتے ہیں۔یہ منصب بنو عدی کے پاس تھا اور اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت عمر فاروقؓ ریاستِ مکہ کے وزیرِ خارجہ تھے۔سول اور فوجی مقدمات کی سماعت کرنے اور مقامی روایت کے مطابق ان کا فیصلہ کرنے کے لئے بھی ایک منصب وجود میں آگیا تھا۔اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ اس منصب پر فائز تھے۔ایک اور منصب "خیمہ" وجود

میں آ گیا تھا' دارالندوہ میں قریشِ مکہ آپس کے معاملے طے کرتے تھے' لیکن جب کسی بیرونی قبیلے سے جنگ کی صورت پیدا ہو جاتی تو اس پر غور کے لئے قریش کو جمع کرنا اور جب قریش کی فوج جنگ کے لئے روانہ ہو تو اس کے گھوڑ سوار دستہ کی کمان کرنا اور فوجی کیمپ کی انتظامی سربراہی کرنا سب "خیمہ" کے تحت آتے تھے۔ یہ منصب بنو مخزوم کے پاس تھا۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت خالدؓ بن ولید اس منصب پر فائز تھے۔ بیت اللہ کی املاک اور نذرانوں کا حساب رکھنا "خزینہ" کہلاتا تھا۔ یہ منصب بنو سہم کے پاس تھا اور تیروں سے فال نکالنے کا منصب بنو جمح کے پاس تھا۔

مکہ کی اس شہری ریاست کا دائرۂ کار (حدودِ حرم کی بنیاد پر) ایک سو تیس مربع میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس شہری ریاست کا کوئی بادشاہ نہیں تھا' جن خاندانوں کے پاس یہ مناصب تھے' ان کے بزرگ یا سردار کو وزارت خود بخود منتقل ہو جاتی تھی۔ باہمی مشورہ کے لئے بلائے گئے اجلاس میں چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دس مناصب کے حامل ارکان میں جو کوئی عمر' عزت' مال' قابلیت اور اولاد میں دوسروں سے آگے ہو' عملاً وہی سب کا سردار سمجھا جاتا تھا اور اس کی بات کو اہمیت دی جاتی تھی۔

مکہ کی اس شہری ریاست میں سرداری کا یہ منصب عبدالمطلب کو حاصل تھا۔ جب یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج کے ساتھ مکہ پر چڑھائی کی تو جو ایلچی ابرہہ کا پیغام لے کر مکہ آیا تھا' اہلِ مکہ نے اسے عبدالمطلب کے پاس بھیج دیا تھا۔ مکہ کے قریش کے مشورہ سے ابرہہ سے بات چیت کرنے بھی عبدالمطلب ہی گئے تھے اور واپس آ کر انہوں نے ہی قریش کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے مال' اولاد کے ساتھ پہاڑوں پر چلے جائیں۔ جب یمن پر سے حبشہ والوں کی حکومت ختم ہو گئی اور ایران کی مدد سے حمیریوں نے انہیں مار بھگایا تو قریشِ مکہ کی طرف سے حمیری حکمران کو مبارکباد دینے بھی عبدالمطلب ہی یمن گئے تھے۔

اس وقت جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں میں کچھ اور بھی ریاستیں تھیں۔ اس کے جنوبی سرے پر یمن کی حمیری ریاست تھی' ایرانی سرحد کے ساتھ حیرہ کی عرب ریاست تھی اور شامی سرحد کے ساتھ غسانیوں کی ریاست تھی' مگر مکہ کی اس شہری ریاست کی حیثیت اور انتظامی ڈھانچہ ان سے مختلف تھا۔ باقی عرب ریاستوں کے حکمران بادشاہ کہلاتے تھے' مکہ میں ایسا کوئی منصب نہیں تھا' ان تینوں ریاستوں کے بادشاہ نہ تو مکمل طور پر خودمختار تھے اور نہ ہی اپنے اپنے سرپرست شہنشاہوں کے مکمل طور پر تابع فرمان تھے' مگر مکہ کی یہ شہری ریاست کسی بادشاہ یا

شہنشاہ کے نہ تو زیرِ سایہ تھی اور نہ ہی کسی کی اتحادی تھی۔اسے ہم آزاد اور خودمختار قبائل کی ایک خودمختار فیڈریشن کہہ سکتے ہیں جو وقتی اور انتظامی ضرورتوں کے تحت وجود میں آ گئی تھی۔
اس فیڈریشن میں شامل قبائل اپنے اندورنی اور قبائلی معاملات میں مکمل طور پر آزاد تھے۔اگر فیڈریشن کی پارلیمنٹ (مجلس) کے اجلاس اور فیصلے میں کسی قبیلے کا نمائندہ شامل نہ ہو تو اس قبیلے پر ایسے فیصلوں کی پابندی لازمی نہیں ہوتی تھی' لیکن اگر سب قبائل کے نمائندے باہمی مشورے سے کوئی فیصلہ کریں تو سب قبائل اس کی پابندی کرتے تھے' اس لئے کوشش کی جاتی تھی کہ اہم معاملات کے بارے میں متفقہ فیصلے کئے جائیں' ایسے متفقہ فیصلے کے لئے زیرِ بحث معاملے کے سارے پہلوؤں پر غور کیا جاتا تھا اور سب ارکان اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔اگرچہ مکہ کا معاشرہ طبقاتی نوعیت کا تھا' کچھ قبیلے امیر اور طاقتور تھے' بعض اپنی دولت اور قوت کے لحاظ سے دوسروں سے پیچھے تھے' لیکن فیڈریشن کے معاملات اور فیصلوں میں سب کی حیثیت برابر ہوتی تھی' لہٰذا متفقہ فیصلوں تک پہنچنے کے لئے ضروری تھا کہ یہ قبائل معمولی معاملات اور باہمی جھگڑوں میں نہ الجھیں اور انہیں اہمیت نہ دیں اور ایسے اہم نوعیت کے امور تک محدود رہیں جن کا تعلق فیڈریشن میں شامل سب قبائل کے مفادات سے ہو۔

فیڈریشن میں شامل سب قبائل کے برابر ہونے کے باوجود بعض چیزیں اس کی مجلس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو جاتی تھیں۔عرب معاشرے میں کسی فرد کی ذاتی اعلیٰ خصوصیات کی بہت اہمیت ہوتی تھی' قبیلے کے سردار کے انتخاب کے وقت دیکھا جاتا تھا کہ وہ جسمانی اور دماغی طور پر اس کا اہل ہے یا نہیں اور قبیلے کی اجتماعی قیادت کے لئے اس میں بہادری' فہم و شعور' معاملہ فہمی' سفارت کاری اور دوسروں سے اپنی بات منوانے اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کی خصوصیات موجود ہیں یا نہیں۔اس ماحول اور معاشرے میں کسی قبیلے کی بقاء اور تحفظ کے لیے یہ خصوصیات ضروری تھیں۔مکہ کی مجلس کے اجلاسوں میں بھی اس کے ارکان کی ایسی صلاحیتیں اس کے فیصلوں پر اثرانداز ہوتی تھیں۔وہاں اس بات کا بھی خیال رکھا جاتا تھا کہ کون رکن مالی اور تجارتی معاملات کی سوجھ بوجھ زیادہ رکھتا ہے' کیونکہ بنیادی طور پر مکہ تجارت پیشہ افراد اور قبائل کا شہر تھا اور اس ریاست اور مجلس کا قیام ان افراد اور قبائل کے مالی اور تجارتی مفادات کے تحفظ کے لئے ہی عمل میں آیا تھا۔

یہ تھا وہ شہری ماحول اور معاشرہ جس میں اللہ تعالیٰ نے دینِ حنیف کی تکمیل کے لئے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تھا۔

زِندگی کے راستے پر

اللہ کا فضل اور کرم آپؐ کے ساتھ تھے' اس دنیا میں تشریف لانے کے وقت سے اللہ تعالٰی کی رحمت ہمیشہ آپؐ پر سایہ فگن رہی تھی' آپؐ جہاں بھی رہے اللہ نے لوگوں کے دلوں میں آپؐ سے محبت اور آپؐ کے لئے تکریم پیدا کر دیئے.جناب عبدالمطلب کی وفات کے بعد بھی اللہ کا کرم آپؐ کے شاملِ حال رہا اور جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی ابو طالب نے آپؐ کو اپنی کفالت میں لے لیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ وفات سے پہلے جناب عبدالمطلب نے خود ابو طالب کو وصیت کی تھی کہ وہ حضورؐ کو اپنی کفالت میں لے لیں.جس دادا نے حضورؐ کو اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبت اور شفقت دی تھی آخری وقت میں ان کا وصیت کرنا فطری بات تھی۔

اپنے بھائیوں میں جناب ابو طالب سب سے بڑے نہیں تھے' دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں وہ مالدار اور امیر بھی نہیں تھے'مگر وہ سب سے زیادہ شفیق اور فراخدل تھے اور جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی بھی تھے.جناب عبدالمطلب جانتے تھے کہ ان کے بعد کون ان کے پوتے کی سب سے بہتر حفاظت اور پرورش کرے گا۔

جناب ابو طالب نے حضورؐ کو اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر پیار دیا' بڑی محبت سے آپؐ کی پرورش کی' دستر خوان پر کھانے کے لئے بیٹھتے تو جب تک آپؐ شریک نہ ہوں' گھر کا کوئی فرد کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔"جب تک میرا بیٹا نہ آجائے'کوئی کھانے میں ہاتھ نہ ڈالے"؟ وہ حکم دیتے۔

اگر کبھی گھر کے بچے دستر خوان پر ایک دوسرے سے کھانے کی چیزیں چھیننا شروع کرتے تو حضورؐ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے' ابو طالب سب کو روک دیتے اور آپؐ کے لئے کھانا علیحدہ کر دیا

جاتا۔ آپؐ بچپن ہی میں اعلیٰ اطوار رکھتے تھے۔ ابو طالب آپؐ کی عادات سے بہت خوش ہوتے تھے۔ وہ بھی اپنے والد کی مانند حضورؐ کو ہر محفل میں اپنے پاس بٹھاتے، جہاں جاتے ساتھ رکھتے اور رات کو حضورؐ کو اپنے پاس سُلاتے تھے۔(1) حضورؐ اپنی چچی کی محبت اور شفقت کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنے بچوں سے بھی زیادہ حضورؐ کا خیال رکھتی تھیں۔ قریشِ مکہ کے آٹھ دس سال کی عمر کے بیٹوں کی مصروفیات کیا ہوتی ہوں گی؟ وادیٔ غیر ذی زرع میں کوئی باغ نہ تھے، کسی قسم کی کھیتی باڑی نہیں ہوتی تھی، قریش تجارت کرتے تھے، بکریاں اور اونٹ پالتے تھے، وہ اپنے بیٹوں کو انہی پیشوں سے وابستہ کر دیتے ہوں گے تاکہ وہ جلد کاروبار میں ہاتھ بٹانے اور زندگی کی دوڑ میں شامل ہونے کے قابل ہو جائیں۔ رسولِ اکرمؐ ذہنی اور جسمانی طور پر اپنے ہم عمر لڑکوں سے برتر تھے۔ جناب عبدالمطلب کی زندگی میں ایک دفعہ ان کے اونٹ پہاڑوں میں کھو گئے تو انہوں نے حضورؐ کو بھی ان کی تلاش کے لئے بھیجا تھا اور آپؐ وہ اونٹ ڈھونڈ لائے تھے۔ ان کے ملازم اور فرزند بھی اونٹ ڈھونڈنے گئے ہوں گے اور مختلف سمتوں میں نکل گئے ہوں گے۔ جناب ابو طالب اور ان کے بھائیوں کے بھی بکریوں کے ریوڑ تھے۔ حضورؐ ذرا بڑے ہوئے تو بکریاں چَرانے والوں کے ساتھ جانے لگے۔ آپؐ نے بچپن میں ہی بنو سعد کے لڑکوں کو بکریوں کے ریوڑ چرانے جاتے دیکھا ہوگا، یہ ایک خوشگوار اور دلچسپ مشغلہ بھی ہوتا ہے، بکریوں کو کھلے میدانوں اور وادیوں میں لے جا کر چَرنے کے لئے چھوڑ دینا اور اپنے ہم عمر بکریاں چرانے والے لڑکوں سے مل کر مختلف جسمانی کھیلوں میں حصہ لینا، کھلی ہوا، کھلی فضا، کھلا ماحول، آزادی، نوعمری کی امنگیں اور خوشیاں۔

حضورؐ صحابۂ کرامؓ کو بتایا کرتے تھے کہ آپؐ اجیاد میں اپنے خاندان کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔(2) ایک اور روایت میں حضورؐ نے قراریط کی ڈھلوان کا بھی ذکر فرمایا(3) اور بتایا کہ وہاں آپؐ پکی ہوئی جھڑبیریاں چُن چُن کر کھایا کرتے تھے۔ جھڑبیری جب اچھی طرح پک جائے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ آپؐ نے صحابہؓ کو سیاہ بیر کھانے کا مشورہ دیا اور بتایا کہ وہ بہت مزیدار ہوتے ہیں۔

جب بکریوں کے ریوڑ بڑے بڑے ہوں اور چراگاہیں گھر اور بستی سے دور ہوں تو چرواہے انہیں ہر شام گھر نہیں لایا کرتے، چراگاہ میں ہی ایک معیّن جگہ پر ڈیرا لگا لیتے ہیں، راتیں کھلے آسمان کے نیچے خیموں میں اور دن درختوں، جھاڑیوں اور پہاڑوں کی ڈھلوانوں کے سائے میں گزارتے ہیں۔

حضورؐ اور آپؐ کے ساتھی چرواہے بھی ہر شام مکہ نہیں آتے تھے' اجیاد میں ہی رہتے ہوتے تھے' یہ ویسا ہی ماحول تھا جس میں حضورؐ نے اپنی زندگی کے ابتدائی پانچ سال گزارے تھے۔

ایک بار حضورؐ اجیاد سے مکہ آئے تو ایک گھر کے اندر سے گانے کی آواز آ رہی تھی۔حضورؐ نے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس گھر میں کسی کی شادی کی تقریب بپا ہے۔مکہ کاروباری شہر تھا۔شادی بیاہوں پر امرائے مکہ گانے بجانے کی محفلیں جماتے' شہر کے چھوٹے بڑے رات بھر گانا سنتے اور ناچ دیکھتے تھے' گانا ابھی گھر کے اندر ہو رہا تھا' بڑی محفل شروع نہیں ہوئی تھی' حضورؐ محفل شروع ہونے کے انتظار میں باہر بیٹھ گئے' بیٹھتے ہی نیند آپؐ پر غالب آ گئی' آنکھ کھلی تو محفل اور رات ختم ہوچکی تھیں' حضورؐ واپس ڈیرے پر تشریف لے گئے۔

"کیسی رہی محفل؟" آپؐ کے ساتھیوں نے پوچھا۔

حضورؐ نے سارا حال سنا دیا اور بتایا کہ آنے والی رات بھی گانا ہوگا' مکہ میں پھر محفل جمے گی۔

اس رات بھی حضورؐ اپنے ساتھیوں کو بکریوں کے ڈیرے پر چھوڑ کر مکہ تشریف لائے تاکہ محفل میں شریک ہوسکیں۔اس رات بھی شبِ گزشتہ والا واقعہ ہی دُہرا دیا گیا۔محفل شروع ہونے سے پہلے ہی آپؐ پر نیند وارد کر دی گئی' اللہ تعالیٰ اپنے ہونے والے نبی کی خود حفاظت فرما رہے تھے۔

حضورؐ فرماتے ہیں کہ ان دو واقعات کے بعد پھر کبھی میرے دل میں ایسی کسی محفل میں شرکت کی خواہش ہی پیدا نہیں ہوئی۔

ایک بار مکہ کے لڑکے کسی کام کے لئے بڑے بڑے پتھر اپنی اپنی کمر پر اٹھا کر لا رہے تھے۔جب وہ چلتے تو ان کے تہ بند نیچے کھسک جاتے تھے۔ آپؐ بھی ان کے ساتھ پتھر اٹھا کر لا رہے تھے'لیکن ایک ہاتھ سے اپنے تہ بند کو مضبوطی سے تھامے رکھتے تھے۔

ایک بار اس واقعہ کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا:"بچپن سے ہی مجھے عریانی سے ہمیشہ حجاب آتا رہا ہے۔"

جب قریش نے بیت اللہ کی نئے سرے سے تعمیر کی تو پتھر لانے والوں کی دو دو کی جوڑیاں بنا دیں' حضرت عباسؓ اور حضورؐ کی ایک جوڑی تھی' پتھروں کو کمر پر اٹھا کر لانے والے گر گر پڑتے تھے' بھاری پتھر کمر پر سے نیچے کھسک جاتے تھے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ پتھر اٹھائے میرے آگے چل رہے تھے' ان کی کمر پر سے بھی پتھر کھسک رہا تھا' میں نے آپؐ سے کہا آپؐ تہ بند کو اوپر کر کے اس پر پتھر رکھ لیں تو نیچے نہیں کھسکے گا' آپؐ نے ایسا کیا تو فوراً آپؐ گر پڑے اور آپؐ کا تہ بند کمر سے کھسک کر ستر پر آگیا۔میں نے آگے بڑھ کر آپؐ کو اٹھایا تو سب سے پہلے آپؐ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا تہ بند درست کیا اور فرمایا:"میں اس طرح

عریاں ہو کر نہیں چل سکتا۔"(4)

مکہ کے قریب بوانہ نام کا ایک مقام تھا۔وہاں ایک بُت خانہ تھا۔اس کے پاس کھجور کے درخت تھے جن میں پھل بہت آتا تھا۔لوگ ان درختوں کو بھی مقدس سمجھتے تھے۔وہ اپنے بال بچوں سمیت وہاں جاتے' پکنک مناتے' بُت خانے میں اعتکاف کرتے' جانور ذبح کرتے اور سر منڈوا دیتے تھے۔قریشِ مکہ بھی اس تہوار میں شریک ہوتے تھے۔جناب ابو طالب بھی اپنے اہل و عیال کو وہاں لے جاتے تھے'لیکن جب بھی اس تہوار کا وقت آتا'حضورؐ ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتے۔ایک بار حضورؐ کے انکار پر ابو طالب نے ناراضگی ظاہر کی تو حضورؐ کی پھوپھیاں زبردستی آپؐ کو بھی بوانہ لے گئیں۔ میلے میں گھومنے پھرنے کے بعد جب سب لوگ پکنک اور کھانے کے لئے جمع ہوئے تو حضورؐ غائب تھے' ادھر ادھر ڈھونڈا مگر آپؐ کہیں نہ ملے' آپؐ کی پھوپھیاں بہت پریشان تھیں' تھوڑی دیر بعد حضورؐ تشریف لائے تو خوفزدہ تھے' چہرے کا رنگ فق ہو رہا تھا' پھوپھیوں نے بڑھ کر گلے سے لگا لیا اور پوچھا کہ کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ حضورؐ نے بتایا کہ جب آپؐ بت خانہ کے اندر گئے تو وہاں ایک گورے رنگ کا لمبا تڑنگا آدمی کھڑا تھا' اس نے چلا کر کہا: "اے محمدؐ دور رہو' اسے مت چھونا۔" اُم ایمنؓ کی روایت ہے کہ اس کے بعد کبھی حضورؐ اس تہوار میں شریک نہیں ہوئے۔حضورؐ کے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ آپؐ کو اپنے کرم کے سایہ میں توحید کے عظیم مشن کے لئے تیار کر رہے تھے۔

حرمِ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت رکھے تھے' قریشِ مکہ دن رات میں کئی بار ان پر حاضری دیتے تھے' ہر کام کے لئے ان سے فال لیتے تھے' مکہ سے باہر جاتے تو بتوں کے سامنے حاضری دیتے۔واپس آتے تو وہاں حاضر ہوتے۔ولادت سے نبوت تک حضورؐ نے چالیس سال مکہ میں قریش اور بت پرستوں کے درمیان گزارے'لیکن کبھی ان بتوں پر حاضری نہیں دی' وہاں کوئی مَنّت نہیں مانی' اگر مانی ہوتی تو جب آپؐ نے بتوں کی پوجا کے خلاف تبلیغ شروع کی تو قریش ضرور کہتے کہ کل تک تو آپؐ خود ان کے ہاں حاضری دیتے تھے' آج کیسے مخالفت کر رہے ہو؟ اپنی ساری دشمنیوں اور سختیوں کے باوجود قریشِ مکہ حضورؐ کو ایسا کوئی طعنہ نہ دے سکے۔نبوت سے پہلے کی زندگی میں بھی حضورؐ نے کبھی بتوں کے چڑھاوے اور ان کے نام پر قربان کئے گئے جانور کا گوشت نہیں کھایا۔

حضورؐ بچپن ہی سے بتوں سے نفرت کرتے تھے' نبوت سے پہلے ہی بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن افراد پر آپؐ کو اعتماد تھا انہیں اس سے منع فرمایا کرتے تھے۔(5) زید بن

حارثؓ کہتے ہیں کہ ایک روز طواف کے دوران میں نے حجرِ اسود کے پاس کھڑے ایک بت کو چھونا چاہا تو حضورؐ نے فرمایا: "خبردار! اس کے نزدیک مت جانا!" مشرکین طواف کے دوران اس بت کو چھوا کرتے تھے۔

قریش تجارت پیشہ تھے' مکہ صدیوں سے تجارت کا مرکز تھا' قریش پہلے جزیرۃ العرب کے اندر تجارت کرتے تھے' ہاشم کے وقت سے ان کے تجارتی قافلے دور دراز کے ملکوں تک جانے لگے تھے' اس بیرونی تجارت میں ہاشم اور اس کے بھائیوں کے بعد بنو ہاشم کافی نمایاں رہے۔ ابو طالب بھی اس آبائی پیشہ سے وابستہ تھے' وہ بھی شام اور یمن تک تجارتی قافلے لے کر جایا کرتے تھے۔ قریش اپنے نوجوان بیٹوں کو بھی اس کی تربیت دیتے ہوں گے اور قافلوں میں ساتھ لے جاتے ہوں گے تاکہ وہ سفر کی منزلوں' قافلوں کے راستوں اور جن قبائل اور شیوخ کے علاقوں سے ان کے قافلے گزرتے تھے' ان سے واقف ہو جائیں اور دور دراز کی منڈیوں میں خرید و فروخت کے طریقے سیکھ جائیں۔

حضورؐ کی عمر مبارک اب بارہ سال ہو رہی تھی۔ جناب ابو طالب کی مکہ میں ایک دکان بھی تھی۔ بکریاں چَرانے کے علاوہ آپؐ اپنے مہربان تایا کی دکان پر بھی بیٹھتے ہوں گے۔ ایک بار جب جناب ابو طالب شام کے لئے قافلہ لے کر چلے تو حضورؐ کو بھی ساتھ کر لیا تاکہ آپؐ بھی اپنے آبائی پیشہ تجارت کے طور طریقوں سے آگاہ ہو جائیں(6) اور جلد اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ قافلہ جزیرۃ العرب کے صحراؤں اور ریگزاروں سے گزر کر بصریٰ سے آگے شام کے اندر تک گیا۔ بصریٰ رومی سلطنت کا اہم شہر تھا' اس وقت اس کی آبادی دس ہزار تھی' دیگر رومی شہروں کی مانند وہاں رومی کھیلوں کا ایک اکھاڑہ بھی تھا(7) بصریٰ ایک اہم تجارتی منڈی تھی' پانچ طرف سے آنے والے تجارتی راستے وہاں آ کر ملتے تھے اور مختلف ممالک کے تاجر سامان کا تبادلہ اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ اسی جگہ رومی حکام ان تاجروں کے سامان کی جانچ پڑتال کرتے تھے اور محصول وصول کرتے تھے۔ رومی سلطنت کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا اس لئے وہاں رومن چرچ اور دوسرے عیسائی فرقوں کے مرکز بھی تھے۔ اس سفر میں حضورؐ نے وہ تجارتی تجربہ حاصل کیا جو آگے جا کر آپؐ کے بہت کام آیا(8) جزیرۃ العرب سے باہر تک کا یہ حضورؐ کا پہلا سفر تھا۔

تجارت کے قافلے میں سینکڑوں اور بعض دفعہ ہزاروں سامان سے لدے اونٹ شامل ہوتے تھے۔ سب اونٹ کسی ایک ہی تاجر کے نہیں ہوتے تھے' کسی کا ایک' کسی کے دو' کسی کے دس' مختلف تاجر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سامان لے کر قافلے میں شامل ہو جاتے تھے۔ قافلے کا ایک

امیرِ کارواں ہوتا تھا۔اس کے ساتھ محافظ ہوتے تھے۔ہر تاجر کے اپنے غلام اور خدام ساتھ چلتے تھے' مال اتارنے اور لادنے والے' اونٹوں کی دیکھ بھال کرنے والے' اس طرح جب کوئی قافلہ منزل منزل چلتا ہوا کسی منڈی میں پہنچتا تھا تو وہاں منڈی اور میلے کا سماں ہوتا تھا۔اونٹ کو اللہ تعالیٰ نے صحرا کے طویل سفر کی پیاس اور گرمی برداشت کرنے کی صلاحیت دی ہے۔اس کے پاؤں ریت میں دھنستے نہیں اور عرب اونٹ اور صحرا کے مزاج شناس ہوتے ہیں' اس لئے جزیرۃ العرب کی سرحدوں پر واقع بڑی بڑی منڈیوں میں زیادہ تر عرب قافلے اور تاجر ہی جاتے تھے' خاص طور پر جزیرۃ العرب سے گزرنے والے راستوں پر طویل سفر کرنا کسی غیر عرب کے لئے ممکن نہیں ہوتا تھا'اس لئے ان قافلوں کے ساتھ جانے والوں کو بڑے قیمتی تجربات حاصل ہوتے تھے۔ اونٹ چلانے والے خادموں' سامان اتارنے لادنے والوں' راستہ کے قبائلی سرداروں' محصول چونگی وصول کرنے والے حکام' دیگر علاقوں کے بیوپاریوں' حساب کتاب اور ناپ تول کرنے والوں' دوسرے قافلوں کے سربراہوں اور تاجروں' بہت سے لوگوں سے ملنے اور ان سے معاملات کرنے کا موقع ملتا تھا۔

رسول اللہؐ نے بارہ سال کی عمر میں بڑے قافلوں کے ساتھ جانا شروع کیا اور پچیس سال کی عمر تک تجارتی قافلوں کے ساتھ جاتے رہے۔کئی بار آپؐ تجارت کی غرض سے یمن بھی تشریف لے گئے۔مکہ کے جنوب میں چھ روز کی مسافت پر حباشہ کے مقام پر ایک بڑا تجارتی بازار لگتا تھا جو تین روز جاری رہتا تھا' حضورؐ کے دو بار اس منڈی میں مالِ تجارت لے کر جانے کا بھی ذکر ملتا ہے' دو مرتبہ حضورؐ جرش بھی سامانِ تجارت لے کر گئے تھے۔جرش شرقِ اردن میں ایک بڑا شہر تھا جو رومی سلطنت کی حدود میں واقع تھا۔رسول اللہؐ کی زندگی کے آخری دنوں میں بحرین کے قبیلہ قیس کا ایک وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' بحرین جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ میں خلیج فارس سے ملحق ہے' آج کل اس علاقہ کو الحساء بھی کہتے ہیں۔دورانِ گفتگو حضورؐ نے ان لوگوں سے علاقہ کے مختلف مقامات کا ذکر کیا اور وہاں کا حال پوچھا تو وہ لوگ بہت حیران ہوئے کہ حضورؐ کو اس دور دراز خطہ کا اتنا وسیع علم کیسے حاصل ہوگیا تو حضورؐ نے فرمایا:"میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کر رکھی ہے۔"

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جزیرۃ العرب کے تجارتی مراکز میں بحرین ایک اہم جگہ تھی' حضورؐ اس دور دراز خطہ میں بھی تجارت کے سلسلہ میں ہی تشریف لے گئے ہوں گے اور وہاں مشقر اور دبا کے تجارتی میلوں میں شرکت کی ہوگی۔

قریشِ مکہ کے ظلم کی وجہ سے جب حضورؐ نے کچھ صحابۂ کرامؓ کو حبشہ کے لئے ہجرت کی اجازت دی تو ان کے ساتھ جانے والے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر طیارؓ کو وہاں کے بادشاہ نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی دیا تھا۔یہ خط محفوظ ہے' اس خط کا انداز ایسا ہے جیسا کسی واقف کار جانے پہچانے آدمی کے نام خط ہو۔آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "وہ ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ملک میں ظلم نہیں ہوتا۔" آپؐ کی بعض احادیث میں حبشہ کی زبان کے الفاظ بھی ملتے ہیں' اس سے خیال کیا جاتا ہے کہ حضورؐ تجارت کے سلسلہ میں حبشہ بھی تشریف لے گئے تھے(9) اسی لئے وہاں کے حالات سے واقف تھے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضورؐ کی پردادی سلمٰی یثرب کی ایک معزز تجارت پیشہ خاتون تھیں۔وہ دوسرے لوگوں کو اپنا سامانِ تجارت دے کر بھیجا کرتی تھیں اور اس سے حاصل ہونے والا منافع ان سے مقررہ شرح سے بانٹ لیا کرتی تھیں۔یہ اس دور کا معروف طریقِ تجارت تھا' جو خواتین و حضرات خود قافلہ کے ساتھ نہیں جاسکتے تھے'وہ اپنا مال دوسروں کے ہاتھ بھیج دیتے تھے' جن کے پاس سرمایہ کم ہوتا تھا' وہ کسی اور کے ساتھ مل کر سامان خریدتے اور ان میں سے کوئی ایک یہ سامان لے کر قافلے کے ساتھ چلا جاتا اور واپس آکر اخراجات نکال کر منافع وہ آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔حضورؐ بھی اس طریقے پر دوسروں کی شراکت سے تجارت کیا کرتے تھے۔ایک صحابی حضرت قیسؓ بن سائب مخزومی سے روایت ہے کہ وہ حضورؐ کے ساتھ مل کر تجارت کیا کرتے تھے۔ اگر قافلے کے ساتھ حضورؐ جاتے تو واپس مکہ پہنچتے ہی سب سے پہلے حضورؐ ان کے ساتھ حساب کتاب کرتے' منافع ان سے تقسیم کر لیتے اور اس کے بعد گھر تشریف لے جاتے تھے۔اگر حضورؐ مکہ میں رہتے اور قیسؓ قافلے کے ساتھ جاتے تو حضورؐ ان کی واپسی پر ان کا استقبال کرتے' خیر خیریت' سفر کا احوال اور صحت کا پوچھتے اور واپس گھر تشریف لے جاتے' حالانکہ دیگر لوگ سب سے پہلے اپنے مال کے بارے میں پوچھتے۔ مگر حضورؐ کبھی یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کیا منافع کما کر لائے ہو۔وہ کہتے ہیں کہ جب ہم کہتے کہ آؤ حساب کر لیں تو اس وقت حضورؐ ان سے حساب کرتے تھے اور کبھی آپس میں کسی بات پر اختلاف یا تنازعہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ایک اور صحابی کا نام بھی سائبؓ تھا۔وہ مسلمان ہو کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی' حضورؐ نے فرمایا: "میں انہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔"

سائبؓ نے کہا: "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' آپ میرے شریکِ تجارت تھے'لیکن آپؐ نے ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔"

تجارت میں آپؐ کی دیانت اور راست بازی کی وجہ سے اہلِ مکہ آپ کو "امین" کہا کرتے تھے اور آپؐ کے ساتھ تجارت میں شرکت کرنے کے خواہش مند رہتے تھے۔ مکہ میں قریش کے ایک معزز خاندان کی ایک بیوہ خاتون تھیں۔ان کا نام خدیجہؓ تھا،وہ بڑی مالدار تھیں اور تجارت میں اپنا سرمایہ لگایا کرتی تھیں، حضورؐ کی دیانت اور مہارت کا سنا تو انہوں نے حضورؐ کے ساتھ تجارت میں شراکت شروع کر دی جو کئی سال تک قائم رہی، ان کے مال کے ساتھ حضورؐ شام اور یمن تک جاتے رہے، ہر بار ان کی توقع سے زیادہ منافع ہوتا تھا۔ حضورؐ جب کسی تجارتی سفر سے واپس آتے تو اپنے تمام دوستوں کی خیر خیریت دریافت فرماتے اور اگر معلوم ہوتا کہ ان میں کسی کی مالی حالت اچھی نہیں،تو آپؐ اس کی مدد فرماتے، آپؐ اپنے منافع کا ایک حصہ مکہ کے غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

اسی زمانے میں حضورؐ نے ایک لڑائی میں بھی شرکت کی۔عرب تاریخوں میں اسے جنگِ فجار کہا جاتا ہے، فجار اس لئے کہ یہ ان مہینوں میں لڑی گئی جن میں عرب قبائل لڑائی کرنا حرام سمجھتے تھے اور فریقین نے کئی حرام اور ممنوع کو لڑائی میں خود ہی جائز سمجھ لیا تھا۔تاریخ میں ایسی چار لڑائیوں کا ذکر ملتا ہے، یہ ان میں سے آخری یا چوتھی جنگِ فجار تھی۔ہوا ایسے کہ حیرہ کے امیر نعمان بن منذر نے عکاظ کے تجارتی میلہ کے لئے ایک قافلہ تیار کیا۔اس میلے میں دور دور سے تجارتی مال آتا تھا، نعمان بھی اپنا مال وہاں بھیجنا چاہتا تھا، اس کے لئے ضروری تھا کہ کسی بڑے عرب قبیلہ کے سردار کو میرِ کارواں مقرر کیا جائے،تاکہ قافلہ بحفاظت عکاظ پہنچ جائے۔نعمان نے بنی ہوازن کے سردار عروۃ الرجال کو میرِ کارواں مقرر کر دیا، اب قافلہ عکاظ پہنچانا اس کی ذمہ داری تھی۔بنی کنانہ کے سردار البراض کی خواہش تھی کہ بادشاہ کے قافلہ کی قیادت اسے مل جائے مگر کوشش کے باوجود اسے کامیابی نہ ہوئی، اس نے عروۃ الرجال سے کہا کہ تم نے کنانہ کے مقابلہ میں قافلہ کی قیادت قبول کی ہے؟

اس نے جواب دیا:"ہاں کنانہ کے مقابلہ میں اور دیگر لوگوں کے مقابلہ میں بھی۔"

البراض نے اسے اپنی توہین سمجھا اور جب قافلہ نے ایک منزل پر قیام کیا تو البراض نے عروۃ الرجال کو قتل کر دیا اور خود فرار ہوگیا۔

عکاظ میں قبیلہ ہوازن کے اور بھی لوگ اپنا اپنا مال لے کر آئے تھے، سب ہی تھے، قریش کے لوگ بھی تھے، جب عکاظ میں عروۃ الرجال کے قتل کی خبر پہنچی تو ان کے قبیلہ والے مشتعل ہوگئے،کنانہ قریش کا حلیف قبیلہ تھا۔البراض حرب بن امیہ کا طرفدار تھا۔قریش نے لڑائی کا خدشہ

محسوس کیا تو چپکے سے سب مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ہوازن والوں نے ان کا تعاقب کیا' چھوٹی سی جھڑپ ہوئی تو شام آ گئی اور کسی بڑی لڑائی سے پہلے قریش حدودِ حرم میں داخل ہو گئے۔ ہوازن والے واپس چلے گئے اور جاتے وقت چیلنج کر گئے کہ آئندہ اسی موسم میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔اب قریش کے لئے مجبوری تھی' انہیں باقاعدہ چیلنج کیا گیا تھا' دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں' بنی ہوازن کے ساتھ ثقیف اور قیس عیلان قبیلے تھے' قریش اور بنو کنانہ دوسری طرف تھے' اگلے سال میلے پر دونوں فریقوں میں سے کوئی نہیں گیا' کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں،لیکن اس سے اگلے سال میلے پر دونوں فریق بڑی تیاریاں کر کے آئے' زبردست لڑائی ہوئی۔دوپہر تک ہوازن والوں کا پلہ بھاری رہا،مگر پھر قریش غالب آگئے۔دونوں طرف سے بہت سے آدمی مارے گئے'تو شام کے قریب عتبہ بن ربیعہ نے جن کی عمر اس وقت تیس سال تھی' خون ریزی روکنے کے لئے صلح کا نعرہ بلند کیا' دونوں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں' مصالحت اس شرط پر ہوئی کہ قریش کے مقتولین کا خون بہا ادا نہیں کیا جائے گا،مگر قیس کے مقتولین کا قریش کو خون بہا دینا ہوگا(10) کیونکہ لڑائی بنو کنانہ کے البراض کے ہوازن کے سردار کو قتل کرنے کی وجہ سے جو شروع ہوئی تھی۔

اس لڑائی میں بنو ہاشم کے کماندار حضورؐ کے تایا زبیر تھے۔جناب ابو طالب اور حضورؐ کے دیگر چاچے تائے بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے تھے۔ہوازن کے چلائے جو تیر قریش کی طرف آ کر گرتے تھے' حضورؐ انہیں اٹھا اٹھا کر جناب ابو طالب کو دیتے رہے تاکہ وہ انہیں استعمال میں لا سکیں۔اس لڑائی کا ذکر کر کے حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ "میری دلی خواہش یہی تھی کہ اس لڑائی میں شریک نہ ہوں۔"

مگر جب سارا گھرانہ اور سارے قریش لڑائی کے لئے نکلیں تو حضورؐ کیسے پیچھے رہتے؟ ایسا کرنا بڑی طعنے بازی کی بات ہوتی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک حضورؐ کی عمر لڑائی میں باقاعدہ حصہ لینے کی نہیں تھی،ورنہ حضورؐ خود بہت اچھے تیرانداز تھے۔آپؐ کے چچا حضرت حمزہؓ بہت اعلیٰ درجہ کے شکاری اور تیرانداز تھے اور حضورؐ ابتدائی زندگی میں ان کے ساتھ مل کر تیر چلانا اور نشانے لگانا سیکھا کرتے تھے۔حضورؐ کا نشانہ بہت درست تھا' آپؐ کی نظر اتنی مستحکم تھی کہ آپؐ اس عمر میں بھی خوشہ پروین (Pleiades) کے ستاروں کے جھرمٹ میں سے بارہ تک ستارے شمار کرسکتے تھے۔ حضورؐ بہت اچھے تلوار چلانے والے تھے اور کُشتی لڑنے میں بھی مہارت رکھتے تھے۔(11) یہ

سارے فن قریش اپنے بچوں کو سکھایا کرتے تھے۔ حضورؐ یہ ہنر حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ کے ساتھ مل کر سیکھتے تھے جو آپؐ کے ہم عمر تھے۔ایک دعوت میں ابوجہل آپؐ سے الجھ پڑا' آپؐ نے اسے اٹھا کر اس طرح پٹخا کہ اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔جنگِ بدر میں جب ابوجہل کی لاش تلاش کی جا رہی تھی تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اس کے گھٹنے پر زخم کا نشان ہو گا۔جب اس کی لاش ملی تو یہ نشان موجود تھا۔ایک بار حضورؐ نے قریش کے بڑے پہلوان رکانہ کو دو بار پچھاڑ کر بے بس اور حیران کر دیا تھا' اس وقت حضورؐ کی جوانی کا دور تھا۔

حضورؐ فرمایا کرتے تھے : ''میں عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ایک ایسے معاہدے میں شامل ہوا تھا کہ اس کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں انہیں قبول نہ کرتا۔آج اسلام کے دور میں بھی مجھے اس جیسے کسی معاہدے میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے تو میں وہ دعوت قبول کر لوں گا۔''

عبداللہ بن جدعان حضرت عائشہؓ صدیقہ کے چچا زاد بھائی تھے اور قریش کے ایک سردار تھے' مگر وہ معاہدہ کیا تھا؟

اس کے الفاظ تھے :''خدا کی قسم!ہم سب مل کر ایک ہاتھ کی مانند ہوں گے اور وہ ہاتھ مظلوم کی حمایت میں ظالم کے خلاف اس وقت تک اٹھا رہے گا جب تک ظالم مظلوم کا حق ادا نہ کر دے اور جب تک سمندر گھونگوں کو بھگوتا رہے اور حراء وثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہیں اور ہماری معیشت میں مساوات رہے' ہم اس پر قائم رہیں گے۔''

یہ حلف لینے والوں میں بنی ہاشم' بنی مُطّلب' بنی اسد بن عبدالعزیٰ' بنی زہرہ بن کلاب اور بنی تیم بن مرہ شامل تھے۔ ظالم کے خلاف اور مظلوم کے حق میں ایک مٹھ ہو کر لڑنے کا یہ معاہدہ جنگِ فجار کے بعد کیا گیا تھا۔

ہوا اس طرح کہ ایک زبیدی (یمنی) تاجر مکہ آیا' کچھ عرصہ پہلے وہ عاص بن وائل نامی ایک شخص کے ہاتھ اپنا مال فروخت کر گیا تھا اور وعدہ کے مطابق اپنی رقم لینے آیا تھا۔عاص بن وائل نے اس کی رقم ادا کرنے سے انکار کر دیا' وہ بنی عبدالدار' مخزوم' جمح' سہم' بنو عدی قبائل کے سرداروں کے پاس گیا کہ عاص سے اس کا حق دلایا جائے'مگر کوئی بھی اس کی مدد کے لئے تیار نہ ہوا۔ایک صبح جب قریشِ مکہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو رہے تھے' وہ جبل ابوقبیس پر چڑھ گیا' بلند آواز میں اپنی مظلومیت کی کہانی سنائی اور آلِ فہر کی دُہائی دی' اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا؟ زبردستی اپنا حق وصول کرنے کی اس پردیسی میں طاقت کہاں تھی؟ عاص بن وائل

نے بھی یہی سوچا ہو گا۔

قریشِ مکہ نے اس پردیسی سے زیادتی کی کہانی سنی' اپنے جدِامجد کے نام کی دُہائی بھی سنی' اس کے باوجود عاص بن وائل کے حلیفوں نے پردیسی کا حق دلانے کی کوئی کوشش نہ کی۔حضورؐ کے والد کے بھائی زبیر بن عبدالمطلب نے قریش کے مختلف قبائل کے سرداروں سے بات کی' پھر وہ سب عبداللہ بن جدعان کے گھر اکٹھے ہوئے' ایک معاہدہ تیار کیا اور اس پر کاربند رہنے کا عہد کیا۔یہ عہد کرنے والوں میں مختلف گھرانوں کے سربراہ اور قریش کے بزرگ شامل ہوئے تھے' مگر حضورؐ نوجوانی کی عمر کے باوجود اس مشورہ میں شامل رہے تھے اور معاہدہ پر عہد کرنے والوں میں سے تھے۔

عاص بن وائل اور اس کے حلیف قبائل کو پتہ چلا کہ معاملہ لڑائی اور کُشت و خون تک جانے والا ہے تو انہوں نے فوراً پردیسی تاجر کا حق دلا دیا۔

تاریخ میں اس عہد کو حلف الفضول کہا گیا ہے یعنی فضول (حقوق) کو اس کے حقدار کی طرف پلٹانے کا حلف۔

اس حلف کا آخری فقرہ ہے:"اور (جب تک) ہماری معیشت میں مساوات رہے"۔ اس فقرہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حلف لینے والوں میں معاشی لحاظ سے نادار لوگ شامل نہیں تھے' وہی افراد شامل تھے جو مقام و مرتبہ اور مالی لحاظ سے اہم تھے' ہر لحاظ سے مظلوم کا حق دلانے کی لڑائی لڑنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور معاہدے میں یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ اگر کسی وقت کسی کی مالی حالت اور معیشت کی مجبوریاں اسے اس عہد پر عمل کرنے کی اجازت نہ دیں تو وہ اس سے علیحدہ ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کبھی اس میثاق سے الگ نہ ہوئے۔

ایک دفعہ ابو جہل نے ایک تاجر سے مال خریدا اور قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا' جب رسولِ اکرم ﷺ کو اس تاجر کی مظلومیت کا علم ہوا تو آپؐ ابو جہل کے پاس گئے اور حکم دیا کہ وہ فوراً اجنبی سوداگر کے مال کی قیمت ادا کر دے' ابو جہل نے فوراً آپؐ کے حکم کی تعمیل کی۔

اس دور کے عرب معاشرے میں یہ معاہدہ ایک انقلابی اقدام تھا۔رومانیہ کے دانشور کونسٹن ورجیل جورجیو نے لکھا ہے کہ یہ تنظیم رسول اللہ ﷺ کی ترغیب پر بنائی گئی تھی(12) اور قریش کے نوجوانوں کی اس انجمنِ امدادِ مظلوماں کے روحِ رواں حضورؐ ہی تھے۔ایک دفعہ عثمان بن ہوارث (Huwairith) نے بازنطینی سرمایہ کے زور پر مکہ اور حجاز میں رومیوں کا اثرو

رسوخ بڑھانے کی مہم شروع کی تو حضورؐ نے اس کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کر لیا' جب عثمان کو معلوم ہوا کہ قریشِ مکہ رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ہیں تو وہ شام بھاگ گیا جہاں رومیوں کے حریف غسانی بادشاہ عامر نے اسے زہر دے کر ہلاک کروا دیا۔

حواشی/حوالہ جات

1- جناب ابو طالب نے حضورؐ کی عمر کے آٹھویں سال سے نبوت کے دسویں سال تک تینتالیس سال حضور سے بزرگانہ شفقت کا برتاؤ کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور قریش کو توحید کی تبلیغ کا حکم دیا تو سارے مشرکینِ مکہ حضورؐ کی جان کے دشمن ہوگئے۔قریش نے ابو طالب کو حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دینے پر آمادہ کرنا چاہا' دھمکیاں دیں' ہر قسم کا لین دین ختم کر دیا' سیاسی' معاشی اور سماجی مقاطعہ کر دیا،مگر ان سختیوں اور آزمائشوں کے باوجود وہ حضورؐ کے ساتھ رہے' حالانکہ انہوں نے بھی دیگر مشرکینِ مکہ کی مانند حضورؐ کے پیغامِ توحید کو قبول نہیں کیا تھا۔اس سے ابو طالب کی حضورؐ سے محبت اور بھائی کے اکلوتے فرزند کی حفاظت اور دیکھ بھال میں خلوص کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

2- ابن اسحاق / نقوش رسول نمبر/ لاہور 1985ء / جلد یازدہم / صفحہ 72

3- بعض سیرت نگاروں نے قراریط کو قیراط کی جمع سمجھ کر لکھا ہے کہ چونکہ درہم کے ایک چھوٹے حصہ کو قیراط کہا جاتا تھا' اس لئے حضورؐ قیراط معاوضہ لے کر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ہم نے ابن اسحاق کا جو حوالہ دیا ہے اس کے الفاظ ہیں: "میں بھی اپنے خاندان کی بکریاں اجیاد میں چرایا کرتا تھا"۔

دوسری روایت ہے: "میں مکہ والوں کی بکریاں قراریط پر چرایا کرتا تھا۔" ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط اجیاد کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ابن جوزی بھی اسی قول سے اتفاق کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے محکم دلائل اور بحث سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے ہی درست ہے (شبلی نعمانی سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ 118) پہلی روایت میں حضورؐ نے خود اپنے خاندان کی بکریوں اور مقام اجیاد کا بتایا ہے' اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی قراریط اجیاد کے قریب ایک مقام تھا۔آپؐ کے اپنے خاندان کی بکریاں چرانے کے بارے میں فرمانے کے بعد قراریط سے قیراط برآمد کرنا اور پھر اسے درہم کا حصہ قرار دینا اور اتنی مشقت کے بعد یہ کہنا کہ حضورؐ اہلِ مکہ کی بکریاں معاوضہ لے کر چرایا کرتے تھے' عالمانہ توانائیوں کے ضیاع سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔

4- حافظ ابو الفدا ابن کثیر/ تاریخ ابن کثیر/ کراچی 1987ء / جلد دوئم صفحہ 586' 587

5- شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ / لاہور 1991ء / جلد اول صفحہ 126

6- بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب ابو طالب قافلہ لے کر چلے تو حضورؐ ان کے پاس جاکر رو دیئے تھے کہ آپ مجھے اکیلا کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہیں اور جناب ابو طالب جوشِ رحم و

محبت میں آپؐ کو شام ساتھ لے گئے تھے۔اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک بارہ سال تھی، آپؐ یتیمی کے کئی مراحل سے گزر چکے تھے، باشعور اور نوجوان تھے، اس لئے آپؐ کا ایسا کہنا اور رو دینا کسی لحاظ سے بھی قابلِ قبول نہیں ہوسکتا، پیچھے ابو طالب کی اولاد تھی، آپؐ کے چاچے، تائے، پھوپھیاں تھیں اور ابو طالب کی بیوی تھی جس کے پیار و محبت کی حضورؐ ہمیشہ تعریف کرتے رہے اور فرمایا کہ وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر بھی مجھے کھلایا کرتی تھی۔پھر یہ کوئی سالوں کا سفر نہ تھا اور آپؐ کو کفالت میں لینے کے بعد سے ابو طالب پہلی بار کسی سفر پر نہیں جا رہے تھے۔جب جناب عبدالمطلب یمن کے حمیری فاتح کو مبارکباد دینے گئے تھے تب بھی حضورؐ ان کی کفالت میں تھے۔ اس وقت آپؐ کی عمر آٹھ سال سے بھی کم تھی، جب آپؐ اس وقت نہ روئے تھے تو بارہ سال کی عمر میں کیوں روتے؟

7- Violabailey, Ellawise / Muhammad (S.A.W) his times and infleuce / Edinburg 1976/page 12

8- اکثر سیرت نگار اس سفر کے دوران حضورؐ کی بحیرہ نامی راہب سے ملاقات کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے حضورؐ کی وجہ سے قریش کی دعوت کی تھی اور حضورؐ سے باتیں کرکے اور مُہرِ نبوت دیکھ کر جناب ابو طالب سے کہا تھا کہ ان کی کتابوں میں جس آنے والے نبی کی بشارت دی گئی ہے وہ یہی نوجوان لڑکا ہے، اس لئے آپؐ اسے جلد واپس مکہ لے جائیں تاکہ یہودی انہی نشانیوں سے آپؐ کو پہچان کر نقصان نہ پہنچائیں۔ علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ جلد اول کے صفحہ 119 سے 120 تک میں اور سید سلیمان ندوی نے جلد سوئم کے صفحہ 419 سے 421 تک بحیرہ راہب کے واقعہ کے بارے میں روایات پر طویل بحث کی ہے اور اس قصہ کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ سیرت نگاروں نے حضورؐ کے ایک اور سفرِ شام کے دوران آپؐ کی نسطورہ راہب سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس نے بھی حضورؐ کے نبی ہونے کے بارے میں پیش گوئی کی تھی اور کہا تھا کہ اس کے صومع کے پاس جس درخت کے نیچے حضورؐ تشریف فرما ہوئے تھے، نبی کے علاوہ اس کے نیچے کبھی کوئی عام انسان نہیں بیٹھا تھا اور حضرت عیسیٰ بھی اس درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔یہ قصہ بھی مؤرخوں، سیرت نگاروں اور مفسروں کی خوش بیانیوں کی پیداوار ہے۔ بصریٰ شام اور جزیرۃ العرب کی سرحد پر دمشق اور یروشلم کو جانے والے راستوں کے سنگم پر واقعہ تھا اور حضرت عیسیٰؑ کے مختصر دورِ نبوت کا مرکز یروشلم اور فلسطین تھے، حضرت عیسیٰؑ کا اس طرف آنا اور اس درخت کے نیچے تشریف فرما ہونا بھی ناممکنات میں سے ہے۔ نسطوری عیسائیوں کا ایک فرقہ تھا۔ قدیم عرب مؤرخوں نے نسطورہ کو راہب بنا کر اس سے بلاضرورت ایک عدد پیش گوئی وابستہ کر دی اور پھر جو آیا اسے دُہراتا رہا۔

9- ڈاکٹر محمد حمید اللہ / رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / کراچی 1987ء / صفحہ 63
10- شیخ محمد رضا / محمد رسولُ اللہ / اردو ترجمہ لاہور / صفحہ 59
11- Martin Lings / Muhammad(SAW) His life based on the earliest / Services Book Club 1985 / Page 31
A:12 Syed Ameer Ali / the spirit of Islam / Sang-e-Meel Publications Lahore/Page 13
12- ب- کونسٹن ورجیل جورجیو / سیارہ ڈائجسٹ عکسِ سیرتؐ نمبر / لاہور فروری 1993ء
صفحہ 51'50

صلی اللہ علیہ وسلم
ابُوالقاسم

ایک روز حضورؐ مکہ کی ایک گلی میں جا رہے تھے' حضورؐ اس طرح قدم جما جما کر چلا کرتے تھے جیسے کسی پہاڑی پر چڑھ رہے ہوں۔ آپؐ کی ٹانگوں کی پنڈلیاں بڑی متناسب اور ہلکی ہلکی ستوان تھیں' پاؤں کی ایڑیوں پر بہت کم گوشت تھا اور پورے تلوے زمین کو نہیں چھوتے تھے' درمیان سے گہرے تھے جیسے اتھلیٹوں (تیز دوڑنے والے کھلاڑیوں) کے ہوتے ہیں' اس لئے آپؐ کی چال میں قدرتی وقار اور تیزی ہوتی تھی۔

"یا محمدؐ!" کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

حضورؐ رک گئے۔

نفیسہ تیز تیز چلی آتی تھی۔ نفیسہ کے ماں باپ ایک غیر عرب قبیلہ "مولدہ" سے تعلق رکھتے تھے' اسی لئے مکہ میں قریش کے درمیان رہتے ہوئے بھی وہ آدابِ گفتگو کا خیال نہیں رکھتی تھی۔

"آپؐ ایک خوبصورت اور خوب سیرت نوجوان ہیں۔ آپؐ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟" نفیسہ نے قریب آ کر بلا جھجک سوال کیا' یہ اس کی پرورش کا اثر تھا۔

"میں ابھی گھر چلانے اور بیوی بچوں کی کفالت کی استطاعت نہیں رکھتا۔" حضورؐ نے جواب دیا۔

"آپؐ جفاکش اور کامیاب تاجر ہیں' آپؐ کے لئے یہ اخراجات پورے کرنا کونسا مشکل ہے۔" وہ بولی۔

حضورؐ جب کسی سے گفتگو فرماتے تھے تو پوری توجہ سے اس کی بات سنتے تھے' چہرۂ مبارک اس کی طرف کر کے جواب دیا کرتے تھے: "میرے چچا ابو طالب نے میری پرورش کی ہے' اب وہ

بڑھاپے کی حدود میں داخل ہو رہے ہیں' ان کی مالی حالت کمزور ہے' ان کا ہاتھ بٹانا میرا فرض ہے' اس لئے جو کچھ کماتا ہوں' ان کے حوالے کر دیتا ہوں"۔ حضورؐ نے اب تک شادی نہ کرنے کی وجوہ بیان فرمائیں۔(۱) اس وقت حضورؐ اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال میں تھے' آپؐ کی بے مثل صورت' سیرت' جوانی اور دانائی کا شہر کے اندر اور باہر ہر جگہ شہرہ تھا۔ جو ایک بار حضورؐ کو دیکھ لیتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

ساڑھے پانچ فٹ سے نکلتا ہوا قد' متوازن جسم' ہلکی سی گولائی لئے ہوئے روشن چہرہ' ستواں سیدھی ناک' چوڑی پیشانی' بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں سفیدی کے گرد ہلکے ہلکے سرخ ڈورے' دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا سرخی مائل روشنی پھوٹ رہی ہے۔ لمبی بھری بھری پلکیں' ناک کی سیدھ میں خالی جگہ کے دونوں طرف پیشانی کی حدود متعین کرنے والی باریک بھری بھنویں جو باہر کی طرف نیچے کو خمیدہ تھیں' عربوں کا پسندیدہ بڑا دہانہ' موتیوں جیسے سفید دانت' لمبی گردن اور سرداروں جیسے بڑے سر پر کانوں کی لوؤں کو چھوتے ہوئے ہلکے گھنگھریالے سیاہ بال' سیاہ ریش مبارک اور سرخی مائل گورا رنگ' فراخ سینہ اور مضبوط کندھے۔

سنجیدہ اور متینؐ محمد بن عبداللہ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپؐ اس معاشرے کے سیاسی' سماجی اور معاشی مسائل کو ایسے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے جو قریشِ مکہ کے شعور کی سطح سے بلند تر تھا۔ انجمنِ امدادِ مظلوماں بنا کر آپؐ نے مکہ کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا تھا۔ لوگ جس کا نام سنتے ہی مظلوموں کا حق دے دیتے تھے۔ حلف الفضول کے عہد نامہ کے بعد سے مکہ کے اندر کبھی کسی کا حق ظلم سے نہیں چھینا گیا۔ محمدؐ بن عبداللہ زبان دانی میں سب سے آگے تھے۔ آپؐ جزیرۃ العرب کے اندر کے تجارتی میلوں میں مال لے کر جاتے تھے' لیکن عربوں کی طرح شیخی بھگارنے والے نہیں تھے' لاف زن اور مبالغہ آمیز شاعر نہیں تھے' ان میلوں میں عیش و عشرت کی محفلیں جمتی تھیں' شعر و شاعری کے مقابلے ہوتے تھے' لیکن آپؐ نے کبھی ان مجلسوں میں حصہ نہیں لیا تھا' کبھی کوئی شعر نہیں کہا تھا' آپؐ کسی گہری سوچ میں گمؐ معلوم ہوتے تھے' چالیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی قریشِ مکہ آپؐ کو اہم مشوروں میں شامل کرنے لگے تھے۔

ابھی دو ہی ماہ پہلے حضورؐ شام کے تجارتی سفر سے واپس آئے تھے۔ اس سفر میں آپؐ نے اتنا منافع کمایا تھا کہ خدیجہؓ حیران رہ گئی تھیں۔ ان کا غلام میسرہ خدمت گزاری کے لئے اس سفر میں حضورؐ کے ساتھ گیا تھا' اس نے حضورؐ کے کمالات اور ذاتی صفات کے بارے میں اپنی مالکہ کو

معلوم نہیں کیا کیا بتایا ہوگا کہ جب حضورؐ ان سے مالِ تجارت کا حساب کرنے گئے تو ان کی آنکھیں حضورؐ کے جھکے جھکے چہرۂ مبارک پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔خدیجہؓ مکہ کی ایک مالدار اور معزز خاتون تھیں، لوگ انہیں "طاہرہ" اور "سیدۂ قریش" کے القابات سے پکارتے تھے۔ان کی دانائی، فراست اور حُسنِ اخلاق کی وجہ سے سارا قبیلہ ان کا احترام کرتا تھا۔ "طاہرہ" بیوہ تھیں۔ انہوں نے پہلے ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے شادی کی تھی، دو بچوں ہالہ اور ہند کی پیدائش کے بعد ابو ہالہ وفات پاگئے تو انہوں نے عتیق بن عائذ المخزومی سے شادی کی، مگر ایک بیٹی کی پیدائش کے بعد وہ بھی فوت ہوگئے تھے۔ اب وہ تجارت کے لئے مال بھیجتی تھیں اور کافی عرصہ سے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ شریکِ تجارت تھیں۔کاروباری شراکت اور مالی معاملات کسی انسان کی پرکھ کا سب سے بڑا پیمانہ ہوتے ہیں۔

خاندانی شرافت، ذاتی وجاہت، دیانت اور فراست، حضورؐ میں وہ سب خصوصیات جمع تھیں جو کہیں اور یکجا نہیں تھیں۔سیدۂ قریش نے حضورؐ کے کاروباری معاملات اور دیانت دیکھے تو پہلے انہوں نے اپنے غلام میسرہ کو رسول اللہ ﷺ کی رائے معلوم کرنے بھیجا تھا کہ کیا آپؐ انہیں رفیقۂ حیات بنانے پر تیار ہو جائیں گے؟نفیسہ ان کی بااعتماد خاتون تھی اور اب وہ آپؐ سے اس بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔

"اگر ایسی جگہ سے نکاح کی دعوت ملے جہاں جمال بھی ہو، شرف بھی ہو، قابلیت اور مال بھی ہو جس کی وجہ سے گھر گرہستی اور بیوی بچوں کا بوجھ نہ ہو تو آپؐ اسے قبول کرلیں گے؟" نفیسہ نے بلاجھجک پُوچھ لیا۔

حضورؐ اس انداز میں ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے کہ سننے والا آپؐ کی بات کے الفاظ گن سکتا تھا۔

"یہ دعوتِ نکاح کس کی طرف سے ہے؟" آپؐ نے استفسار فرمایا۔

"خدیجہؓ بنت خویلد کی طرف سے۔" اس نے بتایا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے؟" حضورؐ نے پوچھا۔

مکہ کے بڑے بڑے رئیس اور قریش کے سردار سیدۂ قریش کو نکاح کا پیغام بھجوا چکے تھے، مگر انہوں نے قبول نہیں کیا تھا۔

"آپ مجھ پر بھروسہ کریں، میں کچھ جانے بغیر ہی تو آپؐ سے نہیں پوچھ رہی۔"

"اگر تمہیں خدیجہؓ نے خود بھیجا ہے تو میں رضامند ہوں۔" حضورؐ نے جواب دیا۔

نفیسہ حضرت خدیجہؓ کو خوشخبری دینے کے لئے شاداں و فرحاں ان کے گھر کی طرف چلی گئی۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو بتایا کہ خدیجہؓ کی طرف سے نکاح کی دعوت آئی ہے۔وہ بہت خوش ہوئے اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت حمزہؓ کو باقاعدہ رشتہ طے کرنے کے لئے سیدہ خدیجہؓ کے بھائی کے پاس بھیجا۔سیدہ خدیجہؓ کے بڑے بھائی کی شادی تھوڑا ہی عرصہ پہلے حضورؐ کی پھوپھی اور حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہ سے ہوئی تھی۔حضرت حمزہؓ حضورؐ کو ہمراہ لے کر اپنے بہنوئی کے پاس گئے' وہ بخوشی اس شادی پر تیار ہوگئے۔

سیدہ خدیجہؓ کے مشورہ سے شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی' بنی ہاشم اور سیدہ خدیجہؓ کے قبیلہ کے سردار بھی نکاح کے وقت موجود تھے جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامل تھے۔سیدہ خدیجہؓ کے ولی کی حیثیت سے ان کے چچا عمرو بن اسد نے اس وقت کے رواج کے مطابق نکاح پڑھایا اور خطبہ دیا : "اے جماعت قریش!آپ گواہ رہیں کہ میں نے محمدؐ بن عبداللہ کا نکاح سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد سے کر دیا۔" حضورؐ کے چچا ابو طالب نے اپنے خاندان کی طرف سے خطبہ پڑھا۔ حضورؐ نے حق مہر میں سیدہ خدیجہؓ کو بیس اونٹ دیئے۔ایک روایت ہے کہ حق مہر پانچ سو درہم باندھا گیا تھا۔اس وقت سیدہ خدیجہؓ کی عمر اٹھائیس سال تھی-(2) اور حضورؐ کی عمر پچیس سال' دوسرے روز حضورؐ نے ولیمہ کی دعوت دی جس میں سارے قریشِ مکہ نے شرکت کی۔

عرب میں ایسا کبھی ہوا نہیں تھا

سیدہ خدیجہؓ رسولِ اکرم کے گھر منتقل ہوگئیں تو حضورؐ نے اُمِ ایمنؓ کو آزاد کر دیا۔
اُمِ ایمنؓ نے حضورؐ کی پرورش کی تھی۔حضورؐ کے گھر کا سارا انتظام وہی کرتی تھیں۔
حضورؐ انہیں اپنی "ماں" کہا کرتے تھے۔
سیدہ خدیجہؓ نے اپنا غلام زیدؓ حضورؐ کی خدمت کے لئے پیش کیا۔

زیدؓ کو آٹھ سال کی عمر میں ان کی والدہ سے چھین کر غلامی میں بیچ دیا گیا تھا' ان کی ماں کا نام سعدیٰ تھا جو قبیلہ طے کے ثعلبہ کی بیٹی تھی۔سعدیٰ قبیلہ کلب کے ایک شخص حارثہ سے بیاہی ہوئی تھیں- حارثہ کا قبیلہ شام کی سرحد کے ساتھ رہتا تھا۔سعدیٰ اپنے بیٹے زیدؓ کو لے کر اپنے والد کے پاس جا رہی تھیں کہ بنی قین والوں نے حملہ کرکے قافلہ کے اور لوگوں کے ساتھ زیدؓ کو بھی ان کی ماں سے چھین لیا تھا اور غلامی میں بیچ دیا تھا۔ایک بار سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام عکاظ کے بازار سے کچھ غلام خرید کر لائے جن میں زیدؓ بھی تھے۔سیدہ خدیجہؓ نے زیدؓ ان سے خرید لیا تھا اور اپنے خدام میں شامل کر لیا تھا۔

زید کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا' ان کی والدہ کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا جس سے حاتم تعلق رکھتے تھے' جو بہت بڑے شاعر اور سخی تھے اور جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر ہر جگہ جانے جاتے تھے۔اپنی خاندانی شرافت اور لیاقت کی وجہ سے زیدؓ سیدہ خدیجہؓ کے غلاموں میں بہت اہمیت اختیار کر گئے تھے اور حضورؐ کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنا سب سے ذہین غلام وقف کیا تھا۔ اس وقت زیدؓ کی عمر پندرہ سال تھی۔

ایک روز مکہ کے بازار میں زیدؓ کو اپنے قبیلہ کے کچھ لوگ مل گئے' وہ زیارتِ بیت اللہ اور عمرہ کے لئے مکہ آئے تھے' زیدؓ نے انہیں پہچان لیا اور بتایا کہ وہ محمدؐ بن عبداللہ کے پاس ہوتے ہیں۔اس کے قبیلہ والے بہت خوش ہوئے۔زید کا باپ سات سال سے اپنے لختِ جگر کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا' اس کی ماں بیٹے کے غم میں زندگی کے دن گن گن کر گزارتی تھی' زیدؓ نے ان کے ہاتھ اپنے باپ کے لئے اشعار لکھ بھیجے جن میں کہا تھا:

"میں آپ سے بہت دُور ہوں
اللہ کے مقدس گھر کے قریب رہتا ہوں
جو اُن گھروں میں سے ایک ہے جنہیں اللہ نے متبرک قرار دیا ہے
آپ میری جُدائی کا غم نہ کریں
میری تلاش میں اپنے اونٹوں کو نہ تھکائیں
زمین کے کونے کونے میں ڈھونڈتے نہ پھریں
خدا کی قسم!میں اس خاندان کے پاس ہوں
جو معزز خاندانوں میں سب سے معزز ہے
اور اپنے قبیلہ میں سب سے عظیم ہے۔"

نوعمر زیدؓ بھی اپنے قبیلہ اور عربوں کی روایت کے مطابق زبان و بیان کی خوبیوں کا مالک تھا۔
یہ پیغام ملتے ہی زیدؓ کے والد اور چچا نے سامانِ سفر باندھا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئے:
"جتنی رقم مانگیں ہم دیتے ہیں' آپ ہمارے بیٹے کو آزاد کردیں۔" زیدؓ کے والد نے درخواست کی۔
حضورؐ نے فرمایا: "زیدؓ آپ کے ساتھ جانا چاہتے ہیں تو میں کوئی فدیہ نہیں لوں گا'وہ آزاد ہے۔"
زیدؓ کے والد اور چچا بہت خوش ہوئے' ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ کوئی عرب فدیہ کے بغیر ایک نوجوان غلام کو آزاد کردے۔
حضورؐ نے زیدؓ کو بلوایا: "تم ان حضرات کو جانتے ہو؟"

''حضورؐ جانتا ہوں' ایک میرا باپ ہے اور دوسرا چچا۔''
''میری طرف سے تم آزاد ہو' ان کے ساتھ جانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں' لیکن اگر میرے پاس رہنا چاہو تو وہ تمہاری اپنی مرضی ہے۔'' حضورؐ نے فرمایا۔
''حضورؐ میں آپؐ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔'' زیدؓ نے جواب دیا۔
اس کا باپ اور چچا حیران رہ گئے : ''تم آزادی کی بجائے غلامی پسند کرتے ہو۔ اپنے ماں باپ اور قبیلہ کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتے ہو۔'' انہوں نے بیک آواز پوچھا۔
''میرے ماں باپ حضورؐ ہیں۔'' زیدؓ نے جواب دیا۔ ''میں نے حضورؐ میں جو اوصاف دیکھے ہیں' حضورؐ کو جیسا پایا ہے' اس کے بعد میں دنیا میں کسی اَور کے پاس نہیں رہنا چاہتا۔''
حضورؐ نے اسی وقت زیدؓ کو ساتھ لیا' حرمِ کعبہ گئے' مکہ کے قریش وہاں اپنی اپنی جگہوں پر محفلیں لگائے بیٹھے تھے ۔''آپؐ سب گواہ رہیں' آج سے زیدؓ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا۔'' حضورؐ نے بلند آواز میں اعلان فرمایا۔

زیدؓ کے والد اور چچا اور بھی حیران ہوئے' مکہ کے قریش سارے جزیرۃ العرب میں معزز سمجھے جاتے تھے اور ان کے ایک معزز ترین خاندان کے قابلِ فخر فرزند نے ان کے بیٹے کو اپنا بیٹا اور وارث بنا لیا تھا۔ ان کے اور ان کے قبیلہ کے لئے یہ بڑی عزت تھی' ان کا بیٹا آزاد تھا اور محمدؐ بن عبداللہ سے اتنی محبت کرتا تھا کہ انہیں چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہ تھا۔ زیدؓ کے ذریعے ان کا اور ان کے خاندان کا محمدؐ بن عبداللہ اور مکہ کے قریش سے نیا تعلق قائم ہوگیا تھا' وہ خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

واپس جا کر وہ اپنے خاندان اور قبیلہ میں جس کسی کو بتاتے کہ زیدؓ نے محمدؐ بن عبداللہ کو چھوڑ کر ان کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا ہے' وہ ایک زر خرید غلام سے محمدؐ بن عبداللہ کے حُسنِ سلوک پر حیران ہوتا کہ جزیرۃ العرب میں ایسا کبھی ہوتا نہیں تھا۔

حضرت علیؓ رسولؐ اللہ کی کفالت میں

مکہ کی ''وادیِ غیر ذی زرع'' میں کھانے کی سب چیزیں باہر سے آتی تھیں' کھجور عربوں کی خوراک تھی' مگر مکہ میں اس کے باغات بھی نہیں تھے۔ کھجور بھی انہی مقامات پر ہوتی جہاں پانی ہو۔ مکہ میں کھجور جزیرۃ العرب کے دیگر حصوں سے آتی تھی' اگر کبھی بارش نہ ہوتی تو وادی کے اردگرد کے میدانوں میں بھیڑ بکریوں کی خوراک ملنا بھی دشوار ہو جاتا تھا جب خوراک نہ ملے تو

بکریاں بھی دودھ کم دیتی تھیں۔گندم شام اور فلسطین سے آتی تھی' اس لئے بہت مہنگی ہوتی تھی' اس کی قیمت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں مکہ میں ایک اونٹ کی قیمت چار سو درہم تھی' غلام ایک سو پچاس سے آٹھ سو درہم کے درمیان بکتا تھا' (غلام کی عمر' خوبصورتی اور بدصورتی کی وجہ سے قیمت کم زیادہ پڑتی تھی) مکہ کے بازار میں ایک نیزے کی قیمت چار درہم تھی' اونٹ کا کجاوا تیرہ درہم میں اور زمین کھودنے کی کدال چھ درہم میں ملتے تھے اور گندم کی ایک روٹی کی قیمت چھ درہم ہوتی تھی۔(3) اس لئے جب کبھی بارش نہ ہوتی اور شام سے گندم آنے میں تاخیر ہو جاتی تو شہر میں قحط کی سی صورتِ حال پیدا ہو جاتی تھی۔سیدہ خدیجہؓ سے شادی کے بعد حضورؐ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنے لگے تو اپنے چچا ابو طالب کے گھر کی پہلے کی طرح کفالت کرنا ممکن نہ رہا۔ایک بار شہر میں وہی قحط والی حالت ہوگئی' کھانے کی اشیاء بہت مہنگی ہوگئیں' حضورؐ اپنے چچا عباسؓ کے پاس گئے جو اپنے سب بھائیوں میں مالدار تھے۔

"مکہ میں گرانی سے آپ واقف ہیں۔آپ کے بھائی کا کنبہ بڑا ہے۔چلئے ہم ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ان سے بات کریں' وہ مان جائیں تو ان کے ایک بیٹے کو آپ اپنی کفالت میں لے لیں۔ایک کو میں اپنی کفالت میں لے لیتا ہوں۔"

حضرت عباسؓ حضورؐ کی تجویز پر راضی ہوگئے' آپؐ انہیں ساتھ لے کر ابو طالب کے گھر گئے اور انہیں بتایا کہ وہ کس کام میں آئے ہیں۔

"عقیل اور طالب کو میرے لئے چھوڑ دو' باقی جس کو تم اپنی کفالت میں لینا چاہتے ہو' لے جاؤ۔" ابو طالب بھی راضی ہوگئے۔

عقیل اور طالب جناب ابو طالب کے بڑے بیٹے تھے۔علیؓ ان کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ان سے بڑے کا نام جعفر تھا۔

حضرت عباسؓ نے جعفر کو کفالت میں لے لیا۔

حضورؐ اپنے تایا کے سب سے چھوٹے بیٹے علیؓ کو اپنے گھر لے آئے' علیؓ کی عمر اس وقت چار پانچ سال ہوگی۔

حضورؐ اور حضرت خدیجہؓ نے ننھے علیؓ کی اپنے بچوں کی طرح پیار سے پرورش کی۔

اور امینﷺ آگیا

قریشِ مکہ کے سردار اور جنگجو نوجوان بیت اللہ کے گرد جمع تھے۔

الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھے سب ایک ہی دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے'

ایک شخص باب بنو شیبہ سے نمودار ہوا'

"یہ تو امین آگئے!" ایک چلایا'

"یہ تو محمدؐ ہیں!" دوسری آواز آئی'

"یہ جو فیصلہ کردیں' ہمیں منظور ہے۔"

وہ سب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہوگئے۔

مکہ کے قریش پانچ روز سے آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔قریش کے سارے قبیلے دو دھڑوں میں بٹ گئے تھے' انہوں نے خون کے پیالوں میں انگلیاں ڈبو کر اور خون اپنی اپنی زبانوں سے چاٹ کر عہد کئے تھے کہ وہ اپنے عزم سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔جب ان کی تلواریں نیاموں سے نکل آئیں اور کُشت و خون کا میدان گرم ہونے ہی والا تھا تو ابو امیہ بن مغیرہ دونوں پارٹیوں کے درمیان میں آگئے' وہ قریش میں سب سے بزرگ تھے' سب ان کی بزرگی اور دانائی کا احترام کرتے تھے۔

"میرے بھائیو! عزت اور سرداری میں تم سب ہم مرتبہ ہو' آپس میں لڑنے سے باز رہو' باہمی نفرت اور دشمنی کی آگ نہ بھڑکاؤ' عقل اور ہوش سے کام لو اور بابِ بنوشیبہ سے جو پہلا قریش حدودِ حرم میں داخل ہو فیصلہ اس پر چھوڑ دو۔" اس نے سب کی مِنّت کی تھی۔

اس کے بعد سے سارے سردار اور جنگجو بابِ بنوشیبہ پر نگاہیں لگائے بیٹھے تھے کہ دیکھیں کون قریشی اس دروازہ سے حرم میں داخل ہوتا ہے؟ ابو امیہ کی مِنّت سماجت اور تجویز مان لینے کے باوجود یہ خطرہ باقی تھا کہ کوئی ایک فریق آنے والے کا فیصلہ ماننے سے انکار نہ کردے' کیا معلوم کون آئے گا۔جو جھگڑا پانچ روز سے دانایانِ قریش مِل کر نہیں نپٹا سکے تھے' آنے والا اسے کیسے نپٹائے گا اور جانیں قربان کردینے کا عہد کرنے والوں کو کس طرح مطمئن کرے گا؟

اللہ کو ایسا ہی منظور تھا۔بابِ بنوشیبہ سے جو پہلا شخص حرم کی چار دیواری سے داخل ہوا' وہ محمدؐ بن عبداللہ تھے جو قریشِ مکہ کے درمیان اپنی عمرِ مبارک کے پینتیس سال پورے کرچکے تھے۔انہیں دیکھتے ہی سب مطمئن ہوگئے' سب نے بیک زبان اعلان کردیا کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے' سب منظور کریں گے'کیونکہ وہ "امین" ہیں۔

"امین" کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔اس کا مطلب ہے حق ادا کرنے والا۔جس کا جو حق ہے' اسی کو دینے والا' ایسا انصاف کرنے والا جس پر سب کو اعتماد ہو۔

مگر قریشِ مکہ نے تلواریں کیوں نکال لی تھیں؟
وہ کیا جھگڑا تھا جو پانچ شب و روز کے غور و فکر کے بعد بھی دانایانِ قریش نپٹا نہیں سکے تھے؟
جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر قریشِ مکہ کی عزت و تکریم کا بنیادی سبب یہ تھا کہ وہ بیت اللہ کے متولّی اور پڑوسی تھے' ان کی مذہبی اور دنیاوی برتری خدا کے گھر کی وجہ سے تھی اگرچہ وہ دینِ ابراہیمیؑ سے بہت دور جا چکے تھے' مگر اپنے جدِ اعلیٰ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے بنائے اللہ کے گھر کی عظمت اور تقدس کے وہ اب بھی قائل تھے' وہ اس کی رکھوالی' خدمت اور حفاظت کو اپنے لئے سب سے بڑا اعزاز سمجھتے تھے' اس لئے سارے ہی چاہتے تھے کہ حجرِ اسود اس کے مخصوص جگہ پر نصب کرنے کا اعزاز انہیں مل جائے۔
حجرِ اسود پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ اسے ایک آدمی آسانی سے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ سکتا تھا' مگر قریش کے کئی قبیلے تھے' کئی سردار تھے' ان میں سے کون اسے اٹھائے اور کون اس کی مخصوص جگہ پر لگائے؟ یہ تھا جھگڑا۔
قریش بیت اللہ نئے سرے سے تعمیر کر رہے تھے' سب مل کر دیواریں اٹھاتے رہے تھے' جب دیواریں حجرِ اسود کی بلندی تک پہنچیں تو یہ جھگڑا پیدا ہو گیا تھا کہ حجرِ اسود کون اٹھا کر دیوار تک لے جائے اور اسے اس کی جگہ پر نصب کرے۔ اپنے اپنے گروہوں کے لئے یہی اعزاز حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے خون میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر چاٹی تھیں۔
مسئلے کی نزاکت پر غور فرما کر حضورؐ نے قریش سے کہا کہ وہ اپنے میں سے اپنے اپنے نمائندے منتخب کر لیں۔ انہوں نے چار افراد کو چُن لیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایک چادر لاؤ۔"
انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ حضورؐ کی ہدایت پر چادر زمین پر بچھا دی گئی۔
آپؐ نے حجرِ اسود اٹھا کر چادر کے درمیان میں رکھ دیا اور چاروں سرداروں کو چادر کو چاروں کونوں سے اور باقی کو چاروں طرف چادر پکڑ کر اٹھانے کا حکم دیا۔ اسی طرح وہ سب چادر اٹھا کر دیوارِ کعبہ کے قریب لے گئے' حضورؐ نے انہیں چادر اوپر اٹھانے کا حکم دیا۔ جب چادر حجرِ اسود کے لئے مخصوص بلندی تک اوپر اٹھ گئی تو آپؐ نے حجرِ اسود اٹھا کر اس کی مقررہ جگہ پر نصب کر دیا۔
سارے سردار اور ان کے قبیلے خوش ہو گئے۔
اللہ تعالیٰ نے یہ عزت اور شرف اپنے ہونے والے رسولؐ کے لئے مختص کر دیا تھا!
بیت اللہ کے اردگرد پہاڑیاں ہیں' ان کے درمیان ایک چھوٹا سا پیالے جیسا میدان ہے' اس پیالے کے پیندے میں بیت اللہ ہے۔ جب کبھی بارش ہو تو اردگرد کا پانی اس نشیب میں جمع ہو

جاتا تھا' اس پانی کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روکنے کے لئے ایک سردار عامر الجادر نے کچھ فاصلہ چھوڑ کر ایک دیوار بنوا دی تھی اور آنے جانے کے لئے اس میں دروازے چھوڑ دیئے تھے.طواف و عمرہ اس چار دیواری کے اندر ادا کئے جاتے تھے' قریش کی محفلیں بھی اس کے اندر ہی جمتی تھیں.ایک بار اتنی زیادہ بارش ہوئی کہ بیرونی دیوار پانی نہ روک سکی' بیت اللہ کی دیواروں کو پانی سے نقصان پہنچا اور ان کے گر جانے کا خدشہ پیدا ہوگیا۔

اس وقت بیت اللہ کے اوپر چھت نہیں ہوتی تھی' صرف دیواریں ہی تھیں جن کے اندر داخلہ کے لئے ایک دروازہ تھا.یہ دیواریں پتھروں کو ایک دوسرے کے اُوپر چُن کر بنائی گئی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے مل کر جب بیت اللہ نئے سرے سے تعمیر کیا تو انہوں نے اس میں داخلہ کے دروازے میں کواڑ بھی نہیں لگائے تھے' بس ایک راستہ چھوڑ دیا تھا' بہت عرصہ بعد یمن کے ایک حمیری حکمران تبع نے بیت اللہ میں کواڑوں والا دروازہ لگوایا تھا۔(4) بیت اللہ پر چڑھائے جانے والے نذرانے اس بیت اللہ کے اندر کھودے ایک گڑھے میں رکھے جاتے تھے' اس گڑھے سے ایک بار نذرانے کی کچھ چیزیں چوری ہوگئی تھیں' ایک بار آگ لگ گئی اور بیت اللہ کا غلاف' دروازہ اور نذرانے کی چادریں جل گئی تھیں' اس لئے جب سیلابی پانی سے دیواروں میں دراڑیں پڑگئیں تو قریش نئے سرے سے تعمیر کے بارے میں سوچنے لگے' وہ فکرمند تھے کہ بیت اللہ بھی نہ گر جائے۔

انہی دنوں رومیوں کا ایک تجارتی جہاز شعیبہ کی بندرگاہ کے قریب ریت میں پھنس گیا' یہ قدیم بندرگاہ جدہ کی موجودہ بندرگاہ سے کچھ فاصلہ پر تھی.رومیوں کا وہ جہاز حبشہ جا رہا تھا' اس میں کچھ تعمیری سامان تھا' جہاز چھوٹا تھا اور طوفانی لہروں نے اسے ریت پر اچھال دیا تھا.قریش کو اطلاع ملی تو انہوں نے سوچا کیوں نہ وہ سامان بیت اللہ کی تعمیر کے لئے خرید لیا جائے.وہ شعیبہ گئے' ریت میں پھنسے ہوئے جہاز سے سامان اتار اتار کر کنارے پر پہنچانے میں مدد کی' جہاز اور سامان کا اپنی منزل پر جانا ممکن تو رہا نہ تھا' قریش نے وہ عمارتی لکڑی خرید لی اور مکہ لے آئے۔

اب دو مسئلے درپیش تھے' عمارتی لکڑی کی قیمت اور تعمیر کے اخراجات کا مسئلہ اور بیت اللہ کی دیواروں کو منہدم کرنے کا مسئلہ' وہ سب خوفزدہ تھے کہ دیواریں منہدم کرنے سے اللہ کی طرف سے ان پر کوئی عذاب نہ نازل ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے ماموں ابو وہب بن عمرو اپنی جگہ سے اٹھے.بیت اللہ کی دیوار سے ایک ڈھیلا پتھر نکال کر پھر واپس اسی جگہ رکھ دیا اور وہاں جمع لوگوں سے مخاطب ہوئے: ''اے قریش! اس گھر کی تعمیر کے لئے اپنی

حلال کی کمائی سے حصہ ڈالو! خبردار اس میں کسبیوں کی کمائی، سود کی کمائی اور ظلم سے حاصل کردہ کسی دوسرے کا مال شامل نہ کرنا۔"

قریش نے ان کی آواز پر لبیک کہا، سب نے اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حلال کی کمائی سے تعمیرِ بیت اللہ کے لئے حصہ ڈالا، مگر دیواریں گرانے پر وہ اب بھی آمادہ نہیں تھے۔

یہ حالت دیکھ کر ولید بن مغیرہ نے کدال ہاتھ میں لی، دیوار کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے اور بلند آواز سے کہا: "اے اللہ! ہم دین سے منحرف نہیں ہوئے، ہم خیر کے سوا کچھ اور نہیں چاہتے۔" پھر انہوں نے کدال سے بیت اللہ کی دیوار سے کچھ پتھر اکھاڑ دیئے۔

قریش کا خوف پھر بھی دُور نہ ہوا، وہ دُور کھڑے دیکھتے رہے کہ ولید بن مغیرہ پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے یا نہیں۔ رات آگئی، اہلِ مکہ یہی سوچتے ہوئے سو گئے، صبح جب ولید بن مغیرہ اور ان کے اہل و عیال کو سلامت پایا تو سب آمادہ ہوگئے۔ ولید بن مغیرہ نے دیوار اکھاڑنا شروع کی تو باقی قریش بھی انکے ساتھ شامل ہوگئے اور چاروں دیواروں کو گرانے اور نئے سرے سے بنانے کا کام سب نے آپس میں بانٹ لیا۔

جس دیوار میں دروازہ ہے، وہ بنی عبد مناف اور بنی زہرہ کے حصے میں آئی،

حجرِ اسود اور رُکنِ یمانی کا درمیان حصہ دیوار بنی مخزوم و تیم وغیرہ کے حصہ میں آیا۔

پُشت کی دیوار بنی سہم اور بنی جمح کو سونپ دی گئی،

حطیم کے رخ کی دیوار بنی عبدالدار، بنی اسد اور بنی عدی نے اپنے ذمہ لے لی۔

اللہ سے دعائیں مانگنے اور اپنی اپنی نیک نیتی کا اعلان کرنے کے بعد وہ زور شور سے خستہ دیواریں گرانے لگے، سطحِ زمین تک دیواریں گر چکیں تو انہوں نے اور نیچے کھودنا چاہا، مگر نیچے سبزی مائل نوکیلے پتھر سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے جیسے ایک ہی چٹان ہو۔ جب کدال سے انہیں اکھاڑنے کی کوشش کرتے تو سخت چٹان سے چنگاریاں نکلتیں، انہوں نے انہی ابراہیمیؑ بنیادوں پر نئی دیواریں اٹھانا شروع کردیا۔

قریشِ مکہ تجارت اور دیگر معاملات کے سفر میں یمن، حیرہ اور شام کے اکثر سفر کرتے رہتے تھے، وہاں انہوں نے مندروں اور کلیساؤں کی شاندار عمارتیں دیکھی تھیں، ان کی خواہش تھی کہ بیت اللہ کی عمارت بھی خوبصورت ہو، مکہ میں تعمیر اور لکڑی کا کام کرنے والے موجود تھے، جب تجارت سے روپیہ آجانے کے بعد قریش نے اپنے لئے خوبصورت مکان بنانا شروع کئے تھے تو باہر سے ماہرین بھی آگئے تھے۔ صیلح لکڑی کے کام کا ماہر تھا، وہ مصری قبطی تھا اور مکہ میں ہی رہتا

تھا۔سعید بن عاص کا غلام باقوم ماہرِ تعمیرات تھا۔(5) سب ماہرین نے بیت اللہ کے کام اور تعمیراتی سامان کو دیکھ کر فیصلہ کیا کہ حرم کی کرسی اونچی کر دی جائے تاکہ سیلاب کا پانی آئے بھی تو اندر داخل نہ ہوسکے۔پہلے بیت اللہ کے اندرونی حصہ اور باہر کی سطح ایک ہی تھی' چوگاٹھ زمین کی سطح پر ہی نصب تھی' اب اندر کی سطح باہر سے بلند کر دی گئی' اس سے دروازہ زمین سے بلند ہوگیا اور داخلہ کے لئے باہر لکڑی کی سیڑھی کے لئے گنجائش رکھی گئی۔پہلے دیواریں نو ہاتھ اونچی تھیں' اب اٹھارہ ہاتھ اونچی کر دی گئیں' ایک تو اندر سے کرسی اونچی ہوگئی تھی'دوسرے اب اوپر چھت جو ڈالنا تھی۔

ایک اور ترمیم یہ کی گئی کہ شمال کی طرف سے کچھ حصہ باہر چھوڑ دیا گیا۔اس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں' ایک یہ کہ جو لکڑی وہ خرید کر لائے تھے وہ کم ہو' دوسرا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ماہرِ تعمیر نے عمارت کے توازن اور خوبصورتی کے لئے یہ مشورہ دیا ہو۔ بیت اللہ کے اندر چھ ستون بنائے گئے تاکہ لکڑی کے شہتیروں کو سہارا دیا جاسکے' چھت پر جانے کی سیڑھی بھی اندر سے بنائی گئی' اس کے لئے چھت میں جگہ چھوڑ کر اوپر روشندان بنا دیا تاکہ ہوا اور روشنی اندر آسکیں۔

جب بنیادی تبدیلیوں پر اتفاق ہوگیا تو مکہ کے مرد و زن تعمیر میں لگ گئے۔سب اردگرد کے پہاڑوں سے پتھر اٹھا اٹھا کر لانے لگے' کوئی گارا بنانے لگا' کوئی پتھر جمانے میں مصروف ہوگیا۔کوئی بھی اس شرف میں کسی دوسرے سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا اور جب دیواریں حجرِ اسود کے نصب کرنے کی اونچائی تک پہنچ گئیں تو یہ جھگڑا پیدا ہوگیا تھا(6) کیونکہ بنو عبدالدار' بنو اسد اور بنو عدی نے اس شرف میں حصہ کا مطالبہ کر دیا تھا اور خون کے پیالے میں انگلیاں بھگو کر اس سے دست بردار نہ ہونے کا عہد کیا تھا۔پھر خود رسولِ اکرم ﷺ نے بھی بقیہ تعمیر میں حصہ لیا۔آپؐ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے رہے۔

بیت اللہ کی تعمیرِ نَو کے وقت جو جگہ باہر چھوڑ دی گئی تھی'اس کے گرد نصف دائرہ میں چھوٹی دیوار بنا دی' مگر اسے دونوں طرف سے بیت اللہ کی دیوار کے ساتھ نہیں ملایا تاکہ لوگ بلاروک اس کے اندر کے حصہ میں آسکیں۔یہ وہی جگہ ہے جسے حطیم کہا جاتا ہے۔بیت اللہ کی موجودہ عمارت اسی نقشہ کے مطابق ہے' اس میں صرف اتنی تبدیلی کی گئی کہ اندر کے چھ ستونوں کی بجائے چھت کے نیچے اب تین ستون ہیں' یہ تبدیلی حضرت عبداللہؓ بن زبیر نے کی تھی۔

ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم

ایک روز مدینہ میں رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حجرے میں تشریف فرما تھے' باہر سے کسی خاتون نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''اللہ کرے' یہ ہالہ ہوں۔ان کی آواز تو خدیجہ جیسی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ آواز سن کر بے چین ہو گئے۔

''آپؐ قریش کی اس بوڑھی عورت کو جسے مرے مدت گزر گئی' اب بھی اتنا یاد کرتے ہیں' حالانکہ اللہ نے آپؐ کو اس سے اچھی بیوی دی ہے۔'' حضرت عائشہؓ صدیقہ نے کہا۔

حضورؐ نے غصہ سے حضرت عائشہ صدیقہ کی طرف دیکھا:

''قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' میں آئندہ کبھی حضرت خدیجہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح نہیں کروں گی۔'' حضرت عائشہؓ صدیقہ نے حضورؐ کو ناراض دیکھ کر فوراً معذرت کی۔

وہ خاتون ہالہ ہی تھیں، حضرت خدیجہؓ کی بہن۔

حضورؐ کو اپنی پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ سے اتنی محبت تھی کہ آپؐ ان کے بارے میں کوئی ناگوار بات برداشت نہیں کرتے تھے۔آپؐ ان کے عزیزوں اور ان کی سہیلیوں کی بہت عزت کرتے تھے' جب کبھی بکری ذبح کرتے تو ان کے گھروں میں بھی گوشت بھجواتے۔حضورؐ نے اپنی زندگی کے پچیس سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارے' پندرہ سال نبوت سے پہلے اور دس سال نبوت کے بعد' حضرت خدیجہؓ سے اللہ نے آپ کو چھ بچے عنایت فرمائے' دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں' بڑے صاحبزادے کا نام القاسم تھا جس کی نسبت سے حضورؐ ابو القاسم کہلاتے تھے' صاحبزادیوں کے نام حضرت زینبؓ' حضرت رقیہؓ' حضرت اُم کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھے۔دوسرے صاحبزادے کا نام عبداللہؓ تھا' وہ وحی کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ان کا لقب طیب اور طاہر بھی تھا' حضورؐ کے دونوں فرزند چھوٹی عمر میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد رسولؐ اللہ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا' اب آپؐ بیوی بچوں والے تھے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔اس زمانہ میں بھی آپؐ تجارتی سفروں پر جاتے رہے' آپؐ گندم لا کر مکہ کی مارکیٹ میں فروخت کیا کرتے تھے۔پھر آپ قافلوں کے ساتھ کم جانے لگے تھے۔اپنا اور حضرت خدیجہؓ کا مالِ تجارت دوسروں کو دے کر

قافلوں کے ساتھ بھیج دیا کرتے تھے اور خود اس کی نگرانی فرمایا کرتے تھے۔

آپؐ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے' اپنے بچوں اور ان کی عمر کے اپنے خاندان کے دیگر بچوں کے ساتھ مل کر آپؐ کھیلا بھی کرتے تھے' خاندان کے بچوں میں حضرت علیؓ جو حضورؐ کی بڑی بیٹیوں سے عمر میں چھوٹے تھے اور حضورؐ کی پھوپھی صفیہؓ کے بچے خاص طور پر حضورؐ کی توجہ کا مرکز ہوتے۔جب حضورؐ چھوٹے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلتے تھے تو ان سے آپؐ ان کی زبان میں باتیں کرتے'ایسی زبان میں جو بچے بھی سمجھ جاتے۔

حضورؐ اپنے بچوں کی پرورش کا بہت خیال رکھتے تھے۔آپؐ کا فرمان ہے: ''اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں'کیونکہ وہ بچوں کی چھوٹی عمر میں ان پر بہت مہربان ہوتی ہیں اور خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔

''تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے۔مجھے دیکھو میں اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہوں۔''

سیدہ خدیجہؓ کی رفاقت کا پچیس سال کا زمانہ حضورؐ کی گھریلو زندگی کا پُر مسرت دور تھا۔اسی زمانے میں حضورؐ نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادیاں کیں' حضرت زینبؓ کی شادی سیدہ خدیجہؓ کی بہن کے بیٹے ابو العاص سے کی اور حضرت رقیہؓ کی شادی اپنی پھوپھی اُم حکیم کے نواسے حضرت عثمانؓ سے کی۔

دنیا کے ہر معاشرے میں خاتونِ خانہ کمزور اور مظلوم رہی ہے۔اس ترقی یافتہ دور میں بھی ننانوے فیصد بیویاں مظلوم اور مجبور ہوتی ہیں' لیکن حضورؐ کے گھر میں خاتونِ خانہ کمزور نہیں تھیں' مظلوم نہیں تھیں' آپؐ ہر معاملے میں سیدہ خدیجہؓ سے مشورہ فرماتے تھے' ان کی ضروریات کا بے حد خیال فرماتے تھے' وہ آپؐ کے گھر کی حاکم تھیں' حضورؐ نے فرمایا: ''عورت اپنے خاوند کے گھر پر حاکم ہے۔''

بیوی کے حقوق کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے: ''جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمہ ہیں'ویسے ہی عورت کے حقوق مرد کے ذمہ ہیں۔''

بیوی کے ساتھ سلوک کے بارے میں فرمایا: ''بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ اور حُسنِ معاشرت قائم رکھو۔''

حضرت عائشہؓ صدیقہ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک کالے رنگ کی عورت حضورؐ سے ملنے آئی' آپؐ بہت مہربانی سے اس سے ملے۔اس کا حال پوچھا اور فرمایا: ''ہمارے بعد تمہارا کیسا

حال رہا؟" جب وہ چلی گئی تو میں نے حضورؐ سے پوچھا یہ بڑھیا کون تھی جس سے آپؐ ایسی عنایت سے باتیں کر رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ خدیجہؓ کی سہیلی ہے' اسے خدیجہؓ سے بہت محبت تھی۔"

قبیلے کی آنکھ کا تارا

عرب کے معزز خاندان کسی دوسرے خاندان یا قبیلے سے سماجی اور سیاسی تعلقات مستحکم کرنا چاہتے تو اپنے کسی بیٹے کی شادی اس خاندان اور قبیلے میں کر دیتے تھے۔اس سے قائم ہونے والے تعلقات کا خون کے رشتہ کی مانند احترام کیا جاتا تھا۔دلہن کا خاندان اور قبیلہ دولہا کو اپنے دائرہ میں شامل کر لیتا تھا اور دولہا اپنے سسرالی خاندان کو اپنے والدین کے برابر سمجھتا تھا۔آج بھی عرب شرفاء میں یہ روایت قائم ہے' ایسا رشتہ قائم ہو جانے سے عرب پرانی دشمنیاں بھی بھول جاتے ہیں' دشمنی کس سے کریں؟ اپنے داماد' اس کے خاندان اور قبیلہ سے کیسے دشمنی ہو؟ فریقِ ثانی اپنے بیٹے کے سسرال' اس کے سسرالی خاندان اور قبیلہ سے دشمنی کرے گا تو اپنے ہی بیٹے کے وقار اور مرتبہ کو نقصان پہنچائے گا۔سیدہ خدیجہؓ سے شادی کے بعد حضورؐ ان کے خاندان کے رکن بن گئے۔پہلے بنی عبدالمطلب اور بنی ہاشم کی آنکھ کا تارا تھے' اب دو خاندان آپ کو اپنی آنکھ کا تارا سمجھنے لگے۔سیدہ خدیجہؓ کے والد خویلد بن اسد مکہ کے ایک معزز اور مالدار تاجر تھے۔ آپ کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل قریش میں بہت محترم تھے' پڑھے لکھے تھے اور ان چند افراد میں سے تھے جو اس دور میں دینِ حق کی تلاش میں رہتے تھے' وہ بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے۔سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام قریش میں بڑے معزز تھے' رفادہ اور دارالندوہ کے منصب ان کے پاس تھے۔سیدہ خدیجہؓ مالدار تھیں' سیدۃ قریش تھیں' ان سے شادی کے بعد حضورؐ دونوں بڑے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز بن گئے۔

مکہ کی شہری ریاست کے اختیارات اور بیت اللہ کے مناصب کی تقسیم سے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کی سیاسی اور سماجی قوت کمزور پڑ گئی تھی' ان میں ہاشم اور عبدالمطلب جیسا کوئی باصلاحیت فرد موجود نہیں تھا۔رسول اللہ ﷺ کو سارے قریش اور دور و نزدیک کے عرب قبائل "امین" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔آپؐ کی دانائی' شرافت اور صلاحیتوں کے سب ہی معترف تھے' اس لئے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی نظریں محمدؐ بن عبداللہ پر لگی تھیں کہ وہ ان کے آباؤ اجداد کا مقام و مرتبہ انہیں واپس دلائیں گے'لیکن جیسے جیسے حضورؐ کی عمر اور تجربہ میں

اضافہ ہو رہا تھا' آپؐ باقی قریش کی امیدوں کا بھی مرکز بنتے جا رہے تھے۔قریش کے سارے قبیلوں کے سردار آپ کو مستقبل کا سارے قریش کا لیڈر سمجھنے لگے تھے اور کہتے تھے کہ آنے والے وقت میں آپ سارے جزیرۃ العرب میں قریش کے وقار اور قوت کا نشان بن کر ابھریں گے۔(7) بیت اللہ کی تعمیرِ نو کے وقت پیدا ہونے والے جھگڑے کو جس فراست سے آپؐ نے نپٹایا تھا' اس سے سارے جزیرۃ العرب میں آپؐ کی دانائی کا چرچا ہونے لگا تھا اور سارے قریش قبیلوں نے بلا تامّل آپؐ کے فیصلہ کو تسلیم کرکے عملاً آپؐ کی برتری کا اعتراف کر لیا تھا' اس لئے اب سارے قریش اور ان کے بڑے بڑے سردار آپؐ سے تعلق استوار کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

ابو لہب حضورؐ کا تایا تھا۔ایک دفعہ ابو طالب اور ابو لہب میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا۔ابولہب نے ابوطالب کو نیچے گرا دیا اور ان کے سینے پر بیٹھ کر انہیں تھپڑ مارنے لگا' حضورؐ پاس کھڑے تھے۔ آپؐ نے ابو لہب کو ایک طرف دھکیل دیا' ابو طالب اٹھے اور ابولہب کو پچھاڑ کر اسے مارنے لگے۔ابو لہب نے کہا: "اے محمدؐ،وہ بھی تیرا تایا ہے اور میں بھی تیرا تایا ہوں' تُونے یہ جانبداری کیوں کی ہے؟ خدا کی قسم!میرا دل اب کبھی تجھ سے محبت نہ کرے گا"(8) یہ رسولؐ اللہ کے بچپن کا واقعہ ہے' لیکن جب دیکھا کہ مکہ اور سارے عرب قبائل میں رسولؐ اللہ کو عزت و احترام کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے' تو وہی ابو لہب حضورؐ کے پاس آیا اور اپنے دونوں بیٹوں عتبہ اورعتیبہ کے لئے حضورؐ کی دو صاحبزادیوں کے رشتہ کی درخواست کی' حضورؐ نے یہ درخواست قبول فرما لی۔

حضورؐ نے اُمِ ایمنؓ (برکت) کو آزاد کر دیا تو انہوں نے شادی کر لی،لیکن خاوند کے ساتھ ان کا نباہ نہ ہوسکا تو وہ اپنے بچے کے ساتھ حضورؐ کے ہاں واپس آگئیں' انہیں وہ احترام اور آرام اور کہاں مل سکتا تھا جو حضورؐ کے گھر میں حاصل تھا۔ آپ اُمِ ایمنؓ کو ماں کہا کرتے تھے۔ قریش کی آنکھ کا تارا ایک آزاد کردہ لونڈی کو ماں کہے اور لوگوں کو بتائے کہ میرے باپ کے خاندان سے یہی اکیلی میرے پاس باقی بچی ہیں۔

حواشی/حوالہ جات

1- کونسٹن ورجیل جورجیو / سیارہ ڈائجسٹ (عکسِ سیرت نمبر) لاہور فروری 1993ء صفحہ 57

2- حضورؐ سے شادی کے وقت سیدہ خدیجہؓ کی عمر کے بارے میں مختلف روایات ہیں، لیکن عرب کے رواج کو دیکھا جائے تو کسی لحاظ سے بھی ان کی عمر چالیس سال نہیں ہوسکتی تھی۔عرب پندرہ سولہ سال کی عمر میں لڑکیوں کی شادیاں کر دیتے تھے' دو عقد اور تین بچوں کی پیدائش کے بعد چالیس سال کی عمر تک اتنے شرف' وقار اور منزلت والی سیدہ قریش کا شادی نہ کرنا اور بیوگی کی زندگی گزارنا کسی طرح ممکن نہ تھا۔اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق اور رائے سب سے متوازن ہے۔ (رسولِ اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی صفحہ 65)

3- کونسٹن ورجیل جورجیو / سیارہ ڈائجسٹ (عکسِ سیرت نمبر) / لاہور فروری 1993ء / صفحہ 53-54

4- شیخ محمد رضا / محمد رسول اللہ ﷺ / لاہور صفحہ 68

5- شیخ محمد رضا / محمد رسول اللہ ﷺ / لاہور صفحہ 68

6- مارٹن لنگز (Martin Lings) نے لکھا ہے کہ جب بیت اللہ کی دیواریں گرا کر نئی تعمیر شروع کی گئی تھی' اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ میں موجود نہیں تھے اور اسی روز واپس تشریف لائے تھے جب لڑائی پر کمربستہ قریش بابِ بنو شیبہ پر نظریں لگائے بیٹھے تھے (صفحہ 42) واقعات کو ان کے فطری تناظر میں دیکھا جائے تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے جو حدیث مروی ہے اس کے مطابق حضورؐ کو قریش کا ابراہیمیؑ تعمیر سے کچھ حصہ چھوڑ دینے کا فیصلہ پسند نہیں تھا۔اگر آپؐ بنیادیں اٹھانے کے وقت مکہ میں موجود ہوتے تو لازماً انہیں یہ تبدیلی کرنے سے باز رکھتے اور پھر آپؐ کی موجودگی میں حجرِ اسود کا جھگڑا اتنا طول نہ پکڑتا۔

7- Mortin Lings / Muhammad His life based on the earliest / Services Book Club 1985 Page 40

8- ڈاکٹر محمد حمید اللہ / رسولِ اکرم کی سیاسی زندگی / کراچی 1987ء / صفحہ 56

اِنتخاب

انسان کے فکر و عمل پر اس ماحول اور معاشرے کے اثرات بہت گہرے ہوتے ہیں جس میں وہ پرورش پاتا اور زندگی گزارتا ہے۔ محمدؐ بن عبداللہ نے بچپن مکہ میں گزارا' وہیں پل کر جوان ہوئے اور وہیں پختہ عمر کے مرحلے طے کئے' مگر ان کے فکر و عمل پر مکہ کے ماحول اور قریشِ مکہ کے معاشرے کا کوئی ناخوشگوار اثر مرتب نہ ہوسکا۔ مکہ خوشحال اور خوش باش قریش کا شہر تھا' محمدؐ کو بھی اللہ نے خوشحالی عطا فرمائی تھی' مگر وہ ان خوش حال اور خوش باش لوگوں کی کسی محفل میں نظر نہیں آتے۔ صبح ہوتے ہی اور سُورج ڈھلے قریش حدودِ حرم میں محفلیں جما کر بیٹھ جاتے' بیت اللہ کے چاروں طرف الگ الگ ٹولیوں میں بیٹھ کر گپ شپ لگاتے' بحث مباحثے کرتے' اپنی ذاتی اور خاندانی بڑائی کے رعب جماتے' لیکن محمدؐ قریش کی ان مجلسوں میں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ مکہ کے اردگرد میلے منعقد ہوتے تھے' بازار لگتے تھے جہاں لوگ دور دور سے آتے تھے' شعر و شاعری کے مقابلے ہوتے تھے' شاعر اپنے قبیلے کی بڑائی' ذاتی تفاخر اور عشق و عاشقی کی خود ساختہ کہانیاں سناتے تھے اور داد پاتے تھے' مگر کسی کتاب یا روایت میں کوئی ایسا ذکر نہیں ملتا کہ آپؐ نے کبھی ایسے مقابلوں میں حصہ لیا ہو یا شرکت کی ہو۔ انسانی کردار کی بنیادیں اعتقادات پر استوار ہوتی ہیں' چھوٹی عمر میں کسی عقیدے کا بیج کسی ذہن میں جڑ پکڑ لیتا ہے اور پھر عمر کے ساتھ یہ عقیدہ پختہ ہوتا جاتا ہے' اس کی شخصیت کا روپ دھار لیتا ہے۔ حضورؐ کی عمر کے چالیس سال مکمل ہونے کو تھے' مگر آپؐ سارے مکہ والوں سے الگ تھے' سب سے مختلف تھے' مکہ کے ماحول اور معاشرے کے آپؐ پر کوئی اثرات نہیں تھے' ان کے مذہبی اور سماجی عقائد کا بھی آپؐ پر کوئی اثر نہیں تھا۔

ایسا کیوں تھا؟

کسی انسان کے لئے ایسے سارے اثرات سے محفوظ رہنا ممکن نہیں ہوتا۔
اللہ تعالیٰ آپؐ کو اس عظیم مشن کے لئے تیار کر رہے تھے جس کے لئے آپؐ کو منتخب کیا گیا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان اثرات سے محفوظ رکھا' آپؐ کی مدد فرمائی اور ان مشاغل اور محفلوں کو آپؐ کے لئے ناپسندیدہ بنا دیا۔

اہلِ مکہ ہمہ وقت دنیاوی مال و دولت اور عزت و جاہ کے بارے میں ہی سوچتے تھے، مگر محمدؐ کائنات اور اس کے بنانے والے کے بارے میں سوچا کرتے تھے' چاند اور سورج کے طلوع و غروب پر غور فرماتے تھے' ستاروں کی چمک کیا ہے؟ ہوائیں کہاں سے آتی ہیں؟ آسمان کی وسعتوں سے آگے کیا ہے؟ انسان کہاں سے آتے ہیں اور پھر کہاں چلے جاتے ہیں؟ حضورؐ چٹانوں کے سایہ میں اور درختوں کی چھاؤں میں تنہا بیٹھے اکثر سوچا کرتے تھے۔سیدہ خدیجہؓ مشکیزے میں پانی بھر دیتیں' کھانا اور خشک ستّو تیار کر دیتیں اور حضورؐ غارِ حرا کی تنہائی میں کئی کئی دن اسی فکر میں گمُ رہتے' کھانے پینے کی اشیاء ختم ہو جاتیں' تو واپس مکہ آتے اور یہ سامان لے کر پھر واپس چلے جاتے۔کبھی حضرت خدیجہؓ کسی خادم کے ہاتھ پانی اور خوراک بھجوا دیتیں۔
غارِ حرا بیت اللہ سے اڑھائی تین کلو میٹر دور ایک پہاڑ جبلِ نور میں ہے۔
غارِ حرا کا مطلب ہے تلاش و جستجو کا غار۔
اور جبلِ نور کے معنی ہیں روشنی کا پہاڑ۔

پتھر کی بڑی سِلوں سے بنے اس غار کی لمبائی بارہ فٹ کے قریب ہے اور چوڑائی چھ فٹ کے قریب' اونچائی اتنی ہے کہ آدمی آسانی سے کھڑا ہوسکے' فرش مسطح ہے اور اندر صرف ایک آدمی کے نماز پڑھنے' بیٹھنے اور لیٹنے کی گنجائش ہے۔غار میں داخل ہونے کے لئے پہلے پہاڑ کی چڑھائی چڑھنا ہوتی ہے۔غار میں بیت اللہ کے رُخ ایک شگاف ہے' اتنا بڑا کہ بیٹھنے اور لیٹنے سے باہر دور تک دیکھا جاسکے۔حضورؐ کے زمانہ میں جبلِ نور اور بیت اللہ کے درمیان بلند عمارتیں اور تعمیرات نہیں ہوتی تھیں' اس لئے غار میں سے بیت اللہ صاف دکھائی دیتا تھا' لیٹتے وقت بھی اللہ کا گھر آنکھوں کے سامنے رہتا تھا۔رات کے وقت جب چاند کی روشنی کوہ و دمن پر پھیل جاتی تو حضورؐ غار کی تنہائی اور فضاء کی خاموشی میں اس شگاف میں سے اللہ کے گھر کو دیکھتے رہتے' اللہ اور اس کے گھر میں رکھے سینکڑوں بُتوں کے بارے میں سوچتے اور ان لوگوں کے بارے میں غور فرماتے جو کائنات کے خالق کی بجائے انسانوں کے بنائے ان بُتوں سے مُرادیں مانگتے تھے اور ان کی پُوجا کرتے تھے۔اتنی وسیع و عریض کائنات کو لوگوں کے اپنے بنائے یہ بُت کیسے چلاتے ہیں؟

ان سے پہلے نظامِ کائنات کون چلاتا تھا؟ جہاں یہ نہیں وہاں کون ہے؟ ان دنوں آپؐ رات کو جو خواب دیکھتے، وہ دن کو پورا ہو جاتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپؐ کے اردگرد روشنی کا ہالہ بن جاتا، آپؐ کہیں جا رہے ہیں، کسی طرف سے کوئی آواز آتی ہے، اچانک کوئی کہتا ہے: ''السلام علیک یا رسول اللہ!'' آپ مُڑ کر دیکھتے ہیں، لیکن کہیں کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا۔ آپؐ گھبرا جاتے، مگر یہ تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو وہ حقائق بتانے کے لئے تیار کر رہے تھے جو آپؐ کو معلوم نہیں تھے۔ یہ وحی، جبریلؑ، قرآن اور اسرارِ کائنات سے آگاہی کی تیاریاں تھیں، مگر آپؐ اللہ کے اس فیصلے سے آگاہ نہیں تھے، اس لئے فکر مند ہو جاتے تھے۔ ایک بار آپؐ نے سیدہ خدیجہؓ کو اس بارے میں بتایا تو انہوں نے آپؐ کو تسلی دی: ''خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ کبھی آپؐ کو کوئی دکھ تکلیف نہیں دے گا، کیونکہ آپؐ لوگوں کی امانتیں ادا کرتے ہیں، رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں''۔

رمضان کا چاند نظر آیا تو حضورؐ غارِ حرا کی طرف چل دیئے، اہلِ خانہ بھی آپؐ کے ہمراہ ہوگئے۔ حضورؐ رمضان کا پورا مہینہ غارِ حرا میں گزارنے لگے تھے، اس لئے سیدہ خدیجہؓ بھی بچوں اور خدام کے ساتھ حضورؐ کے ہمراہ ہو جاتی تھیں۔ وہ پہاڑی کے پاس کھلے میدان میں خیمہ زن ہو جاتی تھیں اور حضورؐ جبلِ نور کی بلندی چڑھ کر غار میں اتر جاتے تھے۔ عرب کھلے صحراؤں اور میدانوں میں خیمے لگا کر کچھ وقت گزارنے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ آج چودہ سو سال بعد بھی انہیں وقت ملے تو وہ خیمے لے کر صحراؤں کی طرف نکل جاتے ہیں، لیکن سیدہ خدیجہؓ کے حضورؐ کے ہمراہ جانے کا ایک اور مقصد بھی ہوتا تھا، وہ چاہتی تھیں کہ خوراک اور دیگر ضروریات کے لئے حضورؐ کو کوئی مشکل پیش نہ آئے اور اگر کسی خواب یا آواز سے حضورؐ فکر مند ہو جائیں تو وہ آپؐ کی دیکھ بھال کے لئے قریب موجود ہوں۔ یہ گرمی کا موسم تھا، بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرانے والے کبھی ادھر آجاتے یا کوئی مسافر اس راہ سے گزرتا تو سیدہ خدیجہؓ کے خدام خوراک اور پانی سے اس کی بھی تواضع کرتے۔

ماہِ رمضان کے دو عشرے گزر چکے تھے، چاند اب پوری رات کا نہیں ہوتا تھا، کچھ تاخیر سے نکلنے لگا تھا، لیکن جب طلوع ہوتا تو کوہ و دمن اس کی ٹھنڈی روشنی سے چمک اٹھتے تھے۔ ایسی ہی ایک ٹھنڈی اور روشن رات کے پچھلے پہر غارِ حرا میں اچانک ایک آدمی کہیں سے نمودار ہوگیا:

''پڑھیے۔'' اس آدمی نے حضورؐ سے کہا۔

''میں پڑھنا نہیں جانتا۔'' حضورؐ نے جواب دیا۔

اس آدمی نے آگے بڑھ کر حضورؐ کو سینے سے لگا کر پوری قوت سے بھینچا اور چھوڑ کر پھر کہا:
"پڑھیئے۔"
حضورؐ نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔
اس آدمی نے دوبارہ حضورؐ کو سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا: "پڑھیئے۔"
اس بار حضورؐ نے فرمایا: "کیا پڑھوں؟"
اس نے تیسری بار حضورؐ کو اسی طرح سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا: "پڑھیئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جو پیدا کرنے والا ہے۔
جس نے جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی ہے۔
پڑھیئے اور آپؐ کا رب بڑا کریم ہے۔
وہ رب جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا ہے۔
(اس نے) انسان کو وہ علم دیا ہے جسے وہ نہیں جانتا تھا۔" (5-1:96)
اور پھر جس طرح اچانک وہ آدمی کہیں سے نمودار ہوگیا تھا' اسی طرح غار کے اندھیرے میں تحلیل ہوگیا۔
حضورؐ کے لئے یہ ایک نیا تجربہ اور نیا مشاہدہ تھا' ایسا تجربہ اور مشاہدہ جس کے بارے میں آپؐ نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ سوچا تھا۔
حضورؐ فرماتے ہیں کہ وہ آدمی مجھے اتنی قوت سے بھینچتا تھا کہ میری قوتِ برداشت جواب دینے لگتی تھی۔
حضورؐ فرماتے ہیں اس آدمی نے جو کچھ پڑھا اور میں نے دُہرایا تھا' ایسے محسوس ہوا جیسے میرے قلب پر رقم ہوگیا ہے۔
آپؐ زبان کو حرکت دیتے تو قلب رواں ہو جاتا۔
یہ کیا ہوا؟
کسی اور انسان کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہو' آپؐ نے تو سنا بھی نہ تھا۔
آپؐ نے عرب کے کاہنوں کے قصے سنے تھے' عرب جادوگروں پر یقین رکھتے تھے' آپؐ نے جنّوں کے اچانک نمودار ہو جانے اور ہوا میں تحلیل ہو جانے کے بارے میں بھی سن رکھا تھا۔
کیا یہ بھی کوئی جن یا جادوگر ہی تو نہ تھا؟ میرے قلب پر لکھی تحریر کہیں کسی جادوگر کا شاعرانہ کلام تو نہیں؟ آپؐ سوچنے لگے۔

صبح کی ٹھنڈی چاندنی میں جب ہر طرف مکمل سکوت تھا' حضورؐ غارِ حرا میں سوچ رہے تھے' آپؐ کا دل بھاری ہوگیا تھا۔
جسم تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔
حضورؐ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں میرے لئے شاعر اور مجنون سے زیادہ کوئی چیز قابلِ نفرت نہ تھی۔
میں انہیں دیکھنے کا روادار تک نہ تھا۔
اپنی اسی حالت اور دل پر ثبت کلام کو دیکھ کر میں نے سوچا کہیں میں بھی شاعر یا مجنون تو نہیں بن گیا؟ اگر قریشِ مکہ کو اس واقعہ کا علم ہوگیا یا میں نے انہیں یہ کلام سنایا تو وہ مجھے بھی شاعر یا مجنون تو نہیں سمجھیں گے؟
ایک غم اور بھی تھا۔
مکہ کے سارے لوگ آپؐ کو امین کہتے تھے' سب سے سمجھدار مانتے تھے' جزیرۃ العرب میں آپؐ کی فراست کا اعتراف کیا جاتا تھا۔
کسی امین اور سچے آدمی کے قول و فعل پر سے لوگوں کا اعتبار اٹھ جانا اس کے لئے سب سے بڑا صدمہ ہوتا ہے۔
حضورؐ غار سے باہر نکل آئے۔چاروں طرف صبحِ صادق کا نور پھیلنا شروع ہوگیا تھا،مگر آپؐ کو وہی غم دامن گیر تھا' آپؐ ایک پہاڑ کی بلندی کی طرف چلنے لگے' آپؐ کے دل پر بہت زیادہ بوجھ تھا۔
"اے محمدؐ!آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں"۔ آسمان کی طرف سے ایک آواز آئی۔
حضورؐ چلتے چلتے رک گئے' نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا تو آسمان کی بلندیوں میں ایک شخص دکھائی دیا' اس کا ایک پاؤں ایک افق پر تھا اور دوسرا پاؤں دوسرے افق پر۔یہ وہی آدمی تھا جو غار میں آیا تھا۔
"اے محمدؐ!آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں"۔ اس نے پھر بلندیوں سے آواز دی۔
جبریلؑ کون ہے؟ اللہ کا رسول کیا ہوتا ہے؟ حضورؐ سوچنے لگے۔
آپ جدھر نظر گھماتے وہ سامنے آجاتا اور کہتا:"اے محمدؐ!آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں!"
آپؐ کے قدم جہاں تھے'وہیں جم گئے تھے۔
آپؐ نے ارادہ کیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر سے کود کر خودکشی کرلیں تاکہ اس بوجھ سے نجات مل جائے جس نے غار کے واقعہ کے بعد سے آپؐ کے دل کو گرفت میں لے لیا تھا' لیکن اب نہ آگے

جاسکتے تھے نہ پیچھے ' اللہ نے آپؐ کے دل اور ارادے کو بدل دیا ' آپؐ فضاء کی وسعتوں میں معلق اس آدمی کو کھڑے دیکھتے رہے اور گہری سوچ میں گم ہو گئے۔

جب دن کی روشنی پھیلنے لگی تو جبریلؑ غائب ہو گئے۔

حضورؐ سیدہ خدیجہؓ کے خیمے کی طرف چل دیئے۔

صبح کے وقت سیدہ خدیجہؓ نے جن خدام کو حضورؐ کے پاس بھیجا تھا انہوں نے واپس آ کر بتایا تھا کہ حضورؐ غارِ حرا میں موجود نہیں ' سیدہ خدیجہؓ کو گمان ہوا کہ شاید حضورؐ مکہ کی طرف چلے گئے ہوں ' انہوں نے خدام کو ادھر دوڑایا۔خدام نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضورؐ ادھر بھی نہیں تشریف لے گئے۔

وہ سب پریشان تھے۔

غارِ حرا سے نکل کر جب آپؐ قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ رہے تھے اور وہاں پر قدم بستہ کھڑے افلاک کی وسعتوں میں معلق جبریلؑ کو دیکھ رہے تھے ' اس وقت سیدہ کے خدام آپؐ کو ہر طرف ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

"اے ابو القاسمؐ !آپ کہاں تھے؟ بخدا میں نے تو آپؐ کی تلاش میں آدمی بھیجے جو مکہ میں جا کر واپس چلے آئے۔" حضورؐ خیمے میں پہنچے تو سیدہؓ خدیجہ نے پوچھا۔

"مجھے کپڑا اوڑھا دو۔" رسولؐ اللہ نے ان کے قریب تشریف فرما ہوتے ہوئے فرمایا:"مجھے کپڑا اوڑھا دو۔" آپؐ کی حالت ایسے تھی جیسے بخار آنے کو ہو۔

سیدہؓ خدیجہ نے جلدی سے آپؐ کو کپڑا اوڑھا دیا اور قریب تشریف فرما ہوگئیں۔

"خدیجہؓ !میں اپنے بارے میں فکر مند ہوں ' نہ معلوم میں شاعر ہوں یا مجنون۔" حضورؐ ابھی تک اسی غم اور فکر میں تھے۔

سیدہ خدیجہؓ نے کہا:"میں آپؐ کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں ' آپؐ یقیناً ایسے نہیں ہیں ' اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا سلوک ہرگز نہیں کرے گا'کیونکہ آپؐ سچ بولنے والے ہیں' انتہائی ایماندار ہیں ' رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں ' مہمان نوازی کرتے ہیں ' نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں ' بے سہارا لوگوں کو برداشت کرتے ہیں ' ناداروں کو کما کر دیتے ہیں اور آپؐ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔" سیدہؓ اپنی زندگی کے پندرہ سال حضورؐ کے ساتھ گزار چکی تھیں ' حضورؐ کے عادات و خصائل سے سب سے زیادہ آگاہ تھیں ' انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسے کردار کے شخص کو کبھی رنج میں مبتلا نہیں کرے گا۔

جب حضورؐ کی طبیعت ذرا سنبھل گئی تو سیدہؓ نے پوچھا: ”اے میرے چچا کے بیٹے! کیا معاملہ ہوا ہے؟ کیا آپ نے کوئی چیز دیکھی یا سُنی ہے؟“

انہیں حضورؐ کے مختلف قسم کے خواب دیکھنے ' درختوں اور چٹانوں کے پاس سے گزرتے وقت ”السلام علیک یا رسول اللہ“ کی آوازیں سننے کا علم تھا۔

انہوں نے سوچا پھر کوئی اسی قسم کا واقعہ تو پیش نہیں آیا۔

حضورؐ نے غارِ حرا میں اور آسمان کی وسعتوں میں جو کچھ دیکھا تھا' غار میں نمودار ہونے والے آدمی سے جو کچھ سُنا تھا سب بتا دیا۔

”چچا کے بیٹے! خوش ہو جایئے' خدا کی قسم! مجھے یقین تھا کہ اللہ آپؐ سے صرف بھلائی کرے گا' مجھے یقین ہے کہ آپؐ اس قوم کے لئے رسول ہیں۔“ سیدہ نے خوش ہوتے ہوئے رسولؐ اللہ کو اپنی رائے سے آگاہ کیا۔

سیدہ خدیجہؓ کی باتوں سے رسولؐ اللہ کے اطمینانِ قلب میں اضافہ ہوگیا' آپؐ نے کھانا کھایا اور آرام کے لئے لیٹ گئے۔

سیدہ خدیجہؓ نے کپڑے تبدیل کئے اور مکہ روانہ ہوگئیں۔ان کے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل بڑے زاہد اور عالم تھے' دینِ حنیف کی تلاش میں انہوں نے تورات اور انجیل پڑھی تھیں' گزرے ہوئے انبیاء کی تاریخ اور احوال سے واقف تھے' سیدہؓ نے سوچا رسولؐ اللہ کو جو تجربات و مشاہدات پیش آئے ہیں' شاید وہ ان کے بارے میں کچھ بتا سکیں۔

”چچا کے بیٹے' بتائیں جبریلؑ کون ہے؟“ انہوں نے ورقہ بن نوفل سے پوچھا۔

”وہ پاک ہے' وہ پاک ہے۔“ ورقہ بن نوفل نے کہا: ”جبریلؑ اللہ تعالیٰ کے سچے پیامبر ہیں' جو خدا کے پیغمبروں تک اس کا پیغام پہنچایا کرتے تھے' مگر مکہ میں جہاں لوگ خدا کو ہی نہیں مانتے' تو اُس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہے۔“

”محمدؐ کہتے ہیں کہ جبریلؑ میرے پاس آئے تھے۔“ سیدہ خدیجہؓ نے جواب دیا اور آپؐ سے جو کچھ سنا تھا اسے بتایا۔

”بخدا! اگر جبریلؑ زمین پر آئے تھے' تو یہ اس شہر پر اللہ تعالیٰ کی بے پایاں برکت اور خیر ہے۔اے خدیجہؓ! اگر تُو یہ سب کچھ سچ کہہ رہی ہے تو یہ وہی ناموسِ اکبر (پیامبر) ہے جو حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔“ ورقہ نے بتایا۔

”کیا تورات اور انجیل میں لکھا ہے کہ اس زمانے میں کوئی پیغمبر آئے گا؟“

"ہاں، لکھا ہے۔" ورقہ بن نوفل نے جواب دیا اور کہا کہ آئندہ اگر تمہاری موجودگی میں وہ شخص محمدؐ کو دکھائی دے جو اپنا نام جبریلؑ بتاتا ہے، تو تم اپنے سر پر سے دوپٹہ ہٹا دینا۔ اگر تو تمہارے اپنا سر ننگا کرنے کے بعد بھی وہ اسی طرح محمدؐ کو دکھائی دیتا رہے تو وہ فرشتہ نہیں شیطان ہے، لیکن اگر تمہیں ننگے سر دیکھ کر غائب ہو جائے تو وہ اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہی ہوگا۔

سیدہ خدیجہؓ مکہ سے واپس خیمے میں پہنچ گئیں اور اپنے چچا زاد بھائی سے جو کچھ سنا تھا، حضورؐ کو بتا دیا۔

حضرت جبریلؑ ماہِ رمضان کی اکیسویں رات کو غارِ حرا میں رسول اللہؐ کے لئے پہلی وحی لے کر آئے تھے۔(1) یہ دوشنبہ کا دن تھا۔

حضورؐ کے دل کا بوجھ اور تشویش کم ہوگئے اور آپ غارِ حرا میں واپس چلے گئے۔

حضورؐ کا معمول تھا کہ جب بھی غارِ حرا میں عبادت اور گوشہ نشینی سے واپس آتے، سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں حاضری دیتے، بیت اللہ کا طواف کرتے، اس کے بعد بال بچوں کے پاس گھر جاتے۔ ماہِ رمضان ختم ہوا تو حسبِ معمول آپؐ مکہ واپس آنے کے بعد سیدھے حرم گئے اور طواف کیا، وہیں ورقہ بن نوفل بھی آپؐ کو مل گئے۔

"آپ نے غارِ حرا میں کیا دیکھا اور سنا تھا؟" ورقہ بن نوفل نے حضورؐ سے پوچھا۔

حضورؐ نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، سب کچھ اسے بتایا۔

ورقہ بن نوفل نے حضورؐ کا سرِ مبارک چومتے ہوئے کہا: "خوشخبری ہو اے محمدؐ! میں آپؐ کو خوشخبری دیتا ہوں کہ آپؐ ہی وہ پیغمبر ہیں جس کی عیسیٰؑ نے بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔ آپؐ کے پاس جو ناموسِ اکبر آیا تھا، وہی تھا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا کرتا تھا۔"

ورقہ بن نوفل نے حضورؐ کو بتایا کہ ایک وقت آئے گا جب آپؐ کو کفار سے جنگ اور جہاد کرنا پڑیں گے اور کہا: "اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو میں ہر طرح سے آپؐ کا ساتھ دوں گا۔"

ورقہ بن نوفل بہت عمر رسیدہ تھے اور آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ انہوں نے آہ بھر کر کہا: "اے کاش! جب آپ کی قوم آپ کی دشمن ہو جائے گی، اور آپ کو اس شہر سے نکال دے گی، اس وقت میں جوان ہوتا اور آپؐ کی مدد کر سکتا۔"

"کیا یہ لوگ مجھے اس شہر سے نکال دیں گے؟" حضورؐ نے تشویش ظاہر کی۔

ورقہ بن نوفل نے جواب دیا: "ہاں ایسا ہی ہوگا، دنیا میں جو بھی نبی آیا، اس کی قوم نے اسے

تکالیف دیں اور اس کی دشمن ہوگئی"۔

حرم شریف سے حضورؐ اپنے گھر تشریف لے گئے' دل مطمئن تھا مگر بار بار خیال آتا ہوگا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حکم پر جبرئیلؑ کئی بار حضورؐ کو دکھائی دیئے(2) یہ یقین دلانے کے لئے کہ ایسا ہی ہوا ہے' اللہ ہی نے انہیں اپنا پیامبر بنا کر بھیجا تھا!

سیدہ خدیجہؓ نے ورقہ بن نوفل کا بتایا نسخہ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا اور حضورؐ سے درخواست کی کہ آئندہ جب فرشتہ (جبرئیل) آپؐ کو دکھائی دے' مجھے بھی بتانا۔ایک روز جبرئیلؑ حضورؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے سیدہ کو بتادیا۔

"آپؐ میرے دائیں پہلو میں تشریف فرما ہو جائیں۔" سیدہؓ نے درخواست کی۔

حضورؐ سیدہ کے دائیں طرف تشریف فرما ہوگئے۔

"اب بھی آپؐ کو وہ فرشتہ نظر آتا ہے؟" سیدہؓ نے پوچھا۔

"ہاں'وہ فرشتہ میری آنکھوں کے سامنے ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔

"اب آپؐ میرے بائیں پہلو میں تشریف رکھیں۔" سیدہؓ نے درخواست کی۔

حضورؐ سیدہؓ کے بائیں پہلو میں تشریف فرما ہوگئے۔

"اب بھی فرشتہ نظر آتا ہے؟" سیدہؓ نے سوال کیا۔

"ہاں آتا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔

اس کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے حضورؐ کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور وہی سوال کیا' حضورؐ نے وہی جواب دیا کہ فرشتہ موجود ہے۔

تب سیدہ خدیجہؓ نے حضورؐ کو اپنی اوڑھنی کے اندر لے لیا اور اپنے سر سے کپڑا ہٹا دیا۔

فرشتہ غائب ہوگیا۔

سیدہؓ نے کہا:"وہ فرشتہ ہی ہے جو آپؐ کو نظر آتا ہے' شیطان میاں بیوی کو اس حالت میں دیکھ کر کبھی غائب نہ ہوتا۔"

اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے جبرئیلؑ حضورؐ کو دکھائی نہیں دیئے'(3) اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لے کر نہیں آئے۔اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں' اللہ کے حکم سے جبرئیلؑ نے حضورؐ تک وحی پہنچائی تھی' خالق کا پیغام مخلوق تک آیا تھا۔ حضورؐ کو ایک نیا تجربہ اور مشاہدہ میسر آیا تھا جس کی قلبی اور جسمانی کیفیات کا کوئی ایسا انسان اندازہ نہیں کرسکتا جو خود ایسی واردات سے نہ گزرا ہو۔اللہ تعالیٰ حضورؐ کے اس نئے قلبی اور جسمانی تجربہ کا بوجھ ہلکا

کرنا چاہتے تھے، حضورؐ کو اس کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لئے وقفہ دینا چاہتے تھے، اس کے نتائج اور عوامل کا جائزہ لینے، اس بوجھ کو اٹھانے کی قوت جمع کرنے کے لئے ایسا وقفہ لازم تھا۔

حضورؐ اس وقفہ میں غور و فکر فرماتے رہے، آپؐ کو یہ تو یقین ہوگیا کہ غارِ حرا میں آنے والا پیامبر خالقِ کائنات کا بھیجا ہوا ہی تھا، تورات اور زبور کے عالم ورقہ بن نوفل سے ملاقات کے بعد حضورؐ جان گئے تھے کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور پیغمبروں کے پاس اسی فرشتہ کو بھیجتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو کس مشن کے لئے منتخب فرمایا ہے، اس وقفہ میں آپؐ اس مشن کی وسعت اور مشکلات کے بارے میں سوچتے رہے۔اللہ تعالیٰ کے اس کرم اور انتخاب پر آپ خوش تھے،لیکن اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اب کیوں نہیں آتا؟ یہ سوچ کر آپؐ پریشان ہو جاتے تھے۔ آپ کے دل کی عجب حالت تھی۔

ایک روز حضورؐ چلے جا رہے تھے کہ آسمان کی طرف سے آواز آئی۔آپؐ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان اور زمین کے درمیان خلاء میں ایک کرسی معلق تھی اور اس کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا تھا جو غارِ حرا میں آپؐ کے پاس آیا تھا۔حضورؐ پر لرزہ طاری ہوگیا، آپ بیٹھنے کے لئے جھک گئے، مگر بیٹھے نہیں، وہیں سے گھر واپس آگئے اور سیدہ خدیجہؓ سے کہا:''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو''۔یہ پرانے تجربہ کی ایک نئی صورت تھی۔

آپؐ لیٹ گئے اور سیدہ خدیجہؓ نے آپؐ کے اوپر چادر ڈال دی، اللہ تعالیٰ نے وحی کا رکا ہوا سلسلہ جاری کر دیا اور فرمایا:

- اے چادر اوڑھ کر لیٹنے والے،
- اٹھئے اور خبردار کیجئے،
- اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے،
- اپنا لباس پاک رکھئے،
- اور گندگی سے دور رہئے،
- احسان کسی فائدہ کی خاطر نہ کیجئے،
- اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔

یہ سورۃ مدثر کی سات آیات تھیں جن کا یہ ترجمہ ہے۔

غارِ حرا میں پہلی وحی میں اللہ کے خالق ہونے اور علم عطا کرنے والا ہونے کی اطلاع دی گئی تھی۔یہ عقیدہ تھا، اب مشن شروع ہوگیا تھا، لوگوں کو خبردار کرنے، انہیں اللہ تعالیٰ کی بڑائی

اور خلاّق سے آگاہ کرنے کا مشن، پھر اس مشن کا انداز بھی بتا دیا، پاکیزگی اختیار کر کے کسی صلہ اور فائدہ کی امید رکھے بغیر اور اگر اس مشن کے سلسلہ میں تکالیف اور مشکلات پیش آئیں، تو ان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کریں اور یہ سب کچھ اپنے رب کے لئے کیجئے جو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے انسان کو پیدا کرتا ہے اور اسے علم کی دولت عطا کرتا ہے۔

سیدہ خدیجہؓ آپؐ کے پاس تشریف فرما تھیں۔وہ سب کچھ دیکھ اور محسوس کر رہی تھیں۔"حضورؐ آپؐ لیٹے رہیں، نیند آگئی تو آپؐ کو سکون ملے گا۔" انہوں نے آپؐ کو مضطرب دیکھ کر عرض کیا۔

"خدیجہؓ!نیند اور سکھ کا زمانہ ختم ہوگیا' جبریلؑ اللہ کا یہ حکم لے کر آئے ہیں کہ میں لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دوں کہ وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق ہے۔" حضورؐ نے فرمایا اور پوچھا:

"خدیجہؓ!میں ذاتِ واحد کی عبادت کی دعوت کسے دوں، میری بات کون سنے گا۔"

اللہ نے آپؐ کو جو مشن سونپ دیا تھا وہ بہت ہی بڑا تھا، بے حد مشکل تھا۔

انسانوں کے دلوں پر صدیوں سے باطل عقائد کا قبضہ تھا، یہ عقائد نسل در نسل چلے آئے تھے، ان کی جڑیں ان کے دل و دماغ میں پیوست تھیں، یہ عقائد ان کا خاندانی ورثہ تھے۔

ان لوگوں کے دلوں پر سے ان عقائد کا قبضہ ختم کرنا اور ان کی جڑیں نکال کر وہاں توحید کی فصل کاشت کرنا، یہ تھا مشن۔آپؐ کے شہر مکہ میں اللہ کا اپنا گھر تھا، اس گھر میں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے، مکہ کے سارے لوگ اور جزیرۃ العرب کے سارے قبائل ان بتوں کی پوجا کرتے تھے، ان سے مرادیں مانگتے تھے۔

اور ان کی حفاظت اور برتری کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

یہ اللہ کے گھر پر قابض سارے بتوں اور ان کے سارے ماننے والوں کے خلاف جہاد کرنے کا مشن تھا، اس سے زیادہ مشکل مشن ہو ہی نہیں سکتا تھا، اس مشن میں آپؐ کے ساتھ کوئی ایک بھی انسان نہیں تھا، کوئی دنیاوی وسائل نہیں تھے، سارے عرب میں رُوئے زمین پر اس مشن کے لئے جہاد کرنے والے آپؐ ہی تھے، اکیلے اور تنہا!

چالیس سال سے اللہ تعالیٰ آپؐ کو ذہنی اور جسمانی طور پر اس مشن کے لئے تیار کر رہے تھے۔غارِ حرا میں پہلی وحی سے "اے چادر اوڑھنے والے، اٹھئے اور خبردار کیجئے" کے حکم تک کے عرصہ میں آپؐ شعوری طور پر بھی اس مشن کے لئے تیار ہوچکے تھے۔یہ مشن آپؐ نے خود نہیں چنا تھا، اللہ کا حکم تھا، اس مشن کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو منتخب فرمایا تھا، ساری دنیا کے بتوں اور بت پرستوں کے خلاف جہاد کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو چنا تھا۔

آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور رہنمائی پر یقین تھا۔
اور اللہ کے دشمنوں کی قوت اور طاقت کا بھی احساس تھا۔
سیدہ خدیجہؓ فوراً آپؐ پر ایمان لے آئیں' اسی وقت اللہ کو الٰہ اور محمدؐ بن عبداللہ کو اللہ کا سچا رسول مان لیا۔
آپؐ کی رسالت کی صداقت کی پہلی گواہی آپؐ کی رفیقۂ حیات نے دی جو اپنی زندگی کے پندرہ سال آپؐ کی رفاقت میں گزار چکی تھیں' آپؐ کے دن رات اور قول و فعل سے سب سے زیادہ واقف تھیں۔

حواشی/ حوالہ جات

1- صفی الرحمٰن مبارکپوری/الرحیق المختوم / لاہور 1992ء / صفحہ 118

2- M.A. Salahi Muhammad Man and Prophet / Element Books LTD / UK / 1995 Page 68

3- صفی الرحمٰن مبارکپوری کے مطابق یہ عرصہ دس روز کا تھا۔ایم اے صلاحی کا خیال ہے کہ یہ عرصہ جس میں جبریلؑ آئے نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی آئی' چند ہفتوں سے زیادہ نہیں تھا۔ ہمارے خیال میں یہی رائے حقیقت کے قریب تر ہے' ابن اسحاق کی رائے حقیقت کی نمائندگی نہیں کرتی۔

خاموش انقلاب

جزیرۃ العرب کے ایک طرف ایرانی سلطنت تھی اور یہ ایرانیوں کی دنیاوی طاقت اور تہذیبی برتری کے عروج کا زمانہ تھا' ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز رومیوں کے خلاف مسلسل کامیابیاں حاصل کر رہا تھا— 610ء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم پر پہلی وحی نازل فرمائی' اس سے ایک سال پہلے خسرِو پرویز نے رومیوں کی مضبوط ترین چھاؤنی اڈیسا (Edessa) پر قبضہ کر لیا تھا' اس سے اگلے سال 611ء میں اس نے شام پر حملہ کیا' 613ء میں دمشق رومیوں سے چھین لیا' 614ء میں فلسطین پر قبضہ کرلیا اور 616ء میں مصر اور ایشیا کوچک بھی چھین لئے۔

لیکن دوسری طرف ایک عجیب واقعہ ہوا' وہی ایرانی جو رومیوں کے خلاف مسلسل فتوحات حاصل کر رہے تھے' انہوں نے اپنی تاریخ میں پہلی بار عربوں سے شکست اٹھائی تھی۔610ء میں قبیلہ بنو شیبان کے سردار ہانی بن مسعود نے حیرہ کے حاکم ایاس طائی اور ایرانی فوجوں کو ذی قار کے میدان میں شکست دے دی۔(1) اس کامیابی سے جزیرۃ العرب کے سارے قبائل میں اعتماد اور قومی برتری کا نیا احساس اور جوش پیدا ہوگیا۔

اسی سال یعنی 610ء میں ایک رومی جرنیل ہرکولیس نے قیصر پوکاس (Phocas) کو قتل کرکے حکومت پر قبضہ کرلیا تھا اور رومن چرچ نے اسے تاج اور دعاؤں سے نواز کر زمین پر خدا کا نمائندہ اور عظیم رومی سلطنت کا شہنشاہ مقرر کر دیا تھا۔ہرکولیس کو ایرانیوں سے بچاؤ اور بدلہ لینے کا جو فرض سونپا گیا تھا' ہرکولیس نے تھوڑے ہی عرصہ میں وہ مشن پورا کر دکھایا اور جوابی کارروائیاں کرکے ایرانیوں سے اپنے مقبوضات چھین لئے' ان سے وہ صلیب بھی واپس حاصل کرلی جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو اس پر چڑھایا گیا تھا۔ایرانی فلسطین پر قبضہ

کے وقت وہ صلیب بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ ہرکولیس کا دورِ حکومت رومیوں کی طاقت کا دور بن گیا۔

بحیرۂ احمر کے اس پار بھی حبشہ کی مضبوط عیسائی حکومت تھی۔

عیسائی اپنے بادشاہ یا شہنشاہ کو زمین پر خدا کا نمائندہ سمجھتے تھے' ایرانی مذہب میں ان سے بھی پہلے سے حاکمِ وقت کو خدا کا نمائندہ سمجھا جا رہا تھا' بلکہ رومیوں نے یہ نظریہ ایران سے ہی لیا تھا' قریشِ مکہ حرمِ کعبہ میں رکھے بتوں کے پروہت تھے اور ان کی نمائندگی کے دعویدار تھے۔

یہ تھی مکہ' جزیرۃ العرب اور اس کی سرحدوں کے باہر کی مذہبی اور سیاسی حالت جس میں اللہ تعالیٰ نے محمدؐ بن عبداللہ کو "اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے" کا حکم دیا تھا

ورقہ بن نوفل نے کہا تھا: جب آپؐ دینِ حق کی تبلیغ کریں گے تو اہلِ مکہ آپؐ کو اپنے سے الگ کر دیں گے اور اب اللہ کی طرف سے دینِ حق کی تبلیغ کا حکم آگیا تھا۔اس وقت کے قبائلی نظام میں کسی قبیلہ کی طرف سے کسی فرد کو اپنے سے الگ کر دینے کا مطلب ہوتا تھا کہ دنیا میں اس کا کوئی حمایتی نہیں' کسی مصیبت میں کوئی بھی اس کے ساتھ کھڑا ہونے والا نہیں' کوئی اسے قتل کر دے تو کوئی قاتل سے پوچھنے والا نہیں ہوگا' کوئی غلام بنا کر بیچ دے تو کوئی چھڑانے والا نہیں ہوگا۔ایک قدیم عرب شاعر کے بقول ایسا شخص راستے میں پڑے پتھر کی مانند ہوتا تھا۔جس کسی کا دل چاہے' اس پتھر کو ٹھوکر مار دے یا اٹھا کر پھینک دے' کسی انسان پر اس سے بڑی کوئی مصیبت نازل نہیں ہوسکتی تھی!

لیکن حضورؐ کو اس کا کوئی خوف نہیں تھا' نہ دینِ حق کی تبلیغ کی وجہ سے شہر سے نکالے جانے کا ڈر تھا اور نہ جلاوطن کیے جانے کا خوف تھا' کیونکہ آپؐ اللہ کی آواز پہچان چکے تھے۔(2) آپؐ شب و روز اس مشن کے بارے میں غور فرماتے رہتے تھے۔

ایک روز آپؐ مکہ کے بالائی حصہ میں تھے کہ حضرت جبریلؑ آپؐ کے پاس آئے۔انہوں نے آپؐ کے سامنے وضو کیا اور نماز پڑھی' پھر آپؐ نے بھی اسی طرح سے وضو کیا جس طرح جبریلؑ نے کیا تھا اور آپؐ نے بھی نماز ادا کی۔

وضو اور نماز کا طریقہ بتا کر حضرت جبریلؑ چلے گئے۔

آپؐ گھر تشریف لے گئے' نماز سے آپؐ کا دل خوش ہوگیا' آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں' آپؐ کو وہ کچھ حاصل ہوگیا جو آپؐ کو محبوب تھا(3) اللہ کی ذات کے اقرار اور توحید کے بعد جو پہلی چیز آپؐ کو سکھائی گئی وہ نماز تھی۔

آپؐ سیدہؓ خدیجہ کو لے کر اسی چشمے پر واپس گئے جہاں جبریلؑ نے اور آپؐ نے وضو کیا تھا' آپؐ نے سیدہؓ خدیجہ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا' شروع میں نماز کی دو رکعت اور چار سجدے ہوتے تھے' اب آپؐ اور حضرت خدیجہؓ مل کر تنہائی میں نماز ادا کرنے لگے۔

ایک روز آپؐ اور حضرت خدیجہؓ نماز پڑھ رہے تھے' حضرت علیؓ گھر آئے تو آپؐ کو اور سیدہؓ کو نماز پڑھتے دیکھا' جب آپؐ نماز مکمل کر چکے تو حضرت علیؓ نے سوال کیا: "یا محمدؐ یہ کیا ہے؟"

آپؐ نے فرمایا: "یہ اللہ کا دین ہے' اللہ نے اپنے بندوں کو اسی دین پر چلنے کا حکم دیا ہے' اللہ نے جتنے رسول بھیجے' سب یہی دین لے کر آئے تھے۔"

حضرت علیؓ خاموش رہے' وہ حیران تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے کہا: "میں تمہیں بھی ایک اللہ پر ایمان لانے' اسی کی عبادت کرنے اور لات و عزیٰ کا انکار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت دس سال تھی' انہوں نے آپؐ کے گھر میں' آپؐ کے سایۂ محبت و شفقت میں پرورش پائی تھی' لیکن آپؐ نے انہیں بھی لات و عزیٰ کا انکار کرنے اور اللہ کو ایک ماننے اور اسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا' اللہ کے حکم کے مطابق اس کے دین کی دعوت ہی دی۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا: "یہ ایسی بات ہے جو آج سے پہلے میں نے کبھی نہ سنی تھی' میں اس بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا جب تک اپنے باپ سے نہ پوچھ لوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے قرآنِ کریم کی جو آیات آپ پر نازل ہو چکی تھیں وہ پڑھیں۔

حضرت علیؓ سوچتے رہے' اس رات وہ بے چین رہے' وہ آپؐ کو اچھی طرح جانتے تھے' سیدہ خدیجہؓ کو جانتے تھے' جنہوں نے ان کی پرورش کی تھی' وہ قرآن کی ان آیات کی لذت اور شیرینی محسوس کرتے رہے' ایسا کلام تو انہوں نے کبھی نہیں سنا تھا' رسولؐ اللہ نے انہیں ہمیشہ بھلائی کی دعوت ہی دی تھی' صبح ہوتے ہی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

"اے محمدؐ! کل آپ نے مجھے کس بات کی دعوت دی تھی؟"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں اور تم لات و عزیٰ کا انکار کر دو اور اللہ کے سوا اس کے سارے شریکوں سے قطع تعلق کر لو۔"

حضرت علیؓ نے کہا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے ابو طالب سے مشورہ کے بغیر پیدا کیا' میں اللہ کی عبادت

کے لئے اس سے کیوں مشورہ کروں"۔

اور وہ اسی وقت اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے۔

رسول اللہ ﷺ اب بھی تنہائی میں اللہ کی عبادت کرتے تھے' شہر سے باہر وادیوں کی طرف چلے جاتے اور غور و فکر کرتے۔ایک روز مکہ سے باہر ایک وادی میں آپؐ نماز پڑھ رہے تھے' سیدہ خدیجہؓ اور حضرت علیؓ بھی نماز میں شامل تھے' اتفاق سے آپؐ کے تایا ابو طالب بھی ادھر آ نکلے۔

"جان برادر!آپؐ نے کس دین کی پیروی شروع کر دی ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ اللہ کا سچا دین ہے' اللہ کے فرشتے اسی دین پر عمل کرتے ہیں' اللہ نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ بھی اسی دین پر کاربند تھے' ہمارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کا بھی یہی دین تھا۔" رسول اللہ نے حضرت ابو طالب کو بتایا؛"اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کے بندوں کو اس سچے دین کی دعوت دوں' آپ اللہ کے بندوں میں معزز ترین ہیں۔میں آپ کو اس سچے دین کی دعوت دیتا ہوں' آپ اسے قبول کریں اور دینِ حق کی دعوت میں میری مدد کریں۔"

"جان برادر!میں اپنے باپ دادا کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا،لیکن جب تک میں زندہ ہوں' اللہ کی قسم میں آپؐ کے ساتھ رہوں گا۔" ابو طالب نے جواب دیا۔

پھر انہوں نے اپنے بیٹے علیؓ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:"والدِ محترم!میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لا چکا ہوں۔"

"محمدؐ تمہیں بھلائی کے سوا کسی اور چیز کی دعوت نہیں دیں گے۔تم ان کے ساتھ لگے رہو۔" حضرت ابو طالب نے بیٹے کو نصیحت کی۔

اس طرح انہیں اپنے بھتیجے اور بیٹے کے دینِ حق قبول کرنے کا علم ہوگیا۔

مردوں میں حضرت علیؓ سب سے پہلے مسلمان ہوئے'(4) ان کے بعد حضرت زیدؓ ایمان لائے' وہ بھی آپؐ کے گھر میں رہتے تھے اور آپؐ کی پاک زندگی کے گواہ تھے۔(5) آپؐ کے حُسنِ سلوک اور حُسنِ کردار کی وجہ سے اپنے حقیقی والدین کے ساتھ جانے سے معذرت کرچکے تھے۔ اس طرح سب سے پہلے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے وہی اشخاص تھے جو آپؐ کے قول و فعل' شب و روز' دینی اور دنیاوی معاملات سے سب سے زیادہ واقف تھے۔

ابوبکرؓ کی لگن

حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے ہاں کچھ لوگ جمع تھے' ان میں ابو قحافہ تیمی کے بیٹے ابوبکرؓ بھی تھے۔ابو بکرؓ مکہ کی شہری ریاست کی بارہ رکنی مجلسِ وزراء کے اہم رکن تھے۔نرم گفتار اور خوش کردار ابو بکرؓ سارے جزیرۃ العرب میں مشہور تھے۔وہ عرب قبائل کے انساب (شجرہ) کے بہت بڑے ماہر تھے۔کون قبیلہ کیسا ہے' اس کے ارکان کے خصائل کیسے رہے ہیں' عربوں کی معاشرتی روایات کس علاقہ میں کیا ہیں۔ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔جب کہیں کسی قبیلہ کے کسی فرد کے نسب کے بارے میں کوئی تنازعہ پیدا ہو جاتا تو سب ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کے فیصلہ کو حتمی مانا جاتا تھا۔سول اور فوجداری کے مقدمات کی سماعت بھی وہی کرتے تھے'کیونکہ یہ فیصلے بھی قبائلی روایات کے مطابق کرنا ہوتے تھے۔

"آپ کی پھوپھی آج کہہ رہی تھیں کہ ان کے شوہر اللہ کے نبیؐ ہیں"۔ حکیم بن حزام کی ایک لونڈی نے اپنے مالک کو بتایا۔

ابوبکرؓ بھی سن رہے تھے' وہ اسی وقت اٹھے اور سیدھے رسول اللہؐ کے ہاں پہنچ گئے۔

"اے محمدؐ! کیا یہ بات درست ہے کہ آپؐ کہتے ہیں میں اللہ کا نبی ہوں؟"

"اے ابوبکرؓ!بے شک میں اللہ کا نبیؐ اور رسولؐ ہوں' میں تمہیں بھی اللہ کی طرف سچی دعوت دیتا ہوں' میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم ایک خدا کو مانو جس کا کوئی شریک نہیں' اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

آپؐ نے ابوبکر کو قرآن کریم کی چند آیات بھی پڑھ کر سنائیں۔

حضرت ابوبکرؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے دوست تھے' مکہ کے ان چند افراد میں سے تھے جن کے رسولؐ اللہ سے بہت گہرے تعلقات تھے۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی' اس نے تھوڑا بہت تردد کیا' سوچ بچار کی مگر ابوبکرؓ کو جب میں نے دعوت دی تو انہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔"

رسول اللہ ﷺ کے گھر سے باہر کے افراد میں سے ابوبکرؓ(6) اسلام قبول کرنے والے پہلے فرد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کامیاب اور خوشحال تاجر بھی تھے۔وہ انساب (شجرۂ نسب) کے عالم تھے اور اس وقت کے عرب معاشرے میں لوگ اپنے اور دوسروں کے نسب میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، یہ علم عربوں کی تاریخ کا اہم ترین جزو تھا' تجارت اور تاریخ میں دلچسپی رکھنے والے لوگوں کا ان کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔ابوبکرؓ مکہ کے نوجوانوں اور بوڑھوں میں یکساں ہر دلعزیز تھے' وہ ملنسار تھے' خوش اخلاق تھے' وہ لوگوں کی مدد اور ان سے تعاون کرتے تھے' اسلام قبول کرنے کے بعد انہیں مقصدِ حیات مل گیا' قرآن نے ان کی روح کو تابندہ کر دیا' وہ عربوں کی تاریخ اور معاشرہ کو اسلام اور قرآن کی روشنی میں دیکھنے لگے اور قریش کو ان کے باپ ابراہیمؑ کے دین اور تاریخ کی طرف واپس لانے کے بارے میں غور و فکر شروع کر دیا۔اب جو لوگ ان سے ملنے آتے'وہ ان سے عرب معاشرے کی خرابیوں کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے' ان خرابیوں کو دور کرنے پر زور دیتے' اس سے انہیں لوگوں کے عقل و شعور کی وسعت (Intellectual level) کا اندازہ ہو جاتا تھا اور یہ بھی پتہ چل جاتا تھا کہ کون کس حد تک جاہلیت کے دین اور معاشرتی خرابیوں سے بدظن ہے' جن افراد کو وہ قابلِ اعتماد اور قابلِ اصلاح سمجھتے' ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کر دیتے اور انہیں محمدؐ بن عبداللہ کی رسالت سے آگاہ فرماتے۔

حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے جس شخص نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا وہ حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔قریشِ مکہ کے یہ خوشحال نوجوان تاجر رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُمِ حکیم کے نواسے تھے۔اُمِ حکیم سید عبداللہ کی ماں جائی بہن تھیں' ان کا تعلق قریش کی شاخ بنی امیہ سے تھا۔ ان کے بعد حضرت زبیرؓ بن العوام نے حضرت ابوبکرؓ کی دعوت پر اسلام قبول کیا' ان کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا' وہ رسولؐ اللہ کی پھوپھی صفیہؓ کے بیٹے تھے' حضرت صفیہؓ،سیدہ خدیجہؓ کے بھائی عوام بن خویلد سے بیاہی تھیں۔اس طرح وہ رسولؐ اللہ کے پھوپھی زاد بھائی اور سیدہ خدیجہؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے والے تیسرے نوجوان حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے' وہ رسولؐ اللہ کی پھوپھی امیمہ کے داماد تھے' ان کا تعلق بنی زہرہ سے تھا۔بنی زہرہ کے ایک اور نوجوان سعد بن ابی وقاصؓ نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا' حضرت ابوبکرؓ کے کزن حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ نے بھی ان ہی کی کوششوں سے اسلام قبول کیا' وہ بھی رسولؐ اللہ کی پھوپھی امیمہ کے داماد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی تبلیغ سے اسلام قبول کرنے والے قریش کے نوجوانوں میں سے چار رسول اللہ ﷺ کے اپنے خاندان سے تھے اور آپ کے کردار اور شخصیت سے بہت زیادہ

واقف تھے۔ حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کی عمریں ابھی بیس سال سے بھی کم تھیں اور ان کے قلب شرک کے میل سے ابھی زیادہ آلودہ نہیں ہوئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ ان پانچوں کو رسولؐ اللہ کے ہاں لے گئے جہاں انہوں نے آپؐ کے سامنے کلمۂ توحید پڑھا اور اللہ کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت پر ایمان کا اعلان کرکے مسلمانوں کے مختصر سے گروہ میں شامل ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں دس صحابۂ کرام کو ان کی زندگی میں ہی ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی' ان میں یہ پانچوں صحابہ شامل ہیں۔دیگر پانچ صحابۂ کرامؓ میں حضرت ابوبکرؓ' حضرت علیؓ' حضرت عمرؓ' حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت سعیدؓ ابن زید شامل ہیں۔ حضرت سعدؓ بن وقاص کو فاتحِ ایران بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خالدؓ کا خواب

صبح کا وقت تھا' بنی امیہ کے سردار سعید بن العاص کا نوجوان بیٹا خالدؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آیا' اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' چہرے کا رنگ زرد تھا' وہ بہت خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔

"اللہ اس پر رحم کرے۔" حضرت ابوبکرؓ نے اسے دیکھتے ہی دعا کی'

"اے ابو قحافہ کے بیٹے' مجھے تیری توجہ کی ضرورت ہے۔" نوجوان نے آتے ہی کہا'

"میں تیری پریشانی میں کیا مدد کرسکتا ہوں۔" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا'

"میں نے آج رات بہت خوفناک خواب دیکھا ہے' مجھے اس کی تعبیر بتایئے۔"

حضرت ابوبکرؓ کی فراست اور حکمت کی وجہ سے لوگ ہر قسم کے مشورہ کے لئے ان کے پاس آیا کرتے تھے۔

"میں سن رہا ہوں۔" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

خالدؓ بن سعید نے اپنا خواب شروع کیا۔ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت وسیع و عریض گڑھا ہے' اس کی گہرائی کا کوئی اندازہ نہیں' اس میں سے آگ کے شعلے اٹھ کر آسمانوں تک بلند ہو رہے ہیں' میں اس گڑھے کے کنارے پر کھڑا ہوں کہ اچانک میرے والد وہاں پہنچ جاتے ہیں اور مجھے پکڑ کر جلتی آگ کے گڑھے میں پھینکنا چاہتے ہیں' میں بچنے کی کوشش کرتا ہوں' وہ پوری قوت سے مجھے آگ کی طرف دھکیلتے ہیں' میں آگ بچنے کے لئے اپنی ساری

توانائیاں لگاتا ہوں، لیکن میرے والد مجھ پر غالب آجاتے ہیں' میں اپنے سامنے حدِ نظر تک جلتی آگ کے شعلے دیکھ رہا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ اگلے لمحہ میرے والد مجھے اس میں پھینک دیں گے' میری حالت اور خوف کا آپ اندازہ نہیں کرسکتے' پریشانی اور خوف کی اس حالت میں کوئی پیچھے سے مجھے اپنے دونوں بازوؤں میں لے لیتا اور میرے باپ کی کوشش کو ناکام بنا کر مجھے آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیتا ہے۔میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں کہ وہ کون ہے جس نے مجھے آگ کے شعلوں سے بچایا ہے تو وہ امینِ عرب محمدؐ بن عبداللہ ہیں' اسی لمحے میری آنکھ کھل جاتی ہے' آپ بتائیں اس کا مطلب کیا ہے؟"

"تمہیں خوشخبری ہو۔" حضرت ابوبکرؓ نے نوجوان خالدؓ سے کہا۔"جس آدمی نے تمہیں آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا' وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اس لئے تم ان کے دین کی پیروی کرو۔" پھر ذرا توقف کے بعد کہا:"نہیں' تم لازماً رسولؐ اللہ کی دعوت قبول کرو گے اور اسلام قبول کرکے دوزخ کی آگ کے شعلوں سے بچ جاؤ گے۔" خالدؓ بن سعید فوراً مڑے اور سیدھے رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے' آپؐ کو بھی اپنا خواب سنا اور پوچھا: "آپؐ کس دین کی دعوت دیتے ہیں اور مجھے اس دین میں شامل ہونے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟"

رسول اللہ ﷺ نے اسے دینِ اسلام سے آگاہ فرمایا۔

خالدؓ بن سعید نے فوراً کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

چرواہا

رسول اللہ ﷺ مکہ سے باہر ایک وادی سے گزر رہے تھے۔حضرت ابوبکرؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔گرمی بہت تھی۔آپؐ کو پیاس محسوس ہوئی۔وادی میں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔

"آپ کے پاس کچھ دودھ ہوگا؟" رسولؐ اللہ نے چرواہے سے پوچھا۔

"میں آپؐ کو دودھ نہیں دے سکتا،کیونکہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں۔ان کا چرواہا ہوں۔" اس نے معذرت کی۔

"تمہارے ریوڑ میں کوئی ایسی بکری بھی ہے جو ابھی گابھن نہ ہوئی ہو؟" رسول اللہ ﷺ نے پوچھا۔

"جی ہے۔" چرواہے نے بتایا۔

"ذرا اسے تلاش کر لائیں۔" حضورؐ نے فرمایا۔

چرواہا ریوڑ میں سے ایک بکری نکال لایا۔
حضورؐ نے بکری کے تھنوں پر دستِ مبارک پھیرا اور دعا کی۔
بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے' حضرت ابوبکرؓ صدیق نے برتن آگے کر دیا' حضورؐ نے دودھ دوہا اور ابوبکرؓ کو دیا' وہ پی چکے تو چرواہے کو پلایا اور سب سے آخر میں خود پیا۔
پھر حضورؐ نے دعا فرمائی بکری کے تھن خشک ہوگئے اور اپنی اصل حالت میں آگئے جیسے پہلے تھے' حضورؐ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ آگے چلے گئے چرواہا سوچ میں پڑ گیا۔
اگلے روز وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔" آپؐ کس دین کی دعوت دیتے ہیں؟"
حضورؐ نے اسے دینِ اسلام سمجھایا اور قران کی کچھ آیات پڑھ کر سنائیں'
نوجوان چرواہے نے اسی وقت اسلام قبول کر لیا'(7) اس کا نام عبداللہؓ بن مسعود تھا۔

خاموش انقلاب

حضرت عبداللہؓ بن مسعود ان خوش نصیب خواتین و حضرات میں سے ہیں جنہوں نے خاموش دعوت کے ابتدائی دنوں میں اسلام قبول کیا تھا۔ان حضرات کو سابقینِ اولین کہا جاتا ہے۔
ابن ہشام نے ان کی تعداد چالیس نفوس کے قریب بتائی ہے' ان میں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح' حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد' حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم' حضرت بلالؓ حبشی' حضرت عثمانؓ بن مظعون اور ان کے دو بھائی قدامہؓ اور عبداللہؓ عبیدہ بن حارثؓ سعیدؓ بن زید اور ان کی بیوی فاطمہؓ بنت خطاب (حضرت عمرؓ کی بہن) خبابؓ بن ارت اور دیگر شامل ہیں۔اسلام کی خاموش دعوت کا یہ عرصہ تین سال کے قریب ہے' اس عرصے میں مجموعی طور پر ایک سو چونتیس بلکہ ایک سو سینتیس افراد مسلمان ہوئے'کیونکہ اکثر سیرت نگار اس تعداد کا تعین کرتے وقت رسولؐ اللہ کی تین صاحبزادیوں کو شمار نہیں کرتے(8) ان مسلمانوں میں قریشِ مکہ کے تقریباً سارے گھرانوں کے افراد شامل تھے' ان میں سب سے زیادہ تیرہ افراد بنی سہم سے تعلق رکھتے تھے' یہ سارے ہی مرد تھے ان میں حضرت عمرؓ کے داماد حضرت خنیسؓ بھی شامل تھے' ام المومنین حضرت حفصہؓ پہلے انہی کے نکاح میں تھیں' اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے' اس زمانہ میں دعوت اسلام قبول کرنے والوں میں قریش کے مختلف گھرانوں اور ان کے حلیف قبیلوں کے افراد بھی تھے' ان کے غلام اور لونڈیاں بھی شامل تھیں اور آزاد کردہ غلام بھی تھے' ان میں ام ایمنؓ بھی شامل تھیں جنہوں نے بچپن سے حضورؐ کو گود کھلایا تھا۔ابوجہل کے ماں

جائے بھائی حضرت عیاشؓ اور ان کی بیوی اسماءؓ ' ام المومنین اُم سلمہؓ کے پہلے شوہر ابو سلمہ عبداللہؓ ' حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعیدؓ بن زید اور ان کی بیگم فاطمہؓ بنت الخطاب ' حضرت عمرؓ کے بڑے بھائی زیدؓ بن الخطاب اور عامرؓ بن ربیعہؓ جنہیں حضرت عمرؓ کے والد نے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا' ان کی بیوی لیلیٰؓ ' ابوسفیان کی بیٹی اُم حبیبہؓ ' جنہیں بعد میں اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا' جعفرؓ بن ابوطالب ' ان کی بیوی اسماؓ بنت عمیس ' حضورؐ کی دو پھوپھیاں حضرت اروئیؓ اور حضرت صفیہؓ ' واقدؓ بن عبداللہ (انہیں بھی حضرت عمرؓ کے والد نے اپنا متبنیٰ بنا رکھا تھا) حضورؐ کی پھوپھی برہ کے فرزند ابو سبزہؓ ' اُمّ المؤمنین سودہؓ کے پہلے شوہر سکرانؓ بن عمرو اور ان کے دونوں بھائی ' حاطب بن عمرو اور سلیطؓ بن عمرو ' حضرت سودہؓ کے بھائی مالکؓ ' حضورؐ کے ایک اور پھوپھی زاد حضرت طلیبؓ بن عمیر بھی ان ایک سو سینتیس (137) افراد میں شامل تھے۔

ان ابتدائی مسلمانوں میں ایسے نوجوان بھی تھے جن کے قلوب ابھی جاہلیت کے عقائد کے میل سے آلودہ نہیں ہوئے تھے اور وہ اپنے کردار کے حوالے سے مکہ میں اس وقت بھی سرفراز تھے۔ڈھلتی جوانی کے دور میں افراد بھی تھے جو دنیاوی معاملات ' کاروبار اور اس وقت کے معاشرہ میں بڑے معزز تھے۔عثمانؓ بن مظعون نے اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا تھا' جب شراب جاہلیت کے معاشرہ میں محبوب تھی' وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی آدمی جسے اپنی عزت اور وقار کا احساس ہو' شراب نہیں پی سکتا،کیونکہ نشہ میں آدمی سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہتا۔اس وقت مکہ کا معاشرہ قبائلی تھا' اس میں نسلی' قبائلی اور امیر غریب کے تعصبات تھے' تاجر' حاکم' شرفاء' غلام' امیر' غریب' بہت سے طبقات تھے' مختلف قبائل اور گروہوں میں باہمی دشمنیاں تھیں۔جن لوگوں نے اس دور میں اسلام قبول کیا'ان کا تعلق ان سارے ہی گروہوں اور طبقوں سے تھا۔

تین سال کی مدت میں صرف ایک سو سینتیس افراد مسلمان ہوئے؟

جی ہاں' تین سال میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد ایک سو سینتیس ہی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس تین سال کے عرصہ میں کبھی قریش کو کھلی دعوت نہیں دی' چپکے چپکے' خاموشی سے افراد تک توحید کا پیغام پہنچاتے رہے تھے۔

کیوں' آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟

دین ہمیشہ ایک فرد پر نازل ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کسی پاک ہستی کو دینِ حق کی دعوت کے لئے منتخب کرتے ہیں' اس پر وحی نازل فرماتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں دین دوسرے لوگوں تک

پہنچاتا ہے۔
اسلام ایک تعلیمی اور تربیتی پروگرام تھا' کوئی بھی تعلیمی اور تربیتی پروگرام کبھی کسی مجمع اور گروہ سے شروع نہیں کیا جاتا' اس کے لئے افراد کو چُنا جاتا' ان کی تعلیم اور تربیت کی جاتی ہے' ان کی تعلیم و تربیت مکمل ہو جائے' وہ خدائی مشن کی تکمیل کے لئے مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں' آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کی صلاحیت حاصل کرلیں' تو پھر اس پروگرام کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ کو خدائی مشن کی تکمیل کے لئے
انسان کو بدلنا تھا'
معاشرے کو بدلنا تھا'
نظام کو بدلنا تھا'
اور صدیوں سے انسانی قلب اور ذہن پر قابض باطل عقائد کو مٹانا تھا۔
اس کام کے لئے ایک ٹیم کی ضرورت تھی' اس کی تربیت کے لئے وقت کی ضرورت تھی'
ان تین سالوں میں رسولؐ اللہ نے جس ٹیم کی تربیت کی' مکہ میں' جزیرۃ العرب میں بلکہ اس وقت کی ساری دنیا میں' ان جیسی کوئی ٹیم نہیں تھی۔
کیوں نہیں تھی؟
کیونکہ اس ٹیم کے ارکان نے نسل' قبیلہ' برادری اور خون کے سب قدیم رشتے ختم کرکے اپنے کو ایک عقیدہ کے رشتہ سے وابستہ کرلیا تھا۔
سب بتوں اور جھوٹے خداؤں سے ہر قسم کا تعلق ختم کرکے صرف ایک خدا سے تعلق جوڑ لیا تھا۔
وہ دینِ حنیف پر واپس آگئے تھے۔
اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے رشتہ قائم کرلیا تھا۔
ان کے سوا اس وقت کے مکہ' جزیرۃ العرب اور دنیا میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جس کا رشتہ صرف اللہ سے ہو اور اس کے رسولؐ سے ہو۔
مذہب کی بنیاد کسی عقیدے پر ہوتی ہے جس میں کچھ بنیادی سچائیاں ہوتی ہیں' جو لوگ اس عقیدے پر سچا ایمان لے آئیں' اس پر پختگی سے عمل کریں' ان کے ظاہر و باطن تبدیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے قول و فعل اس عقیدے کی روح کے مطابق ڈھل جاتے

ہیں۔

اس تبدیلی کے لئے وقت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جو لوگ دینِ اسلام میں داخل ہوگئے یا ہو رہے تھے' ان کی تربیت اور تنظیم کے لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک مرکز قائم کر لیا تھا۔یہ مرکز ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر میں قائم کیا گیا تھا' یہ گھر کوہِ صفا سے تھوڑے فاصلے پر تھا' دارِ ارقم مسلمانوں کا دارالندوہ تھا' ان کا تربیتی مرکز اور مسجد بھی تھا۔رسول اللہ ﷺ اپنا زیادہ وقت یہیں گزارتے تھے' مسلمان وہاں اکٹھے نماز پڑھتے تھے' اس وقت تک پانچ نمازیں ابھی فرض نہیں ہوئی تھیں' صبح اور شام کی نماز ہی پڑھتے ہوں گے' رسولؐ اللہ انہیں قرآن سناتے تھے اور دینی و دنیاوی معاملات میں ان کی رہنمائی اور تربیت فرماتے تھے' مسلمان وہاں اپنے مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے تھے اور دینِ اسلام کے فروغ کے لئے سوچ بچار کرتے تھے۔

اس طرح ان تین سالوں میں' مکہ میں مسلمانوں کی ایک منظم جماعت تیار ہوگئی' ان کی تربیت مکمل ہوگئی اور ایک تربیتی مرکز قائم ہوگیا تھا۔اس طرح دعوت کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا۔

حواشی/ حوالہ جات

1- مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری نے لکھا ہے کہ عربوں کے ہاتھوں ایرانیوں کی شکست کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے دن بعد کا ہے اور آپؐ ایاس کی حکمرانی کے آٹھویں مہینے میں پیدا ہوئے تھے۔ (صفحہ 58) لیکن سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ حضورؐ کی پیدائش عمرو بن المنذر ماء السماء کی حکومت کے آٹھویں سال میں ہوئی تھی اور آپ پر پہلی وحی ایاس کی حکومت کے چھٹے مہینے میں نازل ہوئی تھی اور ایاس 610ء میں حیرہ کا حکمران بنا تھا (صفحہ 106) ڈی لیسی اولیری نے بھی ایاس کی حکمرانی کا سال اول 610ء ہی بتایا ہے (صفحہ 160) تاریخ عالم کے مصنف جے ایم رابرٹس نے بھی عربوں کے ہاتھوں ایاس اور ایرانیوں کی شکست 610ء کا واقعہ لکھا ہے۔(صفحہ 310)

2- مسٹر کونسٹن ورجیل جورجیو / سیارہ ڈائجسٹ (عکسِ سیرتؐ نمبر) / لاہور فروری 1993ء صفحہ 81

3- ابنِ اسحاق / نقوش (رسولؐ نمبر) جلد یازدھم / لاہور جنوری 1985ء / صفحہ 138

4- علماء میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ مردوں میں سب، سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علیؓ تھے یا حضرت ابوبکرؓ صدیق۔

5- حضورؐ کے گھر میں اس وقت آپؐ کی تین صاحبزادیاں بھی تھیں، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ، حضورؐ کی دو صاحبزادیاں عمر میں حضرت علیؓ سے بڑی تھیں، تیسری کی عمر بھی دعوتِ عام کے آغاز میں شادی کی تھی، اس لئے لازم ہے وہ بھی سب دوسری وحی کے ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئی ہوں گی۔ مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے ان کے اسلام لانے کا اس لئے ذکر نہیں کیا ہوگا کہ وہ گھر کی فرد تھیں۔ سیدہ خدیجہؓ کا بیوی اور حضرت علیؓ فردِ خانہ اور زید بن حارثؓ کا اسلام لانا حضورؐ کا منہ بولا بیٹا ہونے کے حوالے سے شروع شروع میں اہم خیال کیا گیا ہوگا اور اسی وجہ سے سیرت نگار پہلے چار اسلام لانے والوں کا خصوصیت سے ذکر کرتے رہے اور حضورؐ کی صاحبزادیوں کو شمار نہیں کیا، اس لئے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ایمان لانے کے ساتھ پہلے ایمان لانے والوں کی تعداد چار نہیں سات ہوگئی تھی۔

6- حضرت ابوبکرؓ کے نام کے بارے میں مختلف روایات ہیں، بعض روایات کے مطابق ان کا پیدائشی نام عتیق تھا جبکہ بعض کے مطابق ان کا نام عبدالکعبہ تھا، لیکن آپؐ نے ان کا نام عبدالکعبہ سے بدل کر عبداللہ رکھ دیا تھا۔

7- اپنے اسلام قبول کرنے کے بارے میں یہ روایت خود حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے بیان کی ہے

8- مفسر اور سیرت نگار رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے ابتدائی تین سالوں کو "خفیہ دعوت" کا دور

قرار دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس دور کو "خاموش دعوت" کا زمانہ کہنا زیادہ مناسب اور حقیقت حال کے قریب ہے۔اس دور میں مجموعی طور پر ایک سو سینتیس کے قریب خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا' ان کا تعلق قریش کے تقریباً سب ہی گھرانوں سے تھا' ان میں غلام اور لونڈیاں بھی شامل تھیں۔مکہ جیسے چھوٹے شہر میں جہاں لوگ ایک دوسرے کے احوال سے اچھی طرح واقف تھے' رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور اسے قبول کرنے والے مختلف قبائل' خاندانوں اور طبقوں کے اتنے زیادہ افراد اتنا طویل عرصہ خفیہ نہیں رہ سکتے تھے جبکہ بیت اللہ کے قریب ہی ایک تربیتی مرکز بھی قائم ہوچکا تھا۔سب قریش اس دعوت سے واقف تھے۔اس زمانے میں کسی مجمع یا اجتماع افراد میں دعوت پیش نہیں کی جاتی تھی'بلکہ ایک ایک دو دو افراد تک دعوت پہنچائی جاتی تھی اور جو افراد دعوت قبول کرلیتے تھے'وہ بھی اسی طریقے سے آگے سمجھدار اور باشعور افراد تک دعوت پہنچاتے تھے' لہٰذا اسے خاموش یا انفرادی دعوت کا دور ہی کہنا چاہیے۔ اسلام قبول کرنے والے ان افرد کی مکمل فہرست سیدابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوئم کے صفحہ 155 سے 161 پر دیکھی جاسکتی ہے۔

کُھلا چیلنج

سیاہی پسپا ہونے لگی تھی، روشنی پھیل رہی تھی، کوہِ صفا کی بلندی سے ایک آواز بلند ہوئی: "ہائے صبح کی آفت"۔

صبح کی خاموشی میں "یا صباحاہ" (ہائے صبح کی آفت) کی پکار صفا کی بلندی سے اٹھی اور ہوا کے دوش پر مکہ کے گھر گھر اور گلی گلی پہنچ گئی، صفا کی پہاڑی مکہ کے مرکز میں بیت اللہ کے قریب واقع ہے۔

اہلِ مکہ کو جب کسی خطرہ سے آگاہ کرنا ہوتا تھا تو پکارنے والا پہاڑ کی بلندی سے یہی یا صباحاہ! کی آواز دیا کرتا تھا۔

لوگ آنکھیں ملتے ہوئے گھروں سے نکلے اور صفاء کی طرف دوڑ پڑے۔

جو خود نہ جاسکا اس نے کوئی آدمی دوڑا دیا کہ معلوم کرے کیا خطرہ درپیش ہے۔

جب سارے لوگ صفا کے دامن میں جمع ہوچکے تو پہاڑی پر کھڑے آواز دینے والے نے پوچھا: "اے لوگو! اگر میں تمہیں کہوں کہ جس پہاڑی پر میں کھڑا ہوں، اس کے دوسری طرف دشمن کا بھاری لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنے والا ہے، تو تم میری اس بات کو سچ مان لو گے؟"

"بالکل سچ مانیں گے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔" لوگوں نے بیک زبان جواب دیا۔

"تو پھر سنو، میں تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ تم سب اپنی اپنی جانوں کو اس کی پکڑ سے بچانے کی کوشش کرو، خدا کے حضور میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا، اس روز میرے رشتہ دار صرف متقی لوگ ہوں گے، ایسا نہ ہو کہ اور لوگوں

کے پاس تو نیک اعمال ہوں اور تم دنیا کا وبال سروں پر اٹھائے ہوئے آؤ' اس وقت تم مجھے آوازیں دو گے: "اے محمدؐ" مگر میں مجبور ہوں گا کہ تمہاری طرف سے منہ پھیر لوں' میرا اور تمہارا خون کا رشتہ ہے' اس لئے اس دنیا میں تمہارے ساتھ میں ہر طرح کی صلہ رحمی کروں گا' اللہ نے مجھے اپنے قریبی عزیزوں کو اس عذاب سے خبردار کرنے کا حکم دیا ہے اور تم قریش میرے قریبی ہو' اگر تم لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ' تو میں تمہارے رب کے ہاں اس کی شہادت دوں گا۔"

اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی تھی: "اے محمدؐ! اپنے قرابت والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایئے"۔

صفا کے دامن میں جمع ہونے والے قریش اس کھلے اعلان اور تنبیہہ سے پریشان ہوگئے' ان میں آپؐ کا تایا ابو لہب بھی تھا: "تو سارے دن غارت ہو' تو نے ہمیں اسی لئے یہاں بلایا تھا؟" ابو لہب نے کہا اور لوگ منتشر ہونا شروع ہوگئے' کچھ نے بدزبانی بھی کی۔

اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا تھا' آپؐ نے سارے قریش تک پہنچا دیا تھا' ابولہب کی بدکلامی اور قریش کے رویہ سے آپؐ بددل نہیں ہوئے' اللہ تعالیٰ کا حکم جو تھا: "اور اپنے رب کے لئے صبر کیجئے۔"

کھلی دعوت سے قریشِ مکہ کو فکر ہوئی' وہ پہلے بھی رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تبلیغی سرگرمیوں سے واقف تھے' لیکن انہیں یہ امید نہ تھی کہ آپؐ کفر اور شرک کو اس طرح چیلنج کریں گے اور ان کے آبائی دین کو اللہ کے عذاب کی طرف لے جانے والا قرار دیں گے۔

خوفزدہ ابولہب

چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو کھانے کی دعوت دی' دونوں خاندانوں کے سارے ہی لوگ دعوت میں شریک ہوئے' ان میں ابو لہب بھی شامل تھا' بنی مُطّلب بن عبدمناف کے کچھ لوگ بھی حضورؐ کی دعوت میں شریک ہوئے۔ کل پینتالیس مہمان تھے' ان میں حضورؐ کے تائے اور چچا بھی تھے' ان کے بیٹے اور بیٹوں کے بیٹے بھی تھے' حضورؐ نے مہمانوں کو بہت اچھا کھانا کھلایا اور اعلیٰ قسم کے مشروب سے ان کی تواضع کی۔

جب مہمان کھانے سے فارغ ہوچکے تو حضورؐ انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرانے کے لئے کھڑے ہوگئے' وہ سب آپ کے قرابت والے جو تھے۔

اس سے پہلے کہ حضورؐ کچھ فرماتے' ابو لہب چلّایا: "یہاں آپؐ کے چاچے' تائے اور ان

کی اولاد جمع ہے' ان سے آپؐ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں، مگر آبائی دین چھوڑنے کی بات ہرگز نہ کرنا' اپنی قوم کے مذہب کی مخالفت نہ کرنا' اس سے سارے عرب ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ آپؐ کا قبیلہ ساری عرب قوم کی مخالفت کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور سارے عربوں کا لڑائی میں مقابلہ نہیں کرسکتا' آپ کا قبیلہ جانتا ہے کہ آپؐ ان کے آبائی مذہب میں کیا تبدیلیاں کرنا چاہتے ہیں' آپؐ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ اس سے ناواقف نہیں' آپؐ جو دعوت دیتے ہیں، وہ ہمارے آبائی مذہب اور روایات سے بغاوت ہے' اس لئے اپنے آپ اور اپنے باپ کی آل کا خیال کریں' یقیناً عرب قوم آپ کو ایسی اجازت نہیں دے گی اور عرب قوم کے لئے آپ کو قتل کر دینا دشوار نہیں ہوگا۔آپ کے لئے یہی بہتر ہے کہ آپ اپنے باپ دادا کے دین پر واپس آجائیں ورنہ ہم مجبور ہوں گے کہ آپؐ کو اس وقت تک قید رکھیں جب تک آپ اس "مرض" سے شفایاب ہو جائیں جو آپؐ کو لگ گیا ہے' اس طرح (قید رکھ کر) ہم آپؐ کو عربوں سے بچالیں گے' بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہم خود آپؐ سے نپٹ لیں اور اس "مرض" سے مکمل شفاء تک آپ کو قید میں رکھیں' جو کچھ آپؐ کر رہے ہیں' اگر اس سے آپؐ باز نہ آئے تو بہتر یہی ہوگا کہ آپ کے خاندان والے خود ہی آپ کو قید میں ڈال دیں۔قریش کے باقی قبیلوں اور سارے عربوں سے آپ کے اور اپنے بچاؤ کے لئے ان کے لئے ایسا کرنا لڑائی سے آسان ہوگا' میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی اور نے اپنے خاندان والوں کو اس طرح کے بدترین خطرہ میں مبتلا کیا ہو جس طرح کے خطرے سے آپؐ نے ہمیں دوچار کر دیا ہے۔"

جب ابولہب حضورؐ کو ڈرا رہا تھا اور دھمکیاں دے رہا تھا تو اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا' اسے اپنے اوپر قابو نہیں رہا تھا' یہ کہہ کر وہ کانپتا ہوا بیٹھ گیا' ماحول ایسا ہوگیا کہ کسی اور نے کوئی بات نہیں کہی۔

مہمان ایک ایک کرکے اٹھے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ابو طالب کا وعدہ

کئی روز تک حضورؐ کی دعوت اور ابو لہب کا ردِعمل بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی محفلوں میں زیرِ بحث رہے تھے' اس لئے جب حضورؐ نے اپنے قرابت والوں کو ایک بار پھر کھانے کی دعوت دی تو آپؐ کی پھوپھیوں نے مشورہ دیا کہ ابولہب کو نہ بلانا۔

ہاشم کی اولاد میں سے بہتوں کو ابولہب کا رویہ پسند نہیں آیا ہوگا۔

لیکن حضورؐ نے ابولہب کو بھی رات کے کھانے کی دعوت بھجوا دی۔

ابو لہب کا گھر حضورؐ کے گھر کے ساتھ تھا' اپنے سارے خاندان والوں کو دعوت پر بلائیں اور قریب ترین پڑوسی کو نہ بلایا جائے' حضورؐ نے پسند نہیں فرمایا' اس کی دھمکیوں اور مخالفت کے باوجود حضورؐ نے اسے دعوت بھجوائی۔

پہلی دعوت میں اپنے ناپسندیدہ رویے کے باوجود ابو لہب حضورؐ کی دعوت میں شریک ہوا' بنی عبدالمطلب کے سارے لوگ دعوت میں آئے' حضورؐ نے اس رات بھی انہیں اچھی قسم کا کھانا کھلایا' سب کی اچھے مشروب سے تواضع کی.جب سب کھانے سے فارغ ہوچکے' تو حضورؐ اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے' ابو لہب نے کوئی مداخلت نہیں کی' وہ جانتا تھا کہ پہلی دعوت میں شریک ہونے والوں نے اس کے رویہ کو پسند نہیں کیا تھا۔

حضورؐ نے فرمایا:"سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں'

میں اللہ کی حمد و ثناء کرتا ہوں'

اور اسی سے مدد مانگتا ہوں'

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'

اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

کوئی بھی پیغام لانے والا اپنے قرابت والوں کو کبھی غلط مشورہ نہیں دیتا'

اگر مجھے تمام انسانوں کو غلط مشورہ دینا ہوتا تو بھی تم سے میں کبھی جھوٹی بات نہ کرتا'

قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں' مجھے اللہ نے تمہاری طرف اور تمام بنی نوعِ انسان کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے'

اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں'

اللہ نے فرمایا ہے: "اپنے قرابت والوں کو قیامت کے عذاب سے ڈراؤ۔"

میں تمہیں صرف دو الفاظ کہنے کی دعوت دیتا ہوں' وہ دو لفظ زبان سے کہنا بہت ہی آسان ہے لیکن اللہ کے ہاں' اللہ کی میزان میں' ان کا وزن بہت ہی زیادہ ہوگا۔ وہ الفاظ ہیں "لا الٰہ اللہ محمد رسول اللہ"۔

خدا کی قسم!ایک روز تم پر موت اس طرح آجائے گی جیسے نیند آجاتی ہے' اس کے بعد تمہیں بیدار کیا جائے گا جیسے تم نیند سے بیدار ہو جاتے ہو' اس کے بعد تم سے تمہارے دنیاوی اعمال کا حساب لیا جائے گا' تمہارے اچھے اعمال کا تمہیں انعام ملے گا اور برے اعمال کے لئے تمہیں سزا

دی جائے گی، اچھے اعمال کرو گے تو ہمیشہ جنت میں رہو گے، برے اعمال کرو گے تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں پھینک دیئے جاؤ گے۔اے عبدالمطلب کی اولاد، اللہ کی قسم! آج تک کبھی کوئی اپنے قرابت والوں کے لئے اتنا اچھا پیغام نہیں لایا جتنا اچھا پیغام میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں تمہیں اس دنیا اور اس کے بعد کی دنیا (آخرت) کی خوشیوں کی طرف دعوت دیتا ہوں۔"

پھر آپؐ نے پوچھا:"تم میں سے کون ہے جو میری اس دعوت کو قبول کرتا ہے اور اس کے پھیلانے میں میری مدد کرے گا؟"

آپ اپنی بات ختم کرچکے تو حضرت ابو طالب نے کہا: "ہمیں آپؐ کی دعوت کے برحق ہونے پر یقین ہے، اس کے فروغ میں مدد سے یقیناً ہمیں خوشی ہوگی، یہاں آپ کے باپ کی ساری اولاد جمع ہے، میں تو ان میں سے صرف ایک ہوں، لیکن سب سے پہلے میں اپنی طرف سے تعاون کا یقین دلاتا ہوں۔جس کام کا آپؐ کو حکم دیا گیا ہے، اسے جاری رکھیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی حمایت اور حفاظت کروں گا،لیکن عبدالمطلب کے دین کو چھوڑ دینا میرے لئے ممکن نہیں۔"

ابولہب اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا: "یہ تو ہمارے لئے بہت شرم کی بات ہے، اس سے پہلے کہ دوسرے لوگ اسے یہ دعوت پھیلانے سے روکیں تم خود ہی اسے روک لو، اگر انہوں نے یہ دعوت جاری رکھی اور دوسرے روکنے پر تُل گئے اور تم نے اس وقت اسے اکیلا چھوڑ دیا تو وہ بہت ہی شرم کی بات ہوگی، اس وقت اگر تم نے اسے بچانے کی کوشش کی تو تم سب باقی عربوں کے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔" وہ غصہ سے چلّایا۔

ابو طالب نے اس کی بات بھی اطمینان سے سنی اور کہا: "خدا کی قسم!ہم اس وقت تک محمدؐ کی حفاظت کریں گے جب تک ہماری جان میں جان ہے۔"

عبدالمطلب کی بقیہ اولاد کی خاموشی ابو طالب کے وعدہ کی توثیق تھی۔

ابو لہب طیش میں دھمکیاں دیتا ہوا اٹھ کر چلا گیا۔

قریش کے سرداروں کی دھمکی

ابو طالب کے پاس ایک وفد آیا۔اس میں قریشِ مکہ کے تقریباً سارے ہی گھرانوں کے سردار شامل تھے۔

"ابو طالب!آپ جانتے ہیں کہ آپ کا بھتیجا ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے؟" قریش کے

سرداروں نے حضورؐ کے تایا سے آپ کی شکایت کی: "وہ ہمارے دین کو برا کہتا ہے' اس دین کی پیروی کرنے پر ہمارے بزرگوں کو گمراہ اور ہمیں کم عقل کہتا ہے' ہمارے لئے اس کی یہ باتیں ناقابلِ برداشت ہوگئی ہیں' آپ بھی اسی مذہب کو مانتے ہیں جسے ہم مانتے ہیں' آپ خود محمدؐ کو ایسا کرنے سے روکیں' اسے ہمارے معبودوں اور دین کو برا کہنے سے باز رکھیں یا پھر ہمیں اجازت دیں' ہم خود اس کا بندوبست کرلیں گے۔" انہوں نے دھمکی دی۔

ابو طالب بھی اسی دین پر تھے جس پر شکایت کرنے والے تھے' ان کے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب اور معبود بھی وہی تھے' جو ان سرداروں کے آباؤ اجداد کے تھے اور وہ قریش کے سرداروں کی شکایت اور دھمکی کا مطلب سمجھتے تھے۔

لیکن وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو بھی سمجھتے تھے۔

انہوں نے نہایت دانائی اور نرمی سے ان کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

وہ مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔

ابو طالب قریش کے بزرگ اور دانا سردار تھے' قریش ان کا احترام کرتے تھے۔

اس وفد میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ' حرب کا بیٹا صخرا' ابو سفیان ہشام کا بیٹا عاص' ابو البختری مطلب کا بیٹا اسود' ہشام کا بیٹا عمرو (ابوجہل)' حجاج کے بیٹے بنیہ اور منبیہ وائل کا بیٹا عاص اور دیگر شامل تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت کھلے کھلے انداز میں شروع کر دی تھی' جب آپؐ نے صفا کی چوٹی پر سے مکہ کے سارے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تھی' تو مکہ کے گھر گھر میں آپؐ کی دعوت پہنچ گئی تھی' ایک ایک فرد دینِ اسلام سے واقف ہوگیا تھا۔

بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو کھانے کی دعوتوں پر بلا کر آپؐ نے انہیں دینِ اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرما دیا تھا۔

مکہ میں ہر جگہ دینِ اسلام کا چرچا ہونے لگا تھا۔

آپ ہر طریقے سے بتوں اور بت پرستی کے خلاف دعوتِ حق پیش کرنے لگے تھے۔

کفارِ مکہ کے لئے اس طریقِ دعوت کا ناقابلِ برداشت ہونا لازم تھا۔

مکہ عرب کا سب سے اہم مذہبی اور تجارتی مرکز تھا۔

قریشِ مکہ بہت بڑے تاجر تھے' سارے عربوں کے مذہبی مرکز کے متولی تھے۔

اس مرکز میں نصب بتوں کی برائی وہ کیسے برداشت کرسکتے تھے؟

یہ ان کی مذہبی اور کاروباری برتری اور مفاد کے لئے نقصان دہ تھا۔
اسلام ان کی دینی‘ دنیاوی اور تہذیبی برتری کے صدیوں پرانے بتوں کے لئے ضرب کاری تھا۔
پھر اس آبائی مذہب سے قریش کی جذباتی اور نسلی وابستگی بھی تو تھی۔
رسول اللہ ﷺ اور کسی کو گالی دیں؟
ایسا ممکن نہ تھا۔
قریشِ مکہ اپنے معبودوں کے خلاف ہر بات کو گالی سمجھتے تھے۔
اپنے آبائی مذہب اور اپنے معبودوں کی برائی کو اپنے اجداد کی توہین قرار دیتے تھے۔

اس کے باوجود ابھی تک ان میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کی کوئی عملی کوشش نہیں کی تھی‘ صرف آپؐ کے تایا ابو لہب نے حضورؐ کی شان میں سخت الفاظ استعمال کئے تھے اور وہ بنی عبدالمطلب سے الگ ہو کر حضورؐ کی مخالفت کرنے والے قریشِ مکہ سے جا ملا تھا۔

ابو طالب کی ثابت قدمی

اسلام کی دعوت اور بھی تیز تر ہوگئی تو قریش کے سرداروں نے اس کے تدارک کے لئے مجلسِ مشاورت منعقد کی۔انہوں نے اس صورتِ حال پر غور کیا‘ مختلف تجاویز پر بحث کی‘ کسی نے تجویز پیش کی: ”ہمیں ایک بار پھر ابو طالب سے کہنا چاہیے کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکے‘ وہ ہمارے معبودوں کو کچھ نہ کہے‘ ہم اس سے کوئی غرض نہیں رکھیں گے۔خدانخواستہ اگر کل کو ابو طالب کا انتقال ہوگیا اور ہماری طرف سے اس کے بھتیجے کو کوئی ایذا پہنچی تو عرب کہیں گے کہ ابو طالب کی زندگی میں تو یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے‘ اب وہ فوت ہوگیا ہے تو اس کے بھتیجے کے خلاف کارروائیوں پر اتر آئے ہیں‘ اس طرح عرب قوم میں ہماری بدنامی ہوگی‘اس لئے مناسب ہے کہ ہم ابو طالب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے سے ہمارا معاہدہ کرا دے۔“
سب نے اس تجویز کو پسند کیا اور ابو طالب سے ملاقات کے لئے ایک وفد تشکیل دے دیا۔
دوپہر کا وقت تھا۔حضرت ابو طالب اپنے گھر میں تھے‘ مطلب نامی ایک شخص نے انہیں اطلاع دی کہ قریش کے سرداروں کا ایک وفد ان سے ملنے آیا ہے‘ ابو طالب نے سب کو اندر بلا لیا‘ عرب روایت کے مطابق خوش آمدید کہا۔
”ابو طالب!آپ ہمارے سردار ہیں‘ ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔“ قریش کے وفد نے کہا۔”ہم نے

آپ سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو روکیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہے' مگر آپ نے ہماری درخواست پر اسے روکا نہیں' اب یہ نہیں ہوگا کہ وہ ہمارے آباؤ اجداد کی توہین کرتا رہے اور ہمارے معبودوں کی برائیاں بیان کرتا رہے اور ہم خاموش رہیں' آپ ہمارے اور اس کے درمیان انصاف کر دیں' وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہے' ہم اسے اور اس کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے' اگر ایسا نہ ہوا تو ہم آپ سے جنگ کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک ہم میں سے ایک فریق ختم ہو جائے۔"

ابو طالب بڑی مشکل میں پھنس گئے' وہ اپنی قوم سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور اپنے بھتیجے کو بھی اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے' انہوں نے سوچا اگر محمدؐ قریش کی تجویز مان لیں تو یہ مشکل حل ہو جائے گی' انہوں نے اپنے بیٹے کو بھیج کر حضورؐ بلوایا۔

"بھتیجے! قریش کے ان بزرگوں اور سرداروں کو شکایت ہے کہ آپؐ مجلس اور مسجد (حرم) میں انہیں اذیت دیتے ہیں' یہ ایک بات لے کر آئے ہیں کہ آپؐ ان کے معبودوں کو برا نہ کہیں' یہ آپ کے رب کو اور آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔" ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کی تجویز رکھ دی۔

"چچا! آپ ان کے سامنے وہ بات کیوں نہیں پیش کرتے جو ان سب کے لئے خیر اور برکت کا سبب ہو؟" حضورؐ نے جواب دیا۔

"وہ کیا چیز ہے؟" ابو طالب نے پوچھا۔

"یہ صرف ایک چیز کا اقرار کر لیں جس سے یہ سارے عرب اور عجم کے مالک بن جائیں گے۔" حضورؐ نے فرمایا۔

"ایک کیا اس کے لئے تو ہم آپؐ کی دس باتیں ماننے کے لئے تیار ہیں۔" ابو جہل بولے۔

"آپ صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں۔" حضورؐ نے فرمایا۔

قریش کے سرداروں نے اظہار ناراضگی کیا: "اس کے سوا کوئی اور بات کہو' ہم غور کریں گے۔"

"بخدا! اگر تم لا الٰہ الا اللہ نہیں کہتے تو جس طرح سورج اپنی روشنی اور تپش روکنے پر قادر نہیں' اسی طرح میں بھی توحید کی دعوت ختم کرنے پر قادر نہیں۔" حضورؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر فرمایا۔

"ہم تمہیں بھی اور تمہارے اس خدا کو بھی گالیاں دیں گے جس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔" قریش کے سرداروں نے غصہ سے کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے :"وہ یہ (کہتے ہوئے) چلے گئے کہ اپنے معبودوں پر قائم رہو یہ (محمدﷺ) تو تم پر برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

ابو طالب فکر مند تھے۔ "بھتیجے!میرے اور اپنے جینے کی گنجائش باقی رہنے دو' اتنا بوجھ نہ ڈالو جو نہ میں اٹھا سکوں اور نہ تم اٹھا سکو' اپنی قوم سے کوئی ایسی بات نہ کہو جو انہیں ناگوار ہو۔"

رسول اللہ ﷺ کو خیال گزرا کہ شاید آپ کے تایا نے حفاظت اور تعاون کا وہ عہد واپس لے لیا ہے جو انہوں نے بنی عبدالمطلب کی دعوت کے وقت کیا تھا۔اس عہد کا واپس لینا صرف ان کا ذاتی طور پر مدد سے دست بردار ہو جانا نہیں تھا' وہ بنی عبدالمطلب کے سردار تھے' ان کا فیصلہ سارے گھرانے کا فیصلہ ہوتا۔ابو طالب نے بچپن سے حضورؐ کی پرورش کی تھی۔وہ حضورؐ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔یہ خیال آتے ہی حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔آپؐ نے فرمایا: "بخدا!یہ میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے ہاتھ پر سورج رکھ دیں اور کہیں کہ میں اسلام کی دعوت چھوڑ دوں' تب بھی میں اپنا فرض ادا کرنا نہیں چھوڑوں گا' یہاں تک کہ میرا اللہ اس کام کو کامیاب فرما دے یا میں اس کی تکمیل کی کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔" یہ کہہ کر آپؐ باہر کی طرف چل دیئے۔

حضرت ابو طالب نے آواز دے کر حضورؐ کو پاس بلایا اور کہا: "جانِ عم!تم جو بھی دعوت دینا چاہتے ہو دو' جو کہنا چاہتے ہو کہو' میں تمہاری مدد اور حفاظت سے کبھی دست کش نہ ہوں گا اور کسی کو تمہیں نیچا دکھانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

رسول اللہ ﷺ خوش ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی دعوت میں آپؐ کو اپنے تایا اور خاندان کے تعاون سے محروم نہیں کیا۔

ظُلم کی شکست

بنی جمح کے سردار امیہ کو معلوم ہوا کہ اس کا حبشی غلام بھی مسلمان ہوگیا ہے' اسے بہت غصہ آیا' اس کا خانہ زاد اس کے معبودوں کا انکار کردے؟

اس نے غلام کو بلا کر پوچھا: "کیا تم نے بھی لات اور عزیٰ کا انکار کر دیا ہے اور محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے؟"

"اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔" غلام نے جواب دیا۔

قریش کے کسی سردار کا غلام اس کے آبائی دین کو چھوڑ دے اور اس کے سامنے اس کے آبائی معبودوں سے انکار کی جرأت کرے؟

امیہ نے اسے قید کر دیا'

رات اور دن بھوکا پیاسا رکھا'

دوسرے روز قید سے نکال کر پوچھا: "تم لات اور عزیٰ پر ایمان لاتے ہو یا نہیں؟"

"اللہ ایک ہے۔" غلام نے جواب دیا'

امیہ نے اس کی خوب پٹائی کی'

غلام مار کھاتا رہا اور اللہ ایک ہے (احد! احد!) کہتا رہا۔

امیہ غلام کو مار مار کر تھک گیا تو اس نے مکہ کے دوسرے غلاموں کے لئے اسے مثال بنانے کا فیصلہ کر لیا'

گرمی بہت شدید تھی۔وہ اسے شہر سے باہر لے گیا' اس کے بدن سے کپڑے اتار کر اسے موٹی گرم ریت پر لٹا دیا اور اس کے سینے ایک بھاری پتھر رکھ کر کہا: "جب تک تو محمدؐ کے دین سے

انکار اور لات و عزیٰ کا اقرار نہیں کرے گا اسی طرح پٹتا رہے گا۔"

"احد! احد!" غلام بلند آواز میں کہتا رہا۔

امیہ کئی روز تک اسے اسی طرح گرم ریت کی سزا دیتا رہا، مگر غلام نے لات اور عزیٰ کو معبود نہ مانا' امیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے۔

وہ اس کے گلے میں رسّی ڈال کر شہر کے آوارہ لڑکوں کے حوالے کر دیتا' لڑکے اسے گلیوں اور بازاروں میں پتھروں پر گھسیٹتے پھرتے تھے' جب وہ نڈھال ہو جاتا تو کہتے: "اعلان کرو کہ تمہارے معبود لات اور عزیٰ ہیں۔"

اسے جب تک ہوش رہتا وہ "احد! احد!" پکارتا رہتا!

حضرت ابوبکرؓ بنی جمح کے محلّہ میں رہتے تھے' ایک روز امیہ اپنے غلام کو سزا دلوا رہا تھا کہ وہ ادھر سے گزرے۔

"امیہ! اس پر اتنا ظلم نہ کرو۔" حضرت ابوبکرؓ سے غلام کی حالت دیکھی نہ گئی۔

"اس کی یہ حالت تمہاری وجہ سے ہے' جنہوں نے اسے باپ دادا کے دین سے پھیر دیا ہے۔" امیہ نے غصہ سے کہا: "میں اسے تب تک نہیں چھوڑوں گا جب تک یہ محمدؐ کے دین کا انکار اور لات و عزیٰ کا اقرار نہیں کرتا' تم میں ہمت ہے تو اسے چھڑا لو۔"

"تم مجھ سے ایک بہتر سودا کیوں نہیں کر لیتے؟" حضرت ابوبکرؓ نے نرمی سے کہا۔

"تم اس کا مجھ سے کیا سودا کرو گے؟" وہ اسی ترش انداز میں بولا۔

"میں تمہیں اس کے بدلے میں ایک نوجوان اور صحتمند غلام دینے کو تیار ہوں۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔

تھوڑا سوچ کر امیہ غلام کے تبادلہ پر تیار ہو گیا۔

اسے غلام کے ہاتھوں اپنی شکست کا خدشہ تھا' وہ اس پر ظلم کر چکا تھا، مگر غلام جس نے اس کے گھر میں جنم لیا تھا' اسلام چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

اگر ظلم ہار گیا تو قریش میں اس کی رسوائی ہوگی' امیہ نے سوچا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ زخموں سے چُور غلام کو اپنے گھر لے آئے' نہلا کر صاف ستھرے کپڑے پہنائے اور اسی وقت آزاد کر دیا۔

امیہ کے اس غلام کا نام بلالؓ تھا' اس کے والد کا نام رباح تھا۔

قریش کے گھروں میں حبشہ کے سیاہ فام غلام خدمات انجام دیا کرتے تھے' غلاموں کی اولاد بھی مالک

کی غلام ہوتی تھی، بلال بھی حبشی تھا۔

جیسے جیسے اسلام پھیل رہا تھا، قریش کا غم اور غصہ بڑھتے جا رہے تھے، قریش کے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کے جو لوگ مسلمان ہو رہے تھے، انہیں وہ کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، اس سے ان کے خاندان اور قبیلے ان کی حفاظت کے لئے سامنے آجاتے اس لئے غلام اور بے سہارا لوگ ان کے ظلم کا نشانہ بن رہے تھے۔

اگر کسی معزز خاندان کا کوئی فرد مسلمان ہو جاتا تو ابو جہل اس کا مذاق اڑاتا، اس پر طنز کے تیر پھینکتا: "تم نے اپنے باپ کا مذہب ترک کر دیا ہے، جو تم سے اچھا انسان تھا، ہمیں تم سے اور تمہارے خیالات سے نفرت ہے۔"

اگر کوئی دکاندار یا تجارت پیشہ آدمی مسلمان ہو جاتا تو ابو جہل اس کے کاروباری بائیکاٹ کا اعلان کر دیتا۔

اگر مسلمان ہونے والا کوئی غلام یا لونڈی ہوتے تو اس کی پٹائی اور تذلیل کرتا۔

ابو جہل کا یہ انتقامی طریقہ سارے مشرک قریش نے اپنا لیا تھا۔

امیہ حضرت بلالؓ پر ظلم اور تشدد میں ابو جہل سے آگے نکلنا چاہتا تھا تاکہ مشرک اسے اپنے دین اور معبودوں کا بڑا محافظ مان لیں، مگر ایمان کی قوت نے ظلم کو شکست دیدی۔

اللہ کی قدرت

بنو مخزوم کی ایک لونڈی مسلمان ہو گئی، ابو جہل نے اسے اتنا پیٹا کہ اس کی آنکھوں کی روشنی جاتی رہی۔ ابو جہل نے کہا: "لات اور عزیٰ نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔"

پٹائی سے نڈھال لونڈی نے جواب دیا: "لات اور عزیٰ کو تو یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ انہیں پوج کون رہا ہے، یہ فیصلے تو آسمانوں پر ہوتے ہیں، میرا رب اس پر قادر ہے کہ میری بینائی بحال کر دے۔"

دوسرے روز وہ بیدار ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بینائی بحال کر دی تھی۔

ابو جہل نے ڈھٹائی سے کہا: "یہ محمدؐ کے جادو کا نتیجہ ہے۔"

اس لونڈی کا نام زنیرہؓ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کو علم ہوا تو انہوں نے زنیرہ کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔

النہدیہ

عبدالدار کے گھرانے کی ایک خاتون کی دو لونڈیاں تھیں' وہ دونوں ماں بیٹی تھیں' ماں کا نام النہدیہ تھا' وہ دونوں مسلمان ہوگئیں۔

اس خاتون نے ان پر تشدد شروع کر دیا' وہ انہیں پیٹتی تھی اور اسلام ترک کرکے کفر کی طرف واپسی کا حکم دیا کرتی تھی' وہ ماں بیٹی مار کھاتی رہیں' مگر لات اور عزیٰ کو معبود نہیں مانا' ایک روز پٹائی کے بعد اس نے ماں بیٹی کو آٹا دیا اور روٹیاں بنانے کا حکم دیا۔

"تم ماں بیٹی زندگی بھر میری غلام رہو گی اور میں اسی طرح تمہیں پٹواتی رہوں گی' خدا کی قسم! میں کبھی تمہیں رہا نہیں کروں گی۔" وہ خاتون پاس بیٹھی انہیں دھمکیاں دے رہی تھی' مظلوم ماں بیٹی خاموشی سے روٹیاں بناتی رہیں۔

حضرت ابوبکرؓ ادھر سے گزرے تو انہوں نے اس خاتون کی دھمکیاں سن لیں' ان دونوں مظلوم خواتین کی حالت دیکھ کر رک گئے۔ "تم اپنی قسم کے بوجھ سے نجات کیوں نہیں حاصل کر لیتیں۔" انہوں نے اس خاتون سے کہا۔

"میں اپنی قسم کے بوجھ سے آزاد ہو جاؤں' نہیں میں کبھی انہیں رہائی نہیں دوں گی۔" اس خاتون نے جواب دیا۔ "انہیں تم نے خراب کیا ہے۔ اگر تمہیں ان سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو انہیں خرید کر تم خود آزاد کیوں نہیں کر دیتے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے اسی وقت اس خاتون کو دونوں ماں بیٹی کی منہ مانگی قیمت ادا کر دی اور کہا: "اب تم آزاد ہو' اس کا آٹا واپس کر دو"۔

"آپ ہمیں اس کی روٹیاں تیار کرنے کی مہلت نہیں دیں گے؟" النہدیہ نے پوچھا۔

"یہ آپ کی اپنی مرضی ہے' میری طرف سے تم آزاد ہو۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

نیکی میں سرمایہ کاری

بنی عدی کے گھرانے کی بھی ایک لونڈی مسلمان ہوگئی' اس کا نام لبینہ تھا' حضرت عمرؓ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' وہ اس کو بہت مارتے اور اسلام ترک کرنے کو کہتے' مگر وہ پٹائی کے باوجود اسلام پر قائم رہی۔

ایک روز وہ اسے مارتے مارتے رک گئے اور کہا: "میں نے تمہیں معاف نہیں کیا اس لئے رک گیا ہوں کہ میں بور ہوگیا ہوں۔" "I am bored"

"تمہاری یہ حالت اللہ کے حکم سے ہوئی ہے۔" لبینہ نے کہا۔
حضرت ابوبکرؓ نے لبینہ کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔
حضرت ابوبکرؓ نے مجموعی طور پر نو غلام اور لونڈیاں خرید کر آزاد کئے اور انہیں کفار کے ظلم سے نجات دلائی، ان میں حضرت بلالؓ کی والدہ، حمامہؓ الاسود بن عبد یغوث کی لونڈی اُمِ عنیس، عامر بن فہیرہ اور ابوفکیہہ بھی شامل تھے۔
اپنے بیٹے کو غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی پر اس طرح روپیہ خرچ کرتے دیکھ کر آپ کے والد نے ایک روز کہا: "تم کمزور اور ناتواں افراد کو آزاد کرانے پر اتنا سرمایہ خرچ کر رہے ہو۔اگر اسی رقم سے تم نے جوان اور مضبوط غلام آزاد کرائے ہوتے تو وہ تمہارے بازو اور قوت ہوتے۔"
"ابا جان، میں تو وہ اجر چاہتا ہوں جو اللہ کے ہاں ہے۔" حضرت ابوبکرؓ نے اپنے والد کو جواب دیا۔
ان کے والد ابو قحافہؓ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

ظلم میں مقابلے

حضرت ابوبکرؓ ایک غلام یا لونڈی کو قریش کے ظلم اور تشدد سے نجات دلاتے تو کسی اور کے زنجیروں میں جکڑ کر آہنی سلاخوں سے پیٹے جانے اور جلتے کوئلوں پر لٹائے جانے کی خبر آ جاتی، قریش کو اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے اسلام قبول کرنے اور ظلم تشدد کے باوجود ان کے اسلام پر قائم رہنے سے اور بھی زیادہ غصہ آتا۔بہت سے کفار اسلام قبول کرنے والے غلاموں کو مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے سے انکار کر دیتے تھے، کوئی نہیں تھا جو انہیں اس ظلم اور زیادتی سے روکے، وہ اپنے غلاموں کو مثالی سزائیں دے کر دوسروں کو مسلمان ہونے سے روکنا چاہتے تھے، مگر اس میں بھی انہیں کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔قریش کے سارے ہی سردار مظلوموں پر ظلم کے اس مقابلے میں شامل تھے، وہ ایک دوسرے سے زیادہ ظلم اور تشدد کرکے اپنے کو دوسروں کی نسبت لات اور عزیٰ کا بڑا پجاری اور باپ دادا کے دین کا بڑا محافظ ثابت کرنے کی دوڑ میں شامل تھے۔

اسلام کی پہلی شہید

رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک بازار سے گزر رہے تھے، حضرت عثمانؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے، سامنے ایک مجمع نظر آیا، قریش کے آوارہ لڑکے ابو جہل اور اس کے غلام جمع تھے اور ایک مسلمان خاندان کو سرِعام سزائیں دے رہے تھے، رسول اللہ ﷺ سے ان کی حالت دیکھی نہ گئی۔

آپ نے بلند آواز میں فرمایا: "صبر کرو آلِ یاسرؓ۔"

پھر دعا فرمائی: "اے اللہ! آلِ یاسرؓ کی مغفرت فرما دے۔"

شاید اللہ نے آپؐ کو دعا کی قبولیت سے آگاہ کر دیا تھا۔آپ نے فرمایا: "اور تُو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔"

آپؐ دل گرفتہ آگے نکل گئے۔ابو جہل انہیں سزائیں دیتا رہا۔

یاسرؓ کا وطن یمن تھا' ایک دفعہ مکہ آیا اور وہیں رہ گیا' اس دور میں کوئی آدمی عرب میں کسی قبیلے کے سہارے کے بغیر کہیں نہیں رہ سکتا تھا۔ایسے بے سہارا آدمی کو جو چاہے غلام بنا لے' قتل کر دے' پکڑ کر بیچ دے' کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا تھا۔یاسرؓ قریش کے ایک سردار ابو حذیفہ کا حلیف بن گیا' حلیف کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن سمجھا جائے گا' لڑائی اور مقابلے میں حلیف ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوتے تھے۔

ابوحذیفہ نے اس رشتہ کو مزید مضبوط بنانے کے لئے یاسرؓ کی شادی اپنی ایک لونڈی سمیہ سے کر دی' سمیہ سے اس کے دو بیٹے ہوئے۔عمارؓ اور عبداللہؓ' یاسرؓ مکہ میں خوش تھا۔مگر وہ قریش کے برابر نہیں تھا'کیونکہ ادنیٰ طبقہ سے تھا' جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت شروع کی تو عمارؓ مسلمان ہوگیا' وہ نوجوان تھا' دارِارقم میں حضورؐ کی محفل میں شرکت کیا کرتا تھا۔

عمارؓ نے اپنے باپ اور ماں کو اسلام کے بارے میں بتایا تو وہ بھی مسلمان ہوگئے' ان کے دوسرے بیٹے عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ابو حذیفہ کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں اسلام چھوڑنے پر آمادہ کرنا چاہا۔مگر ان میں سے کوئی ایک بھی نہ مانا' ابو حذیفہ کو بہت غصہ آیا' اسلام قبول کرنے والے غلاموں اور غریبوں پر تشدد کرنے اور انہیں ایذائیں دینے کی قریش کی تحریک کا سربراہ ابوجہل تھا۔اس نے یاسرؓ کے خاندان کو مثالی سزائیں دینے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا' وہ انہیں رسّیوں سے باندھ کر باہر بازار میں کڑی دھوپ میں پھینک دیتا' آوارہ لڑکے انہیں پتھر مارتے' وہ خود ڈنڈوں سے ان کی پٹائی کرتا۔

قریش کی عورتیں سمیہ کو بہت پسند کرتی تھیں' وہ قریش کی حاملہ عورتوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی اور زچگی تک کے مراحل کی نگرانی کیا کرتی تھی۔قریش کی بہت سی عورتوں نے ابو جہل سے سفارش کی کہ وہ سمیہ پر اتنا ظلم نہ کرے' مگر اس نے کسی کی نہ مانی۔

حضرت ابو بکرؓ نے سمیہ کو خریدنا چاہا۔مگر ابو جہل نے انکار کر دیا' انہوں نے منہ مانگی قیمت کی پیشکش کی' ابوجہل پھر بھی نہ مانا۔رسول اللہ ﷺ کو اس خاندان پر ظلم اور تشدد کی

مسلسل خبریں ملتی رہتی تھیں، مگر آپؐ انہیں کسی طرح رہائی نہیں دلا سکتے تھے، وہ ابو حذیفہ کے حلیف تھے اور آپؐ کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ سارے قریشِ مکہ اور ان کے حلیفوں سے لڑائی کر سکیں۔

ابوجہل انہیں سزائیں دیتا رہا اور وہ اپنے ایمان پر قائم رہے، اس وقت بھی ابوجہل نیزہ لئے پاس کھڑا تھا اور اس کے غلام یاسرؓ اور اس کے خاندان پر تشدد کر رہے تھے، اس نے سمیہؓ سے کہا کہ وہ لات اور عزیٰ کو معبود ماننے کا اعلان کرے۔

"میں تم پر اور تمہارے معبودوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔" زنجیروں میں بندھی نڈھال سمیہؓ نے جواب دیا۔

ابوجہل نے پوری قوت سے نیزہ اس کے پیٹ کے نیچے کے حصہ کے آر پار کر دیا۔

سمیہؓ شہید ہوگئی۔

اور اسلام کی پہلی شہید ہونے کا مرتبہ حاصل کر گئی۔

اس کے بعد ابوجہل نے یاسرؓ کے پیٹ میں ٹھڈے مارنا شروع کر دیا اور اتنا مارا کہ وہ بھی شہید ہوگیا۔

ماں اور باپ کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو بھی وہیں ہلاک کر دیا۔

عمارؓ رسیوں میں بندھا پاس پڑا تھا۔ اپنے باپ، ماں اور بھائی کو بے کسی اور بے بسی کی حالت موت کے منہ میں جاتے دیکھ رہا تھا۔

ابوجہل کے حکم پر اس کی رسیاں کھولی گئیں۔ اس کا جسم زخموں سے چُور تھا۔

ابوجہل کے حکم پر ہر روز اسے عذاب دیا جاتا رہا، گرم ریت اور کوئلوں پر لٹا کر پیٹا جاتا وہ کہتے:

"لات اور عزیٰ کا اقرار کرو اور محمدؐ کا انکار کرو۔"

ایک روز جب تشدد ناقابلِ برداشت ہوگیا تو اس نے مجبوراً قریش کے بتوں کی تعریف کر دی، وہ خوش ہوگئے اور اس کی زنجیریں کھلوا دیں۔ عمارؓ دارِارقم میں رسول اللہ ﷺ کے حضورؐ پیش ہوگیا اور رو رو کر ناقابلِ برداشت ظلم اور اپنی مجبوری سے حضورؐ کو آگاہ کیا۔

"تمہارے دل کی کیا حالت ہے؟" حضورؐ نے پوچھا۔ "اس میں خدا پر ایمان ہے یا نہیں؟"

"میرا دل کلمۂ توحید پر قائم ہے اور بتوں سے انکار پر مطمئن ہے۔" عمارؓ نے عرض کیا۔

"آئندہ بھی کبھی تمہارے لئے تشدد ناقابلِ برداشت ہو جائے تو اس سے نجات کے لئے ایسے ہی کہہ دینا جیسا کہہ کر تم نے اب نجات حاصل کی ہے۔" حضورؐ نے عمارؓ کو تسلی اور حکم دیا۔

مدینہ میں ایک بار حضرت عمارؓ بن یاسر اپنا کرتا اتار کر بیٹھے تھے' ان کی پشت پر داغ ہی داغ تھے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا ہوا' تو انہوں نے بتایا کہ یہ اس تشدد کے نشانات ہیں جو قریشِ مکہ ان پر کیا کرتے تھے اور جب انہیں گرم زمین اور انگاروں پر لٹایا جاتا تھا۔

ظلم کا بدلہ

ایک روز رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کی دیوار کے سایہ میں تشریف فرما تھے' حضرت خبابؓ نے پیش ہو کر عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ اب تو کفار کے ظلم کی حد ہوگئی ہے۔ آپؐ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے؟"

حضرت خبابؓ عراق کے رہنے والے تھے' قبیلہ ربیعہ کے کچھ لوگوں نے انہیں پکڑ کر غلام بنا لیا تھا اور مکہ لا کر بنی خزاعہ کے ایک خاندان کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا' ان کی مالکہ اُمِ انمار کو ان کے مسلمان ہو جانے کی خبر ملی تو اس نے بھی حضرت خبابؓ پر ظلم شروع کر دیا' وہ لوہے کی سلاخ گرم کرکے ان کے سر پر مارتی اور اسلام ترک کرنے کو کہتی۔ حضرت خبابؓ ظلم سہتے رہے اور اسلام پر قائم رہے۔

ایک روز انہوں نے کوئلوں کی آگ جلا کر حضرت خبابؓ کو اس کے اوپر لٹا دیا' ایک آدمی ان کے سینے پر کھڑا ہوگیا' اُمِ انمار لات اور عزیٰ کو معبود ماننے کا حکم دیتی مگر وہ انکار کرتے رہے' یہاں تک کہ کوئلے ٹھنڈے ہو گئے۔

خبابؓ کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک تمتما اٹھا۔ "تم سے پہلے جو اہلِ ایمان گزرے ہیں' ان پر اس سے بھی زیادہ سختیاں کی گئی تھیں' ان میں سے بعض کو زمین میں گڑھا کھود کر اس میں بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر ان کے سروں پر آرے چلا کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا' بعض کے جوڑ لوہے کے کنگھوں سے رگڑے جاتے تھے تاکہ وہ ایمان ترک کر دیں' اس ظلم اور تشدد کے باوجود وہ اپنے دین پر قائم رہتے تھے۔ اللہ کی قسم! تمہارا خدا اس کام کو پورا کرکے رہے گا اور وہ وقت ضرور آئے گا جب ایک تنہا مسافر صنعا سے حضرت مُوت تک سفر کرے گا' مگر اللہ کے سوا یا اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کے حملہ کے ڈر کے سوا اسے کسی اور کا ڈر نہیں ہوگا۔ تم پر اور تمہارے ساتھی مسلمانوں پر جو ظلم کیا جا رہا ہے' اس کے نتیجے میں وہ وقت قریب آ رہا ہے۔" آپؐ نے فرمایا۔

پھر آپؐ نے دعا فرمائی: "خدایا! خبابؓ کی مدد کر۔"

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی دعا قبول فرمائی' اُمِ انمار کے سر میں کوئی بیماری ہوگئی۔جب کچھ آرام نہ آیا تو حکیموں نے کہا اس کے سر کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغا جائے' چنانچہ حضرت خبابؓ وہی سلاخیں جس سے اُمِ انمار ان کا سر داغا کرتی تھی' گرم کرتے اور اُمِ انمار کا سر داغتے تھے۔

قریشی مسلمانوں پر تشدد

قریشِ مکہ کے گھروں میں کام کرنے والی لونڈیاں' ان کے ہاں پرورش پانے والے غلام ظلم برداشت کرتے رہے' مگر کسی نے بھی اسلام ترک نہیں کیا۔قریش کے لئے یہ بڑی شرم کی بات تھی' رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے سامنے ان سب کی شکست تھی' تین سال کی خاموش تعلیم اور تربیت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے جو مختصر سی جماعت تیار کی تھی' اس نے قریش کی صدیوں کی برتری خاک میں ملا دی تھی۔قریش خود کو ناقابلِ شکست سمجھتے تھے' اب ان کے کمزور اور بے سہارا غلاموں نے انہیں شکست دے دی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے ان کمزوروں کو حق اور جنت کی جو راہ دکھا دی تھی' اس پر وہ بڑے صبر کے ساتھ چلے جا رہے تھے' قریش کے مظالم کو دیکھتے ہوئے بھی مزید لوگ مسلمان ہو رہے تھے' غلام بھی اور آزاد بھی' قریش کے سرداروں کے اپنے عزیز و اقارب بھی اسلام قبول کر رہے تھے' قریش کے سرداروں کے لئے یہ اور بھی فکر کی بات تھی' وہ انہیں کیسے روکیں؟ اور اگر نہ روکیں تو کیا کریں؟

بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ قریش کے جو لوگ مسلمان ہوگئے ہیں' ان کے اپنے گھر والے انہیں آبائی دین پر واپس لائیں' چنانچہ بے کس اور بے سہارا مسلمانوں کے بعد قریش کے معزز خاندانوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں پر بھی تشدد کے دروازے کھلنے لگے۔

باپ کا ظلم

حضرت خالدؓ بن سعید کے والد کو ان کے مسلمان ہونے کا علم ہوا تو وہ طیش میں آ گیا' حضرت خالدؓ چھپ گئے' ان کے والد نے انہیں ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے' وہ انہیں پکڑ لائے' ان کے والد نے حضرت خالدؓ کی ڈنڈے سے اتنی پٹائی کی کہ ڈنڈا ٹوٹ گیا۔

"تم نے محمدؐ کا دین قبول کیا' حالانکہ تُو جانتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی مخالفت کر رہا ہے' جو لوگ اس کا دین قبول کرچکے ہیں' محمدؐ ان کے باپ دادا کے دین میں عیب نکالتا ہے اور انہیں گمراہ قرار دیتا ہے۔"

"خدا کی قسم محمدؐ سچے ہیں اور میں ان کے دین پر کاربند ہوں"۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔
"اب تمہیں میرے گھر سے کھانا نہیں ملے گا' تیرا جہاں دل چاہے چلا جا۔" اس نے پھر پٹائی کرتے ہوئے کہا۔
"میرا رازق اللہ ہے' وہ مجھے رزق دے گا۔" حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔
گھر سے نکال دیئے گئے تو حضرت خالدؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے۔
ایک روز وہ شہر سے باہر نماز پڑھ رہے تھے' ان کے والد کو علم ہوا تو آدمی بھیجے جو انہیں پکڑ لائے۔
"جب تک تو محمدؐ کا دین چھوڑ کر باپ دادا کا دین قبول نہیں کرے گا' میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" ان کے باپ نے کہا۔
"میں مرتے دم تک یہ دین نہیں چھوڑوں گا۔" رسیوں میں بندھے حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔
ان کے والد نے پھر ڈنڈوں سے ان کی سخت پٹائی کی' جب وہ نڈھال ہوگئے تو ایک کمرے میں بند کر دیا' گرمی کا موسم تھا' تین روز تک انہیں نہ کھانے کو کچھ دیا گیا اور نہ پینے کو پانی۔
وہ اسلام پر قائم رہے اور شدید عذاب برداشت کرتے رہے۔
ایک روز موقع پا کر وہ باپ کی قید سے بھاگ نکلے اور شہر سے باہر جا کر چھپ گئے۔
اور پھر کبھی باپ کے گھر نہیں گئے۔

امیر کبیر کا بیٹا

رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں ایک شخص حاضر ہوا' اس نے موٹے کھردرے کپڑے کا پھٹا پرانا لباس پہن رکھا تھا جس میں جگہ جگہ پیوند لگے تھے۔ اسے دیکھ کر حضورؐ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ "چند سال پہلے جب میں نے اس نوجوان کو دیکھا تھا تو سارے مکہ میں اس سے خوش پوش اور خوش لباس کوئی نہ تھا' کوئی اس سے زیادہ آسودہ حال نہ تھا' اس سے بڑھ کر نازو نعمت کا پروردہ کوئی اور نہ تھا' آج اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں اس نے وہ سب کچھ قربان کر دیا ہے' دینِ اسلام کی لذت نے اسے اسبابِ راحت سے بے نیاز کر دیا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔
اس نوجوان کا نام مصعبؓ تھا' وہ بنو عبدالدار کے ایک امیر کبیر شخص عمیر کے فرزند تھے' مکہ میں ان جیسا خوبرو اور خوش لباس کوئی نہ تھا' میانہ قد کے اس نرم و نازک نوجوان کے لباس کے ایک جوڑے کی قیمت دو سو درہم تک ہوتی تھی' وہ اپنے ماں باپ کا لاڈلا بیٹا تھا' لیکن جب اسلام

قبول کرلیا تو ان پر مصائب ٹوٹ پڑے۔

ان کے چچا زاد بھائی کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ نے ایک روز انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا تھا اور ان کے والدین کو جا کر بتا دیا تھا کہ تمہارے بیٹے نے بھی محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے۔

ان کے والد نے پہلے انہیں پیار سے سمجھایا' پھر غضب سے ڈرایا لیکن جب وہ اسلام ترک کرنے پر راضی نہ ہوئے تو انہیں رسیوں سے باندھ کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔

وہ ان کی پٹائی کرتے رہے اور باپ دادا کے دین پر واپس آنے کو کہتے رہے۔

وہ کئی روز قید رہے' عثمان بن طلحہ بھی کئی روز تک انہیں اذیتیں دیتا رہا۔

نہ ان کی ماں کی محبت نے جوش مارا نہ باپ نے چھڑانے کی کوشش کی۔

پھر کسی طرح وہ قید سے نکل بھاگے اور قریش کے ظلم سے ستائے ہوئے مسلمانوں کے پہلے گروہ کے ہمراہ حبشہ چلے گئے۔جب واپس آئے تو ان کے جسم کی کھال کھردری ہوگئی تھی' سفر اور غربت سے رنگ زرد پڑ گیا تھا اور موٹے کھردرے کپڑے کا پیوند لگا لباس پہن رکھا تھا۔

ظالم چاچے

حضرت زبیرؓ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ کے فرزند تھے' ان کے والد سیدہ خدیجہؓ کے بھائی تھے۔حضرت زبیرؓ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد العوام فوت ہوگئے' بھائی کی وفات کے بعد سیدہ خدیجہؓ کے دوسرے بھائی نوفل نے انہیں اپنی نگرانی میں لے لیا۔نوفل اپنے بھتیجے سے بہت پیار کرتے تھے' ایک دفعہ حضرت زبیرؓ کی والدہ نے ان پر کچھ سختی کی تو نوفل نے بہت برا مانا' انہوں نے حضرت صفیہؓ کے والدین سے بھی شکایت کی کہ وہ زبیرؓ پر سختی کرتی ہیں جس پر حضرت صفیہؓ کو صفائی پیش کرنا پڑی۔ ''جس کسی نے یہ کہا کہ میں اس (زبیر) سے بغض رکھتی ہوں'اس نے غلط کہا۔میں تو اسے اس لئے مارتی ہوں تاکہ یہ عقلمند ہو''۔

حضرت زبیرؓ ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جنہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا،لیکن جب قریش نے اپنے اپنے خاندانوں کے اسلام قبول کرنے والے افراد پر تشدد شروع کیا تو اسی چچا نوفل نے حضرت زبیرؓ کو تکالیف دینا شروع کر دیا۔

وہ انہیں موٹی چٹائی میں باندھ کر لٹکا دیتے تھے اور نیچے آگ جلا کر دھونی دیا کرتے تھے اور کہتے تھے : ''محمدؐ کا دین چھوڑ دو اور اپنے آبائی دین پر واپس آجاؤ یا موت کے لئے تیار ہو جاؤ۔''

''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں، اللہ کی قسم!میں کفر پر واپس نہیں آؤں گا۔'' حضرت زبیرؓ جواب دیتے۔

نوفل جتنا زیادہ تشدد کرتے، حضرت زبیرؓ یہی جواب دیتے۔
لیکن جب ان کے لئے چچا کا تشدد ناقابلِ برداشت ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی کہ وہ بھی مکہ چھوڑ کر حبشہ ہجرت کر جائیں۔

○ ○

جن مسلمانوں نے اپنے مشرک عزیز و اقارب کے ظلم سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان بھی شامل تھے۔وہ قریش کے ایک معزز اور امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور خود بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ان کے چچا حکم نے انہیں موٹے رسّے سے ایک لکڑی کھونٹے کے ساتھ باندھ دیا اور کہا: "تونے باپ دادا کا دین چھوڑ کر محمدؐ کا دین قبول کر لیا ہے، جب تک تُو یہ دین نہیں چھوڑے گا میں تمہیں نہیں کھولوں گا۔"
"خواہ کچھ بھی ہو جائے میں اسلام نہیں چھوڑوں گا۔" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔
وہ ظلم برداشت کرتے رہے اور اسلام پر قائم رہے۔

ماں کا حق اور اسلام

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی والدہ کا نام حمنہ تھا، وہ ابو سفیان کے بھائی کی بیٹی تھی، اسے اپنے بیٹے کے مسلمان ہو جانے کا بہت دکھ تھا، اس نے بیٹے کو پیار محبت سے بہت سمجھایا، لیکن جب حضرت سعدؓ نے اسلام ترک کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بین کرنے لگی، حضرت سعدؓ ماں کے بہت فرمانبردار تھے۔ماں کا خیال تھا کہ انہیں پریشان دیکھ کر وہ اس کی بات مان جائیں گے۔
اس کے باوجود بھی وہ نہ مانے تو حمنہ نے دھمکی دی: "میں اپنا سینہ چاک کر لوں گی اور دل چیر لوں گی۔"
"اگر آپ کا ایک سو دل ہو اور آپ ایک کے بعد دوسرا نکال کر چیر دیں تو بھی میں اسلام ترک نہیں کروں گا۔" حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔
"ماں کا حق ادا کرنا اللہ کا حکم ہے۔اگر تُو میری بات نہیں مانے گا تو اللہ کی نافرمانی کرے گا، جب تک تو محمدؐ کا دین نہیں چھوڑے گا، میں نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی اور نہ سائے میں بیٹھوں گی"۔ ان کی والدہ نے کہا۔
حضرت سعدؓ بہت پریشان ہوئے۔وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا حال

سنایا' انہیں خوف تھا کہ ماں کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔
اللہ تعالیٰ نے اسی وقت وحی بھیج دی:
"اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کی ہدایت کی ہے' لیکن اگر وہ (والدین) تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے (اللہ کے) ساتھ کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات نہ مان۔" (8:29)
حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا دل مطمئن ہو گیا۔

بھائی کی قسم

بنی مخزوم کے لوگوں نے اپنے قبیلہ کے مسلمان نوجوانوں کو اجتماعی سزا دینے کا فیصلہ کیا' ان کا خیال تھا کہ اس طرح کوئی اور نوجوان اسلام قبول نہیں کرے گا۔ان کے قبیلہ سے سلمہ بن ہاشمؓ عیاش بن ابو ربیعہ اور الولید بن الولید نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ قبیلہ والے مل کر الولید کے بھائی ہاشم کے پاس گئے: "قبیلہ کے نوجوان محمدؐ کا دین قبول کر رہے ہیں' انہیں روکنا لازم ہے' آپ الولید کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ دوسرے نوجوانوں کے ساتھ اس کا بھی علاج کیا جائے۔"
"آپ الولید کو لے جائیں اور اس سے بات کر دیکھیں' لیکن اگرآپ نے اسے کوئی ایسی سزا دی تو اللہ کی قسم!میں آپ میں سے سب سے بڑے چوہدری کو قتل کر دوں گا۔" ہاشم نے جواب دیا۔
ہاشم بنی مخزوم کے سب سے طاقتور سرداروں میں سے تھا' وہ جانتے تھے کہ وہ اپنی قسم پوری کر دکھائے گا' سب خاموشی سے واپس چلے گئے۔

قریش کی بے چارگی

قریش کے لئے ایک نیا مسئلہ پیدا ہوگیا' ان میں سے کچھ اپنے اسلام قبول کرنے والے عزیزوں کو سزا دینے کے لئے تیار نہیں تھے' تشدد کے حامی مشرک اپنے عزیزوں اور غلاموں کو تو سزائیں دے سکتے تھے' دوسروں کا کیا کریں؟
..... اور دوسری طرف کوئی ایک بھی فرد کفر پر واپس نہیں آیا تھا' وہ اپنا سارا زور صرف کر چکے تھے' مگر کسی ایک بھی لونڈی' غلام یا آزاد نوجوان کو اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکے تھے' ان کے انسانیت سوز مظالم کے باوجود مزید لوگ اسلام قبول کر رہے تھے' ان کے گھروں میں ایک نیا طبقہ

پیدا ہوگیا تھا جو نہ ان کے معبودوں کو مانتا تھا نہ ان کی سرداری اور برتری کو مانتا تھا' نہ صدیوں سے چلے آ رہے ان کے جاہلانہ معاشرتی اصولوں کو مانتا تھا۔ایک خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے والے ایسے سب افراد ان سے بالکل الگ ہوگئے تھے' آقا و غلام اور چھوٹے بڑے کی تمیز کے بغیر وہ سب ایک تھے' سب برابر تھے' اس سے مکہ کی مذہبی' سیاسی اور انتظامی ریاست پر قریش کا قبضہ کمزور ہو رہا تھا' حرم اور دارالندوہ کے پہلو میں دارِارقم مسلمانوں کا دارالندوہ بن گیا تھا اور قریش کی دینی اور دنیاوی اتھارٹی کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔

جو بھی اسلام میں داخل ہوتا' نماز کا پابند ہو جاتا' سارے مسلمان مل کر نماز ادا کرتے تھے۔ دارِارقم میں نہ ہوتے تو شہر سے باہر کسی پُرسکون وادی میں نماز پڑھتے اور قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے۔ ایک روز کچھ مسلمان شہر سے باہر ایک وادی میں نماز پڑھ رہے تھے' قریش کی ایک جماعت ادھر سے گزری تو ان کے قریب آ کر رک گئی اور ان کا مذاق اڑانے لگی۔مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تو انہیں اس بدتمیزی پر ڈانٹا' بات بڑھ گئی' نوجوان سعدؓ بن وقاص نے وہاں پڑی اونٹ کی ایک ہڈی اٹھا کر ایک مشرک کے سر میں مار دی' اس کا سر پھٹ گیا اور لہو بہنے لگا' قریش اپنے زخمی ساتھی کو لے کر وہاں سے چلے گئے۔

مسلمانوں میں اپنے دین کا دفاع کرنے کا جذبہ اور اعتماد پیدا ہوگیا تھا۔

قریش کے لئے یہ بات قابلِ غور تھی۔

پراپیگنڈہ مُہم

رسولؐ اللہ بے مثال صبر اور استقامت کے ساتھ لوگوں کو خبردار کر رہے تھے۔

اپنے رب کی بڑائی کا کھلے عام اعلان کرتے تھے' نجی ملاقاتوں میں' قریش کی مجلسوں میں' تجارت اور عمرہ کے لئے مکہ آنے والوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے میں مصروف رہتے تھے۔حج کا زمانہ قریب آ رہا تھا' حج کے موقع پر سارے جزیرۃ العرب سے لوگ مکہ آتے تھے۔اپنے الگ الگ بتوں اور مذہبی اختلافات کے باوجود حج ان کا اہم ترین تہوار تھا۔یہ ان کا مذہبی اور ثقافتی تہوار بھی تھا اور دنیاوی کاروبار کا وسیلہ بھی' تجارتی اور ثقافتی قافلے ماہِ شوال کے شروع میں عکاظ کے مقام پر خیمہ زن ہو جاتے تھے' پورا ایک مہینہ وہاں تجارتی میلہ لگا رہتا تھا' مال خریدا اور بیچا جاتا تھا' شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے تھے' قبائل کے باہمی جھگڑوں کے فیصلے کئے جاتے تھے' اگر کسی قبیلہ کے پاس کسی دوسرے قبیلے کا کوئی قیدی ہوتا تو اس کی رہائی کے لئے فدیہ ادا کیا جاتا تھا' لوگ ایک دوسرے کے خلاف پنچایت میں اپنے دعوے پیش کرتے تھے اور ان کے فیصلے کئے جاتے تھے۔یکم ذی القعد کو یہ قافلے مرالظہران (موجودہ وادیٔ فاطمہ) میں جمع ہونا شروع ہو جاتے تھے' ذی القعد کے آخری دس دن مجنہ پہاڑی کے دامن میں میلہ لگتا تھا' ذی الحج کے پہلے آٹھ دن میلہ ذی المجاز (منیٰ اور عرفات کے درمیان) منتقل ہو جاتا تھا' پھر ایامِ حج شروع ہو جاتے تھے اور سارے لوگ منیٰ میں جمع ہو جاتے تھے۔

دو اڑھائی مہینے کا یہ عرصہ پورے جزیرۃ العرب سے آئے ہوئے لوگوں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کا بہترین موقع فراہم کرتا تھا' رسولؐ اللہ کو ان میلوں کے اجتماعوں میں باہر سے آنے والوں کے سامنے اللہ کی بڑائی کا اعلان کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

قریشِ مکہ کو اس کا بہت دکھ تھا۔

انہیں ڈر تھا کہ اس طرح توحید کی دعوت سارے جزیرۃ العرب میں پھیل جائے گی۔باہر سے آنے والوں تک دعوتِ اسلام پہنچ گئی اور انہیں معلوم ہوگیا کہ قریش کے اپنے لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں، تو وہ بھی اسلام کے بارے میں سوچنے لگیں گے۔

اس کا تدارک کس طرح کیا جائے؟ یہ طے کرنے کے لئے انہوں نے ایک کانفرنس بلائی' قریش کے سردار سرجوڑ کر بیٹھے اور فیصلہ کیا کہ وہ باہر سے آنے والے لوگوں کے ڈیروں پر خود جائیں گے اور رسولؐ اللہ اور اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ کریں گے۔

''اگر باہر سے آنے والوں کے سامنے محمدؐ کے خلاف کسی نے کچھ اور دوسرے نے اور کچھ کہا تو وہ تمہاری باتوں پر یقین نہیں کریں گے' اس لئے یہ بھی طے کرلو کہ تم سب نے باہر سے آنے والوں سے کیا کہنا ہے۔'' ولید بن مغیرہ نے شرکاء سے کہا۔

''ہم کہیں گے کہ محمدؐ کاہن ہے۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''نہیں خدا کی قسم!وہ کاہن نہیں' کاہنوں کو سب نے دیکھا ہے' کاہن جو فقرے جوڑتے ہیں' جس طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں' وہ قرآن کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں' محمد تو انہیں قرآن سنائے گا' یہ بات نہیں چلے گی۔'' ولید نے ان کی تجویز مسترد کردی۔

''ہم کہیں گے محمد مجنون ہے۔'' ایک اور تجویز پیش کی گئی۔

ولید نے اس سے بھی اختلاف کیا: ''مجنون بہکی بہکی باتیں کیا کرتے ہیں' ان کی باتوں اور الٹی سیدھی حرکتوں سے سب واقف ہیں' محمدؐ جو کلام پیش کرتے ہیں' کوئی مجنون ایسا کلام پیش نہیں کرسکتا' لوگ تمہاری اس بات پر بھی یقین نہیں کریں گے۔''

''ہم کہیں گے وہ شاعر ہے''۔

''ہم شعر کی ساری اقسام سے بخوبی واقف ہیں' محمدؐ جو کلام سناتے ہیں وہ شاعری نہیں' لوگ یہ بھی نہیں مانیں گے۔''

''ہم کہیں گے محمدؐ جادوگر ہے''۔

''جادوگروں اور ان کے جادو کے طریقوں سے بھی سب عرب آگاہ ہیں' محمدؐ کو جادوگر بھی نہیں کہا جاسکتا۔'' ولید نے یہ تجویز بھی ناکافی قرار دے دی اور کہا: ''جو باتیں تم کہہ چکے ہو' انہیں سننے والے محمدؐ پر یہ تمہارا الزام قرار دیں گے' محمدؐ جو کلام سناتا ہے اس میں بڑی حلاوت ہے' اس میں بڑی گہرائی ہے اور اثرانگیزی ہے۔''

ابوجہل نے تنگ آ کر کہا: "پھر تم ہی کوئی بات بتاؤ جو محمدؐ کے بارے میں کہی جائے' جب تک تم بتاؤ گے نہیں' تمہاری قوم تم سے راضی نہیں ہوگی۔"

ولید خاموش ہوگیا' کچھ دیر سوچتا رہا۔

"تم سب ایک ہی بات کہنا کہ یہ جادوگر ہے' یہ ایسا کلام سناتا ہے جو سننے والے کو اس کے باپ' بھائی' بیوی' بچوں اور خاندان سے کاٹ دیتا ہے' جو بات کہنا ممکن ہے' وہ یہی ہے۔" ولید نے سوچ کر کہا۔

سب نے اس سے اتفاق کر لیا۔

حج کے سارے دن قریش کے وفود حاجیوں کے خیموں اور ڈیروں پر جا کر یہی کہتے رہے کہ محمدؐ سے ہوشیار رہنا' اس کا جادو اثر کلام خاندانوں میں تفرقہ ڈال دیتا ہے اور بیٹے کو باپ سے اور بھائی کو بھائی سے کاٹ دیتا ہے۔

عرب معاشرہ خاندان اور قبیلہ کے مضبوط رشتوں میں بندھا ہوا تھا۔کوئی آدمی اپنے خاندان اور قبیلہ کو چھوڑ بھی سکتا ہے' کوئی عرب اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔اس معاشرے میں یہ ایک ناقابلِ یقین جرم تھا' زائرین محتاط ہوگئے' جس کا کلام جدائی ڈال دیتا ہے' وہ لازماً خطرناک ہے' اس سے محتاط رہنا لازم ہے' انہوں نے سوچا۔

اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کی اس چال پر وحی بھیجی۔

- "اس سے نپٹنا مجھ پر چھوڑ دو'
- اسے جب پیدا کیا گیا تو وہ اکیلا تھا'
- اسے میں نے بہت سا مال دیا'
- اور تابعدار بیٹے عطاء کئے'
- اور اس طرح اس کی سرداری کی راہ ہموار ہوئی'
- پھر بھی وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں'
- ہرگز نہیں کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے'
- میں تو عنقریب اسے ایک کٹھن چڑھائی چڑھاؤں گا (سخت ابتلا سے دو چار کروں گا)
- اس نے سوچ سمجھ کر ایسی بات بنانے کی کوشش کی'
- پھر لوگوں کی طرف دیکھا'
- اپنی پیشانی سکیڑی

- اور منہ بنایا'
- اور پھر پلٹا اور تکبر کرنے لگا'
- اور کہا کہ یہ قرآن پہلے سے چلے آ رہے جادو سے زیادہ کچھ نہیں'
- یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔" (25-11:74)

جڑ کٹا دشمن

ذوالمجاز کے بازار میں لوگ جمع تھے' رسولؐ اللہ فرما رہے تھے: "لوگو!کہو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' فلاح پاؤ گے۔"

ایک آدمی پیچھے سے چلایا: "یہ جھوٹا ہے' یہ آبائی دین سے پھر گیا ہے۔"

آپؐ ایک قبیلے کے ڈیرے پر پہنچے اور ان کا نام لے کر فرمایا: "میں تمہاری طرف اللہ کا رسولؐ بنا کر بھیجا گیا ہوں' میں تمہیں ہدایت کرتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' تم میری تصدیق کرو اور میرا ساتھ دو تاکہ میں وہ مشن پورا کروں جس کے لئے اللہ نے مجھے بھیجا ہے۔"

وہ شخص آپؐ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا' اس نے بھی اس قبیلہ کا نام لے کر ان سے کہا: "یہ تمہیں لات اور عزیٰ سے ہٹا کر اس بدعت اور گمراہی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جسے یہ پیش کرتا ہے' اس کی بات ہرگز نہ ماننا' اس کی پیروی نہ کرنا۔"

آپؐ آگے بڑھ گئے' ایک جگہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا: "لوگو کہو لا الٰہ الا اللہ فلاح پاؤ گے۔"

اس شخص نے کہا: "یہ جھوٹا ہے' اس کی بات نہ ماننا۔"

وہ حضورؐ کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا اور حضورؐ کو پتھر مار رہا تھا۔

حضورؐ کی ایڑیاں خون سے تر ہو گئیں' مگر آپؐ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔

وہ شخص حضورؐ کا اپنا تایا ابولہب تھا۔

رسولؐ اللہ کی ذاتی وجاہت' پُروقار شخصیت اور ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے قریش کے کسی اور گھرانے یا قبیلے کا کوئی آدمی حضورؐ پر ہاتھ نہیں اٹھاتا تھا' کوئی زیادتی نہیں کر سکتا تھا' جس طرح قریش کے دیگر گھرانوں کے لئے اپنے اپنے خاندان کے مسلمان افراد پر تشدد کرنے کی پالیسی بنائی گئی تھی' بنی ہاشم میں سے ابو لہب نے یہ ذمہ داری سنبھال لی تھی' قریش نے حضورؐ اور

مسلمانوں کو ستانے کے لئے پچیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی تھی۔ابولہب اس کمیٹی کا سربراہ تھا۔

رسولؐ اللہ کے خلاف اس مہم میں ابولہب کی بیوی بھی شامل تھی' اس کا نام اروی اور کنیت اُمِ جمیل تھی۔وہ اسلام اور حضورؐ کے دشمن بنی امیہ کے سردار ابو سفیان کی بہن تھی اور بہت بدزبان تھی' وہ حضورؐ کی شان میں گستاخانہ شعر پڑھا کرتی تھی' اس کا گھر حضورؐ کے گھر سے قریب تھا' وہ گندگی اٹھا اٹھا کر حضورؐ کے صحن میں پھینکتی رہتی تھی' حضورؐ اپنے گھر میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ دیوار کے اوپر سے حضورؐ پر بکری کا اوجھ پھینک دیتی' حضورؐ کے گھر میں ہنڈیا پک رہی ہوتی'تو اس کے اوپر گندگی پھینک دیتی تھی۔ اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے حضورؐ نے گھر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک چھپر سا بنا لیا تھا۔وہ جنگل سے کانٹے دار جھاڑیاں اکٹھی کر کے لاتی اور رات کو حضورؐ کے دروازے کے سامنے بکھیر دیتی تاکہ صبح آپؐ کے اور آپؐ کے بچوں کے پاؤں زخمی ہو جائیں' حضورؐ اس پر بھی صبر فرماتے اور صرف اتنا کہتے : "اے بنی عبد مناف!یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟"

حضورؐ نے ایک دفعہ فرمایا : "مکہ میں مَیں دو بدترین ہمسایوں کے درمیان تھا" ان میں سے ایک ابولہب اور دوسرے عقبہ بن ابی معیط تھے۔

رسالت سے پہلے مکہ کے سارے لوگ حضورؐ سے تعلق اور رشتہ قائم کرنا اپنے لئے قابلِ فخر سمجھتے تھے' ابو لہب نے اپنے دو بیٹوں عتیبہ اور عتبہ کے لئے حضور کی دو صاحبزادیوں اُمِ کلثومؓ اور رقیہؓ کا رشتہ طلب کیا تو حضور نے قبول فرما لیا تھا اور نکاح کر دیئے تھے'مگر رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔نبوت کے بعد حضورؐ نے دعوت شروع کی'تو ابولہب دشمنی میں اس حد تک چلا گیا کہ اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اگر تم نے محمدؐ کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرے لئے تم دونوں سے ملنا حرام ہے' ان دونوں نے حضور کی بیٹیوں کو طلاقیں دے دیں۔کسی باپ کے لئے اس سے بڑا صدمہ اور کیا ہو سکتا تھا،مگر حضورؐ نے اس پر بھی صبر فرمایا اور دینِ حق کی تبلیغ جاری رکھی۔
ابولہب کا بیٹا عتیبہ بھی حضورؐ کی شان میں گستاخی کرنے لگا' ایک روز اس نے آپؐ کے سامنے آکر آپؐ کی طرف تھوکا' حضورؐ نے اللہ سے دعا کی: "خدایا!اس پر اپنے کتّوں میں سے ایک کتّے کو مسلط کر دے۔"

تھوڑا ہی عرصہ بعد ابولہب اور عتیبہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام جا رہے تھے' ایک جگہ قافلہ نے پڑاؤ کیا تو مقامی خانہ بدوشوں نے ان سے کہا: "رات کو ہوشیار رہنا'یہاں درندے

بھی ہیں جو حملہ کر دیا کرتے ہیں۔" ابولہب نے سنا تو پریشان ہوگیا' اسے حضورؐ کی بددُعا کا علم تھا' اس نے اپنے ساتھی قریشیوں سے کہا: "میرے بیٹے کی حفاظت کا کچھ انتظام کرو' مجھے محمدؐ کی بددُعا کا خوف ہے۔"

قریش اور قافلہ والوں نے عتیبہ کی حفاظت کے لئے اسے اپنے درمیان میں لے لیا اور چاروں طرف خود سو گئے' اردگرد قافلہ کے اونٹ بٹھا دیئے' کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ قافلہ کے سارے اونٹوں اور افراد کو چھوڑ کر کوئی درندہ درمیان میں عتیبہ پر حملہ کرسکتا ہے۔

اللہ نے ایک شیر کو بھیج دیا۔وہ ان سب کے درمیان سے ہوتا ہوا آیا اور عتیبہ کو پھاڑ کر کھا گیا' اللہ نے اپنے رسولؐ کی دعا قبول فرمالی۔

اس کے باوجود ابولہب حضور کی مخالفت سے باز نہ آیا۔

جب رسولؐ اللہ کے بڑے صاحبزادے قاسمؓ کے بعد آپؐ کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ کا انتقال ہوا تو وہ خوشی خوشی دوڑتا ہوا قریش کے سرداروں کے پاس گیا اور کہا: "لو' آج رات محمدؐ ابتر ہوگئے یعنی ان کی جڑ کٹ گئی۔"

اس نے نہ خونی رشتہ کا خیال کیا نہ اخلاقی اصولوں کا پاس کیا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ کوثر نازل فرمائی اور کہا: "اے نبی! تمہارا دشمن ہی ابتر (جڑ کٹا) ہے۔"

ابو لہب لوگوں سے کہتا: "محمد ہم سے موت کے بعد کی زندگی میں ایسی چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو ممکن نہیں۔" پھر وہ دونوں ہاتھ بلند کرکے کہتا: "میرے یہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں' میں تو ان کے درمیان ان میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمدؐ بیان کرتے ہیں۔"

حضورؐ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتے تو کہتا: "اگر واقعی عذاب آنے والا ہے تو میرے پاس مال اور اولاد بہت کچھ ہے' میں وہ فدیہ میں دے کر عذاب سے نجات حاصل کروں گا۔"

اس کی بیوی کو اپنے حسب نسب' اپنے مال و دولت' باپ اور خاوند کے مقام و مرتبہ پر بہت فخر تھا۔

ابولہب اور اس کی بیوی کے ظلم اور رویہ پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو خوشخبری دی:

- "ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوگیا'
- اس کا مال اور کمائی اس کے کچھ کام نہ آئے'
- وہ لپٹیں مارتی آگ میں ڈالا جائے گا

اور اس کی بیوی بھی جو سر پر لکڑیاں اٹھا کر لاتی ہے'

- اس کی گردن میں مونجھ کی رسی ہوگی۔" (111-1 تا 5)

اللہ تعالیٰ نے ابولہب اور اس کی بیوی سے نپٹنا اپنے ذمہ لے لیا اور ان کے عبرتناک انجام سے حضورؐ اور مسلمانوں کو آگاہ کر دیا' تو یہ بات سارے مکہ میں پھیل گئی۔

اُمِ جمیل نے سنا تو وہ غصہ سے اندھی ہوگئی' ہاتھوں میں پتھر لے کر رسولؐ اللہ کی تلاش میں دوڑ پڑی' آپؐ حرم میں تشریف فرما تھے' حضرت ابوبکرؓ بھی پاس تشریف رکھتے تھے' وہ اُمِ جمیل کی خصلتِ بد سے واقف تھے۔ "آپؐ یہاں سے ہٹ جاتے تو یہ عورت آپ کو تکلیف نہ پہنچاتی"۔ انھوں نے اُمِ جمیل کو آتے دیکھ کر حضورؐ سے عرض کیا۔

"مجھے اس سے بچا لیا جائے گا"۔ حضورؐ نے فرمایا۔

"ابوبکرؓ! تمہارے دوست نے میری ہجو کی ہے"۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچ کر پوچھا۔

حضرت ابوبکر نے جواب دیا: "اس گھر (خانہ کعبہ) کی قسم! وہ نہ شعر کہتے ہیں نہ شعر پڑھتے ہیں"۔

"یہ تو تم سچ کہتے ہو"۔ اُمِ جمیل نے کہا اور واپس چلی گئی۔

وہ تو قرآن کو انسان کا کلام کہہ رہی تھی'

ان میاں بیوی کی رسوائی کی خوشخبری تو اللہ نے خود دی تھی'

یہ رسول اللہ کا شعر یا کلام تو نہیں تھا۔(1)

"اس عورت کو آپؐ نظر ہی نہیں آئے"۔ اس کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے حیرانی سے پوچھا۔

"ایک فرشتے نے مجھے اس کی نظروں سے چھپائے رکھا یہاں تک کہ وہ چلی گئی"۔ حضورؐ نے بتایا۔

قریش کے حربے

شرک پسپا ہو رہا تھا اور اسلام کی دعوت پھیل رہی تھی۔

کفار کا جبر اور ظلم' رسولؐ اللہ کو اسلام کی دعوت پیش کرنے سے روک نہ سکے' جیسے جیسے ظلم بڑھ رہا تھا' اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ حضورؐ ہر جگہ اور ہر کسی کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن سناتے۔ حج کا موسم ختم ہوگیا تو آپؐ باہر سے مکہ آنے والے تاجروں' تجارتی قافلوں اور عمرہ کے لئے آنے والوں کو دعوت دینے لگے' آگے سے کوئی سخت جواب دے' گستاخی سے پیش آئے' آپؐ کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا: "جو کچھ تجھ کو حکم ہوا ہے' کھول کر سنا دے اور مشرکوں کی پروا نہ کر"۔ (15:94) آپ شب و روز اعلانیہ تبلیغِ اسلام میں

مصروف رہتے تھے، قریش کے لوگ مکہ میں داخلہ کے راستوں پر بیٹھ جاتے، باہر سے آنے والے قافلوں میں جاتے اور حضورؐ اور اسلام کے خلاف ان کے کان بھرتے، وہ آنے والوں کو حضورؐ سے بدظن کرنے اور آپؐ سے ملنے سے روکنے کے لئے طرح طرح کے الزام لگاتے، وہ بوکھلا گئے، قسم قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود ان باتوں کا ذکر کیا ہے جو قریش حضورؐ کی ذات اور قرآنِ کریم کے بارے میں لوگوں سے کہا کرتے تھے:

- "اور وہ (کفار) کہتے ہیں جس شخص پر قرآن نازل ہوا ہے وہ تو پاگل ہے۔" (6:15)
- "کافر (اس پر) حیران ہوتے ہیں کہ خود انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ تو جھوٹا جادوگر ہے۔" (38:4-5)
- "جب کفار قرآن سنتے ہیں تو آپؐ کو ایسی نظروں سے دیکھتے ہیں جیسے آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں گے اور کہتے ہیں یہ یقیناً پاگل ہے۔" (68:51)
- کفار کہتے ہیں: "یہ (قرآن) تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جنہیں آپؐ نے لکھوا لیا ہے اور اب صبح شام انہیں سناتے رہتے ہیں۔" (25:5)
- وہ کہتے ہیں: یہ (قرآن) محض جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسروں نے اس میں اس کی مدد کی ہے۔" (25:4)
- "جو مجرم تھے، وہ ایمان لانے والوں کا مذاق اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تھے تو آنکھیں مارتے تھے، اس کے بعد جب وہ اپنے گھروں کو لوٹتے تھے تو (اپنی اس حرکت) پر لطف اندوز ہوتے تھے اور جب انہیں (مسلمانوں کو) دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ یہی گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔" (83:29 تا 33)
- "اور وہ کہتے ہیں یہ قرآن دونوں شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔" (43 : 31)
- "دل ہیں کہ بالکل غافل اور (دیکھو) ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں (کہ) یہ آدمی (محمدؐ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری طرح کا ایک آدمی ہے، پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ (رسولؐ اللہ کے حضور) آتے ہو جہاں جادو کے سوا کچھ نہیں۔" (78:3)
- "جب یہ کفار تیرے پاس جھگڑا کرنے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ قرآن تو گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔" (6:25)

- "یہ لوگ (کفار) روکتے ہیں (دوسروں کو) اس سے (قرآن سننے سے) اور بھاگتے ہیں اس سے (قرآن سننے سے) اور (اس طرح) یہ اپنے علاوہ کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے مگر انہیں اس کی سمجھ نہیں۔" (26:6)
- "اور یہ کفار کہتے ہیں'یہ قرآن ہرگز نہ سُنو اور جب قرآن سنایا جاتا ہے تو درمیان میں خلل ڈالو شاید تم اس طرح غالب آ جاؤ۔" (26-41)

جب آپؐ اسلام کی دعوت دیتے تو کچھ لوگ قرآن سن کر جواب دیتے: "تمہاری تو اپنی قوم تمہیں نہیں مانتی تو ہم کیسے مان لیں؟" کچھ قرآن کے جواب میں حضورؐ کو گالیاں دیتے اور آپؐ کی طرف مٹی اٹھا اٹھا کر بھی پھینکتے تھے۔

قریش آپؐ کی ذات پر حملے کرتے' باہر والے توہین کرتے، مگر آپؐ کو حکم تھا: "پس صبر کرتے رہے جھٹلانے پر اور ایذا پر۔" (34-6)

حواشی/حوالہ جات

1- جنگِ بدر میں قریش کے بہت سے سردار مارے گئے تو ابو لہب کو اپنا انجام دکھائی دینے لگا۔وہ ایک لاعلاج مرض (Malignant Pustule) میں ایسا مبتلا ہوا کہ سات روز میں جہنم پہنچ گیا' یہ طاعون جیسا مرض تھا' اس کی موت کے بعد کوئی بھی قریب نہ جاتا تھا' تین دن تک اس کی لاش بے گور و کفن پڑی رہی' پھر اس کے گھر والوں کو لوگ طعنے دینے لگے' پڑوسیوں کا بدبو سے بُرا حال ہونے لگا تو اس کے بیٹوں نے حبشی مزدوروں کو بلایا جنہوں نے گڑھا کھود کر' لکڑیوں سے دھکیل کر اس کے گلے سڑے جسم کو اس میں پھینکا اور اوپر سے مٹی ڈال دی' اس کا ایک بیٹا شیر پھاڑ گیا' بیٹی نے مدینہ پہنچ کر اسلام میں پناہ ڈھونڈ لی اور باقی دو بیٹوں نے فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ کی وساطت سے اسلام میں پناہ لی۔ اس کے بعد تاریخ میں ابولہب کی آل اولاد کا کوئی ذکر نہیں ملتا' اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آیا۔

روشنی پھیلتی رہی

حج اور عمرہ کے لئے لوگ مکہ آتے تو قریش ایک ایک قافلہ کے پاس جاتے اور انہیں اسلام اور رسولؐ اللہ کی ذات کے خلاف ورغلانے کی کوششیں کرتے تھے۔وہ لوگ پہلے بھی حج اور عمرہ کے لئے آتے رہے ہوں گے' سب نہیں تو کچھ تو آ چکے ہوں گے۔قریش مکہ جو مال بیرونی منڈیوں سے لاتے تھے' وہ مکہ سے ہو کر ریگزاروں اور صحراؤں میں بسنے والوں تک پہنچتا تھا' صحراؤں میں رہنے والے تجارتی میلوں میں آتے تھے' تجارتی میلے زیادہ تر مکہ کے قریب یا حج کے راستوں پر منعقد ہوتے تھے۔یہ میلے قبائل کے باہمی میل ملاپ اور معاشرتی تعلقات کی استواری کا بہت بڑا وسیلہ ہوتے تھے' ان میلوں میں پڑھے گئے اشعار اور قصیدے سارے عرب میں پھیل جاتے تھے' مختلف افراد' خاندانوں اور قبائل کے باہمی معاملات' لڑائی جھگڑوں کی خبریں بھی ان میلوں میں اور حج و عمرہ کے لئے آنے والے لوگ جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں تک پہنچایا کرتے تھے' راستہ میں جس قبیلہ کے علاقہ میں وہ پڑاؤ کرتے تھے' اس کے سردار اور افراد کو مکہ اور وہاں کے قبائل کے حالات سے آگاہ کرتے جاتے تھے۔رسولؐ اللہ مکہ کے ایک معزز اور سرکردہ قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جو تجارت اور امورِ ریاست میں نمایاں تھا' مناصبِ کعبہ پر فائز تھا' آپؐ کے خاندان کے افراد اور اس کے حالات سے بھی سارے قبائل واقف تھے' خود رسولؐ اللہ تجارت کے پیشہ سے وابستہ رہے تھے اور نبوت سے پہلے کے چالیس سال مکہ کی معاشرتی اور سماجی زندگی میں بھرپور تعمیری کردار ادا کرتے رہے تھے' اس لئے جزیرۃ العرب کے قبائل اور اہم لوگ آپؐ سے واقف تھے' آپؐ کی شخصیت اور اعلیٰ کردار سے آگاہ تھے' جب قریش نے مل کر آپؐ کے خلاف اچانک مہم شروع کر دی تو وہ سوچنے لگے کہ محمدؐ کو' جسے اہلِ مکہ اپنا معزز ترین

نوجوان سمجھتے تھے' اچانک کیا ہوگیا کہ سب اس کے مخالف ہوگئے ہیں' وہ قریش کی دشمنی کے خوف اور پراپیگنڈہ کے زیرِاثر آپ کی دعوت تو قبول نہیں کرتے تھے،لیکن یہ سوچ اپنے ساتھ واپس لے کر جاتے تھے۔آپ انہیں اسلام اور توحید کا پیغام پہنچاتے' قریش اپنے مذموم پراپیگنڈہ سے ان کے کان بھرتے' اس طرح جب وہ واپس جاتے تو بہت سے سوالات اور معلومات ساتھ لے کر جاتے تھے۔وہ جدھر جدھر سے گزرتے تھے' وہاں کے قبائل میں رسولؐ اللہ کے پیغام اور قریش کی شدید مخالفت کی خبریں چھوڑتے جاتے تھے' اس طریقہ سے قریشِ مکہ نے مل جل کر اسلام کا شہرہ سارے جزیرۃ العرب میں پہنچانے میں کافی کردار ادا کیا۔جزیرۃ العرب کے سارے حصوں کے قبائل کو معلوم ہوگیا کہ محمدؐ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسولؐ ہے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دیتا ہے اور بت پرستی سے منع کرتا ہے۔عرب قبائل میں آپ کی ذات اور دعوت کے بارے میں ایک قسم کا تجسّس پیدا ہونے لگا' تجسّس کے بعد تشویش اور تحقیق شروع ہوئے اور پھر مکہ سے شروع ہونے والی اسلام کی روشنی جزیرۃ العرب کے دوسرے حصوں تک بھی پہنچنے لگی۔

طفیلؓ بن عمرو دوسی کا قبولِ اسلام

قبیلۂ دوس کے ایک اہلِ شرف سردار طفیل بن عمرو دوسی کہتے ہیں: ''میں ایک شاعر تھا' کلام اور لفظ آشنا' ایک دفعہ میں حج کعبہ کے لئے مکہ گیا تو قریش کے سردار شہر سے باہر ہی آ ملے۔''اس کی باتوں (کلامِ پاک) میں ایسا جادو بھرا ہے کہ زن و شوہر میں تفریق تو ایک طرف وہ خود انسان اور اس کی ذات میں بھی تفرقہ پیدا کردیتا ہے' محمدؐ سے ہوشیار رہنا''؟
میں نے فیصلہ کرلیا کہ محمدؐ سے بچ کر رہوں گا' دوسرے روز میں حرم گیا تو آپ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ میرے کانوں میں قرآن کے چند جملے پڑے' مجھے یہ کلام اچھا لگا۔

میں نے اپنے دل سے کہا:
میں شاعر ہوں'
جواں مرد ہوں'
عقل رکھتا ہوں'
کوئی بچہ نہیں ہوں کہ صحیح اور غلط میں تمیز نہ کرسکوں'
کیوں نہ محمدؐ سے مل کر سُنوں کہ آپ کیا کہتے ہیں۔
نماز کے بعد آپ گھر کے لئے چلے تو میں پیچھے پیچھے چلا آیا' آپ کے مکان پر پہنچ کر میں نے

عرض کیا: ”قومِ قریش نے مجھے آپؐ سے اتنا بدگمان کیا کہ میں نے کانوں میں روئی ٹھونس لی کہ آپؐ کی آواز نہ سُن سکوں‘ لیکن جو کلام آپؐ نے کعبہ میں پڑھا وہ مجھے اچھا لگا‘ میں آپؐ سے مزید کلام سننا چاہتا ہوں۔“

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قرآن سنایا‘ میں اس قدر متاثر ہوا کہ وہیں مسلمان ہو گیا‘ مکہ سے واپس پہنچا تو میرا بوڑھا باپ گھر آیا۔

”ابا جان! مجھ سے دور رہیں‘ اب میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں۔“ میں نے اپنے باپ سے کہا۔

”کیوں کیا ہوا؟“

”میں مسلمان ہو گیا ہوں اور دینِ محمدؐ کی پیروی کر لی ہے۔“

”بیٹا جو تیرا دین‘ وہی میرا دین۔“

”آپ غسل کیجئے‘ صاف کپڑے پہنئے تاکہ میں آپ کو اس دین کی تعلیم دوں جو میں سیکھ کر آیا ہوں۔“

میرے باپ نے غسل کر کے صاف کپڑے زیبِ تن کئے‘ میں نے انہیں قرآن سنایا‘ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

میں نے اپنی بیوی سے بھی وہی بات کہی جو باپ سے کہی تھی۔

”میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”میرے اور تیرے درمیان اسلام نے تفریق کر دی ہے‘ میں نے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”مجھے بھی اپنا نیا دین بتاؤ۔“ اس نے کہا۔

”جاؤ پہلے ذوالشریٰ (قبیلۂ دوس کا بت) کے احاطے میں پہاڑ سے گرنے والے پانی کے چشمہ میں غسل کر کے آؤ۔“

”ذوالشریٰ میرے بچوں کو تو نقصان نہیں پہنچائے گا؟“

”نہیں‘ وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ میں اس کا ذمہ لیتا ہوں۔“

وہ غسل کر کے آئی۔ میں نے اسے قرآن سنایا اور وہ بھی مسلمان ہو گئی۔“

جندبؓ کا اعلانِ حق

مکہ کی وادی میں تین مسافر اترے۔

ایک ماں اور دو اس کے بیٹے۔

جندب اور انیس۔

سامان جم چکا تو انیس نے کہا؛"میں شہر کے احوال معلوم کر کے آتا ہوں۔آپ میرا انتظار کریں۔"

انیس نے مکہ میں بہت دیر لگا دی۔

"وجہِ تاخیر کیا تھی؟" واپس آیا تو جندب نے پوچھا۔

"وہاں ایک شخص مل گیا تھا جو کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسولؐ ہے' اس نے مجھے اس دین کی باتیں سنائیں جس کی وہ تبلیغ کرتا ہے۔"

"کیسا ہے وہ دین؟" جندبؓ کو تجسس ہوا۔

"اللہ نے اسے اسی دین پر بھیجا ہے جو تمہارا دین ہے یعنی شرک سے انکاراور توحید کا اقرار۔"

"مکہ والے اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

"وہ کہتے ہیں یہ کاہن ہے' شاعر ہے' ساحر ہے۔" انیس جو سن کر آیا تھا' بھائی کو بتا دیا۔

"تم خود شاعر ہو' تمہاری کیا رائے ہے؟" جندبؓ نے پوچھا۔

"میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں' شعر بھی جانتا ہوں' جو کلام وہ پیش کرتا ہے' وہ بہت بلند ہے' خدا کی قسم! وہ سچا ہے اور مکہ کے لوگ جھوٹے ہیں۔" انیس نے رائے دی۔

"تم یہاں رہو' میں خود مکہ جا کر اس سے ملتا ہوں۔" جندبؓ نے بھائی سے کہا۔

"ٹھیک ہے' لیکن اہلِ مکہ سے ہوشیار رہنا' وہ اس شخص کی مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں۔"

جندبؓ مکہ میں گھوم رہا تھا' محتاط بھی اور متلاشی بھی' ایک جگہ ایک لاغر شخص مل گیا۔

"وہ شخص کہاں مل سکتا ہے جسے لوگ صابی کہتے ہیں؟" جندبؓ کا خیال تھا کہ اتنے لاغر کا ردِ عمل شدید نہیں ہو گا۔

لاغر شخص جندبؓ کی طرف اشارہ کر کے چلّانے لگا:

"یا اہلِ قریش! یہ بھی محمدؐ کا دین قبول کرنے جا رہا ہے۔"

جس کسی نے سنا— جندبؓ پر ٹوٹ پڑا' جس کے ہاتھ میں جو کچھ آیا دے مارا۔

جندب بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

کافی دیر بعد ہوش آیا تو وہاں کوئی نہ تھا۔

جندب اٹھا' حرم میں گیا' زمزم کا پانی پیا' زخم دھوئے اور کعبہ کے پردے کے پیچھے چھپ گیا۔

اس انتظار میں کہ وہ شخص ادھر ضرور آئے گا جس کی اسے تلاش ہے اور جس کی دشمنی میں مکہ

والے دیوانے ہو رہے ہیں۔
دو کافر خواتین طواف کے دوران اپنے معبودوں کو پکار رہی تھیں۔
اساف کو اور نائلہ کو
جن میں سے ایک مذکر تھا اور دوسرا مؤنث'
بتوں اور بت پرستی سے متنفر جندب خاموش نہ رہ سکا۔
"ان دونوں کا آپس میں نکاح کرا دو۔" اس نے غلافِ کعبہ کے پیچھے سے آواز دی۔
"کاش! اس وقت ہمارا کوئی آدمی یہاں ہوتا اور تمہیں اس کا مزا چکھاتا۔" عورتیں غصہ میں بولیں۔
رسولِ خدا اور حضرت ابوبکرؓ کوہِ صفا کی طرف سے حرمِ کعبہ میں داخل ہو رہے تھے۔
"کس پر ناراض ہو رہی ہو؟" آپؐ نے خواتین سے پوچھا۔
"ایک صابی سے جو غلافِ کعبہ کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔" اجنبی خواتین نے جواب دیا۔
"اس نے آپ سے کیا ایسی بات کہہ دی؟" آپؐ نے استفسار فرمایا۔
"ایسی بُری بات جو منہ سے نکالنے کے قابل نہیں۔" وہ بولیں۔
رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے حجرِاسود کو بوسہ دیا' طواف کیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔
یہ دیکھ کر جندبؓ غلاف کے پیچھے سے نکل آیا۔آپؐ نماز سے فارغ ہو چکے تو
جندبؓ نے کہا: "السلام علیکم۔"
سلام کا جواب دے کر آپؐ نے پوچھا: "تم کون ہو؟"
"میں بنی غفار سے ہوں۔" جندبؓ نے جواب دیا۔
"یہاں کب سے ہو؟" آپؐ نے استفسار فرمایا۔
"کئی شب و روز سے۔" جندبؓ نے بتایا۔
"تمہیں کھانا کون دیتا تھا؟"
"آبِ زمزم کے سوا میری کوئی غذا نہ تھی۔"
"وہ برکت والا پانی ہے اور پانی بھی ہے اور غذا بھی۔" آپؐ نے فرمایا۔
"اجازت ہو تو آج رات میں اسے اپنا مہمان بنا لوں؟" حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ سے اجازت چاہی۔
آپؐ نے اجازت دے دی۔
اگلے روز جندبؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' قرآن سنا اور مسلمان ہو گیا۔

"مجھے ایک ایسی سرزمین کی طرف نشاندہی کی گئی ہے جہاں نخلستان ہیں,وہ زمین یثرب کے سوا کوئی اور نہیں۔تم اپنی قوم میں واپس جاؤ اور انہیں دین سے باخبر کرتے رہو' یہاں تک کہ تمہیں میرے حال کی اطلاع ملے۔" آپؐ نے حکم دیا۔

"جس خدا نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس کی قسم!میں اہلِ مکہ کے درمیان حق کا اعلان کر کے رہوں گا۔" جندبؓ نے کہا اور بیت اللہ کی طرف چل دیا۔

کفار حرم میں محفلیں جمائے بیٹھے تھے۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔" اس نے مسجدِ حرام میں داخل ہوتے ہی بلند آواز میں کلمہ توحید پڑھا۔

کفار اس پر ٹوٹ پڑے اتنا مارا کہ وہ زمین پر گر گیا۔

"کم بختو!تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ بنی غفار میں سے ہے جو اس راستے پر رہتے ہیں جس سے تمہارے تجارتی قافلے شام جاتے ہیں۔" حضرت عباسؓ جندبؓ اور کفار کے درمیان حائل ہو گئے۔

اپنے تجارتی مفادات کے لئے خطرہ کے احساس سے سب لوگ دور ہٹ گئے' جندبؓ دوسرے روز پھر مسجدِ حرام میں گیا اور اسی انداز میں بلند آواز میں کلمہ پڑھا۔

کفار نے ایک بار پھر انہیں زد و کوب کیا۔

ایک بار پھر جندبؓ کو کفار سے چھڑایا گیا۔

کفارِ مکہ میں اعلانِ حق کرنے کے بعد وہ اپنی ماں اور بھائی کے پاس پہنچا تو

انیس نے پوچھا: "کیا کر آئے؟"

جندبؓ نے کہا: "اسلام لے آیا اور تصدیق کی۔"

انیس بولا: "میں کیوں الگ رہوں'میں نے بھی اسلام قبول کیا اور تصدیق کی۔"

ان کی ماں بولی: "میں بھی تمہارے دین سے الگ نہیں رہنا چاہتی' میں نے بھی اسلام قبول کیا اور تصدیق کی۔"

پھر وہ اپنی قوم میں واپس چلے گئے' جندبؓ کی تبلیغ سے اس کی قوم کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے جن میں قوم کا سردار خفاف بھی شامل تھا۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد بنی غفار کے باقی افراد بھی اسلام لے آئے۔

آپؐ نے ایک دفعہ جندبؓ کے بارے میں فرمایا: "یہ نیلگوں آسمان کسی ایسے شخص پر سایہ

فگن نہیں ہوا اور نہ اس خاکدانِ ارض نے کسی ایسے شخص کو اپنی پُشت پر اٹھایا جو ابوذرؓ سے زیادہ سچی زبان رکھتا ہو۔"

تاریخِ اسلام میں جندبؓ حضرت ابوذر غفاری کے نام سے مشہور ہوئے۔

عمروؓ بن عبسہ اسلام کی چھاؤں میں

عمروؓ بن عبسہ السلمی اہل التیماء کے کاتبوں میں سے ایک کے پاس گیا۔

"میں ان لوگوں میں سے ہوں جو پتھر پُوجتے ہیں، قبیلے میں اترتے ہیں، تو ان کے ساتھ معبود نہیں ہوتے، ایک شخص چار پتھر ڈھونڈ کر لاتا ہے، تین کو تو وہ اپنی ہانڈی کے لئے نصب کرتا ہے (چولھا بنا لیتا ہے) اور اچھے پتھر کو معبود بنا لیتا ہے۔ کسی دوسری منزل میں اترتا ہے، تو کوچ کرنے سے پہلے اگر اسے اچھا پتھر مل جائے تو اسے معبود بنا لیتا ہے اور پہلے کو چھوڑ دیتا ہے۔ میری رائے میں وہ معبودِ باطل ہے جو نہ کسی کو نفع دیتا ہے نہ نقصان، مجھے کوئی ایسا طریقہ بتاؤ جو اس سے بہتر ہو۔"

"مکہ سے ایک شخص ظاہر ہو گا جو اپنی قوم کے معبودوں سے نفرت کرے گا اور کسی دوسرے معبود کی طرف دعوت دے گا، جب تم اسے پاؤ تو اس کی پیروی کرنا، وہ سب سے بزرگ دین لائے گا۔" کاتب نے جواب دیا۔

پھر جب بھی کوئی مکہ سے آتا وہ پوچھتا: "مکہ میں کوئی نئی بات ہوئی ہے؟"

وہ کہتا: "نہیں۔"

ایک بار مکہ سے آنے والے لوگوں نے اسے بتایا کہ وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جو اپنی قوم کے معبودوں سے نفرت کرتا ہے اور دوسرے معبود کی طرف دعوت دیتا ہے۔

وہ اپنے متعلقین کے پاس آیا اور ان سے بات کی، اونٹنی پر کجاوا کسا اور مکہ پہنچ گیا۔

وہ اس شخص کے بارے میں پوچھتا تو کوئی کچھ نہ بتاتا۔

قریش تو اس کے سخت مخالف تھے۔

اس نے بہانہ بنا کر آپؐ تک رسائی حاصل کر لی۔

"آپؐ کیا ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نبیؐ۔" آپؐ نے فرمایا۔

"آپؐ کو کس نے بھیجا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"اللہ نے۔" آپؐ نے فرمایا۔
"اللہ نے آپؐ کو کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟"
"اللہ کی عبادت کے ساتھ جو واحد ہے' جس کا کوئی شریک نہیں اور میں خونوں کی حفاظت' بتوں کے توڑنے' قرابت داروں سے اچھے برتاؤ اور راستے کے امن کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔" آپؐ نے فرمایا۔
"میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں اور آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں' کیا آپؐ مجھے حکم دیتے ہیں کہ آپؐ کے ساتھ ٹھہروں یا واپس اپنے لوگوں میں چلا جاؤں؟"
"میں جو کچھ لایا ہوں' کیا تم اس کے ساتھ لوگوں کی ناگواری نہیں دیکھتے؟ ایسی صورت میں تمہارا مکہ میں ٹھہرنا ممکن نہیں' تم اپنے متعلقین میں جا کر رہو اور جب سنو کہ میں نے کسی طرف ہجرت کی ہے تو میری پیروی کرنا۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔
عمروؓ اپنے متعلقین میں واپس چلا گیا۔جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔
"یا نبی اللہ آپؐ مجھے پہچانتے ہیں؟" اس نے عرض کیا۔
"ہاں تم وہی السلمی ہو جو میرے پاس مکہ آئے تھے۔ تم نے فلاں فلاں باتیں پوچھی تھیں اور میں نے یہ یہ جواب دیا تھا۔" آپؐ نے فرمایا۔

ضمادؓ کی بیعت

حضرت ضمادالازدیؓ ایک صحرائی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے' ان لوگوں میں سے تھے جو حضورؐ کی نبوت سے پہلے آپؐ کے دوست تھے' ضماد دورِ جاہلیت کے جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈا کرنے والوں میں سے تھے اور کافی شہرت رکھتے تھے۔
ایک دفعہ مکہ آئے تو قریش کے لوگوں نے گھیرا۔ "محمدؐ تو پاگل ہو گئے ہیں۔"
وہ پریشان ہو گئے۔ "مجھے بتائیں' محمدؐ کہاں ہیں۔میں ان کا علاج کروں گا۔ہو سکتا ہے اللہ انہیں شفا بخش دے۔"
قریش نے راستہ چھوڑ دیا' جھاڑ پھونک کرنے والے معروف اور محترم ہوتے تھے' وہ انہیں تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے۔
"اللہ جسے چاہتا ہے میری وجہ سے اسے شفا دے دیتا ہے' آئیے میں آپؐ کا علاج کروں۔" ضمادؓ نے

رسولؐ اللہ کے پاس پہنچ کر عرض کیا۔

جواب میں حضورؐ نے پہلے کلمۂ شہادت پڑھا' اس کے بعد اللہ کی حمدوثناء بیان کی اور پھر قرآن کی کچھ آیات تلاوت فرمائیں۔

ضمادؓ خاموش بیٹھا سنتا رہا۔

"یہ کلام تو بہت عمدہ ہے"۔ حضورؐ تلاوت ختم کر چکے تو اس نے کہا: "قرآن کی وہ آیات مجھے پھر سے سنائیں۔"

حضورؐ نے دوبارہ انہی آیات کی تلاوت فرمائی۔

اس نے ایک بار پھر درخواست کی۔

حضورؐ نے اس دفعہ بھی انہی آیات کی تلاوت فرمائی۔

"یہ کلام تو سمندر کی تہ کی مانند گہرا ہے' یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا"۔ ضماد نے فوراً کہا اور وہیں اسلام قبول کر لیا۔

اس نے اپنے قبیلے کی طرف سے بھی حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

○

انہی دنوں ایک شخص یمن سے مکہ آیا' حضورؐ کا چرچا سنا تو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا' قرآن سنا اور ایمان لے آیا۔

یمن واپس جا کر اس نے اپنے قبیلہ والوں کو اسلام کی دعوت پیش کی۔اس کے قبیلہ کے پچاس افراد مسلمان ہو گئے۔

یہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری تھے۔

قبیلہ بنی ضمرہ کے جعال بن سراقہ، قبیلہ دوس کے معیقیبؓ بن ابی فاطمہ اور بنی کنانہ کے عبداللہؓ اور عبدالرحمٰنؓ نے بھی اسی زمانے میں حضورؐ سے ملاقات کر کے اسلام قبول کیا اور اپنے اپنے قبائل اور علاقوں کی طرف واپس چلے گئے تھے۔

اللہ کے لیے ہجرت

اسلام کی کھلی دعوت کا ایک سال مکمل ہوگیا۔
قریش اسلام کو پھیلنے سے روکنے میں ناکام ہوگئے۔
قریش کے مختلف گھرانوں کے جو افراد مسلمان ہوگئے تھے‘ ان کے مصائب اور مشکلات روزبروز بڑھ رہے تھے‘ کفار نے ان پر مکہ کی زمین اور زندگیاں تنگ کر دیں۔
اللہ نے وحی بھیج دی: ”اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو‘ میری زمین وسیع ہے‘ پس تم میری ہی بندگی بجا لاؤ۔“ (56:29)
یہ اشارہ تھا کہ جو مسلمان کفار کے درمیان رہ کر اللہ کی بندگی کی راہ کی مشکلات سے تنگ آچکے ہیں‘ وہ کہیں اور چلے جائیں‘ اللہ ان کے لئے وسعت پیدا کرنے والا ہے‘ اس کی زمین تو تنگ نہیں۔
رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا حکم پہنچا تو آپؐ نے مسلمانوں سے کہا: ”اچھا ہوگا کہ تم یہاں سے حبشہ چلے جاؤ‘ وہ بھلائی کی دھرتی ہے اور وہاں ایسا بادشاہ حکومت کرتا ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا‘ جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری یہ مصیبت دور کرنے کی کوئی صورت پیدا نہیں فرما دیتے تم وہاں ٹھہرے رہنا۔“
حبشہ کے بادشاہ کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا‘ اس کے دارالحکومت کا نام اکسم تھا‘ اس کی رعایا کا مذہب عیسائیت تھا۔
اللہ نے فرمایا تھا: ”میری زمین وسیع ہے۔“ تو حضورؐ نے مسلمانوں کے لئے حبشہ کا انتخاب کیوں فرمایا؟

اس لئے کہ شام سے مصر تک کے ممالک ایرانیوں کے قبضہ میں آچکے تھے اور ایرانی ایسے مذہب کو مانتے تھے جس میں بادشاہ زمین پر خدا کی نمائندگی کرتا تھا' اس مذہب میں بادشاہ کی بھی پوجا کی جاتی تھی۔

جزیرۃ العرب کے تین اطراف میں ایرانیوں کو برتری حاصل تھی۔

عیسائیت کی صورت بھی اگرچہ بگڑ چکی تھی،لیکن عیسائی اہلِ کتاب تھے' ان کے ہاں خدا اور رسول کا تصور موجود تھا' ایرانیوں کے مذہب کی نسبت عیسائیت اسلام سے قریب تھی۔

حبشہ سے عربوں اور قریشِ مکہ کے زمانۂ قدیم سے تجارتی تعلقات تھے.یمن اور اس سے ملحقہ علاقوں پر حبشہ والوں کی حکومت رہی تھی' مکہ میں حبشیوں کی کافی زیادہ آبادی تھی' قریشِ مکہ ان کے کلچر اور طور طریقوں سے بہتر طور پر آگاہ تھے' وہ حبشہ آتے جاتے رہتے تھے' وہاں کے بادشاہ اور درباری قریشِ مکہ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے بعد جس پہلے مسلمان نے ہجرت کے لئے گھر سے قدم نکالا' وہ حضرت عثمانؓ تھے۔ ان کے ہمراہ ان کی بیوی اور رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں۔

حضورؐ کا فرمان ہے: "حضرت لوطؑ کے بعد حضرت عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر والوں سمیت ہجرت اختیار کی۔"

مسلمان دو دو' چار چار کی ٹولیوں میں خاموشی سے مکہ سے نکلنے لگے' انہیں خدشہ تھا کہ ان کے گھر والوں اور قریش کو پتہ چل گیا تو وہ زبردستی انہیں روک لیں گے۔

اس زمانے میں مکہ سے قریب ترین شعیبہ کی بندرگاہ ہوتی تھی' یہ جدہ کی موجودہ بندرگاہ سے جنوب میں تھوڑے فاصلہ پر تھی۔مسلمان بندرگاہ پر اکٹھے ہوئے اور پھر جہاز پر سوار ہو کر حبشہ روانہ ہوگئے۔

قریش کو پتہ چلا تو انہوں نے ان کو پکڑ لانے کے لئے سوار دوڑائے،مگر ان کے پہنچنے سے پہلے ہی جہاز روانہ ہو چکا تھا۔

قریش ان مسلمانوں کو پکڑ کر واپس کیوں لانا چاہتے تھے؟

اس لئے کہ وہ مسلمان ہونے والوں کو اپنے اپنے خاندانوں' قبیلوں اور مکہ کی شہری ریاست کے مجرم اور باغی سمجھتے تھے اور کوئی قبیلہ اور حاکم کبھی پسند نہیں کرتا کہ اس کا کوئی باغی اس کی حراست سے فرار ہو جائے۔

ان مہاجرین میں گیارہ مرد اور چار خواتین شامل تھیں۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کے علاوہ حبشہ جانے والے مہاجرین کے پہلے قافلہ میں شامل خواتین و حضرات کے نام یہ ہیں: حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ اور ان کی بیوی حضرت سہلہؓ حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی اُمِ سلمہؓ (یہ ابوجہل کے حقیقی چچا کی بیٹی تھیں)، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰؓ حضرت ابو سبرۃؓ بن ابی رھم اور حضرت سہیلؓ بن بیضاء(1)

مہاجرین کا اپنا بیان ہے کہ وہاں حبشہ میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی، وہ اپنے دین پر عمل کرتے تھے، اللہ کی عبادت کرتے تھے، وہاں انہیں کوئی ناگوار بات تک سننا نہیں پڑی تھی۔

قریشِ مکہ نے اپنے "باغیوں" کی واپسی کے لئے ایک وفد حبشہ بھیجا.دو رُکنی وفد کے سربراہ عمرو بن العاص تھے، ان کے دوسرے ساتھی عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے۔(2) وفد حبشہ کے بادشاہ اور درباریوں کے لئے تحفے تحائف لے کر گیا، بادشاہ سے ملنے سے پہلے انہوں نے درباریوں کو ساتھ ملانے کی کوشش کی،مگر بادشاہ نے قریش کے وفد کی درخواست قبول نہیں کی، وفد ناکام واپس آیا۔

قریش کو اس کا بہت رنج ہوا، یہ ان کی بہت بڑی سفارتی ناکامی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی بہت بڑی سٹریٹجک کامیابی، قریش کو خدشہ ہوا کہ اب اور بھی مسلمان حبشہ چلے جائیں گے، انہیں ظلم اور تشدد سے نجات کا ایک راستہ مل گیا ہے، قیام اور زندہ رہنے کو ایک پُرامن جگہ میسر آگئی ہے۔وہاں مسلمان اپنا کاروبار کریں گے اور حبشہ کے دربار میں اپنا اثر و رسوخ پیدا کرلیں گے۔

قرآن کی تاثیر

اسی دوران مکہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔رمضان کا مہینہ تھا۔رسول اللہ ﷺ حرم کعبہ میں بلند آواز میں قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔حرم میں مسلمانوں کے علاوہ قریشِ مکہ کے کچھ لوگ بھی موجود تھے۔حضورؐ نے ان کے سامنے سورۃ نجم تلاوت فرمائی، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کو ان کے رویہ پر متنبہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ حضورؐ اللہ کے نبی ہیں اور آپؐ جو دعوت دیتے ہیں،وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، حضورؐ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں بنایا

جیساکہ تم مشہور کرتے ہو' جو حقائق آپؐ بیان کرتے ہیں' وہ اس فرشتے نے ان تک پہنچائے ہیں' جنہیں حضورؐ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بیت اللہ کا ماحول' اللہ کا پُرتاثیر کلام اور رسول اللہ ﷺ کی آواز' سب سرڈالے سن رہے تھے۔ حضورؐ نے جب اس سورہ کی آخری آیات تلاوت فرمائیں۔

- اور آخر کار پہنچنا (سب کو) تیرے رب ہی کے پاس ہے'
- اور صرف وہی تمہیں ہنساتا اور رُلاتا ہے'
- وہی موت اور زندگی دیتا ہے'
- اسی نے ایک ٹپکائی جانے والی بوند سے نر اور مادہ کا جوڑا پیدا کیا'
- وہ موت کے بعد دوسری زندگی دینے پر قادر ہے'
- صرف وہی تنگی دور کرتا ہے اور غنی بنا دیتا ہے'
- وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے'(3)
- اسی نے عادِ اولیٰ اور ثمود کی قوموں کو اس طرح مٹا دیا کہ ان کا کوئی نشان بھی باقی نہیں'
- اسی (اللہ) نے ان سے پہلے قومِ نوحؑ کو تباہ کیا تھا' کیونکہ وہ بہت ظالم اور سرکش تھی'
- جس طرح اس نے ان بستیوں کو کھنڈر بنا دیا اور جو الٹ دی گئی تھیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے نگاہوں سے چھپا دیا'
- پھر تم اپنے رب کی کس قدرت (طاقت) کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا رہ سکتے ہو'

یہ بھی اسی طرح کی وارننگ ہے جیسی پہلے (لوگوں) کو دی گئی تھی۔

- کہ آخری گھڑی قریب آ رہی ہے'
- قریب تر آ رہی ہے'
- قریب تر آ رہی ہے'
- اگرچہ اس کے آنے کے اصل وقت کا بھید اللہ ہی کے پاس ہے'
- شاید تم ان بیانات کو عجیب سمجھتے ہو'
- اور تم ان پر رونے کی بجائے ہنستے ہو'

- اور اپنا رخ ان سے (سنتے وقت) پھیر لیتے ہو'
- (اس کی بجائے) تم سب اللہ کی عبادت کرو اور اس کے حضور سجدہ کرو۔ (43:53 تا 62)

آخری آیت کی تلاوت کے ساتھ ہی حضورؐ سجدہ میں پڑ گئے۔

حرمِ کعبہ میں جتنے بھی مسلمان اور کفار موجود تھے' وہ بھی سب سجدے میں گر گئے۔کفار پر اللہ کا خوف اور قرآن کا تاثر اتنا شدید تھا کہ انہیں ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ولید بن مغیرہ بڑھاپے کی وجہ سے سجدہ نہیں کرسکتا تھا' اس نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور سجدے کے انداز میں جھک کر اپنی پیشانی سے لگالی۔

بیت اللہ میں قریش کے قرآن سننے اور اللہ کے حکم کے مطابق آپؐ کے ساتھ مل کر خدا تعالیٰ کے حضورؐ سجدہ ریز ہو جانے کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی' جس کسی نے سنی آگے پہنچا دی۔

ابو جہل کو معلوم ہوا تو اسے یقین نہیں آیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔قریش جو اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے' وہ بھی آپؐ کے ساتھ مل کر سجدہ کرسکتے ہیں۔جب تصدیق ہوگئی کہ کفار نے بھی حضورؐ کے ساتھ مل کر اللہ کے حضورؐ سجدہ کیا تھا تو ابو جہل غضبناک ہوگیا۔ اس نے ان مشرکوں کو سخت ڈانٹ پلائی' بہت بُرا بھلا کہا' کفار کے باقی لوگوں نے بھی انہیں ملامت کی' وہ مختلف وضاحتیں کرتے تھے'مگر سجدہ تو انہوں نے کیا تھا' اس کا کیا کیا جائے' قریش پریشان تھے۔

آخر ایک شاعر ان کی مدد کے لئے آگے آیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کے معبودوں کی بھی تعریف کی تھی اس لئے انہوں نے سجدہ کیا تھا' اس نے کچھ کلام بھی گھڑ لیا۔سورہ نجم میں جو رسول اللہ ﷺ نے اس روز حرم میں تلاوت فرمائی تھی' قریش کے معبودوں کا بھی ذکر ہے۔خداوند تعالیٰ نے ان کے پُوجنے والوں سے پوچھتے ہوئے فرمایا ہے: "کیا تم نے اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری دیوی منات کی اصلیت پر بھی کچھ غور کیا ہے؟ تم اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور خدا کے لئے بیٹیاں' یہ تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہوئی'(4) یہ دیویاں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔صرف خالی نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے باب دادا نے ایجاد کر لئے ہیں' اللہ نے ان (دیویوں) کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی' جو لوگ (ان کی) پیروی کرتے ہیں' وہ اپنی خواہشاتِ نفس اور وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں' حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے لئے ہدایت اور رہنمائی آچکی ہے۔" (19:53 تا 23)

اس شاعر نے "کیا تم نے اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری دیوی منات کی اصلیت پر بھی کبھی غور کیا ہے؟" کے بعد اس عبارت کا اضافہ کر دیا: "یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی سفارش پسندیدہ ہے۔" (5) اس اضافہ کے ساتھ سورہ نجم کی ان آیات کو پڑھیں:

"کیا تم نے اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری دیوی منات کی اصلیت پر بھی کبھی غور کیا ہے؟

یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی سفارش پسندیدہ ہے'

تم اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور خدا کے لئے بیٹیاں'

یہ تو بڑی غیر منصفانہ تقسیم ہوئی'

یہ دیویاں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں' صرف خالی نام ہی ہیں'

جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے ایجاد کر لئے ہیں'

اللہ نے ان دیویوں کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی'

جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں وہ اپنی خواہشاتِ نفس

اور وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں'

حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے لئے ہدایت اور رہنمائی آچکی ہے۔

کیا یہ اضافہ آگے آنے والی آیات اور پورے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے؟ آگے آنے والی آیات میں تو ان دیویوں کو بے حقیقت' خالی خولی نام کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ نام کفار اور ان کے باپ دادا نے ایجاد کر رکھے ہیں اور ان دیویوں کی پیروی وہم و گمان اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے۔بھلا خدا تعالیٰ کے کلام میں کوئی انسان اور شاعر گانڈھا لگا سکتا ہے؟ شاعرِ شرک نے جو بات بنانے کی کوشش کی تھی وہ بن نہ سکی' اکثر کفار کو بھی یقین نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا جو کلام رسولؐ اللہ نے تلاوت فرمایا تھا'اس میں یہ حصہ شامل تھا۔

مہاجرین کی واپسی

قریش کے حضورؐ کے ساتھ مل کر سجدہ کرنے کی بات مکہ سے نکل کر جزیرۃ العرب میں پھیلی اور پھر حبشہ بھی پہنچ گئی' دونوں ممالک کے درمیان تاجر اور تجارتی جہاز آتے جاتے رہتے تھے' مہاجرین نے سنا تو خوش ہوئے' وہ سمجھے قریشِ مکہ نے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت ترک کر دی ہے' وہ جہاز پر سوار ہوئے اور واپس آ گئے'لیکن مکہ کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر اسی طرح ظلم اور تشدد ہو رہا ہے' انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ وہیں

سے واپس لوٹ جائیں یا مکہ کی طرف سفر جاری رکھیں' فیصلہ یہ ہوا کہ مکہ جانا چاہیے اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے کسی نہ کسی کی پناہ لے لینا چاہیے' چنانچہ مختلف افراد نے قریش کے مختلف سرداروں کی پناہ حاصل کر لی اور شہر میں داخل ہو گئے۔ صرف عبداللہؓ بن مسعود نے کسی کی پناہ حاصل نہیں کی۔

مہاجرین شعبان اور رمضان دو مہینے حبشہ میں رہے۔

ایمان کی مضبوطی

حبشہ سے واپس آنے والوں میں سے حضرت عثمانؓ بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی۔ کچھ دن بعد ان کے دل میں خیال آیا کہ کسی مشرک کی پناہ میں رہنا تو ایمان کی کمزوری کی علامت ہے' وہ ولید کے پاس گئے اور کہا: "آپ مجھے اپنی پناہ سے بری کر دیں۔"

"بیٹا! کیا تم نے میری پناہ میں بھلائی کے سوا کچھ اور دیکھا ہے؟ کیا کسی نے تمہارے ساتھ کوئی برا سلوک کیا ہے؟" ولید بن مغیرہ نے پوچھا۔

"میں اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں' اس کے سوا کسی اور کی پناہ مجھے پسند نہیں۔" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں پناہ میں لینے کا اعلان حرم میں کیا تھا، تم اسی طرح وہاں چل کر اس سے نکلنے کا اعلان کر دو۔" ولید نے کہا۔

پھر وہ دونوں اکٹھے حرم گئے۔

ولید نے وہاں موجود لوگوں کو گواہ بنا کر کہا: "عثمانؓ میری پناہ سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

"ولید کی پناہ ایک باوفا اور معزز آدمی کی پناہ تھی، لیکن میں صرف اللہ کی پناہ میں رہنا چاہتا ہوں اور ان کی پناہ واپس کرتا ہوں۔" حضرت عثمانؓ بن مظعون نے سب کے سامنے اعلان کیا۔

انہی دنوں عرب کا ایک مشہور شاعر لبید بن ربیعہ مکہ آیا' وہ قریش کے مجمع میں اپنا کلام سنا رہا تھا' اس نے ایک مصرع پڑھا جس کا مطلب تھا:

"خبردار رہو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے"

حضرت عثمانؓ بھی وہاں موجود تھے' انہوں نے کہا: "تم نے سچ کہا۔"

لبید نے دوسرا مصرع پڑھا جس کا مطلب تھا: "اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "تم نے جھوٹ کہا، جنت کی نعمت زائل ہونے والی نہیں۔"

لبید کو ان کی یہ مداخلت پسند نہ آئی: "ایسی بدتمیزی تو کبھی تمہاری شان نہیں رہی نہ تمہاری محفل میں بیٹھنا ننگ و عار کا سبب ہوتا تھا۔" شاعر نے قریش کو مخاطب کرکے کہا۔
بنو مغیرہ کے ایک مشرک نے حضرت عثمانؓ کے منہ پر ایک تھپڑ مارا جو آنکھ پر لگا اور ان کی آنکھ نیلی ہوگئی۔
ولید بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھے انہوں نے کہا: "بیٹے اس سے تمہیں کیا حاصل ہوا؟"
ان کا اشارہ پناہ واپس کرنے کی طرف تھا۔
حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "میری دوسری آنکھ بھی ایسی ہی چوٹ کی محتاج ہے جو اس کی ساتھی کو لگی ہے۔"
"تم ایسے شخص کی پناہ میں تھے جو تمہاری حفاظت کرتا تھا۔" ولید نے کہا۔
"مجھے اپنے رب کے سوا کسی اور کی پناہ نہیں چاہیے۔" حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔
عبداللہ بن ابی امیہ اٹھے اور حضرت عثمانؓ بن مظعون کو تھپڑ مارنے والے کی ناک توڑ دی۔

ابولہب کا تعصّب

حضرت ابو سلمہؓ کی والدہ برہ ابو طالب کی بہن تھیں۔ حبشہ سے واپسی پر ابو سلمہؓ نے اپنے ماموں کی پناہ لی تھی، بنی مخزوم کے لوگ ابو طالب کے پاس گئے: "تم اپنے بھتیجے کو تو پناہ میں رکھ سکتے ہو، ہمارے گھرانے کے آدمی کو تم نے کیوں پناہ دی؟"
"محمدؐ میرا بھتیجا ہے اور ابو سلمہؓ میرا بھانجا ہے، میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں، تو بھانجے کو کیوں نہیں دے سکتا؟" ابو طالب نے جواب دیا۔
بنی مخزوم ان سے جھگڑنے پر آمادہ ہوگئے۔
ابولہب بھی وہاں موجود تھا: "اے اہلِ قریش! تم شیخ سے زیادتی کرتے ہو، تم ان پر دباؤ ڈالتے ہو کہ وہ جس کسی کو پناہ دیں تم اسے ان کی پناہ سے نکال لو، خدا کی قسم! اگر تم نے اپنا رویہ نہ بدلا تو میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا۔" اس نے بنی مخزوم کو خبردار کیا۔
بنی مخزوم نے کہا: "ابو عتبہ! ہم آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔" اور واپس چلے گئے۔
ابو لہب میں خاندانی وقار کا تعصب بیدار ہوگیا تھا۔

حواشی / حوالہ جات

1- بعض روایتوں کے مطابق حضرت امِ ایمنؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور حاطبؓ بن عمرو بھی اس قافلہ میں شامل تھے، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی کچھ عرصہ بعد ان مہاجرین سے جا ملے تھے جبکہ موسیٰ بن عقبہ کے مطابق وہ پہلی ہجرت میں شامل نہیں تھے۔ابن اسحاق کے مطابق حضرت عبداللہؓ بن مسعود بھی پہلی ہجرت میں شامل نہیں تھے، بلکہ دوسری ہجرت میں حبشہ گئے تھے۔ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو سبرۃؓ کے ہمراہ ان کی بیوی امِ کلثوم بھی حبشہ جانے والے مہاجرین میں شامل تھیں۔

2- بعض روایات کے مطابق دوسرے رکن عمارہ بن ولید تھے، یہ بھی روایت ہے کہ وفد تین رکنی تھا اور عمارہ بن ولید تیسرے رکن تھے۔

3- شِعریٰ ایک روشن ستارہ ہے۔اہلِ مصر اس ستارے کی پرستش کیا کرتے تھے۔ عربوں کا بھی عقیدہ تھا کہ یہ ستارہ انسانوں کے مقدر بنا اور بگاڑ سکتا ہے اس لئے وہ بھی اس کی پوجا کرتے تھے، خاص طور پر قبیلہ خزاعہ۔

4- قریش کہتے تھے کہ ان کی تینوں دیویاں لات، منات اور عزیٰ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

5- M.A.Salahi / Muhammad Man and Prophet / Element /1995 / p-118

بعض مفسرین اور محدثین نے مختلف روایات کو کھینچ کر کہا ہے کہ رسولؐ اللہ کے دل میں کفار سے منافرت دور کرنے کی جو شدید خواہش تھی، اس کا فائدہ اٹھا کر شیطان نے یہ کلمات آپ کی زبان سے جاری کرا دیئے تھے۔یہ بات مقامِ رسولؐ اور اختیارِ خدا کے منافی ہے کہ شیطان اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ایسے الفاظ جاری کرانے پر قادر ہو، ان حضرات نے تحقیق و تجزیہ کی بھی کوشش نہیں کی، سید ابوالاعلیٰ مودودی نے مختلف روایات کے تجزیہ سے بھی یہ کہانی غلط ثابت کر دی ہے۔
(سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوئم صفحہ 571 تا 578)

سازش

حضورؐ کی نبوت اور اسلام کی دعوت کا چرچا جزیرۃ العرب کے کناروں سے آگے نکل گیا تھا' بحیرۂ احمر کے اس پار حبشہ کے ملک اور بادشاہ کے دربار تک پہنچ چکا تھا۔شاہِ فارس اور شہنشاہِ روم کے درباروں تک بھی خبر پہنچ گئی تھی کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے' غلام اور آزاد' امیر اور غریب دینِ حق قبول کر رہے ہیں اور قریشِ مکہ طاقت کے ذریعے انہیں دبانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

قریش کے لئے یہ بڑی تکلیف دہ حقیقت تھی' عرب قبائل اور اردگرد کے ممالک میں ان کی ناکامی کا چرچا ہونے سے ان کی وہ حیثیت متاثر ہو رہی تھی جو ان قبائل اور درباروں میں انہیں صدیوں سے حاصل چلی آتی تھی۔

ان کے سارے طریقے اور ہتھکنڈے ناکام ہوگئے تھے۔

وہ نئے طریقوں پر غور کرنے لگے۔

حضورؐ بلاخوف حرمِ کعبہ میں نماز ادا کرتے تھے' اہلِ مکہ اور باہر سے آنے والوں کو دعوت توحید دیتے تھے اور قرآن سناتے تھے۔قریشِ مکہ کے دلوں پر حضورؐ کی شخصیت کا بھی رعب تھا' وہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی طرف سے حضورؐ کی حمایت کے کھلے اظہار کی وجہ سے حضورؐ کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرسکتے تھے۔اب تک صرف ابو لہب اور اس کی بیوی حضورؐ سے زیادتی کرتے تھے۔وہ آپؐ کے تایا تھے' بنی ہاشم کے اپنے خاندان میں سے تھے اور قریشِ مکہ نے یہ پالیسی بنائی تھی کہ سارے قبیلے اپنے اپنے اسلام قبول کرنے والے افراد کے خلاف کارروائی کریں گے تاکہ باہمی جھگڑے اور تصادم پیدا نہ ہو اور رسولؐ اللہ تو اس دعوت کے داعی تھے۔

مگر ان کی یہ پالیسی بھی ناکام ہوگئی تھی' حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کو خود کفار میں سے کچھ نے پناہ دے دی تھی۔
تو پھر اب کیا کیا جائے؟
ایک شام قریش کے سردار کعبہ کی دیوار کے نیچے جمع ہوئے' اس مشاورت میں سبھی اہم سردار شامل تھے۔ابو جہل' عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' امیہ بن خلف' ابو سفیان بن حرب' ابو البختری بن ہشام' عاص بن وائل' نضر بن حارث' حجاج سہمی کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبیہ اسود بن المطلب' عبداللہ بن ابی امیہ' زمعہ بن الاسود اور ولید بن مغیرہ۔طویل بحث کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے محمدؐ سے کھل کر بات کرنا چاہئے تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کوئی یہ نہ کہے کہ بات کئے بغیر یک طرفہ فیصلہ کر لیا ہے۔
انہوں نے حضورؐ کو پیغام بھیجا: "آپؐ کی قوم کے اشراف آپ سے بات کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں' آپؐ تشریف لائیں"۔
حضورؐ اکیلے ہی حرم تشریف لے گئے۔
قریش مکہ اور ان کے سردار دنیادار لوگ تھے' ان کی سوچ دنیاوی مفادات اور معاملات تک ہی محدود رہتی تھی: "واللہ!ہمیں معلوم نہیں کہ اس سے پہلے عرب میں کسی شخص نے اپنی قوم کو اس طرح کے فتنے میں کبھی ڈالا ہو جس فتنے میں آپؐ نے اپنی قوم کو ڈال دیا ہے"۔ انہوں نے بات شروع کی۔
عرب میں خاندان' قبیلہ اور قوم میں اختلاف پیدا کرنا بہت بڑا فتنہ اور برائی سمجھا جاتا تھا۔
قریش کے سرداروں نے حضورؐ کو اپنی قوم کا فرد بتا کر آپ کی دعوت سے قوم کے تقسیم ہو جانے سے بات شروع کی۔"آپؐ نے قوم کے باپ دادا کو برا کہا' اس کے دین کو برا کہا' اس کے معبودوں کی برائی کی' ان کے باپ دادا کے دین کو ماننے والوں کو بیوقوف قرار دیا۔"
انہوں نے وہ ساری چارج شیٹ سنا دی جو حضورؐ کے خلاف باہمی مشورہ سے تیار کر رکھی تھی۔
حضورؐ خاموشی سے سنتے رہے۔
"آپؐ نے وہ ساری ہی باتیں کہہ دی ہیں جو ہمارے اور آپ کے درمیان جھگڑا پیدا کرنے والی ہیں' آج ہم آپؐ سے کھل کر بات کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ جھگڑا ختم ہو جائے اور اگر کل کو بات بڑھے تو اہلِ عرب یہ نہ کہیں کہ پہلے حجت پوری کر لینا چاہئے تھی"۔
حضورؐ قریش کے سارے سرداروں کی ساری باتیں سن کر جواب دینا چاہتے تھے' ان کی چارج

شیٹ سننے کے بعد ان کا مشترکہ فیصلہ بھی جاننا چاہتے تھے' آپؐ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر آپؐ یہ سب کچھ حصولِ دولت کے لئے کر رہے ہیں' تو ہم آپس میں چندہ جمع کرکے آپؐ کو اتنی زیادہ دولت دینے کو تیار ہیں کہ آپؐ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔" انہوں نے اپنے پہلے سے کئے فیصلہ کے نکات بیان کرنا شروع کئے۔ "اگر آپؐ کی جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ آپؐ مکہ کے قریش میں بلند مرتبہ ہو جائیں تو ہم سب آپؐ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں' مکہ میں قریش کا کوئی معاملہ آپؐ کے فیصلہ کے بغیر طے نہیں ہوگا۔"

ان کی نظر میں زندگی میں کسی انسان کے یہی دو سب سے بڑے مقصد ہوسکتے تھے' اگر یہ پورے ہو جائیں تو اسے اپنی قوم سے جھگڑا کرنے اور اتنا شدید تنازعہ پیدا کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہونا چاہیے۔

"اگر اس کا سبب کوئی جن ہے جو آپؐ پر مسلط ہوگیا ہے اور یہ سب کچھ وہ آپؐ سے کروا رہا ہے تو ہم اپنا مال خرچ کرکے آپؐ کا علاج کراتے ہیں تاکہ آپؐ اس جن کی گرفت سے نکل جائیں۔" انہوں نے "حجت" پوری کرتے ہوئے پیشکش کی۔

حضورؐ نے فرمایا: "میں مال و دولت کے لالچ میں تمہیں دعوتِ اسلام پیش نہیں کر رہا' مجھ سے کوئی جن بھی یہ سب کچھ نہیں کرواتا جیساکہ تمہارا خیال ہے' میرا مقصد تمہارا سردار بننا بھی نہیں' بلکہ مجھے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے' اللہ نے مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ میں اس پر ایمان لانے والوں کو اللہ کی نعمتوں کی خوشخبری دوں اور اس کا انکار کرنے والوں کو اس کے عذاب سے ڈراؤں' میں نے اللہ کے حکم کے مطابق اس کے احکامات تم تک پہنچا دیئے ہیں اور تمہیں انہیں قبول کرنے کے لئے نصیحت کر دی ہے' چنانچہ اگر تم قرآن اور اسلام پر ایمان لے آؤ تو یہ اس دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے خوش نصیبی کا سبب بنے گا' لیکن اگر تم اس سے انکار کرتے رہو گے تو میں صبر کے ساتھ اپنا کام جاری رکھوں گا' یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے"۔ حضورؐ نے ان کی ساری ترغیبات مسترد فرما دیں۔

قریش کے ان سرداروں میں وہ سردار بھی شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے اور سخت اقدام کے حق میں تھے۔ وہ ان لوگوں کو بھی بلا لائے تھے جو کسی ذاتی یا سیاسی وجہ کی بنا پر اب تک سخت اقدام کی مخالفت کرتے رہے تھے' وہ دیکھنا اور آزمانا چاہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کسی مصالحت پر آمادہ ہوسکتے ہیں یا نہیں۔ ابوجہل اور ان کے

ساتھیوں کی چال یہ تھی کہ اگر آپؐ سارے سرداروں کی مصالحت کی پیشکش مسترد کر دیں گے تو سخت پالیسی کے مخالف بھی ان کے ساتھ مل کر رسولؐ اللہ اور مسلمانوں کے خلاف مشترکہ اقدام پر راضی ہو جائیں گے۔

انہوں نے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کہا: "آپؐ جانتے ہیں کہ ہماری یہ وادی بہت چھوٹی سی ہے۔یہاں پانی بھی بہت کم ہے' زندہ رہنے کے لئے ضریات بھی میسر نہیں' جس خدا نے آپؐ کو ہماری طرف بھیجا ہے' اس سے کہیں کہ وہ وادئ مکہ کے گرد موجود پہاڑوں کو دور دور ہٹا دے تاکہ ہماری وادی وسیع ہو جائے اور اس کے درمیان ایسے ہی دریا بہا دے جیسے شام اور عراق کے ممالک کے میدانوں میں سے بہتے ہیں اور ہمارے ان اجداد میں سے جو مر چکے ہیں کچھ کو زندہ کر دے' ان میں قصی بن کلاب کا زندہ ہونا ضروری ہے' کیونکہ وہ ہماری قوم کا سردار تھا اور سچ بولتا تھا۔ہم ان سے پوچھیں گے کہ جو کچھ آپؐ کہتے ہیں وہ سچ ہے یا نہیں' اگر آپؐ اپنے رب سے کہہ کر ایسا کرا دیں اور وہ بزرگ زندہ ہونے کے بعد اس بات کی تصدیق کر دیں جو آپؐ کہتے ہیں' تو ہم آپؐ کو سچا مان لیں گے اور اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبہ پر بھی یقین کرلیں گے اور آپؐ کے اللہ کا رسول ہونے کو تسلیم کرلیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "میں ایسے کاموں کے لئے نہیں بھیجا گیا' اللہ نے مجھے جو پیغام دے کر بھیجا ہے' وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے' اگر اس پر ایمان لے آؤ گے تو اس دنیا اور آخرت میں فلاح پاؤ گے اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے' تو میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔"

قریش کو سب سے بڑا شکوہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے معبودوں کی برائی کرتے ہیں اور ایک خدا کو ماننے کی تبلیغ فرماتے ہیں' بنیادی جھگڑا اسی پر تھا۔لیکن ان ساروں نے مل کر بھی اپنے معبودوں کا دفاع نہیں کیا' اس بارے میں کوئی بات ہی نہیں کی۔کیوں؟ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جواب میں رسول اللہ ﷺ قرآن کی وہ آیات پڑھ دیں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے ان کے معبودوں کی حقیقت بیان کی ہے اور اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔انہوں نے کہا قصی بن کلاب زندہ ہو کر آپؐ کی تصدیق کر دے تو ہم آپؐ کی رسالت پر یقین لے آئیں گے' کیونکہ وہ سچ بولا کرتا تھا' رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی کے چھیالیس سال ان کے درمیان گزارے تھے' انہوں نے خود آپؐ کو "الامین" کا خطاب دیا تھا' ساری دشمنی اور مخالفت کے باوجود وہ کبھی نہ کہہ سکے کہ آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹ بولا ہے۔جس آدمی نے چھیالیس سال ان

کے درمیان سچ کے سوا کچھ نہ کہا ہو' اس کی بات تو وہ مانتے نہیں تھے اور جس کے بارے میں صرف سن رکھا تھا کہ وہ سچ بولا کرتا تھا' اگر وہ زندہ ہو کر حضورؐ کی تصدیق کر بھی دیتا تو کیا کفار اس کے بعد ایمان لے آتے؟ یہ ان کے فضول بہانے اور مطالبات تھے۔

انہوں نے کہا تھا: "اگر آپؐ ہمارے فائدہ کے لئے کچھ نہیں کرنا چاہتے تو اپنے لئے ہی کچھ کرلیں' اپنے اللہ سے کہیں وہ آسمانوں سے کوئی فرشتہ بھیج دے جو ہمارے سوالوں کا جواب دے اور آپ کی تصدیق کر دے' اپنے اللہ سے کہیں وہ آپ کے لئے محلات بنا دے جن کے ساتھ باغات ہوں' اللہ آپ کو سونے اور چاندی کے خزانے عنایت کر دے تاکہ آپؐ ضروریاتِ زندگی کے حصول کی مشقت سے بے نیاز ہو جائیں اور آپؐ کو بھی ہماری طرح منڈیوں اور بازاروں میں کاروبار کے لئے بھاگ دوڑ نہ کرنا پڑے' اگر آپ کا اللہ ایسا کر دے تو ہم مان جائیں گے کہ آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کے ہاں آپؐ بلند مرتبہ ہیں۔"

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: "مجھے ان چیزوں کی حاجت نہیں اور نہ ہی میں اپنے رب سے ایسی چیزوں کی درخواست کروں گا' میں تو تمہیں ایمان لانے کی صورت میں اللہ کے انعامات کی خوشخبری اور کفر کرنے پر اس کے عتاب سے خبردار کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں' اگر تم ایمان لے آؤ گے تو دونوں جہانوں میں فلاح پاؤ گے اور اگر انکار کرو گے' تو میں صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کروں گا جب اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا۔"

"تو پھر اپنے رب سے کہیں کہ وہ آسمانوں کو پھاڑ کر ہمارے اوپر گرا دے' آپؐ کہتے ہیں کہ آپؐ کا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے تو پھر اسے کہیں کہ ہم پر یہ عذاب نازل کر دے' اگر وہ ایسا کر دے تو ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مان لیں گے۔" قریش کے سرداروں نے کہا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ اللہ کا کام ہے' اگر اللہ تم پر عذاب نازل کرنا چاہے' تو اس کے ہاں کچھ تاخیر نہ ہوگی۔"

ایک سردار نے کہا: "اے محمدؐ! آپؐ کہتے ہیں کہ آپ کا رب سب کچھ جانتا ہے' اگر ایسا ہے تو اسے تو معلوم تھا کہ ہم مجلس میں آپؐ سے کیا کیا مطالبات اور سوالات کرنے والے ہیں' اس نے پہلے سے آپؐ کو ان کے جوابات کیوں نہ بتا دیے؟"

دوسرا چلّایا: "ہم اس وقت تک تمہاری بات پر یقین نہیں کریں گے جب تک آپؐ اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے ایک صف میں لا کر کھڑا نہ کر دیں۔"

تیسرے نے کہا: "ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں۔"

چوتھا بولا: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپؐ جو کچھ دعوت دیتے ہیں یہ سب کچھ یمامہ کا ایک آدمی آپ کو سکھاتا ہے جس کا نام رحمٰن ہے' اللہ کی قسم ہم رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔"

ایک طرف سے آواز آئی: "نہیں مانتے ہم آپ کا دین بتائیں آپ ہمارا کیا کرلیں گے؟"

چاروں طرف سے قسم قسم کی آوازیں آنے لگیں' قریش کے سرداروں کی محفل میں کسی نے بھی آدابِ محفل اور طریق گفتگو کا خیال نہ کیا۔وہ شور شرابے سے رسول اللہ ﷺ کو مرعوب کرنا چاہتے تھے۔

"آپؐ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اللہ کی قسم اس کے بعد ہم آپؐ کو چھوڑیں گے نہیں' اب ہمارے اور آپ کے درمیان جنگ ہوگی جس میں آپ ختم ہوجائیں گے یا ہم ختم ہو جائیں گے۔" انہوں نے دھمکی دی۔

آپؐ اٹھے اور خاموشی سے گھر کی طرف چل دیئے۔

قریشِ مکہ اور ان کے سرداروں کے اس رویہ پر آپ بہت دل برداشتہ ہوئے۔

ابوجہل اور اس کے تشدد پسند حامی اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

آپؐ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ بھی اس محفل میں موجود تھا۔آپؐ اٹھ کے چلے تو وہ بھی آپؐ کے ساتھ ہولیا: "اے محمدؐ!آپ کی قوم نے آپ کے سامنے متعدد تجاویز پیش کیں' مگرآپ نے ان کی ایک بات بھی نہیں مانی' انہوں نے آپ سے اپنے لئے کچھ رعایتیں مانگیں' وہ مل جانے سے اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبہ کا ثبوت مل جاتا اور وہ آپ کے تابع ہو جاتے'آپ ایسا بھی نہ کرسکے' انہوں نے کہا اپنے لئے ہی اپنے رب سے کچھ حاصل کرلیں' ایسا کرکے آپ ان پر اپنی فضیلت ثابت کر دیتے اور آپ کے رب کے ہاں آپ کے مرتبہ کا علم ہو جاتا'آپ نے یہ بھی نہ کیا' انہوں نے کہا کچھ نہیں کرسکتے تو جس عذاب سے ہمیں روز ڈراتے ہو وہی لے آؤ' خدا کی قسم!میں آپ پر اُس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب آپ میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر جائیں اور اپنے رب سے چٹھی لکھوا کر لائیں'آپ کے ساتھ آسمانوں سے چار فرشتے بھی آئیں جو گواہی دیں کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر اس نے کہا: "واللہ!اگرآپ ایسا کر بھی دیں تو بھی مجھے یقین نہیں کہ میں آپ کی تصدیق کرلوں گا اور آپ کو اللہ کا رسول مان لوں گا۔"

پہلے خود ہی اس نے وہ ناقابلِ عمل شرائط پیش کیں اور کہا کہ یہ پوری ہو جائیں تو میں آپ پر

ایمان لے آؤنگا اور پھر اسی لمحہ کہا کہ شاید پھر بھی ایسا نہ کرسکوں کہ آپ کو اللہ کا رسول مان لوں گا۔"

اپنوں کی یہ منطق اور قریش کے سرداروں کا ایسا رویہ، عبداللہ کے جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس پر جتنا غور فرماتے اتنا ہی زیادہ افسوس کرتے۔

وادئ مکہ کے اردگرد کے پہاڑوں کو دُور ہٹا کر اسے فراخ کر دینے اور قریش کے فوت ہو چکے بزرگوں کو زندہ کر دینے کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اگر کوئی ایسا قرآن (آسمانی کتاب) ہوتا کہ اس سے (پڑھنے سے) پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں یا زمین پھٹ جائے یا مردے زندہ ہو کر باتیں کرنے لگیں تو وہ یہی قرآن ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کاموں پر قادر ہے" (31:13)

اپنے لئے خزانے، باغات، محل اور مدد کے لئے فرشتے طلب کرنے کے قریش کے مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وہ کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو (ہماری طرح ہی) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے، آسمان سے اس کے لئے ایک فرشتہ کیوں نہ اتر آیا جو اس کے ساتھ رہتا اور ڈراتا (عذاب سے) یا کہتے ہیں، اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں مل گیا یا اسے کوئی باغ کیوں نہیں مل گیا کہ اس میں سے کھایا کرتا۔" (25:7، 8)

"بڑی برکت والا ہے وہ (اللہ) اگر چاہے تو تیرے لئے اس سے بھی بہتر کر دے، وہ تجھے ایسے باغ دے جن میں نہریں بہتی ہوں اور تجھے محل دے دیوے۔" (25:10)

"ہم نے آپؐ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے ہیں، سب یہی کھانا کھاتے تھے اور تجارت کے لئے منڈیوں میں بھی جاتے تھے، ہم نے تو تم میں سے (انسانوں میں سے) بعضوں کو دوسروں کی آزمائش کے لئے بنایا ہے تاکہ دیکھیں کہ ثابت قدم رہتے ہو یا نہیں، اور تیرا رب سب کچھ دیکھ رہا ہے۔" (25:20)

قریش کی طرف سے مال و دولت کی پیشکش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تو کہہ دے اگر میں نے تم سے (اپنی محنت) کا کچھ صلہ مانگا ہے (تمہارے خیال میں) تو وہ تم اپنے پاس ہی رکھو، میرا صلہ تو اللہ کے پاس ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔" (34:47)

ابوجہل کی رسوائی

ابوجہل نے کوئی بات نہیں کی تھی، وہ خاموش بیٹھا سب کی باتیں سنتا رہا تھا، اس کی تو

مراد پوری ہوگئی تھی۔ قریشِ مکہ کے سرداروں کو غصہ میں دیکھ کر اس نے کہا: "اے قومِ قریش! تم نے خود دیکھ لیا کہ محمدؐ اپنی ضد چھوڑنے پر آمادہ نہیں' وہ ہمارے مذہب کا مذاق اڑاتا ہے' ہمارے اجداد اور معبودوں کی توہین کرتا ہے' خدا کی قسم! میں اس کا سر کچل ڈوں گا۔ میں عہد کرتا ہوں کہ کل میں اتنا بھاری پتھر اٹھا لاؤں گا جتنا میں اٹھا سکوں اور جب وہ حرم میں نماز پڑھنے آئے گا اور سجدہ میں جائے گا تو میں وہ پتھر اس کے سر پر دے ماروں گا' اس کے بعد تمہاری مرضی ہوگی کہ تم مجھے اس کے خاندان کے حوالے کر دو یا مجھے ان سے بچا لو' بنو عبدمناف جو چاہیں کریں میں اپنا وعدہ پورا کرکے رہوں گا۔"

"خدا کی قسم! ہم تمہیں کسی کے حوالے نہیں کریں گے۔ تم شوق سے اپنا یہ عہد پورا کرو۔" وہاں پر جمع سب سرداروں نے بیک آواز کہا۔

عام حالات میں مکہ کے سارے سردار ایسی تجویز کی حمایت نہ کرتے، لیکن تشدد کے حامیوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایسی صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ وہ سب حضورؐ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کی تجویز پر متفق ہوگئے۔

اگلی صبح بہت سویرے ابوجہل حرم پہنچ گیا' اپنے اعلان کے مطابق وہ ایک بہت بھاری پتھر بھی اٹھا لایا اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا' قریش کے اور بھی بہت سے لوگ حرم پہنچ گئے کہ دیکھیں ابوجہل کیسے اپنا عہد پورا کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے معمول کے مطابق صبح کی نماز ادا کرنے حرم پہنچ گئے' آپؐ بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ بیت اللہ بھی سامنے ہوتا تھا۔ آپؐ نے نماز کی نیت باندھی' رکوع کے بعد جب آپؐ سجدہ میں گئے تو ابوجہل پتھر اٹھا کر تیزی سے آپؐ کی طرف بڑھا، مگر تھوڑا ہی آگے جا کر بدحواسی میں الٹے پاؤں بھاگ آیا' اس کا رنگ فق ہو رہا تھا' اس نے اب بھی پتھر کو اس طرح پکڑا ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھ اس سے چمٹ گئے ہوں' وہ دوڑتا رہا اور دور جا کر پتھر پھینک دیا۔

حرم میں موجود مشرک اس کی طرف دوڑے: "ابو الحکم کیا ہوا؟" انہوں نے پوچھا: "تم بدحواسی میں بھاگ کیوں آئے ہو؟"

"میں نے رات جو عہد کیا تھا' اسے پورا کرنے کے لئے جب میں محمدؐ کی طرف بڑھا تو ایک اونٹ نے مجھ پر حملہ کر دیا' خدا کی قسم! میں نے اپنی زندگی میں کسی اونٹ کا اتنا بڑا سر اور اتنی موٹی گردن اور اتنی تیز کچلیاں نہیں دیکھیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے بڑے اطمینان سے نماز ادا کی اور واپس تشریف لے گئے۔
قریش وہیں بیٹھے ابو جہل کی حالت دیکھتے رہ گئے۔
جب رسول اللہ ﷺ کو ابو جہل کے ارادہ اور اس کی ناکامی کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "وہ جبریلؑ تھے' اگر ابو جہل ذرا بھی اس سے آگے بڑھتا تو وہ اسے ہلاک کر دیتے۔"
اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا تھا: "اے رسول!تیرے رب کی طرف سے تجھ پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے' وہ لوگوں تک پہنچا دے۔ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو یہ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے میں آپ کی ناکامی ہوگی' اللہ آپؐ کو سب لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔" (67:5)
ابو جہل نے اپنا عہد پورا کرنا چاہا تو اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔
بے شک اللہ سب پر غالب ہے' ہر چیز پر قادر ہے۔
اللہ تعالیٰ نے قریشِ مکہ کی یہ سازش بھی ناکام بنا دی۔

تین سوال

قریشِ مکہ نے ایک بار پھر مشاورت منعقد کی۔ نضر بن حارث ایرانی تاریخ کے ماہر کے طور پر جانا جاتا تھا' وہ ایران جاتا رہتا تھا' ایران کے پرانے شہنشاہوں کے حالات اور ایرانی تاریخ کے قصے کہانیوں سے واقف تھا۔جب رسول اللہ ﷺ کسی محفل میں وعظ فرماتے اور اللہ کی نافرمانی کرنے والی قوموں پر نازل ہونے والے عذاب کا ذکر فرماتے تو آپؐ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ اس محفل میں آبیٹھتا اور کہتا: "واللہ!میں تم کو اس سے اچھے واقعات سناتا ہوں"'اور پھر وہ انہیں رستم و اسفندیار کی کہانیاں سناتا اور پوچھتا: "محمدؐ کی بات میں اس سے زیادہ کیا خوبی ہے"؟

رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں اس کے سخت رویہ اور قصہ گوئی کی وجہ سے لوگ اس کی بات بڑے غور سے سنتے تھے اور اس کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔جب مختلف شرکاء اپنی بات کہہ چکے تو نضر بن حارث نے قریشِ مکہ کی بدقسمتی بیان کرتے ہوئے کہا: "قومِ قریش! خدا کی قسم!تم ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگئے ہو جس کا ابھی تک تم توڑ نہیں کرسکے' محمدؐ جب جوان تھے تو تمہارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے' تم میں ان جیسا کوئی سچا اور ایماندار آدمی نہیں تھا۔اب ان کی کنپٹیوں پر سفید بال آنے لگے ہیں تو ان کی دعوت سن کر تم کہتے ہو وہ جادوگر ہے' خدا کی قسم!محمدؐ جادوگر نہیں' تم کہتے ہو وہ کاہن ہیں' بخدا وہ کاہن بھی نہیں' تم انہیں شاعر کہتے ہو' پاگل

بتاتے ہو' نہیں بخدا' وہ نہ شاعر ہیں نہ پاگل' قریش کے لوگو! اس صورتِ حال کے بارے میں غور کرو' خدا کی قسم' یہ تم پر بہت بڑی افتاد آن پڑی ہے۔"

دارالندوہ قریش کا سب سے بڑا مشاورتی ادارہ تھا' زمانہ قدیم سے روایت تھی کہ چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی اس کا رکن نہیں بن سکتا تھا' اس کی وجہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر آدمی عقل اور شعور کی پختگی کی منزل کو پہنچتا ہے۔ نضر بن حارث نے قریش کو ان کی کم عقلی اور دلیل کی کمزوری کا احساس دلایا کہ جب محمدؐ چالیس سال سے کم عمر کے تھے' تو تم سب انہیں مکہ کا سب سے سچا' ایماندار اور پسندیدہ آدمی کہتے تھے' اب وہ تمہارے معیار کے مطابق عقل و شعور کی معراج کو پہنچ گئے ہیں' تو تم انہیں پاگل' شاعر' کاہن اور جادوگر کہنے لگے ہو' حالانکہ ان میں نہ جادوگروں والی کوئی بات ہے' نہ پاگلوں والی کوئی علامت ہے' نہ شاعروں اور کاہنوں والی علامت ہے۔ اپنی اسی پالیسی کی وجہ سے تم ان کے مقابلے میں ناکام رہے ہو اور اس افتاد سے نکل نہیں سکے' تمہیں ان طریقوں کی بجائے کوئی اور طریقہ سوچنا چاہیے تاکہ محمدؐ کے مقابلہ میں تم کامیاب ہو سکو۔

قریش کے منصوبہ سازوں کو اپنی کم عقلی کا احساس ہونے لگا۔ نضر بن حارث کی بات میں وزن تھا۔

قریش کے دلوں میں کہیں یہ احساس بھی موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ جو دعوت دیتے ہیں اس کی بنیاد حق پر ہے' قرآن میں قدیم قوموں اور آپؐ سے پہلے آنے والے رسولوں' نبیوں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کا ذکر تھا' ان رسولوں کی تعلیمات کا ذکر تھا' لیکن مکہ میں ان کتابوں کا کوئی عالم موجود نہ تھا جس سے مشورہ کرکے وہ کوئی نئی چال تیار کرسکیں۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے مقابلے کے لئے مدینہ کے یہودیوں سے مدد اور رہنمائی حاصل کی جائے اور نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ مدینہ جائیں اور یہودی علماء اور دانشوروں سے مشورہ کریں' یہودیوں کو رسول اللہ ﷺ کی ذات اور اوصاف اور نبوت کے دعویٰ کے بارے میں بتا کر ان سے کوئی نسخہ معلوم کریں۔

یہودی کئی صدیوں سے مدینہ میں آباد تھے' قریشِ مکہ جانتے تھے کہ وہ اہلِ کتاب ہیں اور حضرت موسیٰؑ کو مانتے ہیں' لیکن انہوں نے کبھی یہودیوں کی کتاب اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کے بارے میں جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ یہودی علماء اور دانشوروں کے پاس وفد بھیجنے کے ان کے فیصلے سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریش کا اپنے آبائی دین پر ایمان متزلزل ہونے لگا تھا اور وہ سوچنے لگے تھے کہ واقعی کہیں محمدؐ اللہ کے رسول ہی تو نہیں اور آپؐ جو دعوت دیتے

ہیں وہی تو حق نہیں!

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط نے مدینہ کے یہودی علماء کو رسول اللہ ﷺ کی ذات' صفات' تعلیمات اور دعویٰ نبوت کے بارے میں سب کچھ بتا کر پوچھا: ''آپ اہلِ تورات ہیں' ہمیں بتائیں کہ ہم محمدؐ کے دعویٰ رسالت کے بارے میں کیسے فیصلہ کریں کہ وہ سچا ہے یا نہیں؟''

یہودی علماء نے ان کی باتیں غور سے سنیں اور کہا محمدؐ سے تین باتیں پوچھنا۔

اول' زمانہ قدیم کے ان نوجوانوں کی کہانی پوچھنا جو ظلم سے بچنے کے لئے اپنا شہر چھوڑ کر چلے گئے تھے اور یہ بھی کہ ان نوجوانوں کو کیا کیا واقعات پیش آئے تھے؟

دوسرا یہ پوچھنا کہ وہ آدمی کون تھا جس نے مشرق و مغرب کے ممالک میں دور دور تک سفر کیا تھا' اور یہ کہ اس کا کیا حشر ہوا تھا؟

اور سوئم یہ کہ ''روح کیا ہے؟''

انہوں نے کہا: اگر محمدؐ ان باتوں کا تسلی بخش جواب دے تو وہ اللہ کا نبی اور رسول ہے اور اگر جواب نہ دے سکے تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے' اس کے بعد تمہاری مرضی ہے اس کے بارے میں جو چاہو فیصلہ کرو۔

روح کی حقیقت کے بارے میں سوال کے جواب کے بارے میں انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر تو محمدؐ اس سوال کا بڑا تفصیلی جواب دیں تو اس پر ایمان نہ لانا' لیکن اگر آپؐ روح کی حقیقت کے بارے میں کچھ بتانے سے ہچکچاہٹ برتیں تو پھر وہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط خوشی خوشی مکہ واپس آگئے۔

آسمانوں سے جواب آگئے

قریشِ مکہ کے سردار اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور وہ تینوں سوال پیش کر دیئے:

''میں تمہارے ان سوالات کے جواب کل دوں گا۔'' رسول اللہ نے فرمایا۔

وہ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ اسی روز وحی کے ذریعے آپؐ کو ان سوالات کے جواب بتا دیں گے۔

اگلا روز گزر گیا مگر جبرئیلؑ وحی لے کر نہیں آئے۔
اس سے اگلا دن بھی گزر گیا۔
قریشِ مکہ نے شور مچا دیا: "محمدؐ نے ہم سے ایک دن کا وعدہ کیا تھا، مگر دو روز بعد بھی وہ ہمارے سوالوں کے جواب نہیں دے سکا۔"
آپؐ بہت افسردہ تھے' قریش کا پراپیگنڈہ آپؐ کی طبیعت پر سخت گراں گزر رہا تھا۔
پھر جبرئیلؑ وحی لے کر آ گئے۔ اللہ نے آپؐ پر سورۃ کہف نازل فرمائی جس میں ان نوجوانوں اور زمین پر مشرق و مغرب میں دور دور تک سفر کرنے والے کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔
وحی میں تاخیر اس لئے ہوئی کہ آپؐ نے اگلے روز جواب دینے کا وعدہ کرتے وقت "انشاء اللہ" (اللہ نے چاہا تو) نہیں فرمایا تھا۔
اللہ تعالیٰ آپؐ پر وحی اُسی وقت بھیجتے تھے جب وہ خود چاہتے تھے' اللہ تعالیٰ اپنے حبیبؐ کو بتانا چاہتے تھے کہ "اللہ نے چاہا تو" کہنا لازم ہے' کیونکہ ہر چیز پر اللہ ہی قادر ہے' اللہ نے حکم دیا:
"تم جب بھی کہو کہ میں یہ کام کروں گا تو اس کے ساتھ "انشاء اللہ" ضرور کہہ لیا کرو۔"
اللہ تعالیٰ نے بت پرست بادشاہ کے ظلم سے بچنے کے لئے شہر چھوڑ کر چلے جانے والے توحید پرست نوجوانوں اور زمین پر مشرق و مغرب میں دور تک سفر کرنے والے شخص کی کہانیوں کی جو تفصیلات سورۃ کہف میں بیان کی ہیں' اتنی زیادہ تفصیلات اس سے پہلے دنیا میں کسی کو بھی معلوم نہ تھیں' نہ کسی کتاب میں موجود تھیں' نہ کسی عالم کو علم تھا' یہودیوں کو بھی علم نہیں تھا۔
اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ سفر کرنے والے کا نام ذوالقرنین تھا اور یہ بھی کہ اس نے تین اطراف میں تین الگ الگ سفر کئے تھے۔
رُوح کی حقیقت کے بارے میں اللہ نے فرمایا: "تم سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے کہ رُوح میرے رب کے حکم (امر) سے ہے اور اللہ نے (تم کو' پوچھنے والوں کو) جو علم دیا ہے وہ تو تھوڑا سا ہے۔" (85:17)
رُوح کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے' یہ راز آج تک کوئی نہیں جان سکا' کیونکہ انسان اپنے محدود علم اور صلاحیت کی وجہ سے رُوح کی ماہیت سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تو اللہ کے حکم (امر) سے کسی جسم میں داخل ہوتی ہے اور جب اس کا حکم ہوتا ہے تو پرواز کر جاتی ہے' کہاں سے آتی ہے' کیا ہوتی ہے' یہ سب کچھ اللہ ہی جانتا ہے۔

رسولؐ اللہ کی فراست

قریشِ مکہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے لگے' تو انہوں نے ظلم اور تشدّد میں اور بھی اضافہ کر دیا،مگر مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا' قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور اسلام کے سب سے بڑے دشمنوں کے اپنے قریبی عزیز اسلام قبول کرچکے تھے' ان دشمنوں کا بڑا سردار تو ابوجہل ہی تھا نا؟ اس کا حقیقی بھائی سلمہ بن ہشام' ماں جایا بھائی عیاشؓ بن ابی ربیعہ' چچا زاد بھائی ہشامؓ بن ابی حذیفہ اور چچا زاد بہن اُمِ سلمہؓ مسلمان ہوچکے تھے۔ابو سفیان کی بیٹی اُمِ حبیبہؓ' داماد عبیداللہ اور آزاد کردہ لونڈی برکہؓ اور اس کا خاوند قیسؓ ، نضر بن حارث کا بیٹا فراسؓ' عتبہ بن ربیعہ کا بیٹا ابو حذیفہؓ اور بھانجا شماسؓ' سہیل بن عمرو کا بیٹا عبداللہؓ اور دو بھائی سلیطؓ اور سکرانؓ اور بھابی سودہؓ اور حضرت عمرؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے' ان کے داماد خنیسؓ اور برادر نسبتی عثمانؓ بن مظعون اپنے بیٹے سائبؓ اور دو بھائیوں قدامہؓ اور عبداللہؓ سمیت اسلام قبول کرچکے تھے۔عمرو بن عاص جنہیں نجاشی کے دربار میں قریش کا سفیر بنا کر بھیجا گیا تھا' ان کے حقیقی بھائی ہشامؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔

قریشِ مکہ کا کوئی قبیلہ اور خاندان ایسا نہیں تھا جس کے خون کے رشتہ والوں' حلیفوں اور آزاد کردہ غلاموں اور لونڈیوں میں سے کسی نے حضورؐ کی دعوت قبول نہ کی ہو' وہ سب ظلم اور زیادتی کے باوجود اسلام پر قائم تھے۔قریش کے لئے یہ امر بہت ہی تکلیف دہ تھا کہ رسولؐ اللہ کسی خوف اور دنیاوی لالچ میں نہیں آتے تھے' ان کے کسی مصالحتی فارمولہ کو قبول نہیں فرماتے تھے اور جو کوئی آپؐ کی دعوت قبول کرلیتا تھا'وہ کسی طرح چھوڑتا نہیں تھا' وہ بہت مشکل میں تھے اور جب کچھ نہیں کرسکتے تھے تو ظلم اور تشدد میں اضافہ کر دیتے تھے۔

جو لوگ رسولؐ اللہ کی دعوت قبول کرکے تشدد اور ظلم برداشت کرتے رہتے تھے' وہ تشدد کا جواب بھی دے سکتے تھے' وہ بھی تو انہی قریش میں سے تھے' ان کا ہی خون تھے' لیکن اللہ نے انہیں ظلم اور تشدد کا جواب دینے سے منع فرما دیا تھا۔ اگر وہ جواب دیتے تو شروع میں ہی مسلمانوں کی اس چھوٹی سی جماعت کا قریشِ مکہ کی مشترکہ قوت سے ٹکرا جانے کا خدشہ تھا' اگر سارے مسلمان بحیثیتِ جماعت مشرکینِ مکہ کی جماعت کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے تو بنو ہاشم اور ابو طالب بھی اس جھگڑے میں رسولؐ اللہ کا ساتھ نہ دے سکتے، کیونکہ وہ خود شرک کی جماعت سے تھے اور اس لڑائی جھگڑے کی وجہ سے رسولؐ اللہ کا صبر کے ساتھ دعوتِ اسلام جاری رکھنے کا کام بھی رک جاتا۔ دوسری طرف قریش کے سرداروں کی بے بسی دیکھ کر رسولؐ اللہ نے اندازہ فرما لیا تھا کہ کسی مرحلے پر ایسے تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے' ایک دوراندیش اور حالات و نتائج کا گہرا شعور رکھنے والے مصلح کی حیثیت میں رسولؐ اللہ نے فیصلہ فرمایا کہ مسلمانوں کو' خاص طور پر قریش اور اس کے بڑے گھرانوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کو' مکہ سے نکال کر حبشہ بھیج دیا جائے۔ مسلمانوں کی جو پہلی جماعت حبشہ گئی تھی' وہ دیکھ آئی تھی کہ وہاں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی' مسلمان وہاں آزادی سے اپنے دین پر عمل کر سکتے تھے اور چھوٹا موٹا کاروبار کرکے اپنی روزی بھی کما سکتے تھے' اس لئے حضورؐ نے ان مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں تاکہ مکہ میں تصادم کا خطرہ بھی ٹل جائے اور مسلمان قریش کے تشدد سے بھی محفوظ رہیں' ان میں قومی وحدت بھی مستحکم ہو اور حبشہ میں وہ اپنا ایک مرکز بھی بنا لیں اور جو دعوت حضورؐ مکہ کے بت پرستوں کو دے رہے تھے' حبشہ ہجرت کر جانے والے مسلمان وہاں کے عیسائیوں تک پہنچائیں۔ عیسائی رسولوں اور کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں' آپؐ جانتے تھے کہ حبشہ میں دعوتِ اسلام کو اتنی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جیسی مشکلات کا سامنا خود حضورؐ کو مکہ میں کرنا پڑ رہا تھا۔ قریشِ مکہ کا ایک اور حربہ مسلمانوں کے کاروباری بائیکاٹ کا بھی تھا اور حبشہ میں وہ آزادی سے کاروبار کرکے اپنی روزی بھی کما سکتے تھے۔

حضورؐ کے حکم پر آپؐ کے داماد حضرت عثمانؓ اپنی بیوی حضورؐ کی صاحبزادی کے ہمراہ دوسری بار حبشہ روانہ ہونے لگے تو انہوں نے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! ہم دوسری دفعہ نجاشی کی طرف ہجرت کر رہے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ آپؐ ہمارے ساتھ نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "درحقیقت تمہاری ہجرت اللہ کی طرف اور میری طرف ہے' اس لئے تم سب کو ان دونوں ہجرتوں کا عظیم اجر ملے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: "بس یا رسولؐ اللہ! یہ ہمارے لئے کافی ہے"۔

اللہ کی طرف ہجرت کا کیا مطلب تھا؟

اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو سونپے گئے مشن کی طرف سفر۔

اور حضورؐ کا یہ فرمانا کہ تم سب کی ہجرت میری طرف ہے' کا مطلب تھا کہ تمہاری ہجرت بھی اس مشن کی تکمیل کے لئے ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سونپا ہے۔

قریش بڑے چوکس تھے کہ مسلمان پھر سے ہجرت نہ کر جائیں' اس سخت نگرانی کی وجہ سے مسلمان دو دو' چار چار ہو کر مکہ سے نکلنے لگے' قریش نے روکنے کی بہت کوشش کی' مگر پھر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔اس بار کافی تعداد میں مرد و خواتین اور بچے حبشہ چلے گئے۔ان میں بعض کے تو پورے خاندان ہی چلے گئے تھے۔دوسری ہجرت کرنے والے مردوں کی تعداد اسّی سے زیادہ تھی۔ (1) خواتین اٹھارہ یا انیس تھیں' مردوں میں سے پچھتّر (75) اور عورتوں میں سے گیارہ خالص قریشی نسل سے تھے' باقی قریش کے مختلف خاندانوں کے حلیف تھے جنہیں مقامی روایت کے مطابق انہی میں سے سمجھا جاتا تھا۔ان میں سے بعض کو قریش کے سرداروں نے اپنے بیٹے بنا رکھا تھا اور وہ انہی کے نام سے جانے جاتے تھے۔قریش کے سرداروں کے جن عزیزوں کے اسلام قبول کرنے کا اوپر ذکر ہوا ہے' تقریباً وہ سب ان مہاجرین میں شامل تھے' ایک آزاد کردہ لونڈی نے ہجرت کی' وہ بھی بنو امیہ کے ایک معزز حلیف کی بیوی تھی' ایک آزاد کردہ غلام حضرت یاسرؓ تھے جنہیں حضورؐ نے اپنا فرزند بنا لیا تھا' یاسرؓ کے بیٹے عمارؓ بھی مہاجرین میں شامل بتائے جاتے ہیں' مگر اس بارے میں اختلاف ہے۔ رسولؐ اللہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے حضرت جعفرؓ بن ابو طالب اور ان کی بیوی' آپؐ کے داماد حضرت عثمانؓ اور ان کی بیوی بنتِ رسولؐ اللہ حضرت رقیہؓ' حضورؐ کے چار پھوپھی زاد حضرت زبیرؓ بن العوام' حضرت طلیبؓ بن عمرو' حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رھم اور حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد نے' جو آپکے دودھ شریک بھائی بھی تھے' حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے اسودؓ بن نوفل اور حضرت ابوبکرؓ کے ماموں زاد بھائی حضرت خالدؓ بن حارث بھی ان مہاجرین میں شامل تھے' ان مہاجرین کی اکثریت نوجوانی کی حدود عبور کرچکی تھی' ان میں سے بہت سے مکہ کے امیر ترین خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے

قریشِ مکہ کے لئے یہ شکست بھی تھی اور ایک بہت بڑا صدمہ بھی' عرب قبائل میں خون کا رشتہ سب سے بڑا رشتہ تھا۔اس کے تحفظ کے لئے جان قربان کر دینا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا' قبائلی روایات کے مطابق خاندان اور قبیلہ کے افراد کے لئے اپنے بزرگ کا کہا لفظ سب سے

بڑا آئین اور دستور ہوتا تھا' خاندان اور قبیلے کی آن' شان اور سب سے بڑی دولت اس کے بیٹے اور افراد ہوتے تھے۔اس زمانے میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ کوئی فرد سارے خونی' قبائلی اور روایتی رشتے توڑ کر گھر' والدین' عزیز و اقارب' قبیلہ' شہر اور ملک' سب چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اسلام نے مسلمانوں کی فکر اور عمل میں جو انقلاب برپا کر دیا تھا' قریش اس کے اثرات سے بہت خوفزدہ تھے۔ان کے اپنے بیٹے' بھائی انہیں چھوڑ کر حبشہ چلے گئے تھے' اس سے ان کی دنیاوی آن' اور شان بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی' مکہ کے گھر گھر میں ماتم کی فضا تھی' سردارانِ قریش انگاروں پر لوٹ رہے تھے' حضورؐ نے ایک ہی تدبیر سے ان کی ساری چالیں ناکام بنا دی تھیں۔

آپؐ کے ساتھ مکہ میں بہت تھوڑے ایسے مسلمان رہ گئے تھے جو اعلانیہ دعوتِ اسلام قبول کرچکے تھے' وہ زیادہ تر کمزور طبقوں سے تعلق رکھتے تھے یا وہ جنہوں نے ابھی تک اپنے اسلام کا اعلان نہیں کیا تھا' وہ اپنے گھروں میں خفیہ قرآن پڑھتے تھے اور نمازیں ادا کیا کرتے تھے۔

قریش کا غم و غصہ بڑھ رہا تھا،مگر رسولؐ اللہ بلاخوف ہر جگہ' ہر کسی کو دعوتِ اسلام پیش کر رہے تھے۔

ان پر آپؐ کی اس جرأت اور عمل و کردار کا بہت رعب تھا' قریش آپؐ سے الجھنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

حضورؐ کا رعب

قریش کے سردار حرم میں جمع تھے۔

ایک شخص آیا اور سیدھا چلتا ہوا ان کے پاس گیا: ''یا اہلِ قریش!مظلوم پردیسی کی مدد کرو۔'' اس نے درخواست کی۔

سارے سردار اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''میرا تعلق اراش سے ہے' میں آپ کے شہر میں اونٹ بیچنے کے لئے لایا تھا' حکم بن ہشام (ابوجہل) نے مجھ سے اونٹ خرید لئے،مگر اب مجھے ان کی قیمت ادا نہیں کر رہا' میں آپ کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں۔'' اجنبی نے انہیں بتایا۔

حرم کے دوسرے کونے میں حضورؐ تشریف رکھتے تھے۔

''ہم اس معاملے میں کچھ نہیں کرسکتے' وہ صاحب جو ادھر بیٹھے ہیں' ان سے فریاد کرو۔ وہ تمہاری

رقم دلوا دیں گے۔" قریشی نے حضورؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجنبی سے کہا۔

اجنبی قریش کی شرارت سمجھ نہ سکا اور رسولؐ اللہ کی خدمت میں پیش ہو کر فریاد دُہرائی۔

رسولؐ اللہ اٹھے اور اسے ساتھ لے کر ابوجہل کے گھر کی طرف چل دیئے۔

سرداروں نے ایک آدمی سے کہا: "پیچھے جاؤ اور آ کر بتاؤ کیا ہوتا ہے۔"

وہ آدمی کچھ فاصلے پر پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

حضورؐ نے ابوجہل کے دروازے پر پہنچ کر کنڈی کھٹکھٹائی۔

"کون؟" ابوجہل نے اندر سے پوچھا۔

"محمدؐ"۔ آپؐ نے جواب دیا۔

ابوجہل فوراً دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

"اس اجنبی کا حق ادا کرو۔" حضورؐ نے فرمایا۔

ابوجہل خاموشی سے اندر گیا اور اونٹوں کی ساری رقم لا کر اجنبی کے حوالے کر دی۔

اجنبی نے حضورؐ کا شکریہ ادا کیا اور رقم لے کر اپنی راہ لی۔

حضورؐ واپس حرم کی طرف چل دیئے۔

قریش کے سردار منتظر تھے کہ دیکھیں آج کیا ہوتا ہے' اپنے مخبر کو تیز تیز چلتا ہوا واپس آتا دیکھ کر ان کی بے چینی بڑھ گئی۔

"واللہ! میری آنکھوں نے آج جو کچھ دیکھا، پہلے کبھی نہ دیکھا تھا' محمدؐ کو دیکھتے ہی حکم بن ہشام کا تو رنگ ہی فق ہوگیا۔ جب محمدؐ نے کہا اجنبی کا حق ادا کر دو تو معلوم ہوتا تھا اس کے جسم میں تو جان ہی نہیں رہی۔" مخبر نے قریش کے سرداروں کو جو دیکھا تھا بتاتے ہوئے کہا۔

سردار جو کچھ سن رہے تھے اس پر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

ابوجہل ان کا بہت بڑا سردار تھا' اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا' وہ حضورؐ کے حکم پر اجنبی کا حق ادا کر دے گا' وہ تو سوچ بھی نہ سکتے تھے' انہوں نے تو ایک دوسرے سے کہا تھا: "آج خوب رہے گی۔"

انتقام اور اسلام

جاہل شرافت سے دور ہوتا ہے۔

اور جو کوئی جاہل سے بھی بلند تر ہو' ابوجہل ہو'

اس میں شرافت اور شائستگی کیسے آئے گی؟
ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کی طرف سے آ رہے تھے' سامنے سے ابوجہل آ گیا۔
شکست خوردہ انانیت کا مریض'
رسولؐ اللہ کو دیکھ کر جہالت بکنے لگا'
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے'
ابوجہل نے شرافت کو کمزوری سمجھا'
اور بھی طیش میں آ گیا'
پتھر اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھینکا
پتھر حضورؐ کے سر مبارک میں لگا'
خون بہنا شروع ہو گیا'
آپؐ خاموشی سے چلے گئے'
ابوجہل محفلِ کفار میں جا بیٹھا'
اپنے "کارنامہ" پر اترانا شروع کر دیا۔

○

حمزہؓ شکار سے واپس آ رہے تھے' شکار سے واپسی پر وہ پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور پھر اپنے گھر جایا کرتے تھے۔
عبد اللہ بن جدعان کی لونڈی نے حمزہؓ کا راستہ روک لیا۔
ابوجہل کی زیادتی اور ناشائستگی کی تفصیل بتائی۔
خون نے جوش مارا۔
وہ ابوجہل کی تلاش میں چل دیئے۔
"او سرین پر خوشبو لگانے والے بزدل! تُو نے میرے بھتیجے کو گالی دی ہے؟" حمزہ نے اتنی قوت سے کمان ابوجہل کے سر پر ماری کہ اس کی کمر دوہری ہو گئی۔
بنو مخزوم کے جاہل اپنے ابوجہل کی حمایت میں بھاگے۔ "حمزہؓ! شاید تم بھی بد دین ہو گئے ہو۔"
"ہاں' میں بھی محمدؐ کے دین پر ہوں اور وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں' تم میں ہمت ہے تو وہی گالیاں ذرا مجھے دے کر دیکھو۔" حمزہؓ نے جواب دیا۔

"ابو عمارہ سے پیچھے رہو' واقعی میں نے اس کے بھتیجے کو گالیاں دی تھیں۔" ابو جہل نے اپنے قبیلے والوں کو روک دیا۔
جاہل کو غصہ ہمیشہ کمزور پر آتا ہے، اور حمزہؓ مکہ کے شہ زور تھے' سرِ محفل سر پھٹ گیا۔ابو جہل کو پھر بھی غصہ نہیں آیا۔

○

رات بھر حمزہؓ کو نیند نہیں آئی' یہ میں نے کیا کہہ دیا؟ وہ اپنے کو کوستا رہا' وہ مسلمان ہوا تھا نہ مسلمان ہونے کا ارادہ تھا' غصہ میں کہہ گیا تھا کہ "میرا دین بھی محمدؐ کا دین ہے' روک لو اگر طاقت ہو تو۔"
خدا سے دعا کی: "خدایا! اگر محمدؐ کا راستہ صحیح ہے' تو میرے دل میں اس کی تصدیق ڈال دے۔"
صبح حضورؐ کی خدمت میں پیش ہو کر کل کا واقعہ اور رات کی بے چینی کے بارے میں بتایا۔ "چچا جان! میں اس انتقام سے خوش نہیں ہوا۔ہاں اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو پھر مجھے خوشی ہو گی۔"
رسولؐ اللہ نے فرمایا۔
"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ صادق ہیں۔" حمزہؓ نے وہیں اعلان کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

کفر و شرک کے سردار ایک بار پھر دارالندوہ میں جمع ہوئے' توحید کا پیغام مکہ میں وسعت پذیر ہے' ان کے دینی اور دنیاوی مفادات شدید خطرہ میں ہیں' کریں تو کیا' نہ کریں تو کیا؟ ظلم اور جبر کا کوئی حربہ کامیاب نہیں ہو رہا!
"تُف ہے تم پر' ایک شخص کھلے عام تمہارے معبودوں کی تنقیص کرے اور تم اس کا کوئی بھی علاج نہ کر سکو! اب ایک ہی علاج رہ گیا ہے' محمدؐ کا خاتمہ' سنو جو کوئی اس کا سر کاٹ کر لائے گا' میں اسے اپنے پاس سے ایک ہزار اوقیہ چاندی اور سو اونٹ انعام دوں گا۔" ابو جہل نے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا۔
مجمع میں عمر ابن الخطاب بھی موجود ہے' قدم زندگی کی پینتیسویں (35) منزل میں' قوی ہیکل' پُرشکوہ' دلاور اور باحمیت' قبیلے کی آنکھ کا تارا۔اپنے اجداد کے معبودوں کی توہین پر غضبناک'
اجلاس ختم ہو گیا' کسی نے ابوالحکم بن ہشام کا چیلنج قبول نہ کیا' شرکاء اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لئے اٹھے تو عمر ابن الخطاب نے اعلان کیا: "گھبراؤ نہیں' محمدؐ کا سارا قصہ میں خود ہی پاک کر

دوں گا۔"

سردارانِ کفر نے تحسین اور آفرین کی نظروں سے عمر کو رخصت کیا' وہ جانتے تھے کہ عمر ایک دفعہ جو بات منہ سے نکال دے' پوری کر کے رہتا ہے۔

○

تیغ بدست' تیز تیز چلتے ہوئے عمرابن الخطاب دارِارقم کی طرف جا رہے تھے' اس گھر کی طرف جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کیا کرتے تھے' انہیں قرآن سناتے تھے اور دینِ حق کی تعلیم دیا کرتے تھے۔نعیم بن عبداللہ کا اسلام ابھی دل میں تھا' زبان پر نہیں آیا تھا' عمر کو تیغ بدست دارِارقم کی طرف جاتے دیکھ کر بھانپ گئے۔

"کہاں کا ارادہ ہے؟" نعیمؓ نے عمر سے پوچھا۔

"اس صابی کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش میں تفرقہ ڈال دیا ہے' ہم سب کو احمق ٹھہرایا ہے' ہمارے دین میں عیب نکالے ہیں اور ہمارے معبودوں کی برائیاں کی ہیں۔" عمر نے جواب دیا۔

"نفس کے دھوکے میں مت آؤ' تم نے محمد کو قتل کر دیا تو اس کے قبیلہ والے تمہیں زمین پر چلنے کے لئے زندہ چھوڑ دیں گے؟ بہتر ہے ایسا کرنے کی بجائے پہلے تم اپنے گھر کی خبر لو۔" نعیم نے عمر کی سوچ بدلنے کو کہا۔

"کیا ہوا ہے میرے گھر کو؟" عمر چلتا ہوا رک گیا۔

"تمہارا تو اپنا بہنوئی سعید اور بہن فاطمہ مسلمان ہو چکے ہیں۔" نعیم نے دیکھا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔ عمر دارِارقم کی راہ چھوڑ کر بہن کے گھر کی طرف چل دیا۔

○

حضرت خبابؓ،سعیدؓ کے گھر میں دونوں میاں بیوی کو سورہ طٰہٰ پڑھ کر سنا رہے تھے۔

بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" فاطمہؓ نے پوچھا۔

"عمرؓ۔" آواز آئی۔

حضرت خبابؓ چھپ گئے' فاطمہؓ نے جن اوراق پر قرآنِ کریم کے کچھ حصے لکھے تھے' اپنی ران کے نیچے چھپا لئے۔

"تم کیا پڑھ رہے تھے؟" عمرؓ نے پوچھا' وہ باہر دروازے پر کان لگا کر قرآن سن چکے تھے۔

"ہم تو کچھ نہیں پڑھ رہے تھے۔" دونوں میاں بیوی نے جواب دیا۔

"اپنی جان کے دشمن، تم صابی ہو گئے ہو؟"
یہ کہتے ہی عمرؓ اپنے بہنوئی کو پیٹنے لگے۔
بیوی، میاں کو بچانے کے لئے آگے بڑھی۔
عمرؓ نے اس کے سر پر ضرب لگائی جس سے خون بہنے لگا۔
"ابن الخطاب! جو کر سکتے ہو کر لو۔ میں اعلان کرتی ہوں میں مسلمان ہوں۔" فاطمہ نے روتے ہوئے کہا۔
بہن کا خون بہتا دیکھ کر اپنی حرکت پر نادم عمرؓ پاس رکھے تخت پر بیٹھ گیا' پریشان' شکست خوردہ۔
"لاؤ' وہ صحیفہ مجھے بھی دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ میں دیکھوں' محمدؐ کیا چیز لائے ہیں۔" عمرؓ نے بہن سے کہا۔
"ہم نہیں دکھا سکتے' تم اسے نقصان پہنچاؤ گے۔"
"اپنے معبودوں کی قسم! میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔"
"مشرک ناپاک ہے اور اس صحیفے کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔" زخمی بہن بھائی کے سامنے بول پڑی۔
عمرؓ تخت سے اٹھے، غسل کیا اور وہ شرط بھی پوری کر دی' انہیں تجسّس تھا کہ آخر وہ کلام ہے کیا' جس نے بہن کو اتنی جرأت اور ایمان کی پختگی دے دی ہے کہ وہ ابن الخطاب سے کہتی ہے جو چاہو کرو' میں اعلان کرتی ہوں کہ میں مسلمان ہوں۔
بہن نے صحیفہ بھائی کے ہاتھ میں دے دیا۔
وہ کھول کر سورہ طٰہٰ پڑھنے لگے۔
جب "آمنو باللہ ورسولہ وانفقوامما جعلکم مستخلفین فیہ تک پہنچے تو چلّا کر کہا:
"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔" (اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ) یہ سنتے ہی حضرت خبابؓ اللہ اکبر کا آوازہ لگا کر باہر آ گئے اور عمرؓ کو مبارکباد دی۔

○

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارِارقمؓ میں تشریف فرما تھے' جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے وہ بھی آپؐ کے پاس تھے' قرآن اور اسلام کی مجلس میں دروازے پر دستک ہوئی' ایک صحابی اٹھ کر دروازے تک گیا۔

"کون؟" صحابی نے سوراخ میں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"میں ہوں عمرؓ۔" جواب آیا۔
صحابی گھبرا گیا، عمر تلوار باندھے کھڑا تھا۔
"دروازہ کھول دو، اگر اللہ اس کی بھلائی چاہے گا تو اسے ہدایت دے گا۔" آپؐ نے اطلاع پا کر حکم دیا۔
دو افراد عمرؓ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر حضورؐ کے پاس لے گئے۔
"اسے چھوڑ دو۔" آپؐ نے حکم دیا۔
انہوں نے عمرؓ کو چھوڑ دیا تو وہ حضورؐ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
"ابن خطاب! تمہیں کیا چیز یہاں لائی ہے، واللہ! میں سمجھتا ہوں جب تک اللہ تم پر کوئی سخت آفت نازل نہ کر دے، تم باز نہیں آؤ گے۔" آپؐ نے عمرؓ کو گریبان سے جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا۔
"یا رسول اللہؐ! میں اللہ اس کے رسولؐ اور کتاب پر ایمان کا اعلان کرنے حاضر ہوا ہوں۔" عمرؓ نے جواب دیا۔
"اللہ اکبر۔" آپؐ نے خدائے واحد کی کبریائی کا اعلان فرمایا۔
سب اہلِ مجلس جان گئے، عمرؓ کیوں آیا ہے۔
سب نے مل کر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔
مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔
اس روز پہلی بار مسلمان جلوس کی صورت میں دارِ ارقمؓ سے نکلے اور حرم میں جا کر کھلے عام نماز ادا کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو روز پہلے خدائے وحدہٗ لا شریک سے دعا کی تھی:
"خدایا! ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) یا عمر ابن الخطاب کے ذریعے اسلام کو تقویت دے (تائید فرما)"

○

حضرت عمرؓ ایک کافر کے دروازے پر گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ "کون؟" اس شخص نے اندر سے پوچھا۔
"میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں۔"
"ایسا نہ کرنا۔" اس نے اندر گھس کر دروازہ بند کر لیا۔
حضرت عمرؓ نے ایک اور کافر کے دروازے پر دستک دی، وہ بھی باہر آیا، اس نے بھی حضرت عمرؓ

کے مسلمان ہو جانے کی خبر سن کر دروازہ بند کر لیا۔
"یہ تو لطف کی بات نہ ہوئی۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔
"تم کیا چاہتے ہو؟ یہ کہ سب کو علم ہو جائے کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔" ایک شخص نے دیکھ کر پوچھا۔
"ہاں! ہاں!" حضرت عمرؓ نے وضاحت کر دی۔
"جمیل بن معمر کو ڈھونڈو، وہ جھٹ سارے مکہ میں خبر پہنچا دے گا۔" اس شخص نے کہا۔
"میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔" حضرت عمرؓ نے جمیل کو ڈھونڈھ کر بتایا۔
وہ کوئی جواب دیئے بغیر چادر گھسیٹتا ہوا حرم کی طرف دوڑا جہاں سردارانِ شرک جمع تھے: "قریش کے لوگو! سنو! عمر دین سے پھر گیا۔" جمیل دور ہی چلایا۔
"یہ جھوٹ بولتا ہے۔میں دین سے نہیں پھرا۔مسلمان ہوا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔" حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے کہا وہ جمیل کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔
کفار یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ کو مارنے دوڑے۔
آگے سے عمرؓ بھی جواب دیتے رہے، یہاں تک کہ تھک کر بیٹھ گئے۔کفار ان کے گرد دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے۔
قریش کے بزرگوں میں عاص بن وائل نے دیکھ کر پوچھا: "کیا معاملہ ہے؟"
"عمرؓ دین سے پھر گیا ہے۔" وہ بیک زبان چلائے۔
"پھر کیا ہوا؟ جس نے اپنے لئے جو پسند کیا اختیار کر لیا، خبردار میں عمرؓ کو پناہ دیتا ہوں۔"
سب سن کر پیچھے ہٹ گئے۔
جب لوگ حجرے میں جمع ہوئے تو عمرؓ عاص بن وائل کے پاس گئے اور کہا: "آپ کی پناہ آپ ہی کو مبارک، میں یہ پناہ قبول نہیں کر سکتا۔"
"ارے ایسا نہ کرو۔" عاص نے درخواست کی۔
عمرؓ نے پسند نہ کیا کہ اور مسلمان تو پٹتے رہیں اور وہ عاص کی پناہ میں رہیں۔

عتبہ کی تجاویز

قریشِ مکہ دعوتِ اسلام روکنے کی جتنی زیادہ تدابیر کرتے تھے‘ انہیں اتنی ہی زیادہ ناکامی ہو رہی تھی۔ ان کے شرفاء اور اپنے عزیز و اقارب انہیں چھوڑ چھوڑ کر جا رہے تھے‘ ان کی تشدد کی پالیسی کے نتیجے میں حضرت حمزہؓ مسلمان ہوگئے تھے‘ انہوں نے حضرت عمرؓ کو ورغلانے کی کوشش کی تو ان پر بھی قرآن کا ”جادو“ چل گیا تھا‘ وہ نہ صرف مسلمان ہوگئے‘ بلکہ کھلے عام اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے لگے تھے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے قریش مزید خوفزدہ ہو گئے‘ اس سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوگیا تھا۔

ایک روز قریش کے سردار مسجدِ حرام میں جمع تھے‘ مسجد کے دوسرے کونے میں رسولؐ اللہ تنہا تشریف فرما تھے۔

قریش کی محفل میں گفتگو کا وہی موضوع تھا‘ دعوتِ اسلام کی کامیابی اور ان کی اپنی ناکامی۔

حضورؐ کو حرم میں موجود پا کر عتبہ بن ربیعہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اگر تم چاہو تو میں ابھی محمدؐ کے پاس جاتا ہوں اور تمہاری طرف سے ان کے سامنے مصالحت کی تجاویز پیش کرتا ہوں‘ ہوسکتا ہے وہ مان جائیں اور ہماری مخالفت ترک کر دیں۔“

”ابو الولید! ہمیں یقین ہے کہ تم جو بات کرو گے‘ ہم سب کے لئے قابل قبول ہوگی‘ تم ضرور محمدؐ سے بات کرو۔“ سب نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا۔

عتبہ قریش کی محفل سے اٹھے اور رسولؐ اللہ کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔

حضورؐ نے انہیں اپنے قریب پا کر ان کی طرف توجہ فرمائی تو اس نے کہا: ”بھتیجے! قریش میں آپؐ کو جو عزت حاصل تھی‘ آپؐ اس سے واقف ہیں‘ آپؐ کا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے‘ نسبی شرافت میں آپؐ ہم سے برتر ہیں‘ لیکن آپؐ نے جو تحریک شروع کی ہے‘ وہ قوم کے لئے مصیبت بن گئی ہے‘ اس نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے‘ آپؐ اپنی قوم کے دانشوروں کو نادان کہتے ہیں‘ اس کے دین اور معبودوں میں عیب نکالتے ہیں‘ ان کے مردہ اجداد کو بے دین قرار دیتے ہیں‘ آپؐ میری بات غور سے سنیں تو میں آپؐ کے سامنے کچھ تجاویز پیش کروں؟ شاید آپؐ ان میں سے کوئی بات مان لیں۔“

حضورؐ نے فرمایا: ”ابو الولید! تم جو کہنا چاہتے ہو‘ کہو‘ میں سنوں گا۔“

عتبہ نے وہی تجاویز دُہرا دیں جو دنیا دار قریش کی طرف سے پہلے بھی پیش کی جاچکی تھیں

کہ ہم تمہیں مال جمع کرکے سب سے امیر بنا دیں گے' اپنا سردار مان لیتے ہیں اور بقول تمہارے تم پر کوئی شخص آتا ہے.وہ جو پیغام لاتا ہے' وہی تم پیش کرتے ہو' اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ جِنّ ہے جس سے تم نجات حاصل نہیں کرسکتے' تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کرواتے ہیں' کیونکہ بعض دفعہ انسان کو ایسا جِنّ پکڑ لیتا ہے جو مؤثر تدبیر کے بغیر چھوڑتا نہیں۔"

رسولؐ اللہ خاموشی سے عتبہ کی باتیں سنتے رہے۔

وہ اپنی بات ختم کرچکا تو آپؐ نے فرمایا : "ابوالولید!آپ اپنی بات ختم کرچکے یا ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟"

"مجھے جو کچھ کہنا تھا' میں نے کہہ دیا۔" اس نے جواب دیا۔

"اچھا تو اب میری بات سنو۔" حضورؐ نے فرمایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر قرآن کی سورہ حٰمٓ سجدہ کی تلاوت شروع کردی جس میں اللہ تعالیٰ نے فرماتے ہیں :

- "حٰمٓ یہ (قرآن) اس کی طرف سے بھیجا گیا ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے'
- قرآن عربی زبان میں ایسی کتاب ہے جس کی آیات علم رکھنے والوں کے لئے کھول کر بیان کی گئی ہیں'
- یہ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہے مگر ان (کفار) میں سے اکثر نے اس طرف دھیان نہیں دیا اور نہ ہی وہ اسے سنتے ہیں'
- وہ کہتے ہیں جس چیز کی طرف تُو ہمیں بلاتا ہے' اس کے لئے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور ہمارے کان (اس کے لئے) بہرے ہیں اور یہ ہمارے اور تمہارے درمیان رکاوٹ (حجاب) بن گیا ہے' سو تو اپنے کام سے کام رکھ' ہم اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ (یعنی ہمیں قرآن نہ سنا)
- ان سے (کفار سے) کہہ دے (اے نبیؐ!) کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی بشر ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا اللہ خدائے واحد ہے' لہٰذا اس کی طرف رخ اختیار کرو۔ (سجدہ کرو) اور اس سے معافی مانگو اور جو اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں ان کے لئے تباہی ہے'
- اور جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور یومِ آخرت کا انکار کرتے ہیں' (ان کے لئے بھی تباہی ہے)
- رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں اور جن کے اعمال نیک ہیں' انہیں اس کا ہمیشہ اجر ملتا رہے گا'
- ان سے کہو (اے نبی!) کہ تم اس خدا کے ساتھ کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کے

ساتھ برابر ٹھہراتے ہو جس (خدا) نے زمین کو دو روز میں بنا دیا اور جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے؛

- اس (خدا) نے زمین کے اوپر اونچے مضبوط پہاڑ جما دیئے اور اس (زمین) میں برکتیں پیدا کر دیں اور چار روز کے اندر اندر زمین میں ہر کسی کی ضرورت کی خوراک ذخیرہ کر دی،
- اس کے بعد خدا آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھوئیں کی صورت میں تھا اور اس نے آسمان اور زمین سے کہا: "وجود میں آجاؤ خواہ تمہیں یہ پسند ہو یا نہ پسند ہو تو دونوں (زمین اور آسمان) نے کہا: "ہم خوشی سے وجود میں آگئے"۔
- تب اس نے دو روز کے اندر سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان کو اس کی ذمہ داری وحی کر دی اور ہم نے سب سے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا اور اسے محفوظ کر دیا۔یہ ہے غالب اور زبردست علم والے (خدا) کی تدبیر۔
- اگر یہ لوگ اس سے منہ موڑتے ہیں (انکار کرتے ہیں) تو تم ان سے کہہ دو: "میں تم کو اسی طرح کے ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عذاب عاد اور ثمود پر ٹوٹ پڑا تھا۔"
- جب اللہ نے ان کے پاس آگے اور پیچھے سے پیغمبر بھیجے (آگے پیچھے کی سب باتیں سمجھانے والے پیغمبر) اور انہوں نے ان سے کہا کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو تو انہوں نے جواب دیا: "اگر ہمارا رب ایسا چاہتا تو لازماً (ہماری طرف) فرشتے بھیجتا (یہ پیغام دے کر) اس لئے ہم اس دعوت کو نہیں مانتے جو تم لائے ہو"۔
- عاد نے زمین پر ناحق تکبر کیا اور کہا: "ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہیں یہ نہ سوجھا کہ جس خدا نے انہیں پیدا کیا ہے، وہ ان سے زیادہ قوت والا ہے اور وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے"۔
- پس ہم نے منحوس دنوں میں ان پر طوفانی ہوا بھیج دی تاکہ ہم انہیں اسی دنیا کی زندگی میں ذلت اور رسوائی کا مزا چکھا دیں اور آخرت میں انہیں جو عذاب دیا جائے گا وہ اس سے بھی زیادہ رسوا کرنے والا ہوگا اور وہاں ان کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا۔
- اور قومِ ثمود! ہم نے ان کی طرف ہدایت بھیجی، لیکن انہوں نے ہدایت کی راہ اختیار کرنے کی بجائے (دل کی) سیاہی کو اپنا راہنما بنایا، آخر ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں ذلت اور خواری کے عذاب نے آن پکڑا، لیکن ہم نے ان میں سے ایسے لوگوں کو اس

عذاب سے محفوظ رکھا جو ایمان لے آئے تھے اور پرہیز گار تھے۔

- اور جس روز اللہ کے دشمن آگ (دوزخ) کی طرف لے جانے کے لئے اکٹھے کئے جائیں گے اور اگلوں کو پیچھے والوں کے آنے تک روک رکھا جائے گا'
- آخر جب وہ (سب) وہاں پہنچ جائیں گے تو ان کے اپنے کان' آنکھیں اور چمڑی دنیا میں وہ جو کچھ کرتے رہے تھے اس پر گواہی دیں گے'
- وہ اپنی چمڑیوں سے کہیں گے: "تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو" تو وہ کہیں گے "اسی اللہ نے ہمیں زبان دی ہے جس نے ہر چیز کو گویائی دے دی ہے' اسی (اللہ) نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور اس کی طرف تم واپس لائے جا رہے ہو"
- تم دنیا میں گناہ کرتے وقت چھپتے تھے' اس وقت تمہیں یہ گمان نہ تھا کہ تمہارے اپنے کان' آنکھیں اور چمڑیاں کبھی تمہارے خلاف گواہی دیں گے' بلکہ تم تو یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے اعمال علم ہی نہیں۔
- اپنے رب کے بارے میں تمہارے اسی گمان نے تمہیں برباد کر دیا اور اسی کی وجہ سے تم خسارے میں پڑ گئے'
- پس اگر وہ صبر کریں گے (اس عذاب پر) تو آگ ہی ان کا ٹھکانہ ہوگی اور اگر وہ (وہاں) معافی کی درخواست کریں گے تو انہیں اس کا موقع نہیں دیا جائے گا۔
- ہم نے ان کے لئے ایسے ہم نشین ساتھی مقرر کر دیئے جو آگے پیچھے کی ہر چیز انہیں خوشنما بنا کر دکھاتے تھے' آخرکار ان پر بھی عذاب کا ویسا ہی فیصلہ صادر ہو کر رہا جیسا ان سے پہلے گزرے ہوئے جنّوں اور انسانوں کے گروہوں پر صادر ہو چکا تھا' یقیناً وہ خسارہ اٹھانے والے تھے۔
- اور کفار کہتے ہیں کہ قرآن نہ سنو اور (جب قرآن پڑھا جائے) تو بیہودہ باتیں کرو تاکہ تم (بیہودہ باتیں کرنے والے) غالب آجاؤ'
- ہم ان کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں' اس کا انہیں پورا پورا بدلہ دیں گے۔
- اللہ کے دشمنوں کی سزا آگ (دوزخ) ہے' وہ ان کا ہمیشہ کے لئے ٹھکانہ ہوگا' ہماری آیات سے انکار کی ہم انہیں یہ سزا دیں گے۔
- اور کفار کہیں گے (وہاں پر) اے ہمارے رب! ذرا ہمیں ان جنّوں اور انسانوں کو دکھا

دے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا (دنیا میں) کہ ہم انہیں پاؤں کے نیچے روند ڈالیں تاکہ وہ خوب ذلیل خوار ہوں۔

- جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور اس پر ثابت قدم رہے' یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔
- ہم اس دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے ساتھی ہیں وہاں پر جس چیز کی تمہیں خواہش ہوگی ملے گی اور وہاں پر تمہیں وہ سب کچھ ملے گا جو تم مانگو گے۔
- یہ ہے (تمہارے لئے) سامان ضیافت اس کی طرف سے جو غفور اور رحیم ہے۔
- اور اس شخص کی بات سے احسن بات کس کی ہوسکتی ہے جس نے اللہ کی طرف دعوت دی اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔
- اور نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں' بدی کو بہترین نیکی سے دفع کرو' تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ عداوت رکھنے والا تمہارا جگری دوست بن گیا ہے'
- یہ صفت نصیب نہیں ہوتی، مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام میسر نہیں آتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے خوش قسمت ہیں۔
- اور اگر تم کبھی شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو' وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔
- یہ رات اور دن اور یہ سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' تم سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو' بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے' اگر واقعی تم اسی (اللہ) کی عبادت کرنے والے ہو۔
- اور اگر (کفار) تکبر کریں تو پرواہ نہیں، جو فرشتے تیرے رب کے مقرب ہیں' وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہاں تک تلاوت فرما کر سجدہ کیا اور سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا: "ابو الولید! آپ نے میرا جواب سن لیا اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیک کر بڑے غور سے قرآن سنتا رہا تھا۔(2) وہ اٹھا اور خاموشی سے اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا' اللہ تعالیٰ کے کلام کی سچائی اور جلال اس پر اثر کر چکا تھا اور خوف سے اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

اہلِ مجلس نے دور سے ہی اس کی حالت کا اندازہ کر لیا اور آپس میں کہا: ”خدا کی قسم‘ عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے‘ اس کی صورت وہ نہیں جو وہ یہاں سے لے کر گیا تھا۔“

عتبہ نے ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے کہا: ”بخدا!میں نے ایسا کلام سنا ہے جیسا پہلے کبھی نہیں سنا تھا‘ خدا کی قسم!یہ کلام شعر نہیں‘ سحر اور کہانت بھی نہیں‘ تم میری بات مانو اور اس شخص کو اس کی حالت پر چھوڑ دو‘ میں سمجھتا ہوں یہ کلام رنگ لا کر رہے گا‘ اگر ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور باقی عرب لوگ اس پر غالب آجاتے ہیں تو ہم اپنے بھائی کے خلاف ہاتھ اٹھانے سے بچ جائیں گے اور دوسرے اس سے نپٹ لیں گے‘ اور اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہی تمہاری بادشاہی ہوگی اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔“

قریش کے سرداروں نے اپنے پیامبر مصالحت کی تجویز سن کر کہا: ”ابوالولید!آخر تم پر بھی اس کا جادو چل گیا۔“

رسول اللہ ﷺ نے عتبہ کے مصالحتی فارمولہ کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا‘ قرآن کی آیات کے ذریعے اسلام کی دعوت دُہرا دی اور اس دعوت کا انکار کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اور اگلی دنیا میں جو ذلت‘ رسوائی اور عذاب رکھے ہیں‘ وہ بیان فرما دیئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قریش کی ان بیہودہ حرکتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو وہ قرآن کی تلاوت اور اس کے ذریعے دعوتِ اسلام کے دوران کیا کرتے تھے‘ ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عرب سورج اور چاند کی بھی پوجا کیا کرتے تھے۔

عتبہ خاموشی سے تلاوت سنتے رہے‘ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے‘ ان کا دامن تو دلیل سے خالی تھا‘ وہ کیا کہہ سکتے تھے؟

حواشی/حوالہ جات

1- سید ابوالاعلیٰ مودودی نے دوسری ہجرتِ حبشہ کے شرکاء کی جو فہرست تیار کی ہے اس میں مجموعی طور پر کل ایک سو تین افراد شامل ہیں۔اس فہرست میں حضرت عمارؓ بن یاسر شامل نہیں' حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور ان کے باون یا ترپن ساتھی بھی اس فہرست میں شامل نہیں،کیونکہ انہوں نے مکہ سے نہیں یمن سے ہجرت کی تھی اور کافی بعد میں جاکر مہاجرین میں شامل ہوئے تھے۔

2- بیہقی نے اس واقعہ کے ساتھ اضافہ کیا ہے کہ جب آپؐ آیت نمبر تیرہ پر پہنچے جس میں عاد اور ثمود پر ٹوٹ پڑنے والے عذاب کا ذکر ہے تو عتبہ نے حضورؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کی۔"ایسی بات نہ کہو۔" لیکن رسول اللہ ﷺ کے تلاوت فرمانے کے دوران عتبہ کا ایسی حرکت کرنا ممکن نہ تھا' ایسا کرنا آدابِ محفل کے بھی منافی تھا' قریش کا بزرگ سردار ایسا نہیں کرسکتا تھا۔

قریش کا وفد' نجاشی کا جواب

قریش ایک بار پھر سر جوڑ کر بیٹھے۔ مسئلہ زیرِ غور یہ تھا کہ مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے کیسے روکا جائے؟ جو مسلمان حبشہ پہنچ گئے تھے' وہ آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہاں انہیں مذہبی آزادی تھی' کاروبار کی آزادی تھی' رسولؐ اللہ نے حضرت جعفرؓ کے ہاتھ حبشہ کے بادشاہ کے لئے ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں آپؐ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور مہاجرین کی مہمانداری کرنے کو کہا تھا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بعد رسولؐ اللہ نے تحریر کروایا تھا:

"محمد رسولؐ اللہ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ اصحم کے نام
میں اس خدا کی تعریف تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں
جو بادشاہ' مقدس' سلامتی والا' امان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے
میں گواہی دیتا ہوں کہ مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں
جنہیں برائی سے محفوظ مریمؑ بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ خدا کی رُوح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں
جیساکہ آدمؑ کو خدا نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا
میں تمہیں خدائے واحد لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور جو چیز مجھ پر نازل ہوئی ہے' اس پر ایمان لائے کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں
اور میں تجھے اور تیرے لشکروں کو خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں
میں نے (تمہیں اللہ کا) پیغام پہنچا دیا اور بھی خواہی کی ہے۔ تم میری یہ بھی خواہانہ نصیحت

قبول کرو۔
اور میں نے تمہارے پاس اپنے چچا زاد بھائی کو بھیجا ہے' ان کے ہمراہ کچھ مسلمان بھی ہیں۔جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی مہمانداری کر
اور تکبر چھوڑ دے' سلام اس پر جو ہدایت پر چلے"۔

شاہِ حبشہ رسولؐ اللہ کی دعوت سے پہلے سے آگاہ تھا۔حضورؐ کے خط کا بہت اچھا اثر ہوا۔حبشہ میں مسلمانوں کی حالت اور آزادی کی خبریں مکہ پہنچتی رہتی تھیں۔قریش کو خوف تھا کہ ان کے گھرانوں کے وہ افراد بھی جو اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں' ان خبروں کے بعد اعلانیہ اسلام قبول کرلیں گے اور حبشہ کی طرف نکل جائیں گے۔

مسلمانوں کی پہلی ہجرت کے بعد قریش نے شاہِ حبشہ کے دربار میں جو وفد بھیجا تھا' وہ ناکام لوٹ آیا تھا۔ساری صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے حبشہ کے بادشاہ' اس کے درباریوں اور مذہبی رہنماؤں کو ساتھ ملانے کی ترکیب سوچی۔اس زمانے میں مکہ اور جزیرۃ العرب میں تیار ہونے والی چمڑے کی چیزوں کی بیرونی ممالک میں بہت قدر ہوتی تھی۔ان اشیاء کا تحفہ بڑا قیمتی سمجھا جاتا تھا۔قریش نے شاہِ حبشہ کے لئے گھوڑا اور ریشمی جبہ اور اس کے درباریوں اور مذہبی رہنماؤں کے لئے چمڑے کی اشیاء کے اعلیٰ قسم کے تحائف تیار کرائے اور حبشہ کے لئے وفد کو ہدایت کی کہ بادشاہ سے ملنے سے پہلے وہ اس کے درباریوں اور مذہبی رہنماؤں سے ملیں۔انہیں تحائف پیش کریں اور مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں بدظن کرکے انہیں پہلے سے آمادہ کرلیں کہ جب تم بادشاہ سے مسلمانوں کو تمہارے حوالے کرنے کا مطالبہ کرو تو وہ سب اس کی حمایت کریں۔

اس بار بھی قریش کے دو رکنی وفد میں عمرو بن عاص اور ابوجہل کے ماں جائے عبداللہ بن ابی ربیعہ ہی شامل کئے گئے۔ایک تو اس لئے کہ وہ دونوں مکہ اور عرب میں اپنی سفارت کاری کی مہارت اور چالوں کے لئے مشہور تھے' دوسرے اس لئے کہ وہ شاہِ حبشہ کے دربار میں پہلے بھی جا چکے تھے۔شاہی دربار کے آداب اور شاہ کے درباریوں اور مذہبی رہنماؤں سے واقف تھے۔

اکسم پہنچ کر قریش کے وفد نے پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق سب سے پہلے وہاں کے مذہبی رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔انہیں تحائف پیش کئے۔رسولؐ اللہ کی دعوت کے بارے میں بدظن کیا اور کہا کہ اس مذہب نے ان کے شہر اور خاندانوں میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔اگر یہ مسلمان ان کے شہر اور ملک میں رہے تو یہاں بھی فساد پھیلائیں گے' مذہبی رہنماؤں کے بعد وہ درباریوں سے ملے۔انہیں بھی تحائف پیش کئے اور وہی دلائل دیئے جو مذہبی رہنماؤں کے سامنے

دے چکے تھے۔اس طرح انہوں نے سب کو آمادہ کر لیا کہ وہ بادشاہ کو مشورہ دیں گے کہ مسلمانوں کو قریش کے وفد کے حوالے کر دیا جائے اور حبشہ سے نکال دیا جائے۔

دربار سے باہر کی سفارت کاری پوری کر کے عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ بادشاہ کے حضور پیش ہوئے۔انہوں نے دربار میں داخل ہوتے ہی بادشاہ کو سجدہ کیا اور تحائف پیش کئے۔ بادشاہ نے انہیں اپنے دائیں اور بائیں بٹھایا(۱) اور دربار کے آداب کے مطابق انہیں عرضداشت پیش کرنے کا حکم دیا۔

بادشاہ کا شکریہ ادا کرنے کا بعد عمرو بن عاص نے کہا:"اے بادشاہ!ہمارے کچھ نادان نوجوان بھاگ کر آپ کے ہاں آگئے ہیں۔انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔جس دین میں وہ داخل ہوئے ہیں،وہ آپ کا دین بھی نہیں۔ایک نیا دین ہے جسے نہ ہم جانتے ہیں نہ آپ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ان بھاگ آنے والوں کے والدین، چچاؤں اور قبیلے والوں نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کی طرف سے آپ سے درخواست کریں کہ آپ ان سب کو واپس بھیج دیں۔ان کے والدین اور قبیلے والے انہیں سب سے زیادہ جانتے ہیں،وہ ان کی خامیوں سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور جس عتاب سے بھاگ آنے کی یہ بات کرتے ہیں،اس کے اسباب اور وجوہ بھی بہتر طور پر سمجھتے ہیں۔"

عمرو بن عاص اپنی بات ختم کر چکا تو سب سے بڑا مذہبی پیشوا کھڑا ہو گیا۔"بادشاہ سلامت!یہ دونوں ٹھیک کہتے ہیں۔یہ ان نوجوانوں کے عزیز و اقارب کی طرف سے آئے ہیں۔آپ ان سب کو ان دونوں کے سپرد کر دیں۔یہ انہیں ان کی قوم اور خاندان والوں کے پاس پہنچا دیں گے۔"

درباریوں نے مذہبی پیشوا کی تائید کی:"ایسے لوگوں کو اپنے ملک میں رکھنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ یہ یہاں بھی فساد پیدا کریں گے۔ان کی قوم کے لوگ ان کی خامیوں کو بہتر طور پر جانتے ہیں۔انہیں ان کی قوم اور ملک کی طرف واپس بھیج دینا چاہئے۔"

بادشاہ نے درباری امراء اور اپنے سب سے بڑے مذہبی رہنما کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا۔اس کی سب سے بڑی وجہ حضورؐ کا وہ خط تھا جو حضرت جعفرؓ اس کے لئے لے گئے تھے۔وہ اسلام اور حضورؐ کی دعوت سے واقف ہو چکا تھا اور حضورؐ کے خط کے بعد مہاجرین کو واپس نہیں بھیجنا چاہتا تھا،لیکن اتمامِ حجت کے لئے اس نے کہا:"جن لوگوں نے مکہ سے نکل کر کسی اور ملک کی بجائے میرے ملک میں پناہ لی ہے اور مجھ پر اعتماد کیا ہے، میں ان سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ میں انہیں دربار میں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں،اس میں

کتنی سچائی ہے۔"

بادشاہ نے فیصلہ سنا دیا۔کسی اور میں کوئی بات کرنے کی جرآت نہ تھی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ مہاجرین کو اپنا موقف پیش کرنے کے لئے بلایا جائے۔

نجاشی کا فیصلہ

عمالِ شاہی نے مہاجرین کو احکام شاہی پہنچا دیئے۔مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا کہ بادشاہ کے دربار میں کیا کہنا چاہئے۔بادشاہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے‘اس کا دارومدار ان کے اسی جواب پر تھا۔انہوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے بھی وہ اسلام پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اللہ کے ذریعے اسلام کی جو تعلیمات دی ہیں‘ وہ کسی کمی اور زیادتی کے بغیر وہاں سب کو سنا دیں گے‘ خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو۔

جب مہاجرین کے نمائندے وفد کی صورت میں نجاشی کے دربار میں پہنچے تو دربار لگ چکا تھا۔بادشاہ‘ امراء‘ مذہبی رہنما سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔قریش کے وفد کے ارکان بھی دربار میں موجود تھے۔ایوانِ دربار کے دروازے پر پہنچ کر حضرت جعفرؓ نے بلند آواز سے کہا:"اے بادشاہ! اللہ کی جماعت آپ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔"

"اجازت طلب کرنے والے سے کہو جو کلمات اس نے کہے ہیں پھر سے کہے۔" نجاشی نے اپنے حکام کو حکم دیا۔

حکامِ دربار کے کہنے پر حضرت جعفرؓ نے ایک بار پھر وہی الفاظ دہرا دیئے:"اے بادشاہ!اللہ کی جماعت آپ کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتی ہے۔"

"ان کو اللہ تعالیٰ کے امن و امان کے ساتھ دربار میں آنے کی اجازت ہے۔" نجاشی نے کہا۔

دربارِ شاہی میں حاضری کے وقت بادشاہ کو سجدہ کرنا لازم تھا،مگر کسی مسلمان نے نجاشی کو سجدہ نہیں کیا‘ صرف سلام کہا۔

"تمہیں کس چیز نے مجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟" بادشاہ نے پوچھا۔

"ہم صرف خدائے واحد کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہت دی ہے۔اللہ کے رسولؐ نے ہمیں سلام کرنے کا طریقہ سکھایا ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اہلِ جنت کا طریقہ ہے۔" حضرت جعفرؓ نے جواب میں کہا۔

قریشِ مکہ کے نمائندے بڑی دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔انہیں امید تھی کہ بادشاہ دربار

شاہی کے آداب کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرے گا۔
"یہ درست ہے کیونکہ تورات اور انجیل میں سلام کا یہی طریقہ بیان ہوا ہے۔" بادشاہ نے کہا اور پوچھا: "تم میں سے کون ہے جس نے دربارِ شاہی میں حاضر ہونے کے لئے اجازت مانگی تھی؟"
"اے بادشاہ! آپ کے دربار میں حاضری کی اجازت میں نے طلب کی تھی۔" حضرت جعفرؓ نے کہا۔
"قریشِ مکہ کے یہ دو ایلچی تمہارے سامنے موجود ہیں' یہ کہتے ہیں تم خطاکار ہو۔ تمہارے خاندانوں کے لوگ تمہاری واپسی کے منتظر ہیں اس لئے تمہیں مکہ واپس بھیج دیا جائے۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" بادشاہ نے پوچھا۔
"بادشاہ سلامت! ہم آپ کے دربار میں لمبی بات کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہمیں آپ کے دربار میں کسی ظلم کا کوئی خطرہ نہیں۔ آپ قریش کے نمائندوں کو حکم دیں وہ اپنا مدعا بیان کریں۔ اس کے بعد آپ ہماری بات سن لیں۔"
عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ تو اپنا کیس پہلے ہی پیش کرچکے تھے' اس لئے عمرو بن عاص نے حضرت جعفرؓ سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔"
حضرت جعفرؓ نے بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا: "بادشاہ سلامت! آپ ان سے پوچھیں ہم آزاد ہیں یا غلام؟ اگر ہم غلام ہیں اور اپنے مالکوں سے بھاگ کر آئے ہیں تو آپ ہمیں واپس کر دیں۔"
"ان میں کوئی بھی غلام نہیں' سب آزاد اور باوقار لوگ ہیں۔" عمرو بن عاص کو تسلیم کرنا پڑا۔
"بادشاہ سلامت! ان سے دریافت کریں کہ کیا ہم نے جزیرۃ العرب میں کسی آدمی کو ناحق قتل کیا ہے اور یہ اس کے قصاص میں ہمیں آپ سے طلب کر رہے ہیں۔" حضرت جعفرؓ نے کہا۔
"نہیں' ان میں سے کسی نے کوئی قتل نہیں کیا۔" عمرو بن عاص نے کہا۔
"کیا ہم نے کسی کا مال دبایا ہے جو ادا کرنا ہم پر لازم ہے؟"
"نہیں' ان میں سے کسی کے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔" عمرو بن عاص نے حضرت جعفرؓ کے جواب میں کہا۔
"یہ کہتے ہیں' تم نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے۔ تمہاری قوم کے دین کے علاوہ بھی لوگ مختلف ادیان رکھتے ہیں جن میں ایک وہ دین بھی ہے جو میرا اور میری رعایا کا دین ہے۔ تم ان میں سے بھی کسی دین میں داخل نہیں ہوئے اور ایک نیا دین رکھتے ہو۔ وہ دین کیا ہے جسے تم نے قبول کرلیا ہے؟" بادشاہ نے پوچھا۔
مہاجرین پہلے سے طے کرچکے تھے کہ بادشاہ کے دربار میں حضرت جعفرؓ ہی ان کے ترجمان

اور نمائندہ ہونگے' چنانچہ حضرت جعفرؓ نے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد کہا: "بادشاہ سلامت! ہم جہالت میں ڈوبی ہوئی قوم میں سے تھے' ہم بُت پوجتے تھے' مُردار کھاتے تھے' ہم بدکاری میں مبتلا تھے' آپس میں قطع رحمی کرتے تھے' ہم نہ اپنے ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتے تھے نہ کسی عہد و پیمان کی پاسداری کرتے تھے' جس قوم سے ہمارا تعلق تھا' اس میں طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ جب ہم اور ہماری قوم اس حالت میں مبتلا تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہماری نجات اور رہنمائی کے لئے ایک رسولؐ بھیجا' وہ رسولؐ ہم میں سے ہے' ہم سب اس کے نسب کو جانتے ہیں' اس رسولؐ کی صداقت' دیانت' پاکیزگی کردار کے چشم دید گواہ ہیں۔ اس رسولؐ نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور کہا کہ اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ صرف اللہ کی عبادت کرو اور جن بتوں کو تمہارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں' انہیں چھوڑ دو۔

اس رسولؐ نے ہمیں راست گوئی' دیانت اور صلہ رحمی کی تعلیم دی' ہمسایوں کے حق ادا کرنے کا حکم دیا' اپنے وعدوں پر قائم رہنے اور انہیں پورا کرنے کو کہا' اس رسولؐ نے کہا بدکاری سے الگ ہو جاؤ۔ خونریزی سے باز رہو۔ جھوٹ نہ بولو۔ یتیم کا مال نہ کھاؤ اور پاکدامن خواتین پر تہمت نہ لگاؤ۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو اور روزے رکھو۔"

اسلام کی تعلیمات پر روشنی ڈالنے کے بعد حضرت جعفرؓ نے کہا: "پس ہم نے اس رسولؐ کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے اور جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لایا تھا' اس کی پیروی کرنے لگے۔ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا۔ جس چیز کو اس نے ہم پر حرام کر دیا' ہم نے اسے اپنے لئے حرام قرار دے دیا۔ جس چیز کو اس رسولؐ نے ہم پر حلال قرار دیا' اسے ہم نے اپنے لئے حلال جانا۔ اس وجہ سے ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی' ہماری قوم نے ہمیں عذاب دیئے' خدائے واحد کو چھوڑ کر پھر سے بتوں کی پوجا پر مجبور کرنے کے لئے ہم پر ظلم توڑے گئے۔ وہ ہم پر ظلم کرتے تھے تاکہ ہم پھر سے اپنے لئے ان تمام خبائث کو حلال کرلیں' جب انہوں نے ظلم اور سختیوں سے ہماری زندگیاں تنگ کر دیں اور ہمارے دین کے راستے میں حائل ہوگئے' تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ دوسروں کے ممالک پر ہم نے آپ کے ملک کو ترجیح دی اور یہاں آگئے۔ ہم اس امید پر آپ کی پناہ میں آئے تھے کہ آپ کے ملک میں ہم پر ظلم نہیں ہوگا۔"

"آپ کے رسولؐ پر جو قرآن نازل ہوا ہے' اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہے؟" نجاشی نے پوچھا۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔" حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔

"وہ مجھے سناؤ۔"
حضرت جعفرؓ نے سورہ عنکبوت تلاوت کی، پھر سورہ روم پڑھی۔
بادشاہ اور اس کے درباری سر ڈالے سن رہے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو بادشاہ نے کہا: "یہ کلام پاک ہے، ہمیں اور سناؤ۔"
حضرت جعفرؓ نے اب سورۂ کہف پڑھی اور اس کے بعد سورۂ مریم کی کچھ آیات تلاوت کیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور یہود کی الزام تراشی اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے اپنی والدہ حضرت مریمؑ کی پاک دامنی کی گواہی کا ذکر ہے۔ جب انہوں نے تلاوت ختم کی تو بادشاہ کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ چکی تھی اور ان کے مذہبی رہنما بھی رو رہے تھے۔
نجاشی نے کہا: "بے شک، یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے، ایک ہی شمع نور سے نکلے ہیں، خدا کی قسم! میں تمہیں قریش کے نمائندوں کے ساتھ واپس نہیں کروں گا۔"
بادشاہ نے حکم دیا کہ قریشِ مکہ نے ان کے لئے جو تحائف بھیجے تھے، وہ انہیں واپس کر دیئے جائیں اور کہا: "اس خدا نے جب ملک مجھے واپس کیا تھا تو مجھ سے کوئی رشوت نہیں لی تھی نہ نذرانہ طلب کیا تھا(2) میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی کی پرواہ کیوں کروں۔"
حکام نے قریش کے نمائندوں کو ان کے تحائف واپس کر دیئے اور وہ ناکام دربار سے باہر نکل گئے۔
مسلمانوں نے قریش کی چال کی ناکامی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔
حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے دربار میں سورت مریم کی انتیس آیات تلاوت کی تھیں(3)
اس سورت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ پر اپنے کرم کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انہوں نے بڑھاپے کی عمر میں بیٹے کی دعا کی تو اللہ نے انہیں یحییٰؑ عنایت فرما دیئے تھے۔ اس کے بعد آیت نمبر سولہ سے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے:
"اور ذکر کیجئے (اے نبیؐ) کتاب میں مریمؑ کا، جب انہوں نے اپنے خاندان سے جدا ہو کر مشرق کی طرف ایک جگہ تنہائی اختیار کر لی تھی۔"
اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال لیا تھا اور وہاں ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ (جبریلؑ) بھیجا تھا جو ہر طرح سے ایک (مکمل) آدمی کی صورت میں ان کے سامنے آیا تھا۔
وہ بولی: "اگر تُو اللہ سے ڈرنے والا (پرہیزگار) ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔"

اس نے کہا: "میں تو تیرے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹے کی خوشخبری دوں۔"

وہ بولی: "میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے، جبکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار کبھی نہ تھی۔"

اس نے کہا: "تیرے رب نے یہی فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور اسے ہم اپنی طرف سے لوگوں کے لئے اپنی نشانی اور مہربانی بنانا چاہتے ہیں اور مقرر (فیصلہ) ہو چکا ہے۔"

پس ان کا پیٹ اس بچے سے بھاری ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ (لوگوں سے) دور جگہ پر چلی گئیں۔

پھر جب زچگی کی تکلیف شروع ہوئی تو وہ کھجور کے ایک درخت کی جڑوں میں چلی گئیں اور کہا: "اے کاش! میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور بھلائی جا چکی ہوتی۔"

پس اسے درخت کے نیچے سے آواز آئی: غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے (ڈھلان میں) ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔

اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف کھینچ۔ اس پر سے تیرے لئے پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔

سو، کھا اور پی اور اپنی آنکھ ٹھنڈی کر اور اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اس سے کہنا: "میں نے رحمٰن کا روزہ رکھا ہوا ہے، اس لئے آج میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔"

آخر وہ اسے (اپنے بیٹے کو) بازوؤں میں اٹھا کر اپنے لوگوں کے پاس لائی تو انہوں نے کہا:

"اے مریمؑ! تُو نے یہ کیا طوفان کر دیا؟"

"اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی تو نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔"

اس نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا (کہ اس سے پوچھو) تو انہوں نے کہا: "ہم اس سے کیا پوچھیں، یہ تو گود میں لڑکا (بچہ) ہے۔"

اس نے (بچے نے) کہا: "میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور مجھے کتاب عطا کی ہے۔

اور میں جہاں کہیں بھی ہوں اللہ نے مجھے بابرکت بنایا ہے اور جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے۔

اور (اللہ نے مجھے) اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا ہے اور مجھے زبردست بدبخت نہیں بنایا۔

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا‘ جس دن میں مروں گا اور جس دن دوبارہ زندہ ہوں گا۔

یہ ہے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے بارے میں سچی بات جس پر لوگ بلاوجہ (آپس میں) جھگڑتے ہیں“۔ (16:19 تا 34)

اس سے اگلی آیت پینتیس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”اللہ کی ذات پاک ہے اور اللہ ایسا نہیں کہ اس کی اولاد ہو اور جب اللہ کسی کام کے انجام دینے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے“۔

حبشہ کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔دربار سے واپسی پر عمرو بن عاص کو خیال آیا ہوگا کہ اگر بادشاہ اور اس کے مذہبی رہنماؤں کو علم ہوجائے کہ مسلمان حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے اور ان کا ایمان ہے کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں‘ تو وہ لازماً انہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔اس نے اپنے ساتھی سے کہا: ”واللہ! کل میں نجاشی سے ایسی بات کروں گا جس سے مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھر جائے گا‘ میں اسے بتاؤں گا کہ مسلمان عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا نہیں مانتے“۔

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ دونوں کے حقیقی بھائی بھی مہاجرین میں شامل تھے۔ اپنے بھائی کی وجہ سے یا مسلمانوں کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھنے کی بنا پر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا: ”ایسا نہ کرو‘ یہ لوگ ہمارے مخالف سہی‘ لیکن ان سے ہمارا رشتہ بھی تو ہے۔اس رشتہ کی وجہ سے ہم پر ان کے کچھ حقوق بھی ہیں“۔

مگر وہ نہیں مانا۔”واللہ! میں بادشاہ کے دربار میں یہ بات ضرور بتاؤں گا“۔

اگلے روز عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ پھر بادشاہ کے دربار میں پیش ہوگئے۔

”اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہیں جو میں زبان پر نہیں لاسکتا۔ آپ انہیں بلا کر پوچھیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں ان کا کیا عقیدہ ہے‘ تو آپ خود جان جائیں گے“۔ عمرو بن عاص نے عرض کیا۔

بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں لانے کے لئے اپنے آدمی بھیج دیئے۔

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کی بات چیت کا مسلمانوں کو پہلے ہی علم ہوچکا تھا وہ جانتے تھے کہ بادشاہ نے انہیں کیوں بلایا ہے۔انہوں نے ایک بار پھر آپس میں مشورہ کیا کہ بادشاہ‘ پادریوں اور درباریوں کے سامنے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں سوال کا کیا جواب دینا چاہئے۔

"واللہ! ہم حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں وہی کچھ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے اور رسولؐ کا فرمان ہے۔" انہوں نے فیصلہ کیا۔

حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے وہی سوال پوچھا: "عیسیٰؑ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا: "ہمارا عقیدہ ہے کہ عیسیٰؑ اللہ کا بندہ، اس کا رسول، اس کا روح اور اس کا کلمہ ہے جو کنواری مریم کی طرف القا ہوا۔"

نجاشی نے جواب سن کر ایک تنکا اپنی دو انگلیوں میں لیا اور کہا: "عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں جو کچھ تم نے کہا۔"

دربار میں موجود عیسائی علماء نے اس پر اعتراض کیا تو بادشاہ نے کہا: "حقیقت یہی ہے، خواہ تمہیں پسند ہو یا نہ پسند ہو، مجھے اس بارے میں کسی کی پرواہ نہیں۔"

نجاشی عیسائیوں کے اس فرقہ سے تعلق رکھتا تھا جو حضرت عیسیٰؑ کی وحدتِ فطرت پر ایمان رکھتے تھے اور جس کا بانی اسکندریہ کا پادری آریوس (Arius) تھا۔ حبشہ کے عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

پھر اس نے مسلمانوں سے پوچھا: "میرے ملک میں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں دیتا؟"

مسلمانوں نے بادشاہ کو اپنی تکالیف سے آگاہ کر دیا۔

نجاشی نے حکم دیا کہ شہر میں منادی کرا دی جائے کہ جو کوئی ان مسلمانوں کو ستائے گا اُسے چار درہم جرمانہ کیا جائے گا۔ پھر اس نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کیا اتنا جرمانہ کافی ہوگا۔ جب انہوں نے اس جرمانے کو ناکافی بتایا تو بادشاہ نے جرمانہ چار درہم سے بڑھا کر آٹھ درہم کر دیا اور کہا: "جاؤ، میرے ملک میں امن اور سلامتی کے ساتھ رہو۔" پھر تین دفعہ کہا: "جو شخص آپ کو ستائے گا سزا پائے گا۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ سونے کے پہاڑ کے عوض بھی تمہیں اذیت پہنچاؤں۔"

قریش کے ایلچیوں کی یہ چال بھی اللہ نے ناکام بنا دی اور مسلمان امن سے حبشہ میں رہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی مہاجرین کے بارے میں فرمایا ہے: "انہوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں، تو ضروری ہے کہ اللہ ان کا مددگار ہو اور دنیا میں ان کے لئے اچھا ٹھکانا پیدا کرے۔ (41:19)

مزید کہا: "اور یاد رکھو، جن لوگوں پر (ان کے ایمان لانے کی وجہ سے) ظلم ہوا اور ظلم سہنے کے بعد

انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تو ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے، اگر یہ لوگ جان لیتے"۔

اللہ نے ان مہاجرین کی کیسی مدد کی اور انہیں کتنا اچھا ٹھکانا فراہم کیا' اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن حارثؓ کے ان اشعار سے کیا جاسکتا ہے:

"اے دو سوارو! میرا یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچا دو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی تبلیغ کے خواہشمند ہیں۔

اللہ کے بندوں میں سے ہر ایک کو میرا پیغام پہنچا دو جو مکہ کی نشیبی زمین میں
مظلوم اور مقہور ہے اور ابتلاء کا شکار ہے۔

کہ ہم نے اللہ کی زمین کو وسیع پایا ہے جہاں ذلت' رسوائی اور
اہانت سے نجات ملتی ہے۔

اس لئے تم لوگ زندگی کی ذلت' موت کی رسوائی اور بدامنی کے فساد میں
اپنے آپ کو مقید نہ کرلو۔

بے شک ہم نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا، لیکن انہوں نے (کفار نے)
نبی ﷺ کے فرمان کو پسِ پشت ڈال دیا اور حقوق کو پامال کیا۔

اے اللہ! ان لوگوں پر اپنا عذاب فرما جو تیرے باغی ہیں۔

میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ غالب آجائیں
اور مجھے بھی سرکشی پر اکسائیں۔

مہاجرینِ حبشہ کی تبلیغی سرگرمیاں

حضرت عبداللہؓ بن حارث نے دو سواروں کو کن کے لئے پیغام دیا تھا؟

ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے دین کی تبلیغ کے خواہشمند تھے اور مکہ میں رہتے تھے اور جن پر نبیؐ کا فرمان پسِ پشت ڈالنے والے قریشِ مکہ میں ظلم کرتے تھے۔

گویا جو لوگ مکہ سے حبشہ گئے تھے' ان کی ہجرت کا مقصد صرف قریش کے ظلم سے نجات حاصل کرنا ہی نہیں تھا۔

اصل مقصد اللہ اور اس کے دین کی تبلیغ بھی تھا۔

یہ لوگ مکہ کے گرے پڑے اور لاوارث لوگ نہیں تھے۔ یہ مکہ کے معزز گھرانوں سے تعلق

رکھتے تھے۔ان پر ایسا ظلم نہیں ہوتا تھا جیسا غیر قریشی مسلمانوں پر روا رکھا جاتا تھا۔اس کے باوجود غیر قریشی تو مکہ ہی میں رہے اور قریشی مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے۔

مقصد تھا حبشہ میں اسلام کی تبلیغ کا مرکز قائم کرنا اور جزیرۃ العرب سے باہر رہنے والوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا۔

قریشِ مکہ اور جزیرۃ العرب کے رہنے والے مشرکین اور حبشہ کے عیسائیوں کے درمیان ایک بنیادی فرق تھا۔مشرکین بت پرست تھے۔وہ کسی نبی اور کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ان میں سے کچھ کا موت کے بعد کی زندگی اور روزِ محشر اس دنیا کے اعمال کے بارے میں بازپُرس پر بھی ایمان نہیں تھا۔عیسائی موت کے بعد کی زندگی پر ایمان رکھتے تھے' روزِ محشر اور اعمال کے بارے میں بازپُرس ان کے دین کا حصہ تھی۔جس کتاب کو وہ مانتے تھے' اس میں نبی آخرالزماںؐ کی بشارت موجود تھی جبکہ مشرکین کسی ایسی بشارت سے آگاہ نہ تھے۔

اہلِ کتاب تک قرآن کا پیغام پہنچانا ضروری تھا۔وہاں دعوتِ اسلام کے پھیلنے کے زیادہ امکانات تھے۔

قریش کے وفد کی ناکامی کے بعد مہاجرین کے حق میں حالات بہتر ہوگئے۔بادشاہ' درباری اور مذہبی پیشوا سب اس دین سے آگاہ ہوگئے جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے انسانوں کے لئے بھیجا تھا اور جسے مہاجرین نے اختیار کیا تھا۔

اس واقعہ کے بعد عام لوگوں میں بھی مہاجرین اور ان کے دین کا چرچا ہونے لگا کہ وہ کیا دین ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ اپنے خاندان' اپنے عزیز و اقارب' اپنے قبیلے' اپنے گھر' شہر اور وطن چھوڑ آئے ہیں؟

حبشہ کے لوگ اس بارے میں سوچنے لگے۔ان مہاجرین سے قریب آنے لگے ہوں گے اور مسلمانوں نے ان کو دعوتِ اسلام دینا شروع کر دیا ہو گا چنانچہ جلد ہی اس تبلیغ کے اثرات نمودار ہونے لگے۔

سمندروں اور صحراؤں کے سفر کی مشقت برداشت کرکے حبشہ کے عیسائیوں کا ایک وفد مکہ آیا' وفد میں بیس افراد شامل تھے۔یہ عام لوگ نہیں تھے' عالم تھے اور اپنی کتاب کا علم رکھتے تھے۔

رسولؐ اللہ حرم میں تشریف رکھتے تھے۔وہ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور اسلام اور قرآن کے بارے میں سوال پوچھے۔حضورؐ نے ان کے سب سوالات کے جواب دیئے۔

جب وہ مطمئن ہوگئے تو حضورؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم کی تلاوت فرمائی۔

وہ سر ڈالے سنتے رہے' ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

جب آپؐ نے تلاوت ختم کی تو انہوں نے قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان کا اعلان کر دیا اور رسولؐ اللہ کے نبی ہونے کا اقرار کر کے مسلمان ہوگئے۔

قریش بھی کچھ فاصلے پر مجلس جمائے بیٹھے تھے۔ان میں سے کچھ اٹھ کر حضورؐ کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے اور گفتگو سنتے رہے تھے۔جب اسلام قبول کرنے کے بعد حبشہ والے واپس جانے کے لئے اٹھے، تو ابوجہل نے ان کا راستہ روک لیا:"تم بڑے نامراد لوگ ہو، تمہارے مذہب والوں نے تمہیں مکہ اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص (محمدؐ) کے بارے میں تحقیق کرو اور واپس جاکر انہیں ٹھیک ٹھیک خبر دو، مگر تم نے اس کے پاس بیٹھتے ہی اپنا دین چھوڑ دیا اور اس پر ایمان لے آئے۔ہم نے تم سے زیادہ احمق لوگ کبھی نہیں دیکھے تھے۔"

انہوں نے نرمی سے جواب دیا:"بھائیو!تم پر سلام ہو، ہم تمہارے ساتھ جہالت بازی نہیں کرسکتے۔ تم اپنے طریقے پر چلتے رہو اور ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو، کیونکہ ہم سوچ سمجھ کر اپنے کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔"

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا ہے:

"جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب انہیں قرآن سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔واقعی یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔اس سے پہلے بھی ہم اسی دینِ اسلام پر تھے۔" (52:28 تا 53)

"اور جب انہوں نے بیہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہوگئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، تم کو سلام ہے۔ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔" (55:28)

شاہِ حبشہ کا قبولِ اسلام

مہاجرین طویل عرصہ تک حبشہ میں رہے۔آخری گروہ پندرہ سال بعد اس وقت واپس آیا جب خیبر فتح ہوا۔اس گروہ میں مہاجرین کے علاوہ بہت سے دیگر مسلمان بھی شامل تھے۔ان میں سے باسٹھ کا تعلق حبشہ سے تھا،اڑسٹھ شام سے تعلق رکھتے تھے اور چالیس نجران سے (4) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حبشہ کے مرکز کا دیگر ممالک سے بھی رابطہ تھا، چین کے شہر "چوان چو" میں جو صحابہء کرامؓ دفن ہیں، ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ 618 سے 624ء کے درمیان وہاں پہنچے تھے (5) یہ وہ زمانہ ہے جب رسولؐ اللہ ابھی مکہ میں مقیم تھے۔قریشِ مکہ اگرچہ تجارت پیشہ

جب آپؐ نے تلاوت ختم کی تو انہوں نے قرآن کے اللہ کا کلام ہونے پر ایمان کا اعلان کر دیا اور رسولؐ اللہ کے نبی ہونے کا اقرار کر کے مسلمان ہوگئے۔

قریش بھی کچھ فاصلے پر مجلس جمائے بیٹھے تھے۔ان میں سے کچھ اٹھ کر حضورؐ کے پاس آن کھڑے ہوئے تھے اور گفتگو سنتے رہے تھے۔جب اسلام قبول کرنے کے بعد حبشہ والے واپس جانے کے لئے اٹھے' تو ابوجہل نے ان کا راستہ روک لیا:"تم بڑے نامراد لوگ ہو' تمہارے مذہب والوں نے تمہیں مکہ اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس شخص (محمدؐ) کے بارے میں تحقیق کرو اور واپس جاکر انہیں ٹھیک ٹھیک خبردو' مگر تم نے اس کے پاس بیٹھتے ہی اپنا دین چھوڑ دیا اور اس پر ایمان لے آئے۔ہم نے تم سے زیادہ احمق لوگ کبھی نہیں دیکھے تھے۔"

انہوں نے نرمی سے جواب دیا:"بھائیو!تم پر سلام ہو' ہم تمہارے ساتھ جہالت بازی نہیں کرسکتے۔ تم اپنے طریقے پر چلتے رہو اور ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو' کیونکہ ہم سوچ سمجھ کر اپنے کو بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔"

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے بارے میں فرمایا ہے :

"جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی' وہ اس قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور جب انہیں قرآن سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔واقعی یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے۔اس سے پہلے بھی ہم اسی دینِ اسلام پر تھے۔" (52:28 تا 53)

"اور جب انہوں نے بیہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہوگئے کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں' تم کو سلام ہے۔ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔" (55:28)

شاہِ حبشہ کا قبولِ اسلام

مہاجرین طویل عرصہ تک حبشہ میں رہے۔آخری گروہ پندرہ سال بعد اس وقت واپس آیا جب خیبر فتح ہوا۔اس گروہ میں مہاجرین کے علاوہ بہت سے دیگر مسلمان بھی شامل تھے۔ان میں سے باسٹھ کا تعلق حبشہ سے تھا'اڑسٹھ شام سے تعلق رکھتے تھے اور چالیس نجران سے (4) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حبشہ کے مرکز کا دیگر ممالک سے بھی رابطہ تھا' چین کے شہر"چوان چو" میں جو صحابہء کرامؓ دفن ہیں' ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ 618 سے 624ء کے درمیان وہاں پہنچے تھے (5) یہ وہ زمانہ ہے جب رسولؐ اللہ ابھی مکہ میں مقیم تھے۔قریشِ مکہ اگرچہ تجارت پیشہ

تھے،لیکن ان کے تجارتی قافلے سمندری سفر پر نہیں جاتے تھے۔سمندری سفر کے ماہر یمن کے عرب تھے یا حبشہ کے رہنے والے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ان علاقوں کے بحری جہاز اور تاجر زمانۂ قدیم سے چین تک جایا کرتے تھے' حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کے ہمراہ جو باون مسلمان حبشہ پہنچے تھے'وہ سب یمنی تھے۔ہوسکتا ہے چین جانے والے صحابۂ کرامؓ ان میں سے ہوں اور حبشہ سے کسی تجارتی سفر میں وہاں پہنچے ہوں۔قدیم تاریخوں میں حبشہ کے مہاجرین کی سرگرمیوں کی کوئی تفصیل نہیں ملتی،لیکن اتنے دور دراز ممالک تک اسلام کی دعوت پہنچنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرکز سے اسلام کی تبلیغ حبشہ کی سرحدوں سے باہر تک پہنچتی تھی اور یہی وہ مشن تھا جو رسولؐ اللہ نے انہیں سونپا تھا۔اگر صرف قریش کا ظلم و تشدد ان کی ہجرت کا سبب ہوتا تو رسولؐ اللہ کے مدینہ پہنچنے کے بعد سب مہاجرین مدینہ میں آپؐ کے ساتھ آ ملتے' اس وقت مدینہ میں افرادی قوت کی اشد ضرورت تھی۔یہ مدینہ کے یہودیوں کی سازشوں اور قریشِ مکہ کے مدینہ پر حملوں زمانہ تھا اور مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔اس کے باوجود حضورؐ نے سب مہاجرین کو فوراً مدینہ پہنچنے کا حکم نہیں دیا ہو گا،کیونکہ حبشہ میں ابھی ان کا کام مکمل نہیں ہوا تھا۔حضورؐ نے مدینہ پہنچنے کے چھٹے سال حبشہ میں مقیم مہاجرین کو واپسی کا حکم فرمایا۔اس وقت تک قریش کو جنگِ بدر میں شکست ہوچکی تھی' جنگِ اُحد اور جنگِ خندق کی آزمائشیں گزر چکی تھیں' حضورؐ نے حبشہ کے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ ان مسلمانوں کی واپسی کا انتظام کرے۔نجاشی نے مسلمانوں کو بڑی عزت اور دھوم دھام سے رخصت کیا' انہیں تحفے دیئے۔ان کے سفر کے لئے اپنے بحری جہاز دیئے۔ ان جہازوں کے ساتھ محافظ کشتیاں بھیجیں جن میں نجاشی کا بیٹا اور حبشی گارڈ سوار تھے۔نجاشی نے حضورؐ کو سلام بھیجا اور ایک عریضہ ارسال کیا۔

حضورؐ کی خدمت میں نجاشی کے عریضہ کا ترجمہ یہ ہے؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"بخدمت محمدؐ رسول اللہ! از طرف نجاشی الاصحم بن ابجر

اے نبی اللہ!آپؐ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں

اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی'

یارسول اللہؐ! آپؐ کا خط مجھے ملا جس میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر تھا۔زمین اور آسمان کے مالک کی قسم!آپؐ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰؑ رتّی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں۔وہ ویسے ہی تھے جیسے آپؐ نے فرمایا ہے۔ہم نے آپؐ کے بھیجے ہوئے لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور آپؐ

کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی مہمانداری کی۔میں اقرار کرتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچّے اور تصدیق شدہ رسول ہیں۔میں نے آپؐ کے چچا زاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ پر بیعت کی اور اللہ رب العالمین کے سامنے سرِ اطاعت جھکا دیا۔

میں نے آپؐ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارہا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے،کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں۔اگر آپؐ چاہیں کہ میں آپؐ کے پاس آجاؤں تو حاضر ہو جاؤں گا،کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ آپؐ فرماتے ہے وہ حق ہے۔" والسلام یارسول اللہ ﷺ

حضورؐ کا پیغام حضرت عمرو بن امیہؓ ضمری لے کر حبشہ گئے تھے۔حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری تین دفعہ حضورؐ کے ایلچی کی حیثیت سے حبشہ گئے۔ایک دفعہ وہ حضورؐ کا ایک مکتوبِ مبارک لے کر گئے جس میں آپؐ نے نجاشی کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔نجاشی نے اپنے عریضہ میں اسی خط کا ذکر کیا ہے۔یہ مکتوبِ مبارک اب بھی اصل صورت میں محفوظ ہے(6) دوسری بار حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری رسولؐ اللہ کا یہ پیغام لے کر گئے تھے کہ نجاشی حضرت اُمِ حبیبہؓ کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کا اہتمام کریں۔حضرت اُمِ حبیبہؓ اسلام کے سب سے بڑے دشمن قریش سرداروں میں سے ایک ابو سفیان کی بیٹی تھیں۔اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔وہاں قیام کے دوران عبیداللہ نے عیسائیت اختیار کرلی اور فوت ہوگیا۔حضرت اُمِ حبیبہؓ اب بے سہارا تھیں۔اپنے کافرباپ کے پاس مکہ جا نہیں سکتی تھیں۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت عمروؓ کو نکاح کا پیغام دے کر حبشہ بھیجا۔نجاشی نے نکاح کا اہتمام کیا اور حضورؐ کی طرف سے چار سو دینار حق مہر ادا کیا۔حضرت اُمِ حبیبہؓ کی طرف سے حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص نے ولی کے فرائض انجام دیئے۔نکاح کے بعد نجاشی نے حضرت اُمِ حبیبہؓ کو بڑے احترام سے مدینہ روانہ کر دیا۔

حضورؐ نے نجاشی کے بیٹے اور ان کے ساتھیوں کی بنفسِ نفیس تواضع کی۔صحابہؓ نے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ!ہم یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا:"ان لوگوں نے میرے صحابہ کی تعظیم و تکریم کی۔میں بھی ان کی خدمت کرکے اس کا بدلہ چُکانا چاہتا ہوں۔"

حبشہ سے آنے والے نجاشی کے بیٹے کے ساتھی کفار کے خلاف بعض جنگوں میں بھی حضورؐ کے لشکر میں شامل ہوکر لڑے اور جب وہ واپس جانے لگے تو حضورؐ نے ان سب کو

تحائف دے کر روانہ کیا۔نجاشی کے لئے بھی تحائف بھیجے اور ایک مکتوب ارسال فرمایا،لیکن وہ ابھی راستہ میں ہی تھے کہ نجاشی اصحم کا انتقال ہوگیا۔(7) رسول اللہ نے صحابہؓ کو اس کی وفات کی خبر دی اور فرمایا:"آج ایک نیک آدمی فوت ہوگیا ہے۔چلو اپنے بھائی اصحم نجاشی کی نمازِ جنازہ پڑھو۔" پھر آپؐ نے نجاشی کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس کے لئے استغفار کی' دعا کی۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ نجاشی اصحم مسلمان ہوچکا تھا۔بعض دیگر علماء بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نجاشی نے اپنی عیسائی رعایا سے اپنا اسلام مخفی رکھا تھا اس لئے جب وہ فوت ہوا تو اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی گئی'اس لئے حضورؐ نے اور صحابہ کرامؓ نے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔

حضورؐ کے لئے نجاشی کے عریضہ میں "کیونکہ میں اپنی ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں' اگر آپؐ چاہیں کہ میں آپؐ کے پاس آجاؤں تو آجاؤں گا،کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ جو آپؐ فرماتے ہیں وہ حق ہے۔" بھی اسی کا ثبوت ہے۔پھر رسول اللہ نے کسی غیر مسلم کی نمازِہ جنازہ کبھی نہیں پڑھی۔

نجاشی اصحم ایک مضبوط قوم اور ملک کا حکمران تھا۔قیصرِ روم اس کا حلیف تھا،اگر وہ دل سے اسلام کی دعوت قبول نہ کرچکا ہوتا تو اسے حضورؐ کی خدمت میں ایسا مکتوب لکھنے کی ضرورت تھی،نہ اپنا بیٹا اور تحائف بھیجنے کی۔

حضورؐ نے جب بھی اسے کوئی حکم دیا'اس نے اس پر عمل کیا،مگر اپنی رعایا میں بغاوت کے خوف سے وہ اپنا اسلام مخفی رکھنے پر عامل رہا،کیونکہ اس کے عیسائیت چھوڑ دینے کے شبہ میں اس کے ملک میں بغاوت ہو جانے کا ذکر ملتا ہے جس پر اس نے نہایت دانائی سے قابو پا لیا تھا۔

حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھ واپس آنے والے مہاجرین جنگِ خیبر میں عملاً شریک نہیں ہو سکے تھے،لیکن حضورؐ نے ان سب کو مالِ غنیمت میں سے جہاد میں شریک ہونے والوں کے برابر حصہ دیا' اس سے پہلے اور بعد میں حضورؐ نے کبھی کسی ایسے شخص کو مالِ غنیمت میں سے حصہ نہیں دیا جس نے جنگ میں شرکت نہ کی ہو۔

انہیں کیوں حصہ عطا فرمایا؟

اس لئے کہ وہ ایک اور محاذ سے جنگ کرکے لوٹے تھے۔اس جہاد سے کامیاب و کامران واپس آئے تھے جس کے لئے انہیں حبشہ بھیجا گیا تھا۔

نجاشی کے نام حضورؐ کے جو مکتوبات دریافت ہوئے ہیں وہ 1935ء میں حبشہ پر اٹلی کے قبضہ کے بعد علمائے مغرب تک پہنچے تھے۔جب اطالوی قبضہ ہو جانے کی وجہ سے حبشہ کے شاہی

تبرک خانے سے بہت سی اشیاء نکال لی گئی تھیں اور اس کے مہتمم نے جلاوطنی کے دور میں ان میں سے کچھ نوادرات فروخت کر دیئے تھے۔اس طرح وہ خطوط مبارک علماء اور مستشرقین تک پہنچ گئے تھے۔

حدیث' سیرت اور تاریخ کی قدیم ترین کتابوں میں ان خطوط کا ذکر موجود ہے۔ان کے مندرجات بھی موجود ہیں۔حبشہ کے شاہی خاندان کے تبرکات خانہ سے ملنے والے حضورؐ کے اصل خطوط کے مضامین قدیم کتابوں میں درج مضامین کے مطابق ہیں۔

شاہِ حبشہ نجاشی اصحم نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوبات کی اتنی حفاظت کیوں کی؟

وجہ اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا دل اسلام قبول کر چکا تھا۔

کاروباری ذہنیت

قریشِ مکہ اب کوئی ایسا راستہ ڈھونڈ رہے تھے جو ان کی دنیاوی برتری اور جھوٹے خداؤں کو اسلام سے بچالے۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کر لینے سے مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوگیا تھا۔

مشرکوں کی قوت روز بروز کمزور ہوتی جارہی تھی۔

شاہِ حبشہ نے ان کے تحائف اور سفیر واپس بھیج دیئے تھے۔

یہ اسلام کی برتری تھی۔مشرکین کی چالوں پر حق کی فتح تھی۔

قریش کے سفیر عمروؓ بن عاص جب سے حبشہ سے واپس آئے تھے' ان کی مجلسوں اور مشوروں سے الگ رہنے لگے تھے۔قریش نے پوچھا:"گھر میں کیوں بند رہتے ہو؟"

"نجاشی کہتا ہے تمہارا صاحب نبی ہے۔" اس نے جواب دیا تھا۔

اسلام کی حقانیت قریش کے اہم لوگوں کے دلوں میں بھی گھر کرنے لگی تھی۔

قریش کی طرف سے دنیاوی مال و دولت اور جاہ جلال کے لالچ کی ساری کوششیں ناکام ہو گئی تھیں۔

انہوں نے ایک نئی تجویز سوچی۔

ولید بن مغیرہ' عاص بن وائل' اسود بن المطلب اور امیہ بن خلف مل کر رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔"ہم آپؐ کے سامنے ایک اور تجویز پیش کرتے ہیں جس میں آپؐ کی بھی بھلائی ہے اور ہماری بھی۔"

حضورؐ نے پوچھا: "وہ کیا تجویز ہے؟"

"ہم آپؐ کے معبود کی عبادت کرتے ہیں۔آپؐ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔ہم آپؐ کو اپنے سارے معاملات میں شریک کر لیتے ہیں جو چیز آپؐ لے کر آئے ہیں اگر وہ اس سے بہتر ہوئی جو ہمارے پاس ہے تو ہم آپؐ کے ساتھ اس میں شریک ہوں گے اور اس میں سے اپنا حصہ پائیں گے،لیکن اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے اس سے بہتر ہوئی جو آپؐ لے کر آئے ہیں تو آپؐ ہمارے ساتھ اس میں شریک ہوں گے اور اس میں سے اپنا حصہ پا لیں گے۔" مشرکین کے نمائندوں نے تجویز پیش کر دی۔اللہ تعالیٰ نے فوراً رسولؐ اللہ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا:

- "کہدو اے کافرو!
- میں (ان معبودوں کی) بندگی نہیں کرنے کا جن کی بندگی تم کرتے ہو۔
- نہ تم اس (خدائے واحد) کی بندگی کرنے کے ہو جس کی بندگی میں کرتا ہوں۔
- نہ میں ان (معبودوں) کی بندگی کرنے والا رہا ہوں جن کی بندگی تم نے کی ہے۔
- نہ تم اس (خدائے واحد) کی بندگی کرنے والے رہے ہو جس کی بندگی میں کرتا رہا ہوں۔
- تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین" (109: 1 تا 6)

شراکتِ عبادت کی یہ تجویز قریشِ مکہ کی تاجرانہ ذہنیت کے مطابق تھی۔"آؤ اپنے اپنے کاروبار میں ایک دوسرے کو شریک کر لیتے ہیں۔ہمارے کاروبار میں نفع ہوا تو اس میں سے آپؐ کو حصہ مل جائے گا،آپؐ کے کاروبار میں نفع ہوا تو اس میں سے ہمیں حصہ مل جائے گا۔"

مگر یہاں تو عقیدہ اور ایمان کا مسئلہ تھا۔

مشرک ناکام واپس لوٹ گئے۔

احمقانہ پیشکش

جب قریش نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ توحید پر کسی سودے بازی کے لئے تیار نہیں ہو رہے تو انہوں نے حضرت ابو طالب سے سودے بازی کا فیصلہ کیا۔ولید بن مغیرہ کے بیٹے عمارہ کو ساتھ لے کر وہ ابو طالب کے پاس گئے۔

"اے ابو طالب!ہم عمارہ کو لائے ہیں۔یہ قریش کا نامور اور خوبصورت جوان ہے۔آپ اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔یہ عقلمند بھی ہے اور تمہارا مددگار ثابت ہوگا۔اس کے بدلے میں آپ اپنا بھتیجا

ہمارے حوالے کر دیں، جس نے آپ کے اور آپ کے اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے اور تیری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ہم سب کو احمق اور بیوقوف کہا ہے۔ہم اسے قتل کر دیں گے۔ آدمی کے بدلے میں یہ آدمی حاضر ہے۔"

اس معاشرے میں اولاد کو بھی مال اور دنیاوی جاہ و جلال کا وسیلہ سمجھا جاتا تھا' قریش کا خیال ہو گا کہ ابو طالب کو آدمی کے بدلے میں ایک آدمی مل جائے گا تو وہ سمجھے گا' میری قوت میں تو کوئی فرق نہیں آ رہا اور سارے قریش سے لڑائی مول لینے کی بجائے اس تبادلہ پر راضی ہو جائے گا۔

"واللہ! تم مجھ سے بدترین سودا کرنے آئے ہو۔تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے پالوں اور میرا بیٹا مانگتے ہو تاکہ تم اسے قتل کردو۔ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔" حضرت ابو طالب نے قریش کی تجویز ٹھکرا دی۔

قریش کے وفد میں مطعم بن عدی بھی شامل تھا۔وہ ہاشم کے بھائی نوفل کی اولاد سے تھا۔اس لئے بنی ہاشم سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔اس نے کہا: "اے ابوطالب' واللہ! تیری قوم نے تیرے سامنے بڑے انصاف کی تجویز پیش کی ہے اور تمہیں اس جنجال سے نکالنے کی کوشش کی ہے جس میں تمہاری گردن پھنس گئی ہے اور جس نے تجھے پریشان کر رکھا ہے' مگر تم ان کی پیشکش قبول نہیں کر رہے۔"

"خدا کی قسم! قوم نے مجھ سے ہرگز انصاف نہیں کیا اور تم نے بھی میری رسوائی میں اور میرے خلاف قوم سے تعاون کرنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ایسا ہے تو جاؤ' جو کچھ تمہارا جی چاہتا ہے کرو۔" ابو طالب نے جواب دیا۔

حواشی/حوالہ جات

1- حبشہ کا بادشاہ قریشِ مکہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔حبشہ اور مکہ میں زمانۂ قدیم سے تجارتی روابط تھے۔ یمن پر حبشہ کی حکومت رہی تھی اور ان کے ایک گورنر نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکہ پر حملہ کیا تھا اور برباد ہوگیا تھا۔ایک مرتبہ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب اور ابو سفیان کے باپ حرب بن امیہ میں اس بات پر تنازعہ ہوگیا کہ دونوں میں زیادہ معزز کون ہے تو دونوں نے نجاشی (حبشہ کے بادشاہ کا لقب) کو اپنا پنچ مقرر کیا تھا۔اگرچہ نجاشی نے اس بارے میں فیصلہ کرنے سے انکار کر دیا تھا،لیکن اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ قریشِ مکہ کو کتنا اچھی طرح جانتا تھا۔

2- حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحم کے والد کی وفات (یا قتل) کے بعد اس کے چچا کو تخت پر بٹھایا گیا تھا جس نے اصحم کو غلامی میں بیچ دیا تھا تاکہ وہ بڑا ہو کر اپنے والد کے تخت و تاج کا وارث نہ بن جائے،مگر اسی رات وہ بادشاہ فوت ہوگیا تو اس کے بیٹے حکومت نہ چلا سکے۔امراء نے خریدنے والے تاجر کو تلاش کرکے اصحم کو واپس لیا اور تخت پر بٹھا دیا۔اصحم نے رشوت اور نذرانے کا ذکر اسی حوالہ کے طور پر کیا ہے کہ اللہ نے مجھے میرے باپ کا تخت اور ملک واپس دلا دیئے تھے۔

3- ایک روایت میں ہے کہ آیت نمبر 34 تک سورت مریم تلاوت کی گئی تھی۔

4- M.A.SALAHI / Muhammad Man and Prophet / Element SHAFTES-BURY 1995 / Page 134

5- عبدالعزیز فاروق / تھائی لینڈ سے جاپان تک، مجلسِ ثقافت سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) 1996 / صفحہ 122

6- ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" مطبوعہ دارالاشاعت کراچی 1987ء میں اس خط کی دریافت اور مندرجات پر تفصیلی بحث کی ہے (دیکھیں صفحہ 130 تا 132 صفحہ 138 تا 149)

7- ڈاکٹر محمد حمید اللہ / رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی / دارالاشاعت کراچی 1987 / صفحہ 130

اللہ کا وعدہ

عربوں اور قریشِ مکہ کے حبشہ اور وہاں کے دربار سے بہت پرانے رشتوں کا حال تو یہ تھا کہ زمانہ قدیم سے دونوں ممالک کے درمیان تجارت ہوتی آئی تھی۔ہر سال قریش کے تجارتی قافلے حبشہ جاتے تھے۔شاہِ حبشہ نے عرصۂ دراز تک عرب کے جنوبی حصہ پر حکومت کی تھی، جو اس خطہ کی تاریخوں کا حصہ ہے۔حبشہ والوں کی زبان امہارک (Amharic) تھی۔یہ زبان عربی زبان سے بہت قریب تھی(۱) دونوں ممالک کے درمیان گہرے سیاسی اور تہذیبی رشتوں کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قریش کے غلام اور لونڈیاں بیشتر حبشی تھے۔جیساکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مکہ میں حبشیوں کی ایک بستی بھی تھی۔قریش کے جن غلاموں اور لونڈیوں نے اسلام قبول کیا تھا،ایک آدھ کے سوا وہ بھی سب حبشی النسل تھے، اس لئے جب ان کے سفیر حبشہ کے دربار سے ناکام واپس آگئے اور انہیں وہ ساری باتیں بتائیں جو شاہِ حبشہ کے دربار میں ہوئی تھیں، تو قریش نے بڑی ندامت اور فرسٹریشن (Frustration) محسوس کی۔شاہِ حبشہ نے ان کے تحائف واپس کر دیئے تھے۔اس زمانے میں (اور آج بھی) کسی حاکم کا تحائف واپس کر دینا بڑی توہین کی بات تھی۔پھر قریشِ مکہ تو اپنے کو بہت بڑے مرتبہ والے سمجھتے تھے۔ان کے لئے تو اس سے بڑی توہین کی بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ان کی ساری تاریخ میں کسی بڑے سے بڑے ایرانی یا رومی بادشاہ نے بھی ان کے تحائف کبھی واپس نہیں کیے تھے۔جب انہیں بتایا گیا کہ نجاشی نے قرآن سن کر کہا تھا:"بیشک یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰؑ لے کر آئے تھے، ایک ہی شمعِ نُور سے نکلے ہیں۔" تو انہیں فکر ہوئی کہ ایک بادشاہ کی طرف سے قرآن اور اسلام کے بارے میں ایسا کہنے کی وجہ سے لوگوں کے لئے اسلام کی کشش بڑھ جائے گی۔اس فکر اور فرسٹریشن میں وہ

نجاشی اور اس کے سرکاری مذہب کے بھی مخالف ہوگئے۔دوسری طرف ایک عیسائی ملک کے بادشاہ کی طرف سے مسلمانوں کو اپنے ہاں عزت اور تکریم سے رکھنے کی وجہ سے مکہ کے مسلمانوں کے دلوں میں اس بادشاہ کے لئے احترام پیدا ہوگیا تھا۔اس وجہ سے قریشِ مکہ عیسائیت اور عیسائیوں کے بھی دشمن ہوگئے۔ایک فریق عیسائیوں سے جذباتی وابستگی محسوس کرنے لگا تو دوسرا فریق جذباتی اور سیاسی طور پر ان کے دشمنوں کا حامی بن گیا۔

اس زمانے میں عیسائیت اور مجوسیت میں مذہبی جنگ عروج پر تھی۔ایران کا مجوسی شہنشاہ خسرو پرویز عیسائیت کے علمبردار قیصرِ روم کو شکستوں پر شکستیں دے رہا تھا۔جس زمانے میں (616ء) قریشِ مکہ کا وفد حبشہ سے ناکام واپس آیا تھا'انہی دنوں خسرو پرویز نے شام اور فلسطین کے بعد مصر بھی عیسائیوں سے چھین لیا تھا۔قریشِ مکہ ایران کی فتح کو اپنی فتح اور عیسائیوں کی شکست کو مسلمانوں کی شکست قرار دے کر مسلمانوں کو طعنے دینے لگے' قرآن کی مکی سورتوں میں حضرت عیسیٰؑ اور ان کی تعلیمات کا متعدد مقامات پر ذکر آتا ہے۔اس وجہ سے بھی مجوسیوں کی نسبت مسلمان حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والوں سے ہمدردی رکھتے تھے اور قریش کے ان طعنوں کی وجہ سے رومیوں کی شکستوں پر دکھ محسوس کرتے ہوں گے۔

اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے سورہ روم نازل فرمائی:

- ال م
- رومی قوم مغلوب ہوگئی ہے
- اور قریب کی زمین میں اس (شکست) کے بعد وہ (رومی) پھر غالب آجائیں گے۔
- چند سال کے اندر اندر (وہ غالب ہوں گے) کیونکہ جو کچھ پہلے ہوا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوا'جو آگے ہوگا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوگا اور اس دن مسلمان خوش ہو جائیں گے۔
- اللہ کی مدد سے (فتح ہوگی) اللہ جسے چاہتاہے نصرت عطا کرتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔
- اللہ نے یہ وعدہ کرلیا ہے (اور) اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا'لیکن بہت لوگوں کو اس کا علم نہیں (1:30 تا 6)

قریش پہلے رسولؐ اللہ سے معجزات اور پیش گوئیوں کے مطالبات کیا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے مغلوب رومیوں کے غالب آجانے کے بارے میں اپنے نبیؐ کو پہلے سے بتا دیا تو قریش اپنی فطرت

اور عادت کے مطابق مذاق اڑانے لگے۔

ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "اگر رومی تین سال کے اندر اندر غالب آگئے تو میں تمہیں دس اونٹ دوں گا۔اگر اس مدت میں وہ ایرانیوں پر فتح نہ پاسکے تو آپ کو مجھے دس اونٹ دینا ہوں گے۔"

حضرت ابوبکرؓ کو تو قرآن کی صداقت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہ تھا۔انہوں نے یہ شرط باندھ لی۔

رسولؐ اللہ کو علم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: "قرآن کریم میں "فی بضع سنین" کے الفاظ آئے ہیں عربی میں "سنین" دس سے کم یعنی نو تک ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خوشخبری نو سال کے اندر اندر پوری ہو جائے گی۔تم شرط کی مدت بڑھا کر نو سال تک کر دو اور اونٹوں کی تعداد بھی دس سے بڑھا کر سو اونٹ کر دو۔"

حضرت ابوبکرؓ ابی بن خلف کے پاس گئے اور اونٹوں کی تعداد اور مدت میں اضافہ کرکے شرط پکی کر دی۔

سارے مکہ میں شرط کی بات پھیل گئی۔

رومیوں کے غالب آجانے کا کوئی امکان ہی دکھائی نہیں دیتا تھا۔خسرو پرویز کی فوجیں مسلسل فتوحات حاصل کر رہی تھیں۔اس کی فوجوں میں وہ سب لوگ شامل تھے جو رومیوں سے ناراض تھے۔رومی حکمران رومن کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور رومی سلطنت میں عیسائیوں کے یعقوبی اور نسطوری فرقوں پر ظلم کیا جاتا تھا۔اس وجہ سے یہ دونوں عیسائی فرقے بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے۔رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کرکے یہودی حکومت اور ان کی مذہبی آزادی ختم کردی تھی۔یہودیوں کو بھی رومیوں اور عیسائیوں سے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا تھا۔وہ بھی خسرو پرویز کی فوجوں میں شامل ہوکر لڑنے لگے تھے' خسرو پرویز کے ہمراہ چھبیس ہزار یہودی فوجی رومیوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔جزیرۃ العرب کے شمال اور مشرق میں نیم خود مختار عرب حکمرانوں کی فوجیں بھی خسرو پرویز کے ساتھ تھیں۔اس وجہ سے بھی مشرکینِ مکہ اور عربوں کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔

خسرو پرویز نے یروشلم کی فتح کے وقت نوے ہزار عیسائیوں کو قتل کردیا تھا اور ان کا سب سے مقدس کلیسا Holy Sepulchre (کنیسۃ القیامۃ) برباد کرکے لاٹ پادری زکریا کو گرفتار کر لیا اور وہ صلیب جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اس پر جان دی تھی' اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اور عادت کے مطابق مذاق اڑانے لگے۔

ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا: "اگر رومی تین سال کے اندر اندر غالب آگئے تو میں تمہیں دس اونٹ دوں گا۔ اگر اس مدت میں وہ ایرانیوں پر فتح نہ پاسکے تو آپ کو مجھے دس اونٹ دینا ہوں گے۔"

حضرت ابوبکرؓ کو تو قرآن کی صداقت کے بارے میں کوئی شبہ ہی نہ تھا۔انہوں نے یہ شرط باندھ لی۔

رسولؐ اللہ کو علم ہوا تو آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: "قرآن کریم میں "فی بضع سنین" کے الفاظ آئے ہیں عربی میں "سنین" دس سے کم یعنی نو تک ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی خوشخبری نو سال کے اندر اندر پوری ہو جائے گی۔تم شرط کی مدت بڑھا کر نو سال تک کر دو اور اونٹوں کی تعداد بھی دس سے بڑھا کر سو اونٹ کر دو۔"

حضرت ابوبکرؓ ابی بن خلف کے پاس گئے اور اونٹوں کی تعداد اور مدت میں اضافہ کرکے شرط پکی کر دی۔

سارے مکہ میں شرط کی بات پھیل گئی۔

رومیوں کے غالب آجانے کا کوئی امکان ہی دکھائی نہیں دیتا تھا۔خسرو پرویز کی فوجیں مسلسل فتوحات حاصل کر رہی تھیں۔اس کی فوجوں میں وہ سب لوگ شامل تھے جو رومیوں سے ناراض تھے۔رومی حکمران رومن کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور رومی سلطنت میں عیسائیوں کے یعقوبی اور نسطوری فرقوں پر ظلم کیا جاتا تھا۔اس وجہ سے یہ دونوں عیسائی فرقے بھی ایرانیوں کے ساتھ تھے۔رومیوں نے یروشلم پر قبضہ کرکے یہودی حکومت اور ان کی مذہبی آزادی ختم کردی تھی۔یہودیوں کو بھی رومیوں اور عیسائیوں سے بدلہ لینے کا موقعہ مل گیا تھا۔وہ بھی خسرو پرویز کی فوجوں میں شامل ہوکر لڑنے لگے تھے' خسرو پرویز کے ہمراہ چھبیس ہزار یہودی فوجی رومیوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔جزیرۃ العرب کے شمال اور مشرق میں نیم خود مختار عرب حکمرانوں کی فوجیں بھی خسرو پرویز کے ساتھ تھیں۔اس وجہ سے بھی مشرکینِ مکہ اور عربوں کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں۔

خسرو پرویز نے یروشلم کی فتح کے وقت نوے ہزار عیسائیوں کو قتل کردیا تھا اور ان کا سب سے مقدس کلیسا Holy Sepulchre (کنیسۃ القیامۃ) برباد کرکے لاٹ پادری زکریا کو گرفتار کر لیا اور وہ صلیب جس کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے اس پر جان دی تھی' اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

خسرو پرویز کے فاتحانہ غرور کا اس خط سے اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اس نے رومی شہنشاہ ہرقل کو بھیجا تھا۔اس نے خط کے اوپر لکھا تھا:"سب خداؤں سے بڑے، تمام رُوئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام"۔

فلسطین جزیرہ نمائے سینا اور مصر کے بعد خسرو پرویز نے تریپولی اور شمالی افریقہ بھی رومیوں سے چھین لئے۔ایشیائے کوچک میں اڈیسا پر قبضہ کرلیا۔617ء میں خسرو پرویز کی فوجیں رومیوں کے دارالحکومت قسطنطنیہ کے دروازوں پر دستک دیتے پہنچ گئیں اور خلدون (Chaledon) موجودہ قاضی کوئی پر قبضہ کرلیا۔رومی شہنشاہ ہرقل نے صلح کی درخواست کی خسرو پرویز نے حقارت سے ٹھکرا دی۔"میں قیصر کو اس وقت تک امان نہ دوں گا جب تک اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر میرے سامنے پیش نہ کیا جائے اور وہ اپنے خدائے مصلوب کو چھوڑ کر خداوندِ آتش کی بندگی اختیار نہ کرلے"۔ خسرو نے جواب دیا تھا۔

قسطنطنیہ عملاً محاصرے میں تھا۔ایک طرف خسرو پرویز کی فوجیں تھیں، تو دوسری طرف Avars مسلسل حملے کر رہے تھے۔ملک کے اندر قحط کی صورتحال تھی۔آپس کی لڑائیاں تھیں اور وبائی امراض پھوٹ پڑے تھے۔ہرقل بہت خوفزدہ تھا، کیتھولک چرچ عیسائی بادشاہت کا زوال دیکھنے لگا تھا۔ایرانیوں کی فتوحات اور عیسائیوں کی بدحالی کی خبریں مسلسل مکہ پہنچتی رہتی تھیں۔ان خبروں سے قریش خوش ہوتے تھے اور مسلمانوں کو طعنے دیتے تھے، مگر مسلمانوں کا ایمان پختہ تھا۔انہیں یقین تھا کہ قرآن کی پیش گوئی ضرور پوری ہوگی۔

رسول اللہ ؐ 622ء میں مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے۔اسی سال رومیوں نے ایرانیوں پر عقب سے حملہ کرکے انہیں Issus کے میدان میں زبردست شکست دی۔یہ قرآن کی پیشین گوئی کا چھٹا سال تھا۔ہرقل تیزی سے قسطنطنیہ لوٹ گیا۔Avars سے صلح کرکے ان کی مدد سے ایران پر شمال سے حملہ کر دیا۔ آرمینیا کے راستے وہ ایران کے اندر گھس آیا، 624ء میں خسرو پرویز کے خدائے آتش زرتشت کے مقامِ پیدائش ارمیاہ کو برباد کر دیا اور ان کے سب سے بڑے آتش کدہ کی اسی طرح اینٹ سے اینٹ بجادی جس طرح خسرو پرویز نے اس کے "خدائے مصلوب" کے شہر اور کلیسا کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی۔

نو سال ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ قریب کی زمین میں مغلوب ہو جانے والے رومی پھر غالب آ گئے۔

اسی سال مسلمانوں نے قریشِ مکہ کو بدر کے میدان میں عبرتناک شکست دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: "اور چند سال کے اندر اندر وہ (رومی) غالب آ جائیں گے، کیونکہ جو کچھ پہلے ہوا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوا، جو آگے ہوگا وہ بھی اللہ کے حکم سے ہوگا اور اس دن مسلمان خوش ہو جائیں گے۔"

مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی خوشی تو جنگِ بدر میں فتح کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا اشارہ بھی اسی طرف تھا، لیکن ایرانیوں کی شکست اور عیسائیوں کی فتح سے بھی انہیں خوشی ہوئی ہوگی اور قریش کے حوصلے مزید پست ہوگئے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

پھر ایرانی مسلسل پسپا ہوتے گئے۔ رومیوں نے نینوا کے قریب انہیں ایک اور شکست دی اور ان کے دارالحکومت مدین کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ شکست خوردہ ایرانی فوج نے بغاوت کردی، خسرو کے بیٹے نے باپ کو جیل میں ڈال دیا اور رومیوں سے صلح کی درخواست کی۔

صلح کی ذلت آمیز شرائط کے تحت خدائے آتش کے ماننے والوں کو خدائے مصلوب کے پرستاروں کو وہ صلیب بھی واپس کرنا پڑی۔

ابی بن خلف اپنے حامیوں کی شکست اور رسوائی دیکھنے کے لئے زندہ نہیں تھا۔ اس کے وارثوں نے اس کی شرط کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کو ایک سو اونٹ دے دیئے۔ حضرت ابوبکرؓ وہ اونٹ لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش ہوگئے۔

آپؐ نے حکم دیا کہ وہ سارے اونٹ صدقہ میں دے دیئے جائیں، کیونکہ جب شرط باندھی گئی تھی، اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوا حرام قرار دینے کا حکم ابھی نہیں آیا تھا۔ اب جوا اور شرط حرام قرار دیئے جا چکے تھے۔

آپؐ نے حربی کفار سے شرط کا مال وصول کر لینے کی تو اجازت دے دی، مگر اسے خود استعمال کرنے سے منع فرما دیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وہ اونٹ صدقہ کر دیئے۔

جہنم کا ایندھن

قریشِ مکہ کی طرف سے رسول اللہؐ اور اسلام کی مخالفت کے کئی انداز تھے۔ وہ سفارتی محاذ پر بھی سرگرم تھے، سیاسی طور پر رسول اللہؐ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے، خاندانی اور قبائلی تعصب ابھار کر اسے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف استعمال کرنے کی جدوجہد میں لگے ہوئے تھے اور توحید کے خلاف "تبلیغِ شرک" میں سرگرم تھے۔ کمزور مسلمانوں پر تشدد کر رہے

تھے۔ باپ دادا کے دین سے منحرف ہو جانے کے طعنوں سے اپنے بتوں کے حق میں فضا بنانے کی مہم چلا رہے تھے۔رسولؐ اللہ کو لالچ اور مصالحت پر آمادہ کرنا چاہتے تھے' ایک طرف سارے قریش تھے اور دوسری طرف رسولؐ اللہ،مگر ان کے اتحاد کے باوجود قریش کو ہر محاذ پر مسلسل ناکامی ہو رہی تھی،کیونکہ رسولؐ اللہ کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ تھے'آپؐ کی کامیابی یقینی تھی۔

جب رسولؐ اللہ اسلام کی دعوت پیش کرتے تو وہ مل کر اس کے خلاف دلائل تلاش کرتے اور محفلوں میں پیش کرتے تھے۔یہ ان کا مدافعتی محاذ تھا۔

ایک روز رسولؐ اللہ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے۔آپؐ کے پاس ولید بن مغیرہ اور قریش کے بہت سے اور لوگ بھی بیٹھے تھے۔حضورؐ انہیں توحید اور اللہ تعالیٰ کے کائنات کے واحد مالک و مختار ہونے کے بارے میں قرآن سنا رہے تھے۔اتنے میں نضر بن حارث بھی آگیا اور محفل میں ایک طرف بیٹھ گیا۔رسولؐ اللہ نے وعظ جاری رکھا۔ نضر بن حارث خاموش نہ رہ سکا اور حضورؐ سے بحث کرنے لگا۔رسولؐ اللہ اس کی ہر دلیل کا نہایت نرمی سے جواب دیتے رہے۔اس کے پاس کوئی دلیل نہ رہی تو آپؐ نے ان کے جھوٹے معبودوں کے انجام کے بارے میں قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مطلب ہے:

- ”تم اور تمہارے وہ معبود جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے ہو' جہنم کا ایندھن ہو اور تم اس میں (جہنم میں) داخل ہونے والے ہو۔“

اس سے اگلی آیات کا ترجمہ ہے:

- ”اگر واقعی یہ خدا ہوتے تو وہاں (دوزخ میں) نہ ڈالے جاتے۔اب سب (بت) ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔وہاں سخت گرمی میں ان کی (مشرکوں کی) سانسیں اکھڑی ہوئی ہوں گی اور یہ حال ہو گا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے گی۔“ (98:21 تا 99)

رسولؐ اللہ قریش کو لاجواب کر کے تشریف لے جا چکے تھے کہ عبداللہ بن زبعریٰ وہاں آ گیا۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا:”آج تو محمدؐ کے مقابلہ میں نضر بن حارث کی کچھ پیش نہ گئی۔محمدؐ نے کہا ہم اور جن معبودوں کی ہم عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہیں' مگر نضر کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔“ نضر بن حارث توحید اور اسلام کے خلاف شرک کی تبلیغ اور بحث و مباحثہ کرنے کے لئے مشہور تھا۔

عبداللہ بن زبعریٰ نے کہا:”واللہ!اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو محمدؐ کو لاجواب کر دیتا۔میں ان سے پوچھتا کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔یہود عزیرؑ کو اور عیسائی عیسیٰؑ بن مریم کو پوجتے ہیں'

تو کیا فرشتے، عزیرؑ اور عیسیٰؑ بھی جہنم کا ایندھن ہیں؟"
اہلِ محفل عبداللہ بن زبعریٰ کی اس دلیل سے بہت خوش ہوئے۔انہوں نے کہا محمدؐ کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔رسولؐ اللہ کو عبداللہ بن زبعریٰ کے جواب اور قریش کی خوشی کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا:"جو کوئی بھی یہ بات پسند کرتا ہے کہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کی جائے، وہ ان پوجا کرنے والوں کے ساتھ ہوگا۔یہ لوگ (قریش) تو شیطان کو پوجتے ہیں یا انہیں پوجتے ہیں جن کی پوجا کرنے کا شیاطین نے انہیں حکم دیا۔"
اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج دی:
"جن کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی نیکی لکھی جاچکی ہے، وہ اس (جہنم) سے دور رہیں گے۔"
(101:21)

یعنی جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی راہ اختیار کی تھی اور اللہ کے احکام کی پابندی کی تھی، ان کے بارے میں تو پہلے ہی سے اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ اگر کوئی بعد میں آنے والا شرک کرتا ہے اور ان میں سے کسی کی پوجا کرنے لگتا ہے یا ان سے مرادیں مانگتا ہے، تو اس میں اللہ کے ان نیک بندوں کا تو کوئی قصور نہیں۔قصور تو ان کی پوجا کرنے والوں کا ہے اور وہی جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

زندہ بھی وہی کرے گا

ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں اٹھائے رسولؐ اللہ کے پاس آیا:"اے محمدؐ، تو کہتا ہے کہ تیرا رب اس خستہ ہڈی کو پھر سے زندہ کردے گا، یہاں تو یہ فنا کے درجہ میں ہے۔"
اس کے ساتھ ہی اس نے ہڈی کو دونوں ہاتھوں میں مسل کر پیسا اور پھونک مار کر حضورؐ کی طرف اڑا دیا۔
رسولؐ اللہ نے فرمایا:"ہاں، یہ سچ ہے۔اللہ اسے بھی اور تجھے بھی موت کے بعد خستہ اور اس ہڈی کی مانند بوسیدہ ہو جانے کے باوجود دوبارہ زندہ کرے گا اور تمہیں دوزخ کا ایندھن بنائے گا۔"
اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی کا حوالہ دے کر قرآنِ کریم میں فرمایا:"اور وہ ہم سے ہی باتیں بنانے لگا اور اپنی پیدائش (کی حقیقت) بھول گیا (وہ) کہتا ہے، ان خستہ اور کھوکھلی ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے۔اے نبیؐ بتا دیجئے کہ ان ہڈیوں کو (دوبارہ) وہی خدا زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ انہیں پیدا کیا (اس وقت نطفے میں ہڈی کہاں تھی) اور وہ ہر چیز کو پیدا کرنا خوب جانتا ہے۔"
(36: 78 تا 79)

آزمائش

قریشِ مکہ کو اپنی خاندانی برتری پر بڑا ناز تھا۔وہ رسولؐ اللہ کے پاس غریب صحابہؓ کرامؓ کو بیٹھا دیکھتے' تو مذاق اڑاتے اور ایک دوسرے سے کہتے :"دیکھو' محمدؐ کے ساتھ کون لوگ ہیں۔محمدؐ کہتے ہیں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے' ان پر اللہ نے کرم کیا ہے۔کیا اللہ نے ایسے لوگوں پر ہی کرم کرنا تھا۔اگر وہ دین جو محمدؐ لائے ہیں' ہمارے دین سے بہتر ہوتا تو ہم سے پہلے ایسے نادار لوگ ہی اسے قبول نہ کرتے۔

حضورؐ مسجدِ حرام میں تشریف فرما تھے۔آپؐ کے پاس حضرت خبابؓ' حضرت صہیبؓ' حضرت بلالؓ اور عمارؓ بن یاسر بیٹھے تھے۔

قریش کے سرداروں نے کہا:"اے محمدؐ!تم اپنی قوم کی بجائے ان پر راضی ہوگئے ہو؟ اگر اسلام قبول کرنا اللہ کا احسان ہے تو یہ ہم برتر لوگوں کی بجائے ان پر ہی ہونا تھا؟ کیا آپؐ سمجھتے ہیں ہم بڑے لوگ ان نادار لوگوں کے تابع ہو جائیں گے۔ان کو نکال دو' اس کے بعد ہوسکتا ہے ہم آپؐ کی پیروی کرلیں اور مسلمان ہوجائیں۔" اور وہ مسلمان ہونے والے صحابہؓ کرامؓ کے قبل از اسلام کے کردار کا حوالہ دے کر کہتے یہ تو ایسے تھے اور ایسے ہوا کرتے تھے۔

رسولؐ اللہ نے ان کی کسی بات پر کوئی دھیان نہ دیا۔

انہوں نے کہا ہم اشراف ان نادار لوگوں کے ساتھ ایک ہی محفل میں نہیں بیٹھ سکتے۔آپؐ ان کی مجلس الگ کر دیں اور ہمارے ساتھ الگ بیٹھیں۔اللہ تعالیٰ کو کفار کا یہ مطالبہ پسند نہیں آیا اور رسولؐ اللہ سے فرمایا:

- "جو لوگ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں' انہیں اپنی مجلس سے ہرگز نہ نکالنا اور اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بار تم پر نہیں اور تمہارے حساب میں سے کسی چیز کا بار ان پر نہیں۔اس کے باوجود اگر تم انہیں اپنے سے دور پھینکو گے تو ظالموں میں شمار ہو گے۔" (52 : 6)

کفار کے طعنوں اور رویہ سے ان غریب مسلمانوں کی دل شکنی ہوتی تھی۔اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی اور متکبر مشرکین کی دل شکنی کے لئے حکم دیا۔

- "دراصل ہم نے اس طرح ان لوگوں میں سے بعض کو بعض کے ذریعے آزمائش

میں ڈالا ہے تاکہ وہ (کفار) انہیں (نادار صحابہؓ کو) دیکھ کر کہیں کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے؟ ہاں! کیا اللہ اپنے شکر گذار بندوں کو ان (کفار) سے زیادہ اچھی طرح نہیں جانتا؟"

- اور جب وہ لوگ تمہارے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے ہیں، تو ان سے کہو: "تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے رحم اور کرم کرنے کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے برائی کرے، پھر اس سے توبہ کرکے اپنی اصلاح کرلے تو بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔" (6 : 53- 54)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو حکم دیا کہ وہ غریب مسلمانوں کو سلام کہنے میں پہل کیا کریں۔

حضرت ابوبکرؓ کی معذرت

قریشِ مکہ کا سردار ابو سفیان کہیں جا رہا تھا۔جب وہ حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت سلمانؓ کے پاس سے گزرا تو ان میں سے کسی نے کہا: "واللہ! اس دشمنِ خدا کے سر پر ابھی تک اللہ کی تلوار نہیں چلی؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی پاس ہی تھے۔انہوں نے کہا: "تم قریش کے سردار اور بزرگ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو؟"

اس کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ رسولؐ اللہ کے پاس پہنچے تو سارا واقعہ آپؐ کو بتایا۔

حضورؐ نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ! تو نے انہیں ناراض کر دیا۔اگر تُو نے انہیں ناراض کیا تو اپنے رب کو ناراض کیا۔"

حضرت ابوبکرؓ صدیق لوٹ کر ان صحابہ کے پاس گئے اور پوچھا: "میرے بھائیو! کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا: "اے برادر! اللہ آپ کو معاف فرما دے، ہم آپ سے ناراض نہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی

رسولؐ اللہ قریش کے کچھ سرداروں سے محوِ گفتگو تھے۔اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل، عتبہ بن ربیعہ، ان کے بھائی شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ بڑے غور سے حضورؐ کی باتیں سن رہے تھے۔یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی مہم اور تشدد

بڑھتے جارہے تھے۔حضورؐ کی کوشش تھی کہ کفار اسلام کی روح پہچان لیں۔ان کی محویت سے شاید حضورؐ کو کچھ امید ہونے لگی تھی۔حضورؐ کی آواز اور قرآن سن کر ایک غریب نابینا بھی ادھر آگیا۔ اس کا نام عبداللہ بن ام مکتوم تھا۔"اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے بھی پڑھایئے۔اللہ نے آپؐ کو جو علم بخشا ہے' اس میں سے مجھے بھی کچھ سکھایئے۔" اس نے آتے ہی عرض کیا۔

حضورؐ نے اس کی درخواست پر کوئی توجہ نہیں دی۔

وہ تو نابینا تھا۔اس نے پھر اپنی درخواست دُہرائی۔اسے کیا معلوم کہ آپؐ کے قرآن سنا رہے ہیں۔

حضورؐ نے پھر بھی اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔

جب اس نے بار بار وہی عرض پیش کی تو حضورؐ کو اس کی مداخلت ناگوار گزری۔آپؐ نے اس کی طرف دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس بھیج دی :

- تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا
- اس پر کہ نابینا اس کے پاس آیا
- تمہیں کیا خبر! عجب نہیں وہ سدھر جاتا
- یا نصیحت قبول کرلیتا تو نصیحت اس کے لئے فائدہ مند ہوتی
- جو شخص (حق سے) بے نیازی برتتا ہے
- تم اس کے پیچھے پڑتے ہو
- حالانکہ وہ نہ سدھرے تو تم پر اس کی ذمہ داری نہیں
- اور جو (خدا سے) ڈر کر دوڑا دوڑا تمہارے پاس آتا ہے
- اس سے تم بے رخی برتتے ہو
- ہرگز نہیں! یہ (قرآن) تو ایک یاد دہانی ہے
- تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے
- اور ایسے اوراق میں ہے جو ادب و احترام کے لائق
- بلند مرتبہ اور (تحریف و آمیزش سے) پاک ہیں
- ایسے کاتبوں کے ہاتھ میں
- جو بزرگ اور فرض شناس ہیں۔(80: 1 تا 16)

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ کوئی غریب آدمی اسلام سمجھنے آئے تو اسے تو نہ

سمجھایا جائے اور اہلِ دولت و اختیار کو سمجھانے پر پوری توجہ دی جائے' حالانکہ وہ غریب تو اللہ سے ڈر کی وجہ سے اسلام اور قرآن سیکھنا چاہتا ہے اور جن کے آپؐ پیچھے پڑے ہوئے ہیں' وہ تو حق سے بے نیاز ہیں۔انہیں تو اس کی خواہش ہی نہیں۔

رسولؐ اللہ قریش کے سرداروں سے کوئی ذاتی معاملہ طے نہیں کر رہے تھے۔انہیں وہی دعوت پیش کر رہے تھے جس کو دوسروں تک پہنچانے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔آپؐ اس کوشش میں تھے کہ مکہ کے سردار اسلام سمجھ جائیں تو دعوتِ توحید کی راہیں کھُل جائیں۔

رسولؐ اللہ نے اپنا یہ رویہ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کسی سے چھپائی نہیں۔سارے مسلمانوں کو یہ واقعہ اور سورت سنائی۔اس کے بعد جب بھی آپؐ ابنِ اُمِ مکتوم کو دیکھتے "خوش آمدید" کہتے۔

آپؐ اس کی بہت قدر کرتے اور فرمایا کرتے تھے:"یہ وہ شخص ہے جس کے سلسلہ میں میرا رب مجھ سے ناراض ہوا تھا۔" اور پوچھتے:"کیا آپ کی کوئی ضرورت ہے جو پوری کی جائے۔"

آپؐ کی ہجرت کے بعد ابنِ اُمِ مکتوم بھی مدینہ آگئے تو حضور جب کسی جنگی مہم پر مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے' تو مدینہ میں ابنِ اُمِ مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جایا کرتے تھے۔

قرآن اور ولید بن مغیرہ

ایک بار ولید بن مغیرہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔"مجھے قرآن سنایئے"۔

قریش کے سرداروں اور داناؤں کے دلوں میں قرآن کے بارے میں ایک تجسس پیدا ہونے لگا تھا۔وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ کیسی کتاب ہے کہ جو کوئی سنتا ہے' سارے رشتے ناطے ختم کرکے مسلمان ہو جاتا ہے۔جزیرۃ العرب اور مکہ میں دنیاوی مقام و مرتبہ کے تین پیمانے تھے۔اول یہ کہ کسی کا نسب کیسا ہے؟ پیدائشی طور پر وہ اعلیٰ خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں۔ دوسری چیز یہ دیکھی جاتی تھی کہ اس کے پاس دولت کتنی ہے۔جو جتنا مالدار ہوتا تھا اتنا ہی باعزت سمجھا جاتا تھا۔تیسرے ملکی معاشرے میں اس کا مقام و مرتبہ دیکھا جاتا تھا۔لیکن جو لوگ قرآن سنتے تھے' قرآن پڑھتے تھے' ان کے نزدیک عزت اور شرف کے یہ سارے پیمانے غلط ہو جاتے تھے' ان کے لئے عزت اور شرف کا معیار اسلام کی تعلیمات پر عمل بن جاتا تھا وہ ایک نئے رشتے میں بندھ جاتے تھے اور سارے پرانے معیار اور رشتے ان کے لئے باطل ہو جاتے تھے۔قریش کے سرداروں اور سوچنے والوں کے لئے یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ان کے غلام اور لونڈیاں قرآن

سمجھایا جائے اور اہلِ دولت و اختیار کو سمجھانے پر پوری توجہ دی جائے حالانکہ وہ غریب تو اللہ سے ڈر کی وجہ سے اسلام اور قرآن سیکھنا چاہتا ہے اور جن کے آپؐ پیچھے پڑے ہوئے ہیں' وہ تو حق سے بے نیاز ہیں۔انہیں تو اس کی خواہش ہی نہیں۔

رسولؐ اللہ قریش کے سرداروں سے کوئی ذاتی معاملہ طے نہیں کر رہے تھے۔انہیں وہی دعوت پیش کر رہے تھے جس کو دوسروں تک پہنچانے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا۔آپؐ اس کوشش میں تھے کہ مکہ کے سردار اسلام سمجھ جائیں تو دعوتِ توحید کی راہیں کھُل جائیں۔

رسولؐ اللہ نے اپنا یہ رویہ اور اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، کسی سے چھپائی نہیں۔سارے مسلمانوں کو یہ واقعہ اور سورت سنائی۔اس کے بعد جب بھی آپؐ ابنِ اُمِ مکتوم کو دیکھتے "خوش آمدید" کہتے۔

آپؐ اس کی بہت قدر کرتے اور فرمایا کرتے تھے:"یہ وہ شخص ہے جس کے سلسلہ میں میرا رب مجھ سے ناراض ہوا تھا۔" اور پوچھتے :"کیا آپ کی کوئی ضرورت ہے جو پوری کی جائے۔"

آپؐ کی ہجرت کے بعد ابن اُمِ مکتوم بھی مدینہ آگئے تو حضور جب کسی جنگی مہم پر مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے' تو مدینہ میں ابنِ اُمِ مکتومؓ کو اپنا قائم مقام بنا کر جایا کرتے تھے۔

قرآن اور ولید بن مغیرہ

ایک بار ولید بن مغیرہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔"مجھے قرآن سنائیے"۔

قریش کے سرداروں اور داناؤں کے دلوں میں قرآن کے بارے میں ایک تجسّس پیدا ہونے لگا تھا۔وہ جاننا چاہتے تھے کہ وہ کیسی کتاب ہے کہ جو کوئی سنتا ہے' سارے رشتے ناطے ختم کرکے مسلمان ہو جاتا ہے۔جزیرۃ العرب اور مکہ میں دنیاوی مقام و مرتبہ کے تین پیمانے تھے۔اول یہ کہ کسی کا نسب کیسا ہے؟ پیدائشی طور پر وہ اعلیٰ خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے یا نہیں۔ دوسری چیز یہ دیکھی جاتی تھی کہ اس کے پاس دولت کتنی ہے۔جو جتنا مالدار ہوتا تھا اتنا ہی باعزت سمجھا جاتا تھا۔تیسرے مکی معاشرے میں اس کا مقام و مرتبہ دیکھا جاتا تھا،لیکن جو لوگ قرآن سنتے تھے' قرآن پڑھتے تھے' ان کے نزدیک عزت اور شرف کے یہ سارے پیمانے غلط ہو جاتے تھے' ان کے لئے عزت اور شرف کا معیار اسلام کی تعلیمات پر عمل بن جاتا تھا وہ ایک نئے رشتے میں بندھ جاتے تھے اور سارے پرانے معیار اور رشتے ان کے لئے باطل ہو جاتے تھے۔قریش کے سرداروں اور سوچنے والوں کے لئے یہ بڑی عجیب بات تھی کہ ان کے غلام اور لونڈیاں قرآن

چاہے ہدایت دے اور جو کچھ تم کرتے ہو (دنیا میں) اس کے بارے میں وہاں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے وحی کی حقیقت اور موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں بھی ارشاد فرمایا ہے، توحید کی حقیقت واضح کی ہے، دینِ ابراہیمیؑ کا ذکر کیا ہے، جسے قریش کے اجداد اپنا دین بتاتے تھے اور دینِ ابراہیمیؑ اور اسلام کا تعلق بتایا ہے، رسولوں کے فرائض رسولوں کا انکار کرنے والی قوموں کا انجام، بُت پرستوں کے توہمات، مسلمانوں کو کفار کا ستانا اور ہجرت اور آپس میں عدل اور احسان وغیرہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

"خدا کی قسم! اس کلام میں مٹھاس ہے۔ یہ حسین و جمیل کلام ہے۔ اس کی فکری بنیادیں (جڑیں) مضبوط ہیں۔ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ اس قسم کا کلام اس کا ہو۔" ولید بن مغیرہ نے قرآن سن کر رائے دی۔

جب ابو جہل کو اس واقعہ اور ولید کی رائے کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ اس کے پاس گیا۔ "چچا! تمہاری قوم تمہارے لئے چندہ اکٹھا کرنا چاہتی ہے۔"

"وہ کیوں؟" ولید بن مغیرہ نے حیرانی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ تم محمدؐ کے پاس گئے تھے اور تم نے پیسے کی خاطر اس کلام کی تعریف کی ہے۔"

"قریش کو معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، مجھے ان کے مال اور چندے کی کیا حاجت ہے۔" ولید نے کہا۔

"تو پھر قرآن کے بارے میں اب کوئی ایسی بات کہہ دو جس سے ثابت ہوسکے کہ تم اسے برا سمجھتے ہو۔" ابو جہل نے تجویز کیا۔

"پھر میں کیا کہوں، بخدا! تم میں مجھ سے زیادہ اشعار جاننے والا کوئی نہیں۔" ولید بن مغیرہ نے جواب دیا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ میں تم میں سب سے زیادہ کلام فہم ہوں اور جو رائے میں پہلے دے چکا ہوں، وہی درست ہے۔ اب میں اسے بدل نہیں سکتا۔

ابو جہل ان پر طنز کرکے اور انہیں غیرت دلا کر قرآن کے بارے میں ان کی رائے بدلنا چاہتا تھا، مگر اس کے دل نے بھی گواہی دے دی تھی کہ یہ کلام آسمانی ہے اور وہ اپنے دل کی گواہی کے خلاف کوئی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔

قرآن اور قریش

ولید بن مغیرہ کی رائے سے قریش کے دیگر سرداروں کا تجسس اور بھی بڑھ گیا ہوگا۔ان کے دلوں میں بھی قرآن سن کر اس کے بارے میں رائے قائم کرنے کی خواہش تیز ہوگئی،مگر وہ سب ڈرتے تھے کہ کسی دوسرے کو علم نہ ہو جائے کہ اس نے بھی رسولؐ اللہ سے قرآن سنا ہے۔
رسولؐ اللہ شب ڈھلے اپنے گھر میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو بلند آواز سے قرآن کی تلاوت فرماتے۔آپؐ کی آواز گھر سے باہر بھی صاف سنائی دیتی تھی۔انہوں نے سوچا اس وقت قرآن سنا جائے۔نہ رسولؐ اللہ سے کہنا پڑے گا کہ ہمیں بھی وہ کلام سنائیں جو آپؐ پر نازل ہوا ہے اور نہ کسی اور کو پتہ چل سکے گا کہ وہ بھی قرآن سن کر آئے ہیں۔اسلام کے دو سب سے بڑے دشمن ابوجہل اور ابو سفیان بھی قرآن سننا چاہتے تھے،مگر وہ بھی ایک دوسرے کو اپنی خواہش اور ارادے سے آگاہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ایک شب ڈھلے وہ اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور رات کے اندھیرے میں حضورؐ کے گھر کے باہر چھپ کر بیٹھ گئے۔رسولؐ اللہ نماز میں تلاوت فرماتے رہے اور وہ بیٹھے سنتے رہے۔جب صبح کی روشنی پھیلنے لگی تو وہ اٹھ کر واپس چل دیئے تاکہ کوئی دیکھ نہ لے،لیکن ابھی دور نہیں گئے تھے کہ ابوجہل اور ابوسفیان نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔
پھر اخنس بن شریق بھی ان سے مل گیا۔وہ بھی کسی اور جگہ چھپ کر قرآن سنتا رہا تھا۔تینوں میں سے کسی کو دوسروں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔تینوں جانتے تھے کہ کون کہاں سے آیا ہے۔تینوں شرمندہ ہوئے اور آپس میں کہا:"آئندہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔اگر کسی بیوقوف نے ہمیں اس طرح چھپ کر قرآن سنتے دیکھ لیا تو اس کے دل میں خواہ مخواہ شک پیدا ہو جائے گا۔"

ایک دوسرے کو بیوقوفوں کے شبہ سے خبردار کرکے تینوں اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔
اگلی رات کا اندھیرا چھٹنے کے بعد پھر تینوں کی وہیں ملاقات ہوگئی۔اس رات بھی تینوں چھپ کر قرآن سنتے رہے تھے۔انہوں نے ایک بار پھر اپنے کو اور دوسروں کو اس حرکت پر ملامت کی اور آئندہ کبھی ایسا نہ کرنے کا عہد کیا۔
تینوں میں سے ہر کسی نے سوچا ہوگا کہ آج دوسرے دو تو آئیں گے نہیں،اب کسی کو پتہ چل جانے کا کوئی خدشہ نہیں۔دو راتوں کی خاموشی میں رسولؐ اللہ کی آواز میں خدا کا کلام سننے کا ان کے دلوں پر ایسا اثر ہوا کہ تیسری رات بھی ان میں سے ہر کسی نے یہی سوچا کہ آج وہ اکیلا ہی

ہو گا۔اپنے اپنے دل کو یہ تسلی دے کر تینوں پھر گھروں سے نکلے اور قرآن سنتے رہے۔اس صبح بھی واپسی پر تینوں کی آپس میں ملاقات ہوگئی۔تینوں میں سے ہر کوئی دوسرے دو کے سامنے بہت شرمسار ہوا۔

تینوں نے ایک دوسرے کو حلف دیا کہ آئندہ کبھی بھی وہ قرآن سننے نہیں آئیں گے اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

اخنس بن شریق کا دل تو ڈول گیا تھا،مگر وہ کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا تھا۔معلوم نہیں اس کے دل میں کیا کیا خیال آتے رہے کہ سورج نکلنے کے بعد اس نے ہاتھ میں کھونٹی لی اور ابوسفیان کے گھر کی طرف چل دیا۔

"اے ابو حنظلہ!تُو نے محمدؐ سے جو کچھ سنا ہے،صاف صاف بتاؤ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" اس نے ابوسفیان سے پوچھا۔

"اے ابوثعلبہ ! میں نے جو کچھ سنا ہے،اس کے کچھ حصہ کو تو میں سمجھتا اور جانتا ہوں،لیکن کچھ حصہ ایسا بھی تھا جس کی حقیقت میری فہم سے بالاتر تھی۔" ابوسفیان نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!میرا بھی یہی خیال ہے۔" اخنس بن شریق نے اسے بتایا۔

وہ ابوجہل کی رائے بھی جاننا چاہتا تھا۔وہاں سے سیدھا اس کے گھر پہنچ گیا اور پوچھا:"ابوالحکم!تم نے محمدؐ سے جو کچھ سنا ہے،اس کے بارے میں سچ سچ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"کیا سنا ہے بھائی! ہمارے اور بنو عبدالمناف کے درمیان عزو شرف کا جھگڑا تھا کہ بڑا کون ہے۔انہوں نے کھانا کھلایا،ہم نے بھی خوب کھانا کھلایا۔انہوں نے مسکینوں کو سواری کے لئے اونٹ گھوڑے دیئے،تو ہم نے بھی دیئے۔انہوں نے غرباء میں مال تقسیم کیا،ہم نے بھی کیا،یہاں تک کہ جب ہم ان کے مقابلہ کے لئے پوری طرح مستعد ہوگئے اور دونوں فریق مقابلے کی گھوڑ دوڑ میں برابر جا رہے تھے تو انہوں نے کہا:"ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے،جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔" اب ہم ان کا مقابلہ کیسے کریں؟ خدا کی قسم!ہم تو اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔" ابوجہل نے جواب دیا۔

ابوجہل

حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا،رسول اللہ ﷺ کو بھی کبھی نہیں دیکھا تھا،ایک دفعہ مکہ گیا،میں اور ابوجہل ایک گلی میں جا رہے تھے۔اتفاق سے

رسول اللہ سے ملاقات ہوگئی۔آپؐ نے ابوجہل سے فرمایا:"اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں"۔ ابوجہل نے جواب دیا:"اے محمدؐ! کیا تم ہمارے معبودوں کی برائی کرنے سے باز آتے ہو؟ اگر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اس بات کی گواہی دیں کہ تُونے بات ہم تک پہنچادی تو ہم شہادت دیتے ہیں کہ تم نے بات پہنچادی۔واللہ! اگر مجھے معلوم ہو کہ جو کچھ تم کہتے ہو حق ہے تو میں تمہاری پیروی اختیار کرلیتا۔"

رسول اللہ حق پہنچاکر آگے نکل گئے تو ابوجہل نے مجھ سے کہا:"واللہ! میں جانتا ہوں کہ جو کچھ یہ شخص کہتا ہے حق ہے لیکن مجھے جو چیز اس کی پیروی کرنے سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ قصی کی اولاد نے کہا کہ ہم صاحبِ حجابت ہیں ہم نے مان لیا۔انہوں نے کہا ہم سقایہ والے ہیں ہم نے تسلیم کرلیا۔انہوں نے کہا ہمارے پاس ندوہ کی سربراہی ہے ہم نے یہ (برتری) بھی مان لی۔ انہوں نے کہا جنگ میں جھنڈا دینے کا اعزاز ہمیں حاصل ہے ہم نے ان کا یہ اعزاز بھی تسلیم کرلیا۔پھر انہوں نے غریب اور نادار لوگوں کو کھانے کھلائے تو ہم نے بھی کھلائے۔یہاں تک کہ ہم دونوں فریق برابر آگئے۔اب بنی ہاشم کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے خدا کی قسم! یہ میں کبھی نہیں مانوں گا۔"

قرآن کا خوف

ایک طرف تو قریشِ مکہ کے سرداروں کا اپنا یہ حال تھا کہ وہ قرآن کے بارے میں تجسس رکھتے تھے چھپ چھپ کر قرآن سنتے تھے لیکن دوسری طرف وہ لوگوں کو قرآن سننے سے منع کرتے تھے اور اگر کسی کو قرآن سنتے دیکھ لیتے تو اس کا مذاق اڑاتے تھے۔وہ قرآن سننے والوں پر سختی کیا کرتے تھے اس لئے لوگ خوفزدہ رہتے تھے کہ قریش میں سے کوئی انہیں قرآن سنتے ہوئے دیکھ نہ لے۔جب رسول اللہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور قرآن پڑھتے تو لوگ اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنے کان ادھر لگادیتے تھے لیکن جیسے ہی انہیں خدشہ ہوتا کہ کوئی دیکھ لے گا فوراً وہاں سے چل دیتے۔

جب رسول اللہ نماز میں بلند آواز سے قرآن پڑھتے تو قریش کے سرداروں کو دور سے ہی پتہ چل جاتا کہ آپؐ قرآن کی تلاوت فرما رہے ہیں۔وہ ہوشیار ہو جاتے اور نگرانی شروع کردیتے اور اگر خود وہاں موجود ہوتے تو وہاں سے دور ہٹ جاتے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ اتنی بلند آواز سے (قرآن) نہ پڑھو کہ لوگ (سننے کے

خوف سے) منتشر ہو جائیں اور نہ ہی اتنی آہستہ آواز سے نماز میں قرآن پڑھا کرو کہ جو چوری چوری سننا چاہتے ہیں' وہ سمجھ (سن) نہ سکیں۔ ہو سکتا ہے قرآن سن کر کسی کے دل میں کوئی بات اتر جائے اور اس سے وہ نفع حاصل کرے۔

- "اور تو کہہ (اے نبیؐ) کہ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر پکارو' (اسے) جس نام سے چاہو پکارو' اس کے نام بہت اچھے ہیں اور اپنی نماز کو نہ بلند کرو اور نہ اسے آہستہ کرو بلکہ دونوں کے درمیان راستہ تلاش کرو۔" (110:17)

کفارِ مکہ اللہ کو تو پکارتے تھے' کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ ان کے معبودوں کا خدا ہے' لیکن وہ رحمٰن کو نہیں پکارتے تھے اور نہ اس سے مدد مانگتے تھے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہی اسمائے حُسنیٰ میں سے ایک ہے' کوئی الگ ہستی نہیں۔

حواشی/ حوالہ جات

1- Mushaf Al-Madinah Annabawiyah / King Fahd Holy Quran Printing Complex / Commentry p. 1199

2- سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ولید بن مغیرہ کو سورہ نحل کی آیت نوّے پڑھ کر سنائی تھی اور ولید نے یہ آیت سن کر کہا تھا: "خدا کی قسم! اس میں حلاوت ہے" وغیرہ۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ قریش کا ایک دانشور سردار رسولؐ اللہ سے قرآن سنانے کی درخواست کرے اور آپؐ اسے صرف ایک ہی آیت پڑھ کر سنائیں اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ صرف ایک ہی آیت سن کر پکار اٹھے "خدا کی قسم! اس میں حلاوت ہے"۔ رسولؐ اللہ نے اپنی عادت کے مطابق لازماً اسے اس سورت کا کافی حصہ پڑھ کر سنایا ہوگا جس میں آیت نمبر نوّے بھی شامل تھی۔ اس کے علاوہ رسولؐ اللہ نے ولید کو آیت نوّے سے پہلے کی آیات، پڑھ کر سنائی تھیں یا بعد کی، اس بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن مضمون اور موضوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضورؐ نے آیت نمبر نوے سے پہلے کی اور کچھ بعد کی آیات کی بھی تلاوت فرمائی ہوگی۔

بائیکاٹ

اسلام کا نُور ہر طرف پھیل رہا تھا۔مکہ کی وادیٔ غیرذی زرع سے باہر اور جزیرۃ العرب کے ریگزاروں سے بھی آگے بحیرۂ احمر کے اُس پار بسنے والے سیاہ فام انسانوں کے دل بھی اسلام سے روشن ہونے لگے تھے۔اسلام کے دشمنوں کی ساری کوششوں کے باوجود مکہ میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ابوجہل کے بھائیوں کے بعد اس کا بھانجا اور قریش کا بازوئے شمشیر زن عمرؓ بھی اسلام کا مبلغ بن گیا تھا۔وہ کسی خوف اور ڈر کے بغیر حرمِ کعبہ میں نماز پڑھتا تھا۔عمرؓ اور حمزہؓ مسلمانوں کو ساتھ لے کر حرم میں آتے اور نمازیں پڑھتے۔کسی میں انہیں روکنے کی ہمت نہیں تھی۔انہیں آتے دیکھ کر قریش حرم میں اپنی محفلیں برخاست کردیتے اور اٹھ کر چلے جاتے تھے(۱) وہ جانتے تھے کہ عمرؓ اور حمزہؓ کو حرم میں نماز پڑھنے سے روکنے کا نتیجہ کیا ہو گا۔قریش کے سرداروں کے لئے یہ پسپائی بڑی توہین اور شرم کی بات تھی۔مکہ کی شہری ریاست پر ان کی گرفت کمزور ہونے لگی تھی۔ایک سال پہلے جس قسم کی صورتحال سے بچنے کے لئے رسولؐ اللہ نے مسلمانوں کو حبشہ چلے جانے کا حکم دیا تھا،اب اسی قسم کی صورتحال میں قریش پھنس گئے تھے۔

اگر وہ عمرؓ، حمزہؓ اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو قوت کے ذریعے حرم میں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں، تو وہ طاقت کا جواب طاقت سے دیں گے۔قریش کے ہر گھر، خاندان اور قبیلہ میں مسلمان موجود تھے جو اپنے سارے خونی اور خاندانی رشتے توڑ کر اسلامی اخوت کے رشتہ سے منسلک ہو چکے تھے اور اسلام کی خاطر تن من دھن قربان کرنے کے لئے بے چین تھے، وہ سب متحد ہوں گے۔اِس سے ہر قبیلہ اور خاندان بٹ جائے گا۔شہر اور شہری ریاست خانہ جنگی کا شکار ہو جائے گی۔عرب کے اندر اور باہر قریش کا وقار اور دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ان کی تجارت کو نقصان

پہنچے گا۔یہ چیز انہیں کسی طرح بھی قبول نہیں تھی۔اسی صورتحال سے بچنے کے لئے انہوں نے رسولؐ اللہ سے مصالحت کی کوششیں کی تھیں، مگر جھگڑا کوئی زمین کا تو نہیں تھا، کسی سرداری کا نہیں تھا، تنازعہ تو حق اور باطل کا تھا مصالحت کس بات پر ہوتی؟ انہوں نے ابو طالب کو دھمکیاں دیں، مگر وہ بھی کارگر نہ ہوئیں۔ابو طالب نے محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلعم بلا خوف اسلام کی دعوت دیتے تھے۔دن رات اس مشن کی تکمیل میں مصروف رہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا تھا۔آپؐ ہر محفل میں، ہر مجلس میں، حرمِ کعبہ میں، گلیوں اور بازاروں میں، باہر سے آنے والے زائرین اور حاجیوں کے ڈیروں پر جا کر توحید کا پیغام پہنچا رہے تھے۔

اسلام کے دشمن عملاً بے بس ہو گئے تھے۔انہوں نے ابو طالب کو جنگ کی دھمکی تو دے دی تھی، مگر وہ جانتے تھے کہ اگر جنگ ان کی اپنی طرف سے شروع کی جائے گی، تو اس میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اپنے سردار کا ساتھ دیں گے۔دوسرے قبیلوں میں ان کے رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے۔ان کے حلیف بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور سارے مسلمان بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے۔

صورتحال خانہ جنگی سے بھی بدتر ہو جائے گی۔

قریش دنیادار لوگ تھے۔وہ معاملے کو اس کے دنیاوی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دیکھتے تھے۔اسی ذہنیت اور طرزِ فکر کی وجہ سے انہوں نے رسولؐ اللہ کو مال و دولت اور شرکتِ اقتدار کے لالچ دیئے تھے۔نئی صورتحال سے نکلنے کے لئے بھی انہوں نے سارے معاملے کے دنیاوی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر سوچنا شروع کیا۔اگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو کسی طرح لڑائی کے بغیر رسولؐ اللہ کی حمایت سے الگ کر دیا جائے تو کیا ہو گا؟

رسول اللہ صلعم کے ساتھ صرف مسلمان رہ جائیں گے۔

جن قبیلوں سے ان دوسرے مسلمانوں کا تعلق ہے، ان سے کہا جا سکے گا کہ دیکھو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے اپنے آبائی دین کے تحفظ کے لئے اپنے قبیلہ کی آنکھ کے تارا کی حمایت چھوڑ دی ہے۔تم بھی اپنے اپنے قبیلہ اور خاندان کے مسلمان ہو جانے والے افراد کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔انہیں امید تھی کہ اگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب اس کے لئے آمادہ ہو گئے، تو قریش کے دیگر قبیلے بھی ایسی علیحدگی کیلئے تیار ہو جائیں گے۔انہیں امید تھی کہ اس کے بعد مسلمانوں سے نپٹنا آسان ہو جائے گا، کیونکہ وہ اکیلے ہوں گے۔

مکہ کی وادیٔ غیرذی زرع میں کھانے کی سب اشیاء باہر سے آتی تھیں۔قریشِ مکہ کی امارت' سرداریوں اور روزی روٹی کا انحصار تجارت پر تھا۔ان کی تجارت آج کے زمانے کی طرح نہیں تھی۔ سینکڑوں اور ہزاروں اونٹوں پر مشتمل قافلے دور دراز علاقوں اور ممالک میں جاتے تھے۔مہینوں ان قافلوں کی روانگی کی تیاریاں ہوتی رہتی تھیں۔سارے مکہ کے لوگ مل کر ایک قافلہ سالار چنتے تھے۔اس کے ساتھ محافظوں کے دستے جاتے تھے۔جن قبیلوں اور سرداروں کے علاقوں میں سے یہ قافلے گزرتے تھے' ان سے راہداری کے معاملات طے کئے جاتے تھے۔جب قافلے واپس آتے تھے تو جو مالِ تجارت لاتے تھے' وہ مکہ کی منڈی اور اردگرد کے تجارتی میلوں میں فروخت کیا جاتا تھا' جزیرۃ العرب کے صحراؤں اور ریگزاروں میں رہنے والے خانہ بدوش قبائل کے ہاتھ بیچا جاتا تھا۔یہ اجتماعی کاروبار تھا۔کوئی ایک فرد' ایک خاندان یا ایک قبیلہ اپنے طور پر تجارت اور تجارتی قافلوں کی ضروریات اور لوازمات پورے نہیں کر سکتا تھا۔

اگر کسی خاندان اور قبیلہ کو اس صدیوں پرانے تجارتی کاروبار اور قافلوں میں شریک نہ کیا جائے تو کیا ہو گا؟

اور اگر اس کے ساتھ ہی مکہ کی شہری ریاست کے اندر بھی اس خاندان اور قبیلہ کے ہاتھ نہ کوئی چیز بیچی جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے تو کیا ہو گا؟

مکمل اندرونی اور بیرونی تجارتی اور کاروباری بائیکاٹ۔

اس قبیلے اور خاندان کے لوگ غلہ اور اشیاءِ خوردنی کہاں سے لیں گے؟ انہیں آمدنی کہاں سے ہو گی؟

اول تو پیسہ ہی نہیں ہو گا اور اگر ہو گا بھی تو خریداری کہاں سے کریں گے؟

قریشِ مکہ کو اپنی خاندانی برتری پر ہمیشہ سے فخر رہا تھا۔وہ بیٹے بیٹیوں کی شادیاں اکثر و بیشتر آپس میں ہی کرتے تھے' اسی لئے سب ایک دوسرے سے رشتوں میں بندھے ہوئے تھے۔اگر سارے خاندان اور قبیلے مل کر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے نہ رشتہ لیں اور نہ انہیں کوئی رشتہ دیں تو بنی ہاشم اپنے بچوں کی شادیاں کہاں کریں گے؟

اس دور میں قریشِ مکہ کا طرزِ زندگی ایسا تھا کہ وہ صبح شام حرمِ کعبہ کے اردگرد محفلیں جما کر بیٹھ جاتے تھے۔ذاتی اور خاندانی برتری جتاتے تھے۔شعر و شاعری ہوتی تھی۔باہمی معاملات پر بحث و مباحثے ہوتے تھے۔یہ محفلیں ان کی سماجی زندگی کی جان اور مرکزِ ثقل ہوتی تھیں۔

اگر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو ان محفلوں سے نکال دیا جائے' تو وہ سماجی طور پر شہر اور ریاست

میں اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔شہری ریاست کے تمام معاملات سے الگ ہو جائیں گے۔

ابو جہل اور ان کے ساتھیوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد ایک منصوبہ بنایا۔باہمی معاہدے کی دستاویز تیار کی اور پھر دیگر قبائل اور خاندانوں کو اس سے اتفاق کرنے پر راضی کر لیا۔معاہدہ یہ تھا:

"جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محمد رسول اللہ صلعم کی حمایت سے دست بردار نہیں ہو جاتے اور انہیں ہمارے حوالے نہیں کر دیتے تاکہ ہم ان کے ساتھ جو چاہیں سلوک کریں(2) یا محمد رسول اللہ صلعم خود اس دین کو ترک کر دینے پر آمادہ نہیں ہو جاتے جس کا وہ پرچار کرتے ہیں' اس معاہدے سے اتفاق کرنے والا کوئی قبیلہ یا اس کا کوئی خاندان یا فرد بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے :

1- کوئی کاروبار اور لین دین نہیں کرے گا۔نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچے گا نہ ان سے کوئی چیز خریدے گا۔

2- نہ ان کے ہاں بیٹے بیٹیوں کے رشتے کرے گا۔

3- نہ ان کے ساتھ محفل میں بیٹھے گا۔

4- اور نہ ہی ان کے ساتھ میل جول رکھے گا۔

5- ان کے ساتھ کوئی نرمی اور مہربانی روا نہیں رکھی جائے گی۔

6- جو کوئی کسی مسلمان کا مقروض ہے' وہ قرض ادا نہیں کرے گا۔

آج کے دور میں بھی اگر کسی فرد خاندان یا قبیلہ کا ایسا بائیکاٹ کر دیا جائے تو اس کے لئے سارے محلے' قصبہ اور شہر کے مقابلے میں اپنے مؤقف پر ڈٹے رہنا محال ہو جاتا ہے۔اگر کسی ملک پر چھوٹی موٹی تجارتی پابندی لگا دی جائے تو وہ ہتھیار ڈال دیتا ہے۔اس زمانہ میں قریشِ مکہ کی طرف سے بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا اس انداز کا بائیکاٹ کرنا عملاً سارے شہر' ساری قوم اور ساری دنیا کی طرف سے تجارتی پابندیاں لگانے اور سماجی بائیکاٹ کرنے کے مترادف تھا،کیونکہ بیرونی دنیا سے ہر قسم کا تجارتی تعلق اور رابطہ مکہ کے قریش، کے حوالے اور تعاون سے ہی ممکن تھا۔یہ مقاطع کسی معینہ مدت کے لئے نہیں تھا۔اس وقت تک تھا جب بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب مکہ کے قریش کی شرائط مان نہیں لیتے۔قریشِ مکہ کے علاوہ اردگرد کے متعدد دیگر قبائل بھی اس معاہدے میں شامل ہوگئے (3) ابو طالب اور ان کا قبیلہ ان پابندیوں کے اثرات سے واقف تھا۔اس کے باوجود انہوں نے قریش کی متحدہ قوت کے سامنے پسپائی اختیار نہیں کی۔

ابو لہب کو چھوڑ کر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے مسلمان اور غیر مسلم سب افراد اور

خاندان حضورؐ کی حمایت میں متحد ہو گئے۔بعض مؤرخ اس اتحاد کی وجہ ان کا خاندانی تعصب بتاتے ہیں۔اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں خاندانی تعصب بہت بڑی قوت (Binding Force) تھا،لیکن اس کی اور وجہ رسول اللہ صلعم کا بے مثال اور بے داغ کردار بھی تھا۔اگر حضورؐ کی پاکیزہ زندگی کی عملی مثال ان کے سامنے نہ ہوتی تو ان میں سے بہت سے اس بائیکاٹ سے بچنے کا کوئی بہانہ ڈھونڈھ لیتے یا کم از کم اپنے سردار ابو طالب کو حضورؐ کا ساتھ چھوڑ دینے کا مشورہ تو دیتے ہی،مگر تاریخ ابو لہب کے سوا کسی ایک بھی ہاشمی یا مُطّلبی کی مثال پیش نہیں کر سکی جس نے ابو طالب کے فیصلے کی مخالفت کی ہو۔

رہا ابو لہب کا قریشِ مکہ کا ساتھ دینا،تو اس کی بڑی وجہ اس کی بیوی تھی،جو اسلام کے بڑے دشمن ابوسفیان کی بہن تھی۔وہ حضورؐ اور اسلام کی ابولہب سے بھی زیادہ دشمن تھی۔ابولہب میں اپنی بیوی اور سالے کو ناراض کر کے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا ساتھ دینے کی جرأت نہیں تھی۔اگر وہ چاہتا بھی تو اس کی بیوی اور اولاد اس کا ساتھ نہ دیتے۔بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب میں بلکہ قریشِ مکہ میں وہ سب سے منہ زور اور خودسر عورت تھی،جسے اپنے بھائی کی سرداری اور دولت پر بڑا ناز تھا اور ابو لہب اپنے سسرالی خاندان سے بہت مرعوب تھا۔اس کی بیوی جو بھی گھٹیا حرکت کرتی،وہ کبھی اسے روک نہ سکا۔قریشِ مکہ کے سرداروں میں سے کسی اور کی بیوی یا کسی خاندان کی کسی عورت نے ساری مخالفت کے باوجود کبھی حضورؐ کو گالی نہیں دی تھی۔کبھی آپؐ کی راہ میں کانٹے نہیں بچھائے تھے اور کبھی آپؐ کے خلاف شعر نہیں کہے تھے۔اس کے علاوہ ابولہب کمزور دل اور ڈرپوک بھی تھا۔اس نے زندگی بھر کبھی جرأت کردار کا مظاہرہ نہیں کیا۔

شعب والے

بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے جدِ امجد قصی نے جب سارے قریش کو مکہ میں جمع کر کے انہیں وہاں اپنے مکانات تعمیر کرنے کو کہا تھا،تو حرم کے آس پاس کے علاقے اور دونوں طرف کے پہاڑوں کی گھاٹیوں اور بلندیوں پر بنی کعب کی مختلف شاخوں کو بسایا تھا۔یہ مکہ کا اندرونی حصہ تھا۔ یہاں کے رہنے والے البطاح یعنی اندرونی حصہ والے اور اہلِ حرم کہلاتے تھے۔قریش کے باقی خاندانوں کو مکہ کے بیرونی حصوں میں مکان بنانے کو جگہ دی گئی تھی۔اس طرح شروع شروع میں پورے کے پورے خاندان ایک ہی جگہ آباد ہوئے تھے۔جب آبادی بڑھی تو ان کے نئے گھر اور مکانات اسی محلّہ اور علاقہ میں بنتے رہے یا اس سے قریب جگہوں پر بنائے تھے۔کچھ لوگ دوسرے

علاقوں اور محلوں میں بھی منتقل ہوتے رہے، مگر اس کے باوجود کسی ایک قبیلہ کی اکثریت ایک ہی محلے اور جگہ پر رہتی تھی۔

ابو طالب اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ان کے ہاں باہر سے بھی مہمان آتے تھے۔قبیلہ کے اور مکہ کے لوگ بھی ان کے گھر پر جمع ہوتے تھے۔سماجی اور سیاسی ضرورتوں کے تحت ان کی رہائش اور حویلی دوسروں سے بڑی تھی اور جس محلے میں یہ حویلی واقعہ تھی، اسے ان کے نام کے حوالہ سے شعبِ ابی طالب کہتے تھے۔شعب کے معنی گھاٹی کے ہیں۔یہ گھاٹی کوہِ ابو قبیس کی گھاٹیوں میں سے ایک تھی اور حرم سے ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر تھی (4) شعبِ مولد اور شعبِ علی بھی اس سے متصل تھیں اور اسی محلّہ کا حصہ تھیں۔بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے اکثر گھرانے اسی محلے یا شعب میں یا اس کے اردگرد رہتے تھے۔جب کفارِ مکہ نے ان کے بائیکاٹ یا مقاطع کا اعلامیہ تیار کر کے حرم میں لٹکا دیا، تو ابو طالب نے دوسرے محلوں میں رہنے والے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے گھرانوں کو بھی اس آبائی محلّہ میں منتقل ہو جانے کو کہا۔حضرت خدیجہؓ کا آبائی مکان دوسرے محلے میں تھا،مگر وہ خود رسولؐ اللہ کے ساتھ آپؐ کے آبائی گھر میں رہائش رکھتی تھیں، ان کے کاروبار اور تجارت کا مرکز ان کا آبائی مکان ہی تھا۔انہوں نے بھی اپنا ضروری سامان رسول اللہ صلعم کے گھر منتقل کر لیا اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے سارے لوگ اس محلّہ میں منتقل ہو گئے۔ان کے بعض حامی قبیلے اور وہ نادار اور غریب مسلمان جن کا تعلق کسی قریشی خاندان سے نہیں تھا،وہ بھی اسی محلّہ میں آ گئے۔ابو طالب کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر لینے کے اس فیصلے کی کئی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔جن لوگوں کا قریش نے سماجی بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کیا تھا،اگر وہ مکہ کے دیگر محلوں میں مشرکین کے درمیان بکھرے رہتے تو ان کے لئے زندگی گزارنا مشکل ہو جاتا۔وہاں ان کے ساتھ ملنے جلنے اور بولنے چالنے والا بھی کوئی نہ تھا۔کسی ضرورت کے وقت کوئی مدد کو آنے والا بھی نہ ہوتا۔شعبِ ابی طالب میں سب وہ لوگ تھے جو ایک دوسرے کی مصیبت، غم اور خوشی کے ساتھی تھے۔اگر کوئی چھوٹا موٹا کام کرتا تھا یا کر سکتا تھا تو وہ بھی اسی محلے میں ہو سکتا تھا۔مکہ کی ساری آبادی دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک مقاطع کرنے والا گروپ جو بڑا اور طاقتور تھا اور دوسرے وہ لوگ جن کا بائیکاٹ کیا گیا تھا، وہ تعداد میں کم تھے۔بائیکاٹ کی وجہ سے ان کے وسائل بھی محدود ہو گئے تھے۔ان میں غریب اور کمزور مسلمان بھی تھے۔قریش غریب اور کمزور مسلمانوں پر تشدد کرتے تھے۔ان حالات میں خدشہ تھا کہ کسی وقت دونوں گروپوں میں کوئی تصادم ہو جائے۔اِس خدشہ کو دور کرنے کے لئے اور اپنی جماعت میں اتحاد اور استحکام قائم

رکھنے کے لئے بھی ابو طالب نے سوچا ہو گا کہ وہ سب لوگ ایک ساتھ ایک جگہ رہیں (5) لیکن جو مسلمان قریش کے دیگر خاندانوں اور قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے' وہ اپنے اپنے گھروں اور خاندانوں کی ساتھ ہی رہے۔

بے مثل استقامت

یہ مقاطع یکم محرم 7 بعثت کو شروع ہوا اور محرم 10 بعثت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے خاتمہ کے اسباب پیدا کئے۔اس طرح یہ بائیکاٹ تین سال تک رہا(6) ان تین سالوں میں رسول اللہ صلعم' آپؐ کے اہلِ خانہ' غریب اور نادار مسلمانوں' ابو طالب' بنی ہاشم' بنی عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے بڑی جرآت اور استقامت سے قریش کے ظلم اور مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا اور کسی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی۔وہ سب رسول اللہ صلعم کی حمایت پر ڈٹے رہے۔

شعبِ ابی طالب میں رہنے والے نہ تجارت کر سکتے تھے' نہ مکہ کے بازاروں میں خرید و فروخت کر سکتے تھے۔باہر سے جب کوئی قافلہ مکہ آتا تو قریش اس کا سارا مال مہنگے داموں خرید لیتے تھے۔ابو لہب ان تاجروں سے مل کر کہتا کہ اگر کوئی مسلمان یا بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا کوئی فرد کچھ خریدنا چاہے تو قیمت اتنی زیادہ بتانا کہ وہ خرید نہ سکیں۔اگر تمہارا مال بک نہ سکا تو میں خود سارا مال خرید لوں گا۔سال کے صرف چار حرمت والے مہینوں رجب' ذیعقدہ' ذوالحج اور محرم میں انہیں باہر سے آنے والوں کے ساتھ خرید و فروخت کا موقع ملتا تھا،لیکن ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے پاس روپیہ پیسہ بھی بہت کم تھا۔رسولِؐ اکرم اور حضرت خدیجہؓ کے پاس جو کچھ جمع تھا'اس سے وہ اپنی اور غریب مسلمانوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔حضرت ابوبکرؓ صدیق بہت مالدار تھے۔وہ بھی غریب اور نادار مسلمانوں کی مدد کرتے رہے۔اس وجہ سے مقاطع ختم ہونے تک ان کی اپنی مالی حالت بہت خراب ہو گئی تھی' حضرت عمرؓ بھی مختلف طریقوں سے مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے (7) لیکن ہزاروں افراد کی ضروریات پوری کرنا بہت مشکل تھا۔جب ان کی جمع پونجی ختم ہو گئی تو گھریلو اشیاء بکنے لگیں۔آخری دنوں میں حضرت خدیجہؓ کے گھر میں صرف ایک ہانڈی اور مٹی کا ایک پیالہ رہ گئے تھے (8) محصورین درختوں کے پتے کھانے پر مجبور ہو گئے تھے،مگر چودہ سو سال پہلے کے مکہ کے خشک اور سنگلاخ پہاڑوں اور وادیوں میں درخت بھی تو بہت ہی کم ہوتے تھے۔بارش بہت ہی کم ہوتی تھی' اس لئے گھاس اور ہریاول بھی نایاب تھیں' شعبِ ابی طالب میں رہنے والوں کے ہاں خوراک کی قلت کا اس سے اندازہ کیا جا

سکتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کہتے ہیں کہ ایک رات انہیں اونٹ کے چمڑے کا ایک سوکھا ہوا ٹکڑا مل گیا،انہوں نے اسے اچھی طرح دھویا اور پیس کر اس میں پانی ملا کر لئی سی بنا لی۔ تین روز تک وہ اسی پر گزارہ کرتے رہے تھے۔

دنیا کی تاریخ میں اتنا سخت اور ظالمانہ مقاطع شاید ہی کسی فرد یا گروہ کا کیا گیا ہو۔قریشِ مکہ باقاعدہ نگرانی کرتے تھے کہ مکہ کا کوئی باسی چوری چھپے بھی شعبِ ابی طالب میں رہنے والوں تک کوئی چیز نہ پہنچائے۔وہ رسولؐ اللہ کی قوتِ مدافعت ختم کرنا چاہتے تھے اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو مجبور کرنا چاہتے تھے کہ وہ رسولؐ اللہ کی حمایت ترک کر دیں۔اس کے بعد ان کے لئے قریش کے دیگر خاندانوں کو اپنے اپنے مسلمان ہو جانے والے افراد کی حمایت ترک کرنے پر مجبور کرنا آسان ہو جاتا اور جب سارے قبیلے سارے مسلمانوں کو اپنی حمایت سے نکال دیتے تو قریش کے لئے ان سے نپٹنا آسان ہو جاتا،لیکن ان دونوں خاندانوں نے ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں،مگر قریش کے مقابلہ میں ہار نہیں مانی۔رسولؐ اللہ اور ان کے ساتھی نادار مسلمانوں کی استقامت میں بھی ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

مکہ کے کچھ بزرگوں نے قریش سے مصالحت کی کوشش کی تو قریش کے سرداروں نے جواب دیا:''اگر محمدؐ اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں تو ہم پابندیاں ختم کرنے کے لئے تیار ہیں' لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو اپنی موت کا انتظار کریں''(9) لیکن موت کے ماحول میں بھی رسولؐ اللہ نے پوری قوت اور صلاحیت کے ساتھ دعوتِ اسلام جاری رکھی۔آپؐ حرمِ کعبہ میں اور قریش کی محفلوں میں اسی طرح قرآن کی تلاوت فرماتے رہے جیسے پہلے فرمایا کرتے تھے۔اسی طرح ان سے بحث کرتے اور ان کے سوالات اور اعتراضات کے جواب دیتے رہے۔آپؐ وادیٔ مکہ کے باہر کے قبیلوں میں بھی تبلیغِ اسلام کرتے رہے جس کے نتیجے میں مکہ کے باہر بدو قبائل میں بھی اسلام پھیلنے لگا(10) قریش کے سرداروں کے لئے یہ بات اور بھی پریشان کن تھی۔ان کا خیال تھا کہ اتنی سخت پابندیوں میں کوئی انسان اور قبیلہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے درمیان ان سختیوں کی وجہ سے اختلافات پیدا ہو جائیں گے اور وہ رسولؐ اللہ کو قریش سے کسی مصالحت پر مجبور کر دیں گے،مگر ان کی کوئی امید بر نہیں آ رہی تھی اور ان کی یہ چال بھی ناکام ہوتی نظر آ رہی تھی۔جزیرۃ العرب کے دور دراز کے علاقوں سے حج اور عمرہ کے لئے آنے والوں میں بھی حضورؐ اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ان کے کیمپوں اور خیموں میں جا جا کر انہیں توحید کا پیغام پہنچاتے اور قرآن سناتے تھے۔

جب یہ لوگ اپنے اپنے قبیلوں اور علاقوں میں واپس جاتے تو حضورؐ کی استقامت اور قریش کے ظلم کی تفصیلات ساتھ لے کر جاتے تھے۔شعبِ ابی طالب میں رہنے والوں کے بچے رات کو بھوک کی وجہ سے سو نہیں سکتے تھے۔ان کے رونے کی آوازیں محلے سے باہر کے مشرک بھی سنتے تھے۔مکہ کے کچھ لوگ سوچنے لگے کہ انہوں نے ابوجہل اور اس کے ساتھی' انتہا پسندوں کے کہنے پر بائیکاٹ سے اتفاق کر کے ظلم اور زیادتی تو نہیں کی؟ کیا وہ اپنے خاندانی رشتوں کے حقوق سے غفلت کر کے کوئی جرم تو نہیں کر رہے؟ کیا محض اپنے خاندان کے نوجوان کی حمایت کرنے کی وجہ سے بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو اس طرح بھوکوں مارنا جائز ہے؟ ایسے کئی لوگ ہوں گے، مگر ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کے خوف کی وجہ سے وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ بنو عامر قبیلہ کے ایک سردار کا نام ہشام تھا۔اس کے والد عمرو اور رسولؐ اللہ کے والد حضرت عبداللہ کے ایک چچا نصنلہ بن ہاشم ایک ہی ماں سے تھے یعنی ماں جائے بھائی تھے۔نصنلہ کی اولاد بھی شعبِ ابی طالب میں محصور تھی۔ہشام نصنلہ کو اپنا چچا اور اس کی اولاد کو اپنے چچا کی اولاد سمجھتا تھا اور بنی ہاشم سے ہمدردی رکھتا تھا۔وہ رات کے اندھیرے میں اونٹ پر سامان لاد کر شعبِ ابی طالب کے دہانے پر لے جاتا اور پیچھے سے ڈنڈا مار کر شعب کے اندر بھیج دیتا۔شعب کے مقیم اونٹ پر سے سامان اتار لیتے اور اسے شعب سے باہر ہانک دیتے۔

حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ بھی اپنی پھوپھی کے لئے چوری چھپے سامان بھیجا کرتے تھے۔ایک روز وہ اپنے غلام کے سر پر غلہ رکھ کر شعب کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹ پر سوار ابوجہل اودھر آ نکلا۔

"کیا تو یہ راشن بنو ہاشم کے لئے لے جا رہا ہے؟" وہ حکیم بن حزام سے جھگڑنے لگا۔"خدا کی قسم! تیرا غلام یہ خوراک ان کے ہاں نہیں لے جا سکتا۔میں تمہیں سارے مکہ میں رسوا کروں گا کہ تم نے معاہدہ کے خلاف ورزی کی ہے؟

ابوجہل ان سے جھگڑ رہا تھا کہ بنو اسد کا سردار ابوالبختری انہیں دیکھ کر رک گیا۔"کیا بات ہے۔ اس سے کیوں جھگڑ رہے ہو؟" اس نے ابو جہل سے پوچھا۔

"یہ بنو ہاشم کے ہاں غلہ لے جا رہا ہے۔" ابو جہل نے جواب دیا۔

"یہ اس کی پھوپھی کا غلہ ہے جو اس کے پاس رکھا تھا۔اس نے منگوایا ہے۔تُو اسے کیسے روک سکتا ہے؟" ابوالبختری نے کہا۔"چھوڑ دو اسے جانے دو۔"

"نہیں میں نہیں جانے دوں گا۔" ابوجہل اس سے بھی الجھ پڑا۔

دونوں میں تلخ کلامی ہونے لگی۔
ابوالبختری نے ابوجہل کے اونٹ کی گردن پکڑ کر جھٹکا دیا تو اونٹ بیٹھ گیا۔اس نے ابوجہل کو گُدی سے پکڑ کر اونٹ سے نیچے کھینچ لیا۔لاتوں اور گھونسوں سے اس کی مرمت کی اور قریب پڑی ایک ہڈی اٹھا کر ابوجہل کے سر پر اس زور سے ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا۔
حضرت حمزہؓ ادھر سے گزر رہے تھے‘ وہ انہیں لڑتا دیکھنے کے لئے رک گئے۔
ابوالبختری اور ابوجہل فوراً ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تاکہ رسولؐ اللہ کو معلوم ہو تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ قریش میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔
کتابوں میں ان چند واقعات کے سوا کوئی ایسا حوالہ موجود نہیں جس سے پتہ چلے کہ شعب میں رہنے والوں کو باہر سے کسی طرف سے کوئی امداد یا غلّہ موصول ہوتا تھا۔چار مہینوں میں وہ جو کچھ خرید کر جمع کر لیتے تھے‘باقی آٹھ مہینے اسی پر گزارہ کرتے تھے۔باقی مہینوں میں بیرونی قافلوں کو بھی ادھر جانے سے روک دیا جاتا تھا۔

معاشرے کی زینت ابوبکرؓ

حضرت ابوبکرؓ نے درخواست کی تو رسولؐ اللہ نے انہیں بھی حبشہ ہجرت کی اجازت دے دی۔وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو کسی نے روکا نہیں۔ابوبکرؓ کی ہجرت سے قریشِ مکہ کو چرکا تو لگا مگر خاموش رہے۔یمن کی راہ میں احابیش کا سردار ابن الدغنہ مل گیا۔”ابوبکرؓ کیسے سفر پر ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”میری قوم نے مکہ میں میری زندگی تنگ کر دی تھی۔اذیت سے نجات کے لئے حبشہ کے سفر پر ہوں“۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔
”ابوبکرؓ!تم تو معاشرے کی زینت ہو۔خدا کی قسم!تمہیں مکہ چھوڑ کر جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی‘ تم تو مسکینوں کا بار اٹھاتے ہو‘ نیک کاموں میں مدد کرتے ہو‘ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کرتے ہو‘میں تمہیں حبشہ نہیں جانے دوں گا۔“
اس نے حضرت ابوبکرؓ کو مکہ واپسی پر آمادہ کرلیا اور منزل منزل ساتھ چلتا ہوا مکہ لے آیا۔
قریش کے سرداروں کو جمع کرکے اس نے اعلان کیا:”میں نے ابو قحافہ کے بیٹے کو پناہ دی ہے۔ ابوبکرؓ جیسے انسان کو مکہ سے نکالا جاسکتا ہے نہ وہ یہاں سے جاسکتا ہے۔اب کوئی ان کے ساتھ بھلائی کے سوا کچھ اور سلوک نہ کرے۔“

قریش کے سرداروں نے کہا: "ہمیں خطرہ ہے کہ اس سے قرآن سن کر ہمارے بچے اور عورتیں فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔آپ ان سے کہیں کہ یہ اپنے گھر سے باہر قرآن پڑھ کر ہمیں اذیت نہ دیں۔اپنے گھر میں جس طرح چاہیں' اپنے رب کی عبادت کریں۔"

کفار قرآن اور اسلام سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔

ابن الدغنہ حضرت ابوبکرؓ کو ان کے شہر پہنچا کر اور قریشِ مکہ کو خبردار کرکے واپس اپنے قبیلہ میں چلا گیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے گھر میں مسجد بنائی۔وہ نماز کے دوران بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرتے تو مشرکین کے بچے اور عورتیں ہجوم کرکے ان کے گھر کے سامنے جمع ہو جاتے۔ان کی آواز میں سوز تھا' دل میں درد تھا' قریش نے رسولؐ اللہ' بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔قریش کے ظلم اور مسلمانوں کے مصائب کی وجہ سے آپ نماز میں اس قدر روتے کہ سننے والوں کے دل پگھلنا شروع ہو جاتے۔

قریش کے سردار بہت گھبرائے۔انہوں نے ابن الدغنہ کے پاس ایلچی دوڑائے۔وہ آیا تو حضرت ابوبکرؓ کی شکایت کی: "یہ اپنے گھر میں اتنی اونچی آواز میں قرآن پڑھتے ہیں کہ ہمیں اپنے اہل و عیال کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔انہیں کہو خاموشی سے عبادت کیا کریں۔اگر ایسا نہیں کرسکتے تو تمہارا ذمہ تمہیں واپس کر دیں۔"

انہیں امید تھی کہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کی یہ بات بھی مان لیں گے۔ابن الدغنہ ان کے پاس گیا اور قریش کا مطالبہ پیش کیا: "اگر آپ اونچی آواز میں قرآن پڑھتے رہے' تو مجھے خدشہ ہے قریش میری پناہ توڑ دیں گے اور سارے عرب میں میری بدنامی ہوگی۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "میں اللہ کی حفاظت پر راضی ہوں اور تمہارا ذمہ تمہیں واپس کرتا ہوں۔"

ابن الدغنہ وہاں سے اٹھ کر سیدھا قریش کے سرداروں کے پاس گیا۔"ابوبکرؓ نے میرا ذمہ واپس کر دیا ہے' اب تم جانو اور تمہارا آدمی جانے۔"

قریش کی چال ناکام ہوگئی۔

ابن الدغنہ واپس چلا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کھلے عام اللہ کی عبادت اور قرآن کی تلاوت کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عشقِ رسولؐ کا ایک اور واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ایک بار رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ دارِارقم کی طرف سے مسجدِ حرام میں داخل ہوئے' حرم میں قریش

جمع تھے۔حضرت ابوبکرؓ نے انہیں مخاطب کرکے اسلام اور توحید کے بارے میں خطاب شروع کر دیا اور انہیں اللہ اور رسولؐ کی طرف دعوت دی۔رسولؐ اللہ کے علاوہ کبھی کسی اور نے اس طرح علی الاعلان دعوت نہیں دی تھی۔حرم میں اور مشرکین کے مجمع میں اس طرح کھلے عام ان کے دین کی برائی کی جائے؟ قریش مشتعل ہوگئے۔وہ حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے۔انہیں زمین پر گرا کر ٹھڈے مارنے لگے۔عتبہ بن ربیعہ نے ان کے چہرے پر جُوتے مارے۔حضرت ابوبکرؓ کے قبیلہ والوں نے انہیں قریش سے چھڑایا اور اٹھا کر گھر لے گئے۔حضرت ابوبکرؓ کا چہرہ سُوج گیا تھا اور سُوجن سے ناک چھپ گئی تھی۔ان کی حالت بہت خراب تھی۔انہیں گھر پہنچا کر بنو تیم کے لوگ واپس حرم میں گئے اور اللہ کی قسم اٹھا کر اعلان کیا کہ اگر ابوبکرؓ مر گئے تو وہ عتبہ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔
شہر کی فضاء کشیدہ ہوگئی۔بنو تیم کے لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر جمع تھے۔شام تک انہیں ہوش نہیں آیا تھا۔وہ ان کے گرد بیٹھے رہے۔جب ہوش آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے پہلا سوال کیا:"رسولؐ اللہ کا کیا حال ہے"؟

قبیلہ والوں نے اس کا برا مانا اور اٹھ کر چلے گئے۔

ان کے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اپنی والدہ سے پھر وہی سوال کیا۔انہیں اپنی حالت کا غم نہیں تھا۔یہ فکر تھی کہ کفار نے رسولؐ اللہ سے زیادتی نہ کی ہو۔

"بخدا مجھے تمہارے دوست کے بارے میں کچھ معلوم نہیں"۔ ان کی والدہ نے جواب دیا۔

"اُمِ جمیل بنتِ خطاب (فاطمہ بنتِ خطاب) کے گھر جائیں اور ان سے حضورؐ کے بارے میں معلوم کریں"۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی والدہ سے درخواست کی۔

ان کی والدہ اسی وقت اُمِ جمیل کے ہاں گئیں۔

"ابوبکرؓ محمدؐ بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ ان کا کیا حال ہے؟" انہوں نے اُمِ جمیل سے پوچھا۔

"میں نہ محمدؐ بن عبداللہ کو جانتی ہوں نہ ابوبکرؓ کو"۔ اُمِ جمیل نے جواب دیا۔وہ مسلمان ہوچکی تھیں، لیکن مشرکین سے اپنا اسلام چھپاتی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ بہت پریشان ہوئیں اور بتایا کہ ان کے بیٹے نے انہیں بھیجا ہے۔

"چلو، میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلتی ہوں اور پوچھتی ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں"۔ اُمِ جمیل نے حضرت ابوبکرؓ کی والدہ کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

وہ حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"رسولؐ اللہ کا کیا حال ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔
"آپؐ کی والدہ سن رہی ہیں۔" اُمِ جمیل نے آہستہ سے کہا۔
"ان سے کوئی خوف نہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے انہیں تسلی دی۔
"حضورؐ بالکل خیریت سے ہیں۔" اُمِ جمیل نے بتایا۔
"آپؐ کہاں ہیں؟"
"دارِارقم میں۔"
"مجھے وہاں لے چلو۔" حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کہا۔
ان کی حالت بہت کمزور تھی۔ والدہ نے کہا کچھ کھا لو ذرا حالت سنبھل جائے تو چلے جانا۔
"خدا کی قسم! جب تک میں حضورؐ کو دیکھ نہ لوں نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔"
شاید انہیں شبہ تھا کہ اُمِ جمیل حضورؐ کے بارے میں سچ نہیں بتا رہی۔

خلش

وقت گزرنے کے ساتھ کچھ لوگوں کے دلوں میں خلش پیدا ہونے لگی تھی، تو ایک روز ہشام بن عمروؓ بنی مخزوم کے سردار زہیر کے پاس گیا۔ زہیر حضورؐ کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا۔
"زہیر! کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم خود تو پیٹ بھر کر کھاؤ پیو، شادی بیاہ رچاؤ اور تمہارے ننہال کے لوگ بھوکوں مریں۔ ان سے سارے رشتے ناطے توڑ لئے جائیں اور لین دین بند کر دیا جائے؟"
ہشام نے کہا: "خدا کی قسم! اگر ایسا ہی معاملہ خود ابوجہل کو پیش آتا اور تم نے اس کے ننہالی رشتہ داروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کی دعوت دی ہوتی جو اس نے تمہارے ننہال کے ساتھ کرنے کی دستاویز لکھوائی ہے، تو ابوجہل ہرگز اسے نہ مانتا۔"
"میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ اگر میرا ساتھ دینے والا کوئی اور ہوتا تو میں اس دستاویز کو پھاڑ کر دم لیتا۔" زہیر نے جواب دیا۔
"تمہارا ساتھ دینے والا ایک تو میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔" ہشام نے کہا۔
"ایک اور آدمی تلاش کرو جو اس کام میں ہمارا ساتھ دے۔" زہیر نے جواب دیا۔
وہاں سے ہشام بنی نوفل بن عبدمناف کے سردار مطعم بن عدی کے پاس گیا۔
"مطعم! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ بنی عبدمناف کے دو گھرانے ہلاک ہو جائیں اور تم بیٹھے تماشہ دیکھتے رہو؟ اگر ان کے خلاف تم اسی طرح قریش کا ساتھ دیتے رہے اور قریش کو انہیں ختم

کر دینے کی اجازت دے دی' تو قریش جلد ہی تمہارا اپنا بھی ایسا ہی حشر کریں گے"۔
مطعم نے بھی وہی جواب دیا جو زہیر نے دیا تھا:"میں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔کسی اور کو بھی آمادہ کرو"۔

"ایک میں تمہارے سامنے موجود ہوں' دوسرا زہیر تیار ہے"۔ ہشام نے بتایا۔

"ایک اور ساتھی تلاش کرو"۔ مطعم نے تجویز کیا۔

ہشام وہاں سے بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے سردار ابوالبختری کے پاس گیا اور کہا کہ اگر قریش کو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو ختم کر دینے کی اجازت دے دی گئی' تو وہ مل کر دوسروں کا بھی وہی حال کیا کریں گے۔

ابوالبختری تو پہلے ہی ابوجہل کا سر پھاڑ چکا تھا۔"کوئی اور بھی ہے جو اس کام میں ہمارا ساتھ دے گا؟" اس نے پوچھا۔

"میں ہوں' زہیر ہے اور مطعم ہے"۔ ہشام نے بتایا۔

"ایک اور آدمی تلاش کر لو"۔ ابوالبختری نے کہا۔

ہشام تو یہ مشن لے کر گھر سے چلا تھا۔وہ سیدھا بنی اسد بن عبدالعزیٰ کے ایک اور سردار زمعہ بن اسود کے پاس گیا۔اسے بھی قریش کے ظالمانہ منصوبے کے نتائج سمجھائے تو اس نے پوچھا:"اس تحریک میں کوئی اور بھی شامل ہے؟"

ہشام نے ان سرداروں کے نام بتا دیئے جن سے وہ مل چکا تھا اور جو ساتھ دینے کے لئے تیار تھے۔
پھر وہ سب رات کو مکہ کے بالائی حصہ میں حجون پر اکٹھے ہوئے اور مشورہ کیا۔زہیر نے کہا بات میں شروع کروں گا تم میری تائید کرنا۔

اگلی صبح حرمِ کعبہ میں اکٹھے ہونے کا وقت مقرر کر کے وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

سب سے بڑے جھوٹے کی بے بسی

سورج مکہ کی پہاڑیوں کی پیچھے سے برآمد ہوا تو اس کی آنکھ میں نئی چمک تھی۔روشنی مکانوں کی چھتوں سے اتر کر صحنوں اور گلیوں میں پھیل چکی' تو قریش کے سردار حرم کے احاطہ میں محفلیں جما کر بیٹھ گئے۔ان محفلوں میں وہ اپنی اپنی برتری جتاتے،گپیں ہانکتے اور دوسروں کا مذاق اڑاتے تھے۔ان میں سب سے نمایاں ابوجہل ہوتا تھا۔جب وہ بات کرتا تو سارے سردار اپنے اپنے کان اس کی طرف لگا دیتے تھے۔سارے دل اور دماغ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔زہیر حرم

میں داخل ہوا تو سب نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔زہیر نے شاندار لباس زیبِ تن کر رکھا تھا اور بڑی شان سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔

ابو جہل اور اس کے کسی ساتھی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے ہشام' ابوالبختری' مطعم اور زمعہ بن اسود پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

زہیر نے طواف کے سات چکر پورے کئے اور ابو جہل کی مجلس کے پاس آ کر بلند آواز میں کہا:"اے اہلِ مکہ!کیا یہ جائز ہے کہ ہم سب تو کھائیں پئیں اور عمدہ لباس پہنیں اور بنی ہاشم ہلاک ہو جائیں؟ نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔خدا کی قسم! میں اس وقت تک ہرگز نہ بیٹھوں گا جب تک اس ظالمانہ دستاویز کے ٹکڑے نہ کر دیئے جائیں جس کی وجہ سے یہ مقاطع کیا گیا ہے"۔

"تم نے جھوٹ کہا۔وہ دستاویز ہرگز نہیں پھاڑی جائے گی"۔ ابو جہل چلّایا۔

"خدا کی قسم!تو سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ہم تو اس مقاطع پر اس وقت بھی راضی نہیں تھے جب یہ دستاویز لکھی گئی تھی"۔ زمعہ نے پورے زور سے کہا۔

"زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ہم اس دستاویز کے مضمون کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اسے برقرار رکھیں گے"۔ دوسری طرف سے ابوالبختری بول پڑے۔

ابو جہل ابھی صورتحال کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ مطعم نے کہا:"تم دونوں سچ کہتے ہو'جو تمہاری بات کے خلاف کہتا ہے'وہی جھوٹا ہے۔ہم اللہ کے سامنے اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے'اس سے برأت کا اظہار کرتے ہیں"۔

ہشام بن عمرو نے بھی ان کی تائید کی۔

ابو جہل اس کے سوا کچھ نہ کہہ سکا کہ "یہ ایک سازش ہے جو رات ہی کہیں تیار کر لی گئی تھی"۔

حرم کے احاطہ میں موجود کسی قریشی نے ابو جہل کا ساتھ نہ دیا۔

مطعم اٹھا اور حرم کے اندر سے دستاویز نکال لایا اور سب کے سامنے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

اور کسی نے ابو جہل کا ساتھ کیوں نہ دیا؟

اس لئے کہ اکثر اس کے ظلم اور زیادتی کو پسند نہیں کرتے تھے۔تھوڑا ہی عرصہ پہلے وہ خود اس کا مشاہدہ کر چکے تھے۔

ہوا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کو آگاہ فرمایا کہ دیمک نے اس دستاویز کے سارے الفاظ

چاٹ لئے ہیں اور اس پر لکھا "اے اللہ تیرے نام کے ساتھ" ہی صرف باقی بچا ہے۔ رسولؐ اللہ نے ابو طالب کو اس سے آگاہ فرمایا تو انہوں نے پوچھا: "کیا تمہارے رب نے تمہیں یہ خبر دی ہے؟"

"جی ہاں، میرے رب نے مجھے یہ وحی بھیجی ہے۔" رسولؐ اللہ نے فرمایا۔

ابو طالب نے اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو جمع کیا اور انہیں وہ کچھ بتایا جو رسولؐ اللہ نے انہیں بتایا تھا۔

"آپ کا اپنا اس بارے میں کیا خیال ہے؟" انہوں نے وضاحت چاہی۔

"واللہ! محمدؐ نے مجھ سے کبھی کوئی جھوٹی بات نہیں کہی۔" حضرت ابو طالب نے جواب دیا اور ان سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "میری رائے یہ ہے کہ آپ لوگ بہترین لباس پہن کر قریش کے پاس جائیں اور انہیں بتائیں کہ ان کی دستاویز دیمک نے چاٹ لی ہے۔"

ابو طالب اور بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے دیگر بزرگ رسولؐ اللہ کے فرمان کے مطابق قریش کے سرداروں کے پاس گئے۔

حضرت ابو طالب نے ان سے کہا: "ہم ایک بات لے کر آئے ہیں، اسے سنو اور تمہارے نزدیک جو فیصلہ درست ہو وہ کرو۔"

"خوش آمدید! فرمائیں، آپ کیا تجویز لے کر آئے ہیں؟" قریش کے سرداروں نے سمجھا ہو گا کہ رسولؐ اللہ آخر مصالحت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

"میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہاری دستاویز کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ صرف اس پر لکھا "اے اللہ تیرے نام کے ساتھ" باقی بچا ہے۔ خدا کی قسم! میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ وہ دستاویز منگوا کر دیکھو۔ اگر میرے بھتیجے کی بات درست ہے تو تم ہمارے ساتھ ظلم سے باز آجاؤ اور اگر جو کچھ اس نے کہا ہے، درست نہ نکلا تو میں اس کی حمایت نہیں کروں گا۔ تم جو سلوک چاہو اس کے ساتھ کرنا۔" ابو طالب نے کہا۔

"آپ نے تو بڑے انصاف کی بات کی۔" وہ خوش گئے۔

جب دستاویز منگوا کر دیکھی گئی تو رسولؐ اللہ نے جو کچھ بتایا تھا، درست تھا۔ بائیکاٹ کی دستاویز کے سارے حروف دیمک چاٹ گئی تھی۔ صرف "اے اللہ تیرے نام کے ساتھ" باقی بچا تھا جو دستاویز کے شروع میں لکھا تھا۔

یہ سب کچھ قریش کی توقع کے خلاف تھا۔
ابو طالب سے طے شدہ بات کے مطابق اگر وہ دستاویز پھاڑ دیں تو ایک تو انہیں شکست تسلیم کرنا پڑے گی۔
دوسرے مکہ کے لوگوں کو رسولؐ اللہ کے سچا اور نبی ہونے پر یقین آنے لگے گا۔
وہ اپنی بات سے مکر گئے اور مقاطع ختم کرنے سے انکار کر دیا۔
"اب تم سب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ظلم، قطع رحمی اور بدسلوکی کے تم ہی مرتکب ہوئے تھے اور ہمارا کوئی قصور نہیں۔" حضرت ابوطالب نے وہاں موجود سب سرداروں سے کہا۔
مگر ان سے کوئی جواب نہ بن سکا۔

ابو طالب ان کی محفل سے اٹھے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر کعبہ میں گئے۔ انہوں نے بیت اللہ کے پردوں کے پیچھے دیواروں کو تھام کر اللہ سے دعا مانگی: "اے خدا ان لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنہوں نے ہم پر ظلم کیا، ہم سے قطع رحمی کی اور وہ کچھ اپنے لئے حلال کر لیا جو ہمارے معاملے میں ان پر حرام تھا۔"
پھر وہ اپنے ساتھیوں سمیت اپنی شعب کی طرف چلے گئے۔
مکہ کے سرداروں نے ابوجہل اور ان کے ساتھیوں کی یہ بدعہدی اور زیادتی بھی دیکھی تھی، اس لئے جب بھری محفل میں ابوجہل کو سب سے بڑا جھوٹا کہا گیا اور سب کے سامنے مقاطع کی دستاویز لا کر پھاڑ ڈالی گئی تو کسی نے اس کی حمایت نہ کی۔
اللہ تعالیٰ نے ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے خود اسباب پیدا کر دیئے تھے۔
دستاویز پھاڑنے کے بعد زہیر، ہشام، مطعم، ابوالبختری اور زمعہ (۱۱) اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر اور ہتھیار لگا کہ شعبِ ابی طالب گئے، اس کے مکینوں کو دستاویز پھاڑ دیئے جانے سے آگاہ کیا اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے جن لوگوں کے گھر شہر کے دوسرے محلوں میں تھے، انہیں اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کے لئے کہا۔

تربیتی کورس

آزمائش کی اس کٹھالی سے مسلمان کندن بن کر باہر آئے۔ یہ سختیاں ان کے ایمان اور عزم و استقلال میں لمحہ بھر کے لئے بھی کوئی کمزوری پیدا نہ کر سکیں، بعد میں پیش آنے والے مصائب کے مقابلہ کے لئے ان کا عزم اور حوصلہ بلند کر دیئے اور سب کو پتہ چل گیا کہ جو کوئی بھی توحید

پر ایمان لائے گا' اسے حق کی خاطر کس قسم کی مشکلات پیش آسکتی ہیں۔اب جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے' وہ ذہنی طور پر ایسی سختیوں کے لئے تیار ہوتے تھے۔اس طرح بلند حوصلہ اور بلند کردار افراد کی وہ جماعت وجود میں آئی جو بعد میں آنے والوں کے لئے انسپائریشن کا سبب بنی۔تین سال کی یہ مدت مسلمانوں کے لئے ایک تربیتی کورس تھی۔

دوسری طرف قریشِ مکہ کو نہ صرف ایک بار پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا' بلکہ رسولؐ اللہ کے خلاف ان کے اتحاد میں انتشار پیدا ہوگیا۔ان کی سختیاں اور رسولؐ اللہ' مسلمانوں اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا عزم دیکھ کر مقاطع کی دستاویز سے اتفاق کرنے والوں کے اندر سے ایک گروہ پیدا ہوگیا تھا جو ابوجہل اوراس کے ساتھیوں سے اختلاف کرنے لگا تھا اور ابوجہل اوراس کے انتہا پسند گروپ پر ان کا یقین اور اعتماد متزلزل ہوگیا تھا۔رسولؐ اللہ اور اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں ہمدردی اور احترام کے جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔

حواشی / حوالہ جات

1- Martin Lings/ Muhammad His Life based on the earliest sources / Services Book Club / 1985 Page 88

2- بیشتر سیرت نگاروں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے مقاطع کی جو دستاویز لکھ کر حرمِ کعبہ میں لٹکائی تھی' اس میں درج تھا کہ جب تک بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب رسولؐ اللہ کو قتل کر دینے کے لئے ہمارے حوالے نہیں کریں گے' مقاطع جاری رہے گا۔ابن سعد اور طبری نے اس واقعہ کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے' لیکن وہ "قتل کے لئے حوالے کرنے" کا ذکر نہیں کرتے۔علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ "قتل کے لئے حوالہ کر دیں" صرف مواہب الدنیہ میں مذکور ہے۔(جلد اول صفحہ 155- الفیصل ناشران لاہور 1991ء) اس وقت مکہ کے جو حالات تھے' ان کو سامنے رکھا جائے تو ایسی شرط کا ہونا ممکن معلوم نہیں ہوتا۔مقاطع کی دستاویز پر اتفاق کرنے والوں میں حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے اور دیگر رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے خون کے رشتہ دار بھی شامل تھے۔وہ کسی ایسی شرط پر ابوجہل سے اتفاق نہیں کر سکتے تھے' مقاطع کے بعد مدینہ ہجرت تک کا زمانہ رسولؐ اللہ کے لئے بہت کٹھن تھا۔ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ وفات پا چکے تھے۔اسلام کا بدترین دشمن ابولہب اپنے بھائی ابو طالب کی جگہ سردارِ قبیلہ بن چکا تھا۔رسولؐ اللہ اپنے سارے قبیلہ کی حمایت سے محروم ہو چکے تھے۔اس کے باوجود کفار نے حضورؐ کو قتل کرنے کا اعلانیہ فیصلہ کبھی نہیں کیا۔جب انہوں نے ایسا فیصلہ کیا تو اسے خفیہ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو اس سے آگاہ فرما دیا اور آپؐ ان کے درمیان سے بچ کر نکل گئے۔ابو طالب کے شعبِ ابی طالب میں محصوری اور قریشِ مکہ کے مظالم کے بارے میں جو اشعار ہیں' ان میں بھی کوئی ذکر نہیں کہ کفار نے ایسی کوئی شرط رکھی تھی۔ہشام بن عمرو العامری مقاطع ختم کرانے کے لئے جو مہم لے کر چلے' اس میں بھی انہوں نے کسی سے یہ نہیں کہا کہ محمدؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ ہے۔اس نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے بھوکے رہنے اور اچھے کپڑے پہننے کا ہی ذکر کیا ہے۔

3- محمد حسنین ہیکل- حیاتِ محمدؐ- الفیصل ناشران کتب لاہور- صفحہ 257

4- محمد عاصم / سفرنامۂ ارض القرآن / لاہور صفحہ 137

5- بعض مفسرین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ شعبِ ابی طالب مکہ شہر سے باہر ایک وادی یا

گھاٹی تھی۔ڈاکٹر نثار احمد نے تاریخی حوالوں اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شعبِ ابی طالب مکہ کا وہ محلّہ تھا جہاں ابو طالب کا گھر تھا (نقوش رسولؐ نمبر جلد نہم / 1984ء/ صفحہ 262 تا 263) اس کے علاوہ تقریباً سارے ہی سیرت نگاروں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے بچے رات کو بھوک کی وجہ سے روتے تو ان کی آوازیں مکہ کے گھروں میں سنی جاتی تھیں، اگر شعبِ ابی طالب شہر سے دور کوئی گھاٹی ہوتی یا قریش نے انہیں شہر سے نکال دیا ہوتا تو بچوں کے رونے کی آوازیں شہر میں نہیں سنی جا سکتی تھیں۔ایک گھر میں بچے کے رونے کی آواز دوسرے گھروں میں اسی صورت سنی جا سکتی ہے جب وہ ایک دوسرے کے قریب ہوں۔

6- مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری / الرحیق المختوم / لاہور/ 1992ء/ صفحہ 190، 191

7- Martin Lings / Muhammad- His life based on the earliest sources / Services Book Club 1985 / pag 89

8- کونسٹن ورجیل جورجیو/ سیارہ ڈائجسٹ/ عکسِ سیرتؐ نمبر/ لاہور فروری 1993ء صفحہ 164

9- کونسٹن ورجیل جورجیو/ سیارہ ڈائجسٹ/ عکسِ سیرتؐ نمبر/ لاہور فروری 1993ء صفحہ 163

10- محمد حسنین ہیکل/ حیاتِ محمدؐ / الفیصل ناشران کتب لاہور/ صفحہ 258

11- ہشام اور زہیر دونوں بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔حضرت حسانؓ بن ثابت نے ان کی تعریف میں اشعار بھی لکھے ۔مطعم البتہ کافر ہی مرا۔لیکن ابو طالب کی وفات کے بعد جب ابولہب نے بنی ہاشم کی سرداری سنبھال لی اور اس نے حضورؐ کو ایک طرح سے اپنے قبیلہ سے نکال دیا اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے بھی حضورؐ کی حمایت واپس لے لی تھی، جب رسولؐ اللہ طائف سے واپس مکہ تشریف لائے تھے تو اسی مطعم بن عدی نے حضورؐ کے لئے حمایت کا اعلان کیا تھا۔حضرت حسان بن ثابت نے اس کی تعریف میں بھی اشعار کہے اور اس کی وفات پر مرثیہ لکھا تھا۔

غموں کا سال

ابو طالب کی عمر اَسّی سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔بڑھاپے کی اس عمر میں انہوں نے مکہ کے سارے قریش کے ظلم کا تین سال تک مقابلہ کیا تھا۔ابو طالب کوئی عام آدمی نہیں تھے۔سردار ابن سردار تھے۔مکہ اور جزیرۃالعرب کے اندر اور باہر ان کی ؍ور ان کے اجداد کی سرداری مُسلّم تھی۔ مکہ میں کوئی فیصلہ ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا اور پھر انہی قریشِ مکہ نے جن کے وہ بے تاج بادشاہ تھے، ان سے ہر قسم کا لین دین، بول چال ختم کر دیا تھا۔ان کے عزیز و اقارب کا بھی مکمل بائیکاٹ کر دیا تھا جس سے ان کے سارے قبیلے کا کاروبار ختم ہو گیا تھا اور نوبت فاقوں تک آ گئی تھی۔جزیرۃالعرب کے اندر اور باہر ان کی اس مجبوری اور بے بسی و بے کسی کا چرچا ہوتا رہا تھا۔اس وجہ سے ابو طالب ذہنی، جذباتی اور جسمانی طور پر نڈھال ہو چکے تھے۔ان کا اپنا گھر، خاندان اور قبیلہ دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔دو بیٹے جعفرؓ اور علیؓ مسلمان ہو چکے تھے۔جعفرؓ کئی سال سے دور دیس حبشہ میں مقیم تھے۔دو بیٹے ابھی تک ان کے آبائی دین سے چمٹے ہوئے تھے۔جس بھتیجے کی انہوں نے اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیادہ پیار و محبت سے پرورش کی تھی، جس کی وجہ سے خاندانی وقار اور بزرگی کے باوجود سارے قریش نے انہیں اپنے سے کاٹ دیا تھا اور جس کی خاطر بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے اتنا طویل عرصہ اتنی شدید سختیاں برداشت کی تھیں اس کی رسالت اور اس کے دین کی سچائی پر یقین رکھتے ہوئے بھی وہ اس سچائی پر ایمان لانے کی اپنے میں جرأت نہیں پاتے تھے۔بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب ان کی اپنی سرداری کو تسلیم کرتے تھے، ان کا ہر حکم مانتے تھے، لیکن ان کے پیارے بھتیجے اور ان کے دین کے بارے میں ان میں بھی شدید اختلافات تھے۔ان کا حقیقی بھائی ان کے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ مل گیا تھا اور ان

کے پیارے بھتیجے کا سخت ترین دشمن ہو گیا تھا۔ان کے اپنے بھانجے اور رشتہ دار ابو جہل کے ساتھ اتحاد میں شامل رہے تھے۔اگرچہ بائیکاٹ کا خاتمہ ان کے بھتیجے کے دین اور ان کے اپنی فتح تھی، لیکن اتنی بڑی فتح کا انہیں کوئی فوری نتیجہ سامنے دکھائی نہیں دیتا تھا۔وہ دیکھ رہے تھے کہ ابو جہل اور ان کی پارٹی اپنی دشمنی پر قائم ہے۔یہ سارے عوامل ان کے ذہن اور جسم پر اپنا اثر دکھانے لگے تھے۔بائیکاٹ کے خاتمہ کے چند ہی ماہ بعد وہ بیمار پڑ گئے۔

ایک روز قریش کے سردار ابو طالب کی مزاج پُرسی کے لئے آئے تو بھی ان کے سامنے یہی حالات تھے۔انہوں نے اس حالت میں بھی قریش کے سرداروں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ان کے سامنے ان کے اجداد کی خوبیاں بیان کیں' قریش کی تاریخ اور فضائل بیان کئے' انہیں ان کی مشترکہ ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے ہوئے نصیحت کی: ''حرمِ کعبہ کی حرمت برقرار رکھنا' اسی میں رب کی خوشنودی ہے۔صلہ رحمی کرنا' ایک دوسرے سے زیادتی نہ کرنا' کسی کا حق نہ مارنا' دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرنا' سائل کی مدد کرنا' سچائی پر قائم رہنا' امانت ادا کرنا' محمدؐ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا' کیونکہ وہ قریش میں امین اور تمام عرب میں سب سے سچا ہے اور اس میں وہ تمام خوبیاں جمع ہو گئی ہیں جن کا میں نے تم سے ذکر کیا ہے۔وہ ایسی بات لایا ہے جسے دل مانتا ہے' مگر زبان لوگوں کے خوف سے اس سے انکار کرتی ہے' مگر خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب اور اطراف و نواح کے کمزور اور نادار لوگ آگے بڑھ کر اس کی دعوت قبول کرلیں گے' اس کے کلمہ کی تصدیق کریں گے' اس کے کام کو بڑھائیں گے اور وہ ان کو ساتھ لے کر خطرات کے میدان میں کود پڑے گا اور قریش کے سردار اور اکابران کا دُم چھلا بن کر رہ جائیں گے۔''

معاہدے کی پیشکش

قریش کے سردار حضرت ابوطالب کے اس مشورہ پر غور کرتے رہے ہوں گے۔وہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ابو طالب کی وفات کے بعد حالات کیا رُخ اختیار کر سکتے ہیں۔قریش کے ہر گھر' خاندان اور قبیلے میں مسلمان موجود تھے۔حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے ان کے بہادر مسلمان ہو چکے تھے۔انہوں نے سوچا ابو طالب اٹھ گیا تو حالات ان کے قابو سے باہر بھی ہو سکتے ہیں۔وہ آپس میں مشورہ کر کے سب مل کر ابوطالب کے پاس گئے۔

''اے ابو طالب! آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم میں آپ کا مقام و مرتبہ کیا ہے۔آپ اپنی حالت سے بھی آگاہ ہیں' ہمیں ڈر ہے کہ یہ آپ کی زندگی کے آخری دن ہیں' آپ کے بھتیجے اور ہمارے

درمیان جو تنازعہ چل رہا ہے' وہ بھی آپ کو معلوم ہے۔آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں' ان کے بارے میں آپ ہم سے وعدہ لے لیں اور ان سے بھی ہمارے بارے میں وعدہ لیں کہ وہ ہمیں ہمارے دین پر چھوڑیں' ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑ دیں گے۔وہ ہمارے دین کے بارے میں کچھ نہ کہیں' ہم ان کے دین کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔"

ابو طالب نے رسولؐ اللہ کو بلوایا اور کہا: "بھتیجے! تمہاری قوم کے یہ لوگ تمہارے لئے ہی جمع ہو کر آئے ہیں۔یہ تم سے عہدوپیان کرنا چاہتے ہیں کہ تم ان کے دین کے بارے میں کچھ نہ کہو' یہ تمہارے دین کے بارے میں کچھ نہیں کہیں گے۔" وہ بھی چاہتے تھے کہ موت سے پہلے مفاہمت کی کوئی صورت نکال لیں۔

حضورؐ نے فرمایا: "چچا جان! آپ انہیں ایک ایسی بات کی طرف کیوں نہیں بلاتے جو ان کے حق میں بہتر ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "وہ بات' جسے مان کر یہ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے' عجم ان کے ماتحت آ جائے گا۔"

"تم انہیں کس بات کی طرف بلانا چاہتے ہو؟" ابو طالب نے پوچھا۔

ابو جہل: "بتاؤ آپؐ ہمیں کس بات کی طرف بلانا چاہتے ہیں۔تیرے باپ کی قسم! ایک نہیں ہم دس باتوں کا مطالبہ پورا کرنے کو تیار ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "لا الٰہ الا اللہ کہیں اور اللہ کے سوا جو کچھ آپ پوجتے ہیں اسے چھوڑ دیں۔"

قریش نے اپنے ہاتھ پیٹ پیٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر کہا: "محمدؐ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ (ہمارے) سارے خداؤں کی جگہ صرف ایک ہی خدا بنا ڈالو؟ تمہاری یہ بات تو بڑی عجیب ہے۔" عرب کسی بات کو پسند نہ کرتے تو اپنے ہاتھوں کو پیٹ کر اور تالیاں بجا بجا کر اس کا اظہار کیا کرتے تھے۔

پھر وہ اٹھے اور یہ کہتے ہوئے چلے گئے: "خدا کی قسم! یہ تمہاری کوئی بات ماننے کو تیار نہیں۔اپنے اجداد کے دین پر ڈٹے رہو۔"

قریش کے اس وفد میں عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ' ابوجہل' امیہ بن خلف اور ابوسفیان کے علاوہ بہت سے دیگر سردار شامل تھے' ان کی تعداد پچیس کے قریب تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ اور ان سرداروں کے بارے میں فرمایا:

- "ص۔ قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی بلکہ یہی لوگ جنہوں نے ماننے سے انکار کیا ہے' سخت تکبر اور ضد میں مبتلا ہیں۔

- ہم ان سے پہلے ایسی کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں (اور جب ان کی شامت آئی) تو وہ چیخ اٹھے مگر وہ وقت بچنے کا نہیں ہوتا۔
- ان لوگوں کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ خود انہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا (ہے) اور کفار کہنے لگے یہ ساحر ہے' بڑا جھوٹا ہے۔
- کیا اس نے سارے خداؤں کی جگہ بس ایک ہی خدا بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔
- اور سردارانِ قوم یہ کہتے ہوئے نکل گئے۔"چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر' یہ بات تو کسی اور ہی غرض سے کہی جا رہی ہے۔
- یہ بات ہم نے زمانۂ قریب کی مدت میں کسی سے نہیں سنی' یہ تو ایک من گھڑت بات کے سوا کچھ نہیں۔" (38 :1 تا 7)

ابو طالب ملامت سے ڈر گئے

جب ابوطالب کا آخری وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی:"جب تک تم محمدؐ کی بات سنتے رہو گے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہو گے' ہمیشہ خیریت سے رہو گے' اس لئے اس کی پیروی اور مدد کرنا' راہِ راست پر رہو گے۔"

حضورؐ نے فرمایا:"چچا جان! آپ ان لوگوں کو تو نصیحت کرتے ہیں' مگر خود اپنے آپ کو اس سے الگ رکھ رہے ہیں۔ آپ لا الہ الا اللّٰہ کہہ دیں' میں اللہ کے ہاں اس کے باعث جھگڑوں گا۔

"میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ کہیں کہ میں موت کے وقت اپنے دین سے ہٹ گیا تھا اور قریش یہ رائے قائم کریں کہ میں جب صحت مند تھا تو اس چیز کو قبول نہ کیا اور اب گھبراہٹ میں اسے قبول کر لیا ہے۔ اگر مجھے آپؐ کی اور اپنے خاندان کی طنز و ملامت کا اندیشہ نہ ہوتا اور قریش کے اس گمان کا خطرہ نہ ہوتا تو میں یہ کہہ دیتا اور یہ محض آپؐ کے آرام اور راحت کے لئے کہتا۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا:"میں اس وقت تک آپ کے لئے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا گیا۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے فوراً آپؐ پر وحی نازل فرما دی:"نبیؐ اور اہلِ ایمان کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ

ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔"(113:9)

ابو طالب کی وفات

ابو طالب رجب 10 نبوی میں وفات پا گئے (1) اس وقت بائیکاٹ کو ختم ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔
حضرت علیؓ رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور کہا: "آپؐ کے چچا فوت ہو گئے ہیں۔"
آپؐ نے فرمایا: "جاؤ انہیں دفن کر دو۔"
"وہ تو شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔" حضرت علیؓ نے عرض کیا۔
آپؐ نے پھر فرمایا: "جاؤ انہیں دفن کر دو اور دفن کرنے کے بعد کوئی اور کام کرنے سے پہلے سیدھے میرے پاس آنا۔"
ابو طالب کو دفن کرنے کے بعد حضرت علیؓ رسولؐ اللہ کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا: "جاؤ، غسل کرو۔"
ابو طالب کی وفات سے آپؐ ایک بہت زیادہ محبت کرنے والے، حمایت کرنے والے، حفاظت کرنے والے اور تعریف کرنے والے بزرگ سے محروم ہو گئے۔
ان کی وفات آپؐ کے لئے بہت بڑا ذاتی، دنیاوی اور سیاسی نقصان تھا۔
آپؐ کو ان کی وفات کا بہت دکھ ہوا۔
ایک بار حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے عرض کیا: "آپؐ کے تایا آپؐ کی حفاظت کرتے تھے، آپؐ کے دشمنوں سے بر سرِ پیکار رہتے تھے، انہیں آپؐ سے کیا فائدہ پہنچا؟"
آپؐ نے فرمایا: "وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنوں تک ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے نچلے حصہ میں ہوتے۔"

سیدہ خدیجہؓ کی جنت کی لئے روانگی

ابو طالب کی وفات کے تھوڑا ہی عرصہ بعد (2) سیدہ خدیجہؓ بھی وفات پا گئیں۔ اس روز دسویں سنِ نبوی کے ماہِ رمضان کی دسویں تاریخ تھی اور سیدہ خدیجہؓ کی رسولؐ اللہ سے شادی کا پچیسواں سال تھا۔

ایک روز حضرت جبرئیلؑ رسولؐ اللہ کے پاس آئے اور فرمایا: "اے اللہ کے رسولؐ! خدیجہؓ تشریف لا رہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے۔ اس برتن میں سالن کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب

وہ آپؐ کے پاس پہنچ جائیں تو آپؐ انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میرا سلام کہیں اور جنت میں ایسے محل کی بشارت دیں جو موتی سے بنا ہے۔اس محل میں نہ کوئی شور ہو گا اور نہ درماندگی ہو گی۔"

یہ اللہ کی طرف سے اپنے نبی کے لئے پیغام تھا کہ ان کی وفاشعار اور غمگسار بیوی کے دنیا سے سفر کا وقت آ گیا ہے۔

سیدہ خدیجہؓ وہ پہلی ہستی تھیں جنہوں نے رسولؐ اللہ کی قدر اور عظمت کو پہچانا تھا اور اپنا تن من دھن آپؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا۔حضورؐ سے شادی کے بعد پچیس سال کے سفرِ زندگی میں بے پناہ مشکلات پیش آئیں،مگر سیدہ خدیجہؓ نے ان مشکلات میں حضورؐ کا خندہ پیشانی سے ساتھ دیا۔جب قریشِ مکہ ہر وقت آپؐ کو دکھ دینے کے منصوبوں پر عمل میں مصروف رہتے تھے، تو سیدہ ہر وقت آپؐ کو سکھ اور سکون پہنچانے کی فکر میں لگی رہتی تھیں۔وہ مکہ کے ایک سردار خاندان کی بیٹی اور خواتین کی سردار تھیں۔مال و دولت، عزت وقار ان کے پاس ہر چیز وافر تھی اور انہوں نے اپنی ہر چیز حضورؐ کی خوشی پر قربان کر دی تھی، سیدہ رسولؐ اللہ کی غمگسار بیوی، بہترین مشیر اور گھریلو ریاست کی منتظم تھیں۔وہ اس ریاست کو چلانے کے علاوہ بنانے میں بھی بے مثل تھیں۔ان کی زندگی میں رسولؐ اللہ کو گھر اور بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کی کبھی کوئی فکر نہیں ہوتی تھی۔

جب اللہ نے آپؐ کو نبوت کا منصب سونپا تو سب سے پہلے وہی آپؐ پر ایمان لائی تھیں۔وہ اس منصب کی ذمہ داریوں سے بخوبی آگاہ تھیں۔انہوں نے یہ ذمہ داریاں پوری کرنے میں حضورؐ سے بے مثال تعاون کیا تھا، بے مثل قربانیاں دی تھیں۔

مکہ میں سیدہ خدیجہؓ کی ایک اپنی حیثیت بھی تھی۔ان کی دولت، تجارت، فراست اور خاندان کا مکہ کی شہری ریاست میں اپنا مقام تھا۔جب آپؐ اپنے خاندان کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں مقیم تھے، تو سیدہ خدیجہؓ کے عزیز و اقارب کفارِ مکہ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونے کے باوجود آپؐ سے ہمدردی رکھتے تھے۔جن پانچ افراد نے بائیکاٹ ختم کرنے کا منصوبہ بنایا، ان میں سے تین بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے تعلق رکھنے والے تھے اور دو سیدہ خدیجہؓ کے قبیلہ بنی اسد سے تعلق والے تھے۔رسولؐ اللہ سیدہ خدیجہؓ کے لئے اطمینان بخش سہارا تھے اور سیدہ خدیجہؓ آپؐ کے لئے حوصلہ اور قوت کا سرچشمہ ثابت ہوئیں۔رسولؐ اللہ نے ان کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا:

"خدیجہؓ کی مجھ سے وفاداری کے سبب مجھ کو ان کی یاد مرغوب ہے۔جب لوگوں نے میری نبوت کا

انکار کیا تو وہ مجھ پر ایمان لائیں۔جب لوگ میری مدد کرنے سے ڈرتے تھے، تو وہ چٹان کی مانند مضبوطی سے میرے ساتھ کھڑی رہیں۔وہ میری بہترین ساتھی تھیں اور میرے بچوں کی ماں بھی۔"

سیدہ کے بطن سے رسولؐ اللہ کی چھ اولادیں پیدا ہوئیں۔دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں۔ صاحبزادے تو کم سنی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔جب سیدہ خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو آپؐ کی دو بیٹیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔دو بیٹیاں حضرت اُمِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ گھر میں تھیں۔حضرت فاطمہؓ کی عمر ابھی چھوٹی تھی۔آٹھ نو سال کے قریب ہو گی۔حضرت علیؓ نے بھی حضورؐ کے گھر میں ہی پرورش پائی تھی۔وہ بھی ابھی چھوٹے ہی تھے۔اس طرح بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہ تھا۔

ابو طالب کی وفات سے رسولؐ اللہ اس بزرگ کی حمایت سے محروم ہو گئے جسے سارے قریشِ مکہ مل کر بھی آپؐ سے الگ نہیں کر سکے تھے۔ابو طالب اور ان کی وجہ سے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے آپؐ کے لئے اپنی زندگیاں خطرے میں ڈال دیں۔مصائب اٹھائے۔ابو طالب کی وفات سے یہ حمایت اور مدد ختم ہو گئی۔سیدہ خدیجہؓ کی زندگی میں آپؐ کو گھر اور بچوں کی کوئی فکر نہ ہوتی تھی۔

ان دونوں کی وفات سے حضورؐ کی گھریلو اور سیاسی مشکلات میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔

مگر آپؐ نے ان مصائب اور مشکلات کا بھی مقابلہ کیا اور توحید کے مشن کے سلسلے میں بھی پہلے کی طرح ہی سرگرم رہے۔

بنو ہاشم نے بھی چھوڑ دیا

ابو طالب کی وفات کے بعد ہاشم کی اولاد نے ابولہب کو اپنا سردار منتخب کر لیا۔وہ مالدار بھی تھا اور بااثر بھی، اب قبیلے کے حقوق اور وقار کا تحفظ اس کے ذمہ تھا۔عربوں کی روایت کے مطابق سارا قبیلہ اپنے سردار کے حکم اور فیصلہ کا پابند ہوتا تھا۔ابو لہب پہلے سے ہی رسولؐ اللہ کا سخت ترین دشمن تھا۔آپؐ کے اور اسلام کے بدترین دشمنوں کا ساتھی تھا۔اس انتخاب سے حضورؐ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کی حمایت سے بھی محروم ہو گئے۔

ایک روایت ہے کہ قبیلے کی سرداری پر فائز ہونے کے بعد اس نے رسولؐ اللہ سے کہا: "اے محمدؐ!اپنے کام پر قائم رہئے،جو کچھ آپؐ ابو طالب کی زندگی میں کہا کرتے تھے،بلا خوف و خطر کہیں،لات و عزیٰ کی قسم!میری زندگی میں آپؐ کو کوئی اذیت نہیں پہنچا سکے گا۔"

ایک روز رسولؐ اللہ بازار میں جا رہے تھے تو ایک کافر ابن الغیطلہ نے آپؐ کو گالیاں دیں۔
رسولؐ اللہ کسی کی گالی کا جواب نہیں دیتے تھے۔
ابولہب کو علم ہوا تو اس نے ابن الغیطلہ کا حساب چکا دیا۔
وہ شور مچاتا ہوا بھاگا: "اے قریش کے لوگو! سنو! ابو عتبہ (ابولہب) بھی آبائی دین سے پھر گیا ہے۔"
قریش کے سردار اکٹھے ہو کر ابولہب کے پاس گئے۔
ابولہب نے کہا: "میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں، لیکن اب میں اپنے بھتیجے کی حمایت کروں گا کیونکہ اس کا کوئی اور سرپرست نہیں۔"
قریش کے سرداروں نے کہا: "یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا کہ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے پر تیار ہو گئے۔"
یہ ان کی چال تھی۔
وہ صورتِ حال پر غور کرتے رہے۔
پھر انہوں نے ایک سازش تیار کی، ایک روز ابوجہل اور عقبہ بن ابی معیط مل کر ابولہب کے پاس گئے۔ "اپنے بھتیجے سے ذرا یہ تو معلوم کرنا کہ اس کے دادا اور تمہارے باپ عبدالمطلب کا ٹھکانہ کہاں ہو گا؟"
ابولہب نے رسولؐ اللہ سے پوچھا: "عبدالمطلب کہاں ہیں؟"
رسولؐ اللہ نے جواب دیا: "اپنی قوم کے ساتھ۔"
ابولہب نے ابوجہل اور عقبہ کو بتا دیا کہ محمدؐ کہتے ہیں عبدالمطلب اپنی قوم کے ساتھ ہیں۔
انہوں نے کہا: "کچھ سمجھتے ہو؟ وہ کہتا ہے تمہارا باپ جہنم میں جائے گا۔"
ابولہب رسولؐ اللہ کے پاس آیا اور پوچھا: "اے محمدؐ، کیا عبدالمطلب جہنم میں جائیں گے؟"
آپؐ نے فرمایا: "ہاں، جو شخص بھی اس دین پر مرا جس پر عبدالمطلب مرے تھے، وہ جہنم میں جائے گا۔"
ابولہب غصہ سے بولا: "خدا کی قسم! میں ہمیشہ تیرا دشمن رہوں گا۔ تُو سمجھتا ہے کہ عبدالمطلب دوزخ میں جائے گا؟"
ابوجہل اور عقبہ کو علم تھا کہ ابولہب میں فراست کی کمی ہے، وہ ان کی سازش میں آگیا۔
آپؐ اس کی اور اپنے قبیلہ کی حمایت سے محروم ہو گئے۔ قبیلہ والے اپنے سردار کے فیصلہ کے پابند تھے۔ تھوڑا ہی عرصہ پہلے انہیں شعبِ ابی طالب کی پابندیوں اور مشکلات سے رہائی ملی

تھی۔وہ جانتے تھے کہ اب آپؐ کی حمایت کا کیا نتیجہ ہو گا۔مکہ کے سارے قریش کی دشمنی' اور وہ اپنے میں ان کے مقابلہ کی ہمت نہیں پاتے تھے۔ان کی ہمت اور جرأت کا سرچشمہ ابو طالب تھا جو اب موجود نہیں تھا۔

تنہائی

ابو طالب کی وفات کے بعد رسولؐ اللہ کو مکہ میں کسی سردار کی حمایت حاصل نہ رہی اور نہ ہی کسی قبیلہ کی منظم قوت آپؐ کے ساتھ تھی۔آپؐ کے اپنے قبیلہ والے بھی دشمنوں کے ساتھ جا ملے۔عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے صرف ایک حضرت حمزہؓ آپؐ کے ساتھ تھے۔ابولہب تو پہلے ہی سے دشمنوں کے سردار تھے۔حضرت عباسؓ رئیس مکہ تھے۔سقایہ اور عمارہ کے منصب ان کے پاس تھے،مگر وہ ابھی تک دولتِ اسلام سے محروم تھے۔زبیر' حارث اور ضرار فوت ہو چکے تھے۔ حضورؐ کے چچاؤں کے بیٹوں میں سے صرف ابو طالب کے دو فرزند علیؓ اور جعفرؓ مسلمان ہوئے تھے۔باقی دو عقیل اور طالب جنہیں باپ کی وراثت منتقل ہوئی،مسلمان نہیں تھے۔

دیگر قبیلوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں حضرت ابوبکرؓ صدیق مکہ کی شہری ریاست کی کابینہ کے اہم رکن تھے،لیکن مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ان کے قبیلہ نے بھی انہیں اپنے سے نکال دیا تھا۔وہ رئیسِ مکہ بھی تھے۔اپنی دولت مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے۔مسلمان غلاموں اور لونڈیوں کو خرید کر رہا کر رہے تھے۔اس وجہ سے قریش اور ان کے قبیلہ کے لوگ ان کے سخت دشمن ہو گئے تھے۔حضرت عمرؓ بھی شہری ریاست کی کابینہ کے رکن تھے،لیکن مسلمان ہو جانے کے بعد سے وہ بھی اپنے قبیلہ اور قریشِ مکہ سے کٹ چکے تھے۔قریش کے خاندانوں سے تعلق رکھنے والے دیگر مسلمانوں میں سے اکثر حبشہ ہجرت کر گئے تھے۔حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ دو مسلمان ایسے تھے جن پر کوئی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا تھا'اسی لئے انہوں نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی مانند مکہ سے حبشہ ہجرت کر جانے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا۔وہ مکہ ہی میں تھے اور بلا خوف اسلامی تعلیمات پر عمل کرتے تھے،مگر ان کی قوت بھی انفرادی تھی۔ان کے ساتھ بھی کوئی قبیلہ نہیں تھا اور اس دور کے جزیرۃالعرب اور مکہ میں اصل قوت قبیلہ اور اس کے سردار کے پاس ہوتی تھی۔

ابوطالب کی وفات سے آپؐ کی قوت اور حمایت میں کمی آ گئی تھی،لیکن کفار کی قوت اور اتحاد مضبوط ہو گئے تھے۔بائیکاٹ کے خاتمہ کے وقت جو صورتحال تھی'وہ تقریباً الٹ ہو گئی تھی۔

آپؐ کو اس تبدیلی کا احساس تھا' اس لئے آپؐ کفار کی اس اجتماعی قوت سے کسی قسم کا تصادم نہیں چاہتے تھے۔حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے غیور اور بہادر مسلمانوں کا ساتھ اور حمایت حاصل ہونے کے باوجود اپنی تحریک اور دعوت پُر امن رکھنے کی کوشش کرتے تھے اور اللہ کے حکم کی مطابق صبر سے کام لیتے تھے۔قریشِ مکہ نے جب دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب نے بھی آپؐ کا ساتھ چھوڑ دیا ہے' تو ان کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ آپؐ کی شان میں بھی گستاخیاں کرنے لگے۔رسولؐ اللہ نے ایک بار فرمایا:

"جب تک ابو طالب زندہ تھے' قریش مجھے ستانے میں ڈرپوک تھے۔"

مکہ کے بد بخت

ایک روز رسولؐ اللہ بازار میں جا رہے تھے۔ایک بدبخت نے آپؐ کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی۔آپؐ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔آپؐ کی صاحبزادیوں نے دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔ وہ جلدی سے پانی لائیں۔ایک صاحبزادی آپؐ کا سر دھونے لگیں۔وہ پانی ڈال کر آپؐ کا سر دھو رہی تھیں اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

رسولؐ اللہ نے اسے تسلی دی: "بیٹی' روؤ نہیں' اللہ تمہارے باپ کی حفاظت کرے گا۔" اور اللہ تعالیٰ نے قریش کی متحدہ قوت کے مقابلے میں آپؐ کی حفاظت فرمائی۔آپؐ نے اسی جوش و جذبہ سے اپنا مشن جاری رکھا۔کفار دیکھتے تھے اور ایک دوسرے کو کوستے تھے کہ وہ سارے مل کر بھی آپؐ کو دعوتِ اسلام سے نہیں روک سکتے۔

قریش بیت اللہ میں جمع ہوئے اور آپؐ کی جرأت اور تبلیغ کے بارے میں مشورہ کرنے لگے: "ہم نے اتنا صبر کیا کہ اس کی کوئی مثال نہیں۔محمدؐ نے ہمیں بیوقوف قرار دیا۔ہمارے بزرگوں کی توہین کی۔ہماری جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔"

وہ مشورہ کر ہی رہے تھے کہ رسولؐ اللہ بھی حرم میں داخل ہو گئے۔آپؐ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا' اور طواف کرنے لگے۔جب آپؐ کفار کے پاس سے گزرے' تو انہوں نے ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں آپؐ کے بارے میں اشارے کئے۔

آپؐ نے قریش کی اس حرکت کو پسند نہیں فرمایا۔

جب آپؐ دوسرے چکر میں قریش کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پھر وہی حرکت کی۔

ناپسندیدگی کے باوجود آپؐ نے طواف جاری رکھا۔

تیسرے چکر میں بھی جب قریش باز نہ آئے تو آپؐ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: "اے گروہِ قریش! میں تمہارے لئے ذبح کرنا اور گردنوں کا کاٹنا لے کر آیا ہوں۔" آپؐ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔

ابھی تو وہ حضورؐ کے خلاف مشورے کر رہے تھے، اب وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ فوراً درخواست کی: "اے ابوالقاسم! آپؐ بخیریت تشریف لے جائیں، آپؐ جاہل تو نہیں۔"

انہیں اپنی حرکت کو جہالت ماننا پڑا اور کہا کہ آپؐ اس طرح کے نہیں جیسے جاہل یہ اشارے کرنے والے ہیں۔

آپؐ نے طواف مکمل کیا اور تشریف لے گئے۔

کفار نے اپنی حالت اور بات پر غور کیا تو وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہوئے کہ ایک اکیلے آدمی کے مقابلے میں انہیں ہار ماننا پڑی تھی۔ انہوں نے اپنی خِفّت مٹانے کے لئے مشورہ کیا کہ اگلے روز وہ پھر وہی حرکت کریں گے تاکہ اپنی رسوائی کا بدلہ لے سکیں۔

اگلے روز پھر وہ سارے بیت اللہ میں جمع ہوگئے۔

رسولؐ اللہ طواف کے لئے تشریف لائے۔ طواف کے بعد جب آپؐ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن ابی معیط آپؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے مروڑنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو علم ہوا تو وہ بھاگتے ہوئے آئے۔ "کیا تم ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے مار دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک ہے؟" انہوں نے عقبہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔

ایک روز آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔

ابوجہل اور اس کے ساتھی اپنی محفل میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

ابوجہل نے کہا فلاں آدمی کے گھر میں کل جو اونٹنی ذبح کی گئی تھی، کوئی جائے اور اس کی اوجھڑی اور آنتیں اٹھا لائے۔

عقبہ بن ابی معیط بھاگتا ہوا گیا اور دونوں چیزیں اٹھا لایا۔

جب آپؐ سجدہ میں گئے تو وہ دونوں آپؐ کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیں۔

حضورؐ نے سجدہ طویل کر دیا۔

قریش اپنی زیادتی پر خوش ہونے لگے، وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو بتایا، تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور حضورؐ کی کمر پر سے اوجھڑی اور آنتوں کی گندگی صاف کی۔

تیسرے چکر میں بھی جب قریش باز نہ آئے تو آپؐ ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”اے گروہِ قریش! میں تمہارے لئے ذبح کرنا اور گردنوں کا کاٹنا لے کر آیا ہوں۔“ آپؐ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔

ابھی تو وہ حضورؐ کے خلاف مشورے کر رہے تھے، اب وہ اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ فوراً درخواست کی: ”اے ابوالقاسم! آپؐ بخیریت تشریف لے جائیں، آپؐ جاہل تو نہیں۔“

انہیں اپنی حرکت کو جہالت ماننا پڑا اور کہا کہ آپؐ اس طرح کے نہیں جیسے جاہل یہ اشارے کرنے والے ہیں۔

آپؐ نے طواف مکمل کیا اور تشریف لے گئے۔

کفار نے اپنی حالت اور بات پر غور کیا تو وہ اپنے آپ میں شرمندہ ہوئے کہ ایک اکیلے آدمی کے مقابلے میں انہیں ہار ماننا پڑی تھی انہوں نے اپنی خِفّت مٹانے کے لئے مشورہ کیا کہ اگلے روز وہ پھر وہی حرکت کریں گے تاکہ اپنی رسوائی کا بدلہ لے سکیں۔

اگلے روز پھر وہ سارے بیت اللہ میں جمع ہو گئے۔

رسولؐ اللہ طواف کے لئے تشریف لائے۔ طواف کے بعد جب آپؐ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن ابی معیط آپؐ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اسے مروڑنے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو علم ہوا تو وہ بھاگتے ہوئے آئے۔ ”کیا تم ایک آدمی کو صرف اس وجہ سے مار دینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب ایک ہے۔“ انہوں نے عقبہ کو پیچھے سے پکڑ کر کھینچ لیا۔

ایک روز آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔

ابوجہل اور اس کے ساتھی اپنی محفل میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔

ابوجہل نے کہا فلاں آدمی کے گھر میں کل جو اونٹنی ذبح کی گئی تھی کوئی جائے اور اس کی اوجھڑی اور آنتیں اٹھا لائے۔

عقبہ بن ابی معیط بھاگتا ہوا گیا اور دونوں چیزیں اٹھا لایا۔

جب آپؐ سجدہ میں گئے تو وہ دونوں آپؐ کی پیٹھ پر کندھوں کے درمیان رکھ دیں۔

حضورؐ نے سجدہ طویل کر دیا۔

قریش اپنی زیادتی پر خوش ہونے لگے، وہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو بتایا تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور حضورؐ کی کمر پر سے اوجھڑی اور آنتوں کی گندگی صاف کی۔

سیدہ فاطمہؓ نے کفار کو بددعائیں دیں۔
ان میں سے کوئی نہیں بولا۔
حضورؐ نے نماز مکمل کر کے فرمایا: "خدایا! قریش سے نپٹ لے۔" آپؐ نے تین بار یہ دعا دُہرائی۔
"الٰہی! قریش کو پکڑ لے، الٰہی عمرو بن ہشام (ابو جہل) عقبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کو پکڑ لے۔"
ہنسی اڑانے والے سارے قریش دم بخود تھے۔وہ آپؐ کی دعا سے خوفزدہ ہو گئے (3) وہ جانتے تھے کہ حضورؐ نے کبھی کسی کو بددعا نہیں دی اور جب آپؐ اللہ سے جو دعا کرتے ہیں تو اللہ پوری کر دیتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نکاح

باہر کفار سے مقابلہ میں ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔گھر میں بچیوں کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ رسولؐ اللہ کے لئے حالات ناموافق ہوتے جا رہے تھے۔دوستوں اور مخلص مسلمانوں کو آپؐ کی مصروفیات اور مشکلات کا احساس تھا۔وہ ان حالات میں آپؐ سے تعاون کرنا چاہتے تھے۔آپؐ کے گھر کا سکون بحال کرنے کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔نکاحِ ثانی کے لئے تقاضے بڑھنے لگے تو آپؐ رضامند ہو گئے،ہمدرد رشتہ تلاش کرنے لگے۔
ایک روز حضرت عمرؓ کے برادرِ نسبتی حضرت عثمانؓ بن مظعون کی بیوی خولہ حضورؐ کے پاس آئیں۔
"یا رسولؐ اللہ! آپؐ شادی کریں گے؟"
"کس سے؟" رسولؐ اللہ نے پوچھا۔
"آپؐ دوشیزہ سے شادی کرنا پسند کریں گے یا شوہر دیدہ سے؟" خولہ نے پوچھا۔
"دوشیزہ کون ہے؟ اور شوہر دیدہ کون ہے؟" آپؐ نے استفسار فرمایا۔
"دوشیزہ عائشہؓ بنتِ ابوبکرؓ اور شوہر دیدہ سودہؓ بنت زمعہ،جو مسلمان اور آپؐ کی پیروکار ہیں۔"
"آپ ان سے میرا تذکرہ کریں۔" حضورؐ نے اجازت دے دی۔
خولہ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئیں اور آپ کی بیوی سے کہا: "مبارک ہو؟"
"کیسی مبارک؟" حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے پوچھا۔
"رسولؐ اللہ نے مجھے عائشہؓ کے رشتہ کے لئے بھیجا ہے۔" خولہ نے جواب دیا۔
"ابوبکرؓ آنے والے ہیں، ان سے بات کرنا۔" انہوں نے کہا۔

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکرؓ آئے تو خولہ نے کہا: "آپ کو اللہ تعالیٰ نے عظیم خیرو برکت سے نوازا ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"مجھے رسولؐ اللہ نے عائشہؓ کے رشتہ کے لئے بھیجا ہے۔"

"کیا یہ رشتہ رسولؐ اللہ کے لئے مناسب ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: "عائشہؓ تو رسولؐ اللہ کے بھائی کی بیٹی ہیں۔"

خولہ رسولؐ اللہ کے پاس گئیں اور جو کچھ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تھا، آپؐ کو بتا دیا۔ آپؐ نے فرمایا:

"ابوبکرؓ میرا اسلامی اور دینی بھائی ہے، میں اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہوں۔"

خولہ واپس حضرت ابوبکرؓ کے ہاں گئیں اور انہیں رسولؐ اللہ کے جواب سے آگاہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "تم ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

"وہ گھر سے باہر نکل گئے۔ ان کی بیوی نے خولہ کو بتایا کہ عائشہؓ کا رشتہ مطعم بن عدی کے بیٹے سے طے ہو چکا ہے۔ ابوبکرؓ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ وہ ان کے ہاں گئے ہیں کہ ان کا شادی کے بارے میں کیا ارادہ ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ نے مطعم بن عدی سے اس کے بیٹے اور حضرت عائشہؓ کی شادی کی بات شروع کی تو مطعم کی بیوی نے کہا: "ہمارے بیٹے کی آپ کی بیٹی سے شادی ہو گئی تو تم اسے بھی اپنی طرح بے دین بنا لو گے۔"

"کیا تمہارا بھی وہی فیصلہ ہے جو تمہاری بیوی کا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"ہاں، وہی ہے جو یہ کہہ رہی ہے۔" مطعم نے جواب دیا۔

حضرت ابوبکرؓ واپس آ گئے اور خولہ سے کہا: "جاؤ، رسولؐ اللہ سے کہو، تشریف لے آئیں۔"

چنانچہ رسولؐ اللہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے تو آپؐ سے حضرت عائشہؓ کی نسبت طے کر دی (4) گئی۔

پھر ایک روز خولہ حضرت سودہؓ کے پاس گئیں اور انہیں مبارک باد دی۔

"کس بات کی مبارک؟" سودہؓ نے پوچھا۔

"مجھے رسولؐ اللہ نے تمہارے رشتہ کے لئے بھیجا ہے۔"

"جاؤ، یہ بات ابوبکرؓ سے کرو۔" حضرت سودہؓ نے خولہ سے کہا۔

خولہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور بتایا کہ مجھے رسولؐ اللہ نے سودہؓ کے رشتہ کے

لئے بھیجا ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: "بہت اچھا رشتہ ہے، مگر تمہاری سہیلی کیا کہتی ہے؟"
"انہیں بھی پسند ہے۔" خولہ نے بتایا۔
"جاؤ اسے میرے پاس لاؤ۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔
وہ ان سے خود معلوم کرنا چاہتے تھے۔
سودہؓ آئیں تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا: "خولہ کہتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے اسے تمہارے رشتہ کے لئے بھیجا ہے۔یہ بہت اچھا رشتہ ہے۔تم چاہتی ہو کہ میں تمہارا نکاح رسولؐ اللہ سے کر دوں؟"
"جی ہاں۔" حضرت سودہؓ نے رضامندی ظاہر کر دی۔
حضرت ابوبکرؓ نے خولہ سے کہا کہ رسولؐ اللہ سے کہیں تشریف لے آئیں۔
رسولؐ اللہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سودہؓ سے آپؐ کا نکاح پڑھا دیا۔
اس وقت حضرت سودہؓ کی عمر چالیس سال سے زیادہ تھی۔وہ بیوہ تھیں۔ان کا پہلے خاوند سے ایک بیٹا بھی تھا۔ان کے پہلے خاوند کا نام سکرانؓ بن عمرو تھا۔
حضرت سودہؓ اور سکرانؓ ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے جنہوں نے شروع میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔وہ میاں بیوی حبشہ ہجرت کرنے والے دوسرے گروہ میں شامل تھے۔وہاں سے واپسی پر سکرانؓ کا مکہ میں انتقال ہو گیا تھا۔
حضرت سودہؓ کے بیٹے کی بھی آپؐ نے ہی پرورش کی۔
رسولؐ اللہ نے حضرت سودہؓ سے شوال 10 نبوت میں نکاح کیا۔
اس کے بعد رسولؐ اللہ گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کے معاملہ میں کافی حد تک بے فکر ہو گئے اور یکسوئی سے دعوتِ توحید میں لگ گئے۔

حواشی رحوالہ جات

1- صفی الرحمٰن مبارکپوری/الرحیق المختوم/ مکتبہ سلفیہ لاہور/ 1992ء/ صفحہ 199

2- ابو طالب کی وفات کے کتنا عرصہ بعد سیدہ خدیجہؓ نے وفات پائی' اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔تین دن بعد' پانچ دن بعد اور ایک ماہ پانچ دن بعد' فصل کی مانند مہینہ میں بھی اختلاف ہے۔

3- کفارِ مکہ کے وہ سارے سردار جن کے بارے میں حضورؐ نے اللہ سے پکڑ لینے کی درخواست کی تھی'جنگِ بدر میں مارے گئے تھے۔سخت دھوپ میں ان کے لاشے سیاہ ہو گئے تھے۔پھر انہیں گھسیٹ کر ایک کنویں میں پھینک دیا گیا تو حضورؐ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر جو لعنت نازل ہوئی وہ کنویں میں بھی ان کے ساتھ ہی ہے۔

4- رسولؐ اللہ سے نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ صدیقہ کی عمر کے بارے میں بہت بحثیں اور جھگڑے کئے جاتے ہیں' بہت تو نیحات پیش کی جاتی ہیں۔ہم ان بحثوں میں نہیں پڑنا چاہتے'لیکن چند اصولی اور فطری باتوں کی طرف دھیان دلانا چاہتے ہیں تاکہ قارئین ان کی روشنی میں جو رائے چاہیں قائم کر لیں۔حضرت عائشہؓ کی نسبت مطعم بن عدی کے بیٹے سے طے ہو چکی تھی۔حضرت ابوبکرؓ نے ان سے شادی کے بارے میں پوچھا تو مطعم کی بیوی نے جواب دیا اگر ہم نے اپنے بیٹے کی شادی تمہاری بیٹی سے کر دی تو تم اسے بھی بے دین کر لو گے۔حضرت ابوبکرؓ نے مطعم سے پوچھا کہ کیا تم بھی اپنی بیوی سے متفق ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں' تب انہوں نے گھر آ کر خولہ سے کہا کہ رسولؐ اللہ سے کہیں تشریف لے آئیں۔جب آپؐ آئے تو انہوں نے نسبت پکی کر دی۔اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ اس سے ایک بات ثابت ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت اتنی ضرور تھی جتنی عمر میں قریشِ مکہ اپنی بیٹیوں کی شادیاں کر دیتے تھے۔یہ بات اس سے بھی ثابت ہے کہ جب خولہ نے رسولؐ اللہ سے پوچھا کہ آپؐ شادی کریں گے؟ تو آپؐ نے فرمایا کس سے؟ تو خولہ نے عائشہؓ بنتِ ابوبکرؓ اور سودہؓ بنتِ زمعہ کا نام لیا۔اگر حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت اتنی چھوٹی ہوتی جس میں قریش لڑکیوں کی شادیاں نہیں کیا کرتے تھے' تو خولہ رسولؐ اللہ کے سامنے ان کا رشتہ کیسے پیش کر سکتی تھیں؟ رسولؐ اللہ نے خولہ کی تجویز پر یہ نہیں فرمایا کہ عائشہؓ سے نکاح کیسے کر سکتا ہوں' وہ تو بہت چھوٹی ہے۔آپؐ نے اجازت دے دی اور فرمایا: جاؤ' ان سے میرا ذکر کرو۔پھر جب خولہ نے حضرت ابوبکرؓ کو بتایا کہ رسولؐ اللہ نے انہیں عائشہؓ کے رشتہ کے لئے بھیجا تو انہوں نے پوچھا کیا یہ مناسب ہے؟ عائشہؓ تو رسولؐ اللہ کے بھائی کی بیٹی ہے' حالانکہ وہ جانتے تھے کہ رشتہ حقیقی بھائی کا نہیں۔پھر بھی وہ بہت محتاط تھے اور مکہ کے معاشرے کی روایات کی وجہ سے انہیں تردّد تھا۔انہوں نے خولہ سے یہ نہیں کہا کہ عائشہؓ کی تو ابھی عمر ہی بہت چھوٹی ہے۔
مطعم بن عدی کے جس بیٹے سے حضرت عائشہؓ کی نسبت طے ہو چکی تھی اس کا نام جبیر تھا۔اس کی عمر اتنی تھی کہ وہ باقاعدہ تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتا تھا۔جب بیعتِ عقبہ کے بعد قریش کے سوار حضرت سعد بن عبادہ کو پکڑ کر مکہ لے آئے تھے تو جن دو آدمیوں نے انہیں قریش سے

نجات دلائی تھی، ان میں ایک وہی جبیر بن مطعم تھا، کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ سے اس کا عہدوپیان تھا۔جب رسولؐ اللہ طائف سے واپس آئے اور مطعم آپ کو جن مسلح افراد کے جلوس کے ساتھ مکہ شہر میں لایا تھا، ان میں بھی جبیر شامل تھا۔مکہ کی پارلیمنٹ دارالندوہ کی رکنیت چالیس سال کی عمر کے بعد ملتی تھی اور جس اجلاس میں اس پارلیمنٹ نے رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا اس میں بھی یہ جبیر بن مطعم موجود تھا۔گویا اس کی عمر اس وقت چالیس سال سے زیادہ تھی۔رسولؐ اللہ کی اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں کتنی عمر میں ہوئیں، اگرچہ اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں (اس وقت نہ تاریخ پیدائش کا کوئی رجسٹر ہوتا تھا نہ نکاح کا فارم مکمل کیا جاتا تھا، نہ ان پڑھ معاشرہ میں ایسا ریکارڈ ممکن تھا) لیکن ایک بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت لڑکیوں کی شادیاں جلد کر دی جاتی تھیں۔گرم ملک اور آب وہوا میں لڑکیاں جلد بالغ ہو جاتی تھیں۔اس پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ نکاح کے وقت آپؐ کی عمر اکاون برس تھی اور حضرت عائشہؓ کی عمر کم تھی، جبکہ جبیر بن مطعم کی عمر بھی تو چالیس سال سے زیادہ تھی۔ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب اپنے صاحبزادے عبداللہ کے لئے رشتہ لینے گئے اور خود بھی اسی گھر نکاح کر لیا۔حضرت عبدالمطلب دادا تھے، نانا تھے اور ان کی نئی بیوی کم عمر تھیں۔پھر بھی اس کے والدین نے اعتراض نہیں کیا، بلکہ خوشی سے نکاح کر دیا۔اس وقت کے عرب معاشرے میں، بلکہ آج بھی عربوں میں کسی خاندان سے اتحاد اور تعلق مضبوط کرنے کا طریقہ اس میں بیٹے یا بیٹی کی شادی کا طریقہ ہے۔اس سے دونوں قبیلے مضبوط رشتوں میں بندھ جاتے تھے اور بڑے لوگوں، بڑے سرداروں اور بڑے قبیلوں کے افراد سے بیٹیوں کی شادی کر کے ان سے تعلق قائم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔حضرت عائشہؓ صدیقہ کی بھی تاریخ پیدائش درج تھی نہ نکاح کا کوئی اندراج کیا گیا تھا۔اس بارے میں ساری باتیں اندازے ہیں۔اصل اور مُسلّم حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر اتنی ضرور تھی جتنی عمر میں قریش مکہ لڑکیوں کی شادیاں کر دیا کرتے تھے۔ڈاکٹر رفیق زکریا کی تحقیق ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ صدیقہ کی عمر نو سال تھی اور رخصتی کے وقت پندرہ سال تھی۔(محمدؐ اور قرآن/ فکشن ہاؤس لاہور/ 1994ء صفحہ 96) لیکن مفسرین، مؤرخ اور سیرت نگار جتنی بحثیں کرتے ہیں، ان میں ان فطری اور اصولی باتوں کو سامنے نہیں رکھتے کہ جب حضرت عائشہؓ کا رسولؐ اللہ سے نکاح ہوا اس وقت وہ مکہ کے معاشرہ کے معیار کے مطابق نکاح اور شادی کی عمر کو پہنچ چکی تھیں اور اس وقت کے عرب معاشرے میں میاں بیوی کی عمروں میں فرق کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

رسولؐ اللہ کا تبلیغی سفر

دعوتِ اسلام کے دو اہم مرکز تھے۔ایک جزیرۃالعرب میں اور دوسرا حبشہ میں' حبشہ میں مسلمانوں کو کسی بڑی مخالفت کا سامنا نہیں تھا۔وہاں وہ آزادی سے عبادت اور کاروبار کرتے تھے اور تبلیغ اسلام میں بھی مصروف تھے۔بادشاہ کا رویہ ہمدردانہ تھا۔کوئی غیر مسلم مسلمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچا سکتا تھا۔لیکن جزیرۃالعرب میں ابو طالب کی وفات سے صورتحال بالکل بدل گئی تھی۔رسولؐ اللہ نے ساری صورتحال کا جائزہ لیا اور مکہ سے باہر کوئی اتحادی تلاش کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ اگر کوئی بڑا سردار اسلام قبول کر لے' تو اس کی حمایت اور طاقت کو مسلمانوں کی فلاح کے لئے استعمال کیا جا سکے۔اسلام کو تقویت مل جائے اور قریشِ مکہ کے جبر کا بہتر طریقے سے مقابلہ کیا جا سکے۔جزیرۃالعرب کا دوسرا سب سے بڑا اور طاقتور قبیلہ بنی ثقیف تھا جس کا مرکز مکہ سے ایک سو دس کلومیٹر دور طائف میں تھا۔عربی زبان میں طائف کے لغوی معنی حصار یا دیوار کے ہیں۔یہ جزیرۃالعرب کا واحد شہر تھا جس کے گرد حفاظتی دیوار تھی۔اِس شہر کا قدیم نام "واج" تھا' طائف سطحِ سمندر سے اٹھارہ سو میٹر کی بلندی پر واقع ہے' اس لئے وہاں کی آب و ہوا خوشگوار ہے۔بارشیں ہونے کی وجہ سے پانی وافر ہے۔زمانہ قدیم کے وہاں جو آثار ملے ہیں' ان میں ایک چھوٹا سا ڈیم بھی ہے جسے سمالاجی کہتے تھے۔شہر کے اردگرد اس وقت بھی چاروں طرف انگور اور آلوچہ کے باغات پھیلے تھے۔وہاں کے لوگ مالدار اور امیر کبیر تھے۔وہ سودی کاروبار بھی کرتے تھے۔ شہر کی خوشحالی کا اثر ان کی معاشرت پر بھی تھا۔طائف کے مشرکین "لات" نامی بت کی پوجا کرتے تھے جس کا مندر ایک ٹیلے پر تھا۔وہ اس مندر کے احاطہ کو بھی اسی طرح مقدس سمجھتے تھے جس طرح مکہ میں بیت اللہ کا احاطہ مقدس ہے اور اگر کوئی چور یا قاتل اس مندر کی حدود میں داخل

ہو جاتا تھا تو وہاں اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی جا سکتی تھی۔وہ اپنے لات کے مندر کو بھی بیت اللہ کے برابر درجہ دینے کی کوششیں کرتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے بُت کا بھی اسی طرح طواف اور عمرہ کیا جائے جس طرح بیت اللہ کا کیا جاتا ہے۔طائف کے سب سے بڑے قبیلے بنی ثقیف کے سردار عمرو بن عمیر کے بارے میں ہی ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ "مجھے اور عمرو بن عمیر ثقفی کو چھوڑ کر محمدؐ پر قرآن اتارا جاتا ہے' حالانکہ ہم دونوں مکہ اور طائف کے بڑے آدمی ہیں۔میں قریشِ مکہ کا سردار ہوں اور عمرو بن عمیر بنی ثقیف کا سردار ہے۔" قریشِ مکہ کے بعض امیر لوگوں کے بھی طائف میں گھر اور باغات تھے اور وہ گرمیوں میں وہاں منتقل ہو جاتے تھے۔طائف کا ماحول اور لوگوں کا مزاج مکہ سے مختلف تھا' آپؐ نے سوچا اگر بنی ثقیف کا قبیلہ یا اس کے کچھ بااثر لوگ اسلام قبول کر لیں' تو اس سے جزیرۃالعرب میں مسلمانوں کا ایک اور مرکز قائم ہو جائے گا اور مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کو طاقتور سیاسی اور کاروباری ساتھی میسر آجائیں گے اور اگر کبھی پھر بائیکاٹ جیسی کوئی صورت پیدا ہو گئی تو مسلمان ان کے تعاون پر بھروسہ کر سکیں گے۔یہ سوچ کر رسولؐ اللہ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارث کو ساتھ لیا اور پیدل ہی طائف کے سفر پر چل نکلے (1) یہ مئی جون کی سخت گرمی کا موسم تھا (27 شوال 10 نبوی) ابھی چند روز ہی پہلے حضورؐ نے حضرت سودہؓ سے نکاح کیا تھا۔آپؐ نے گھر اور بچے ان کے سپرد کئے اور تبلیغ اسلام کے لئے نکل پڑے۔راستہ میں جو بھی قبائل آتے تھے، حضورؐ ان کے سرداروں اور عام لوگوں کو دعوتِ اسلام پیش کرتے۔قرآن سناتے تھے، لیکن چونکہ جزیرۃالعرب کے اکثر قبائل کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش کے بعد حضورؐ کے اپنے قبیلہ بنی ہاشم نے بھی آپؐ کی حمایت ترک کر دی ہے' اس لئے کوئی بھی بیت اللہ کے متولی اور اتنے بڑے اور بااثر قبیلہ قریش کی مخالفت کے خوف سے اسلام قبول کرنے یا رسولؐ اللہ سے حمایت کا وعدہ کرنے پر تیار نہ ہوا' مگر آپؐ کو تو اللہ کی طرف سے اسلام کی دعوت دینے کا حکم تھا' کوئی قبول کرے یا نہ کرے' آپؐ کی تو یہی ذمہ داری تھی۔آپؐ ان قبائل اور ان کے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے طائف پہنچ گئے۔

طائف کے سیاہ بخت

طائف میں حضورؐ کافی دن اسلام کی دعوت دینے میں مصروف رہے۔طائف میں حضورؐ کے قیام کے بارے میں مختلف روایات ہیں اور یہ مدت دس روز سے ایک ماہ تک بیان کی گئی ہے۔یہ

سارا عرصہ آپؐ مختلف لوگوں سے ملتے رہے اور انہیں دعوتِ توحید پیش کرتے رہے۔ایک روز آپؐ طائف کے سب سے بڑے قبیلے کے سب سے بڑے سردار عمرو بن عمیر کے بیٹوں کو دعوت دینے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔عمرو کے تین بیٹے تھے عبد یالیل' مسعود اور حبیب' تینوں بڑے رئیس تھے اور بڑے سردار ہوتے تھے۔آپؐ نے انہیں اسلام کی طرف آنے اور توحید کی دعوت دی' قرآن سنایا اور اسلام سمجھایا' وہ تینوں سنتے رہے۔

پھر ایک نے غصہ سے کہا: "اگر اللہ نے تجھے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے' تو میں حرمِ کعبہ کا غلاف پھاڑ ڈالوں گا۔"

دوسرے نے کہا: "کیا تیرے خدا کو تیرے علاوہ رسولؐ بنانے کے لئے اور کوئی آدمی نہیں ملا تھا؟"

تیسرے نے کہا: "خدا کی قسم!میں تو آپؐ سے کبھی بات ہی نہیں کروں گا۔اگر آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو پھر تو آپؐ بہت ہی عظمت والے ہیں اور آپؐ کے سامنے منہ کھولنا خلافِ ادب ہے اور اگرآپ اللہ کے رسولؐ نہیں' ویسے ہی کہہ رہے ہیں تو پھرآپ اس قابل نہیں کہ آپؐ سے بات بھی کی جائے۔"

رسولؐ اللہ کے ساتھ ان تینوں بھائیوں کا رویہ عرب کے عام معاشرتی اصولوں کے بھی منافی تھا۔وہ تینوں طائف کے بڑے سردار تھے۔عرب معاشرے میں اگر کسی عام آدمی کے خیمے میں بھی کوئی مہمان آجاتا تو وہ بھی اس کی عزت اور احترام کرتا تھا۔اپنے ذاتی اور اپنے قبیلہ کے دشمن کی بھی گھر پر مہمان نوازی کی جاتی تھی۔قاتل تک سے عزت کا سلوک کیا جاتا تھا اور قبیلے کا سردار تو ان قبائلی روایات کا محافظ ہوتا تھا۔اس کی قائم کردہ روایات آگے چلتی تھیں۔قبیلے میں بھی اور معاشرے میں بھی اسی پر عمل کیا جاتا تھا۔اگر سردار کسی کی عزت اور احترام کرتا تو پورے قبیلے کا فرض بن جاتا تھا کہ وہ بھی اس کی عزت اور احترام کرے اور اگر کوئی سردار کسی وجہ سے اپنے رسم و رواج اور روایات کے منافی رویہ اختیار کرتا [illegible] کا رویہ اس کے سارے قبیلے اور لوگوں کے لئے ایک مثال بن جاتی تھی کہ وہ بھی اس آدمی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کریں۔قبیلے کے سردار کا رویہ اور سلوک ایک قسم کا فیصلہ ہوتا تھا جس کی سارے پابندی کرتے تھے' اس لئے جب طائف کے سب سے بڑے قبیلے کے سب سے بڑے سرداروں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ ناروا سلوک کیا اور اپنے گھر پر' اپنے قبیلے اور خاندان کی روایات کی کھلی توہین کر ڈالی تو رسولؐ اللہ نے ان سے فرمایا: "اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنے یہ خیالات اپنے پاس ہی رکھو تاکہ یہ دوسرے لوگوں کے ٹھوکر کھانے کا سبب نہ بن جائیں۔"

رسولؐ اللہ ابھی اور بھی لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے‘ اس لئے آپؐ نے ان سے کہا کہ اپنے خیالات اپنے تک ہی رکھنا تاکہ ان کے قبیلے اور شہر کے لوگ ان کے خیالات‘ جوابات اور سلوک کے بارے میں جان کر آپؐ کی بات سننے سے ہی انکار نہ کر دیں۔ آپؐ کو امید تھی کہ طائف میں بھی کچھ لوگ ایسے ضرور مل جائیں گے جو اسلام قبول کر لیں گے۔ آپؐ کئی روز سے لوگوں سے مل رہے تھے‘ اس لئے آپؐ نے سوچا کہ اگر لوگوں کو اپنے سرداروں کے دعوتِ اسلام اس متکبرانہ انداز میں مسترد کر دینے کا پتہ چل گیا تو وہ ان سے خوف کھانے لگیں گے۔ مکہ کے قریش کی مثال ان لوگوں کے سامنے تھی کہ وہ کس طرح اپنے خیالات اور اعتقادات سے اختلاف کرنے اور اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم کر رہے تھے۔ طائف میں اس وقت کوئی ابوبکرؓ نہیں تھا جو اسلام کی دعوت قبول کرنے والوں کی عملی‘ مالی یا اخلاقی مدد کر سکتا۔ وہاں مسلمانوں کا کوئی اپنا گروپ بھی نہیں تھا اور نہ ہی کسی مضبوط خاندان یا قبیلے کا کوئی فرد ابھی مسلمان ہوا تھا‘ اس لئے یہ احتیاط لازم تھی‘ دوسری طرف مغرور بُت پرستوں کو خدشہ تھا کہ اگر آپؐ کچھ عرصہ اور طائف میں مقیم رہے‘ تو وہاں بھی لازماً کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور انہیں بھی ویسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا جن حالات سے مکہ کے قریش کے سردار گزر رہے تھے۔ اس خوف کی وجہ سے انہوں نے رسولؐ اللہ سے کہا: ”اے محمدؐ! بس تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور جہاں تمہارے ساتھی رہتے ہیں‘ ان سے جا ملو“۔ ایک روز حضورؐ اہلِ طائف کے ایک مجمع میں کھڑے ہو کر انہیں اسلام کی دعوت دینے لگے تو لوگوں نے آپؐ کو پتھر مارنا شروع کر دیا۔ اپنے شہر اور بڑے قبیلہ کے سرداروں کے غلاموں کو رسولؐ اللہ کی توہین کرتے دیکھ کر وہاں کے غنڈے اور آوارہ لڑکے بھی دلیر ہوگئے۔ سردار بھی انہیں شہ دیتے رہے۔ وہ سب آپؐ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے اور آپؐ پر اینٹ پتھر کی بارش کر دی۔ حضرت زیدؓ بن حارث ان کے پتھر اپنے جسم اور بازوؤں پر روک لیتے تھے‘ مگر وہ اکیلے تھے اور طائف کے غنڈے زیادہ تعداد میں تھے۔ جب آپؐ کسی دیوار کی اوٹ میں بیٹھنا چاہتے تاکہ پتھروں سے بچ سکیں‘ تو وہ ظالم آپؐ کو بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور لڑکے آپ کے پاؤں اور ٹانگوں پر پتھر مارنا شروع کر دیتے۔ اس سے آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے اور جوتے خون سے بھر گئے۔ حضرت زیدؓ کو بھی سر میں زخم آئے۔ جب آپؐ شہر سے باہر نکل آئے‘ تو تعاقب کرنے والے واپس چلے گئے‘ شہر سے باہر انگور کا ایک باغ تھا جس کے گرد دیوار بنی تھی۔ اس دیوار کے اوپر سے انگور کی بیل لٹک رہی تھی۔ آپؐ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیل کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔

آپؐ کا جسم زخموں سے چُور تھا۔پاؤں زخمی تھے۔جُوتے خون سے بھرے ہوئے تھے اور دل غم سے بوجھل تھا' اس حالت میں آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا فرمائی' اسے دعائے طائف کہا جاتا ہے۔وہ دعا آپؐ کے جذبات اور احساسات کا آئینہ ہے' آپؐ نے فرمایا: "اے میرے اللہ!میں تجھ سے اپنی طاقت کی کمزوری' بے بسی اور لوگوں کے ہاں اپنی بے بسی کا شکوہ کرتا ہوں۔یا ارحم الراحمین' تُو کمزوروں کا رب ہے اور تو میرا بھی رب ہے' تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کسی ایسے بیگانے کے جو میرے ساتھ تلخی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جسے تُو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے' الٰہی!اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے' تو مجھے کوئی پرواہ نہیں' لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ کشادہ ہے' میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا و آخرت کے معاملات سلجھ گئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے' یا تیرا عذاب مجھ پر وارد ہو' تیری ہی رضا مطلوب ہے' یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

یہ باغ مکہ کے ایک قریشی سردار ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔وہ دونوں باغ میں بیٹھے تھے۔حضورؐ کو دیکھ کر انہوں نے اپنے غلام سے کہا: "طباق میں انگور لے جاؤ اور اس شخص کو پیش کرو جو بیل کے سایہ میں بیٹھا ہے۔"

غلام نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی۔

حضورؐ نے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ کر انگور کا خوشہ اٹھایا تو غلام نے حیران ہو کر پوچھا "خدا کی قسم!اس ملک میں تو کوئی یہ کلمہ کہنے والا نہیں؟"

حضورؐ نے غلام سے پوچھا: "تم کہاں کے رہنے والے ہو اور کس دین کو مانتے ہو؟"

"میں نینوا کا رہنے والا ہوں اور عیسائی ہوں۔" غلام نے جواب دیا۔

حضورؐ نے فرمایا: "تو تم مردِ صالح یونسؑ بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو۔"

غلام کی حیرانی اور بھی بڑھ گئی۔"آپؐ یونسؑ بن متی کو کیسے جانتے ہیں؟"

"میں اللہ کا نبی ہوں' وہ بھی اللہ کے نبی تھے اور میرے بھائی تھے۔" حضورؐ نے اس کی حیرانی دور کرنے کو فرمایا۔

غلام فوراً جھکا' اس نے آپؐ کا سرمبارک چُوم کر ہاتھوں اور پاؤں کو بھی چُوما۔"میں آپؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔"

اس غلام کا نام عداس تھا۔

عتبہ اور شیبہ باغ میں بیٹھے دیکھ رہے تھے۔"لو بھئی' اس نے تو تمہارے غلام کو بھی بگاڑ دیا۔" ایک نے دوسرے سے کہا۔

جب غلام واپس آیا تو انہوں نے پوچھا:"تم اس شخص کے ہاتھ پاؤں کیوں چوم رہے تھے؟"

عداس نے جواب دیا:"میرے آقا!اس شخص سے بہتر اِس ملک میں کوئی شخص نہیں۔انہوں نے مجھے جو خبر دی ہے' نبی کے سوا وہ کسی اور کو معلوم نہیں۔"

"اپنے دین پر قائم رہو۔تمہارا دین اُس دین سے بہتر ہے جو یہ شخص پیش کرتا ہے۔" انہوں نے غلام کو حکم دیا۔

انہیں فکر ہونے لگی کہ عداس مسلمان نہ ہو جائے۔انہیں اس کے عیسائی ہونے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔یہ فکر تھی کہ کوئی رسولؐ اللہ کی دعوت قبول کر کے مسلمان نہ ہو جائے۔ایک طرف تو وہ لات اور عزیٰ کو پوجنے کو سب سے اچھا دین سمجھتے تھے،لیکن دوسری طرف یہ کوشش کرتے تھے کہ کوئی ان کا دین قبول کرے نہ کرے' اسلام ہرگز قبول نہ کرے۔

طائف سے مکہ کی طرف واپسی کے سفر میں آپؐ قرن الثعالب کے مقام پر پہنچے تو آسمان کی طرف سے بادل نے آپؐ پر سایہ کر دیا۔آپؐ نے اوپر کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو بادل میں حضرت جبریلؑ آپؐ کو دکھائی دیئے۔"اللہ نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو آپؐ کی قوم(2) نے آپؐ کی طرف سے دعوت کے جواب میں کہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتہ کو میرے ساتھ بھیجا ہے۔آپؐ اسے جو حکم دیں گے' وہ ویسا ہی کرے گا۔" حضرت جبریلؑ نے کہا۔

پہاڑوں کے فرشتہ نے حضورؐ کو سلام عرض کیا اور کہا:"اے محمدؐ!آپؐ جو چاہیں حکم دیں۔اگر آپؐ حکم دیں تو میں ان پر پہاڑ الٹ دوں گا اور اگر چاہیں تو زمین انہیں نگل لے گی۔"

"نہیں' میں آپ کو ایسا کوئی حکم نہیں دوں گا،کیونکہ مجھے امید ہے کہ ان سے آنے والی نسل میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگ بھی پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔" آپؐ نے فرشتے کی پیشکش قبول نہیں فرمائی۔

جِنّ اور قرآن

طائف اور مکہ کے درمیان "نخلہ" نام کی ایک وادی آتی ہے جہاں اس راہ پر سفر کرنے والے قافلے اور مسافر ٹھہرا کرتے تھے۔وہاں مسافروں کے لئے پانی بھی میسر تھا اور شادابی بھی' طائف سے واپسی پر رسولؐ اللہ نے چند روز تک وہاں قیام فرمایا۔اس راہ سے گزرنے والے اور

بھی مسافر ان دنوں وہاں ٹھہرتے ہوں گے اور رسول اللہ انہیں اسلام کی دعوت دیتے رہے ہوں گے۔

اس وادی کے پُرسکون ماحول اور کھلی فضاء میں آپؐ راتوں کو قرآن کی تلاوت فرماتے تو وادی توحید کی آواز سے گونج اٹھتی تھی۔وادی میں قیام کرنے والے اور ادھر سے گزرنے والے قرآن کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ایک رات آپؐ تلاوت فرما رہے تھے تو جنّوں کا ایک گروہ ادھر سے گزرا۔قرآن کی آواز سُن کر جن رک گئے اور جب تک آپؐ تلاوت فرماتے رہے، وہ خاموشی سے سنتے رہے۔جب آپؐ نے تلاوت ختم کی تو وہ آگے چلے گئے۔رسول اللہ کو جنّوں کے ٹھہرنے اور قرآن سننے کا کوئی علم نہیں تھا۔اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے آگاہ فرمایا:

''اور آپؐ کہہ دیں میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنّوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور آپس میں کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم اس پر ایمان لائے ہیں، ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے۔'' (72: 1 تا 2)

(3)

مکہ میں واپسی

نخلہ سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت زیدؓ بن حارثہ نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! آپؐ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ قریش تو آپؐ کو اپنے سے نکال چکے ہیں(4) رسول اللہ نے فرمایا: ''اے زید! ان حالات سے نکلنے کا اللہ خود کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔اپنے دین کا وہ خود حامی و ناصر ہے اور اپنے نبی کا غالب کرنے والا ہے۔'' حضرت زیدؓ بن حارث کے سامنے عرب قبائل اور قریشِ مکہ کی روایات تھیں۔جزیرۃ العرب کے قبائلی معاشرے میں کسی شخص کے لئے جرأت اور کسی خوف کے بغیر اپنی بات کہنے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے پاس قوت ہو تاکہ اگر کوئی فرد یا قبیلہ اس کی مخالفت کرے تو اس کی حمایت کرنے والا اور ساتھ دینے والا بھی کوئی طاقتور قبیلہ یا فرد موجود ہو یا پھر اس کے اپنے پاس اتنی افرادی قوت ہو کہ کوئی اس کے ساتھ زیادتی نہ کر سکے۔ اہلِ طائف نے حضورؐ کے ساتھ جو ظلم اور زیادتی کی تھی، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ طائف میں داخلہ کے وقت آپؐ نے عرب روایت کے مطابق کسی بااثر مقامی فرد یا قبیلہ کا حقِ جوار حاصل نہیں کیا تھا۔اس لئے کوئی بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہونے اور زیادتی کرنے والوں کو روکنے کا پابند نہیں تھا۔

حقِ جوار عربوں کی پرانی رسم تھی۔اس کے مطابق اگر کوئی فرد کسی قبیلے کے سردار یا فرد سے حقِ جوار قائم کرنا چاہتا تو وہ قبیلہ اور سردار اسے اپنے لئے فخر کی بات سمجھتا تھا اور خوشی سے حقِ جوار دے دیتا تھا،کیونکہ اس سے معاشرے میں اس کے اپنے وقار اور مرتبہ میں اضافہ ہو جاتا تھا۔اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ معاشرے میں اس کے مقام و مرتبہ کا اعتراف کیا گیا ہے اور حقِ جوار دینے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ حق دینے والا قبیلہ یا فرد اس شخص کو جس کے ساتھ وہ یہ تعلق قائم کر رہا ہے' اپنا اتحادی سمجھ کر اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا اسی طرح ذمہ دار ہو گا جس طرح وہ اپنے خاندان اور قبیلے کے دیگر افراد کے جان و مال عزت و آبرو اور حقوق کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔

ابو طالب کی وفات کے بعد ابو لہب بنی ہاشم کا سردار بنا تو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب نے آپؐ سے تعلق ختم کر لیا' عرب رواج کے مطابق آپؐ کا کوئی قبیلہ نہیں تھا جو دشمن کے مقابلے میں آپؐ کا ساتھ دے۔باقی قریشِ مکہ پہلے ہی آپؐ کے دشمن تھے۔اس کے باوجود آپؐ نے مکہ کے کسی سردار یا قبیلہ سے حقِ جوار قائم نہیں کیا تھا۔اس قطع تعلق کے فوراً ہی بعد آپؐ طائف تشریف لے گئے تھے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

اس صورتِ احوال میں حضرت زیدؓ بن حارث کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونا فطری بات تھی۔

آپؐ نے مکہ کی طرف سفر جاری رکھا اور اس صورتحال پر غور فرماتے رہے۔

مکہ میں مسلمانوں کی ایک مختصر سی جماعت موجود تھی۔ان میں حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ جیسے بہادر اور جانثار بھی شامل تھے۔

طائف میں جو واقعہ پیش آیا تھا،قریشِ مکہ کو لازماً اس کا علم ہو چکا ہو گا۔

اگر شہر میں داخلہ سے پہلے آپؐ کسی کے ساتھ حقِ جوار قائم نہیں کرتے تو کیا ہو سکتا ہے؟ آپؐ اس بارے میں سوچتے رہے تھے۔

اگر ابو جہل یا کوئی اور دشمنِ اسلام آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتا ہے یا آپؐ سے زیادتی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی قبیلہ یا گھرانہ متحد ہو کر آپؐ کی حمایت نہیں کرے گا۔

مسلمانوں کی مختصر سی جماعت کے ساتھ اگر آپؐ ایسے شخص اور اس کے قبیلہ کا مقابلہ کرتے ہیں تو سارے قریش اکٹھے ہو جائیں گے۔اس تصادم اور کشیدہ ماحول میں دعوتِ دین کا اصل کام رک جائے گا۔

اس صورتحال سے بچنے اور اسلام کی دعوت جاری رکھنے کا آسان طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ

قریش، مکہ کے کسی سردار یا قبیلہ سے حقِ جوار قائم کر لیا جائے اور دشمنوں کے اندر سے کوئی اتحادی تلاش کر لیا جائے' آپؐ نے اپنی زندگی کے اکاون سال مکہ میں گزارے تھے۔مکہ کے سب لوگ آپؐ کے صالح کردار اور پیغامِ توحید سے آگاہ تھے۔وہ قریش کے ظلم سے بھی واقف تھے۔ان حالات میں کسی کا آپؐ سے حقِ جوار قائم کرنے پر تیار ہو جانا آسان بھی نہیں تھا۔

راستے میں آپؐ کو عبداللہ بن اریقط مل گیا۔

آپؐ نے اسے کہا: " اخنس بن شریق کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ وہ میرے ساتھ حقِ جوار قائم کرنے کو تیار ہے تاکہ میں اطمینان سے دعوتِ اسلام کا کام جاری رکھ سکوں"۔

اخنس بن شریق آپؐ کے نہالی قبیلہ بنی زہرہ کا اتحادی تھا۔اس کا اپنا تعلق بنی ثقیف سے تھا اور بنی ثقیف قریش نہیں تھے۔اخنس حضورؐ سے حقِ جوار قائم کرنا چاہتا تھا،لیکن اس کی مجبوری یہی تھی کہ وہ خود کسی قبیلہ کا سردار نہیں تھا۔بنی زہرہ میں معزز تھا اور ان کا اتحادی سردار تھا۔اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے بنی زہرہ میرا ساتھ نہ دیں اور میں حقِ جوار کی شرائط پوری نہ کر سکوں۔اس خیال سے اس نے معذرت کر لی۔"میں بنی زہرہ کا حلیف ہوں اس لئے ان کی طرف سے حقِ جوار قائم نہیں کر سکتا"۔

ابن اریقط نے واپس آکر حضورؐ کو اخنس بن شریق کے جواب سے آگاہ کیا تو آپؐ نے اسے یہی پیغام دے کر سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا کہ اس سے پوچھو وہ میرے ساتھ حقِ جوار قائم کرنے کو تیار ہے تاکہ میں اطمینان سے دعوتِ اسلام کا کام جاری رکھ سکوں"۔

سہیل بن عمرو کو بھی اس اتحاد پر کوئی اعتراض نہیں تھا،لیکن اس کی بھی ایک مجبوری تھی۔اس کا تعلق عامر بن لوی کی اولاد سے تھا اور مکہ کے باقی سب قریش کعب بن لوی کی اولاد تھے۔"بنی عامر کا حقِ جوار بنی کعب پر لاگو نہیں ہوتا" اس نے معذرت کرتے ہوئے جواب دیا۔

ابن اریقط جب اس کا جواب لے کر واپس آیا تو حضورؐ کوہِ حرا کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"مطعم بن عدی کے پاس جاؤ اور اس سے پوچھو وہ میرے ساتھ حقِ جوار قائم کرنے کو تیار ہے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا سکوں"۔

حضورؐ وہیں ٹھہر گئے اور ابن اریقط ایک بار پھر مکہ روانہ ہو گیا۔

مطعم بن عدی بنی نوفل کا سردار تھا۔اس نے بائیکاٹ ختم کرانے میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔حضورؐ کا پیغام ملتے ہی اس نے آپؐ کے پیامبر سے کہا:"جاؤ،محمدؐ کو ساتھ لے آؤ۔میں نے اس سے حقِ جوار قائم کیا"۔

یہ پیغام ملنے پر حضورؐ شہر میں داخل ہو گئے، مطعم نے آپؐ کا استقبال کیا۔ رات اپنے ہاں ٹھہرایا۔ صبح ہوئی تو مطعم نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو جمع کیا۔ سب نے ہتھیار لگائے۔ حضورؐ کو ساتھ لیا اور حرمِ کعبہ پہنچ گئے۔

حضورؐ طواف کرنے لگے۔

مطعم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے حصار بنائے کھڑے رہے۔

طواف کے بعد حضورؐ نے دو رکعت نماز ادا کی۔

ابوسفیان نے مطعم اور اس کے بیٹوں کو حضورؐ کے گرد کھڑے دیکھا تو پوچھا: "تم نے محمدؐ سے حقِ جوار قائم کیا ہے یا اس کا دین قبول کر لیا ہے؟"

"میں نے محمدؐ سے حقِ جوار قائم کیا ہے۔" مطعم نے جواب دیا۔

"تمہارے اس عہد کو توڑا نہیں جائے گا۔" ابوسفیان نے جواب دیا(5)

جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو مطعم بن عدی اپنے مسلح بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ جلوس کی صورت میں حضورؐ کو آپؐ کے گھر تک چھوڑنے گئے۔ اس طرح بنی ہاشم کی طرف سے ترکِ تعلق کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ایک اور اتحادی دے دیا جو اپنے عہد کو پورا کرتا تھا اور اہلِ مکہ اس کے عہد کا احترام کرتے تھے۔

نئے دور کا آغاز

عرب کے قبائلی معاشرہ اور اس کے رسم و روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو طائف سے واپسی اور مطعم بن عدی سے حقِ جوار قائم کرنے کے وقت سے رسولؐ اللہ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب تک آپؐ قبیلہ بنی ہاشم کے ایک رکن تھے۔ اپنی ذاتی حیثیت میں آپؐ نے کبھی کسی سردار یا قبیلہ سے کوئی سیاسی یا سماجی نوعیت کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ مطعم بن عدی نے اس معاہدے کے ذریعے مکہ کی شہری ریاست میں آپؐ کی ذاتی حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اگرچہ باقی قریشی مسلمان ابھی تک اپنے اپنے قبیلہ سے ہی وابستہ تھے، لیکن دینی لحاظ سے وہ سب حضورؐ کا قبیلہ تھے۔ اس طرح اس نے مکہ کے مسلمانوں سے اتحاد قائم کر کے ان کی اہمیت کا اعتراف کر لیا تھا۔

اس معاہدے کے بعد قریشِ مکہ نے بھی آپؐ کو ایک سیاسی اور سماجی قوت کے طور پر تسلیم کرنا شروع کر دیا اور قریش نے اپنا وہ رویہ بدل لیا جو انہوں نے ابو طالب کی وفات اور ابولہب کے

یہ پیغام ملنے پر حضورؐ شہر میں داخل ہو گئے، مطعم نے آپؐ کا استقبال کیا۔ رات اپنے ہاں ٹھہرایا۔ صبح ہوئی تو مطعم نے اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو جمع کیا۔ سب نے ہتھیار لگائے۔ حضورؐ کو ساتھ لیا اور حرم کعبہ پہنچ گئے۔

حضورؐ طواف کرنے لگے۔

مطعم اور اس کے بیٹے اور بھتیجے حصار بنائے کھڑے رہے۔

طواف کے بعد حضورؐ نے دو رکعت نماز ادا کی۔

ابوسفیان نے مطعم اور اس کے بیٹوں کو حضورؐ کے گرد کھڑے دیکھا تو پوچھا: "تم نے محمدؐ سے حقِ جوار قائم کیا ہے یا اس کا دین قبول کر لیا ہے؟"

"میں نے محمدؐ سے حقِ جوار قائم کیا ہے۔" مطعم نے جواب دیا۔

"تمہارے اس عہد کو توڑا نہیں جائے گا۔" ابوسفیان نے جواب دیا(5)

جب حضورؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو مطعم بن عدی اپنے مسلح بیٹوں اور بھتیجوں کے ساتھ جلوس کی صورت میں حضورؐ کو آپؐ کے گھر تک چھوڑنے گئے۔ اس طرح بنی ہاشم کی طرف سے ترکِ تعلق کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ایک اور اتحادی دے دیا جو اپنے عہد کو پورا کرتا تھا اور اہلِ مکہ اس کے عہد کا احترام کرتے تھے۔

نئے دور کا آغاز

عرب کے قبائلی معاشرہ اور اس کے رسم و روایات کی روشنی میں دیکھا جائے تو طائف سے واپسی اور مطعم بن عدی سے حقِ جوار قائم کرنے کے وقت سے رسولؐ اللہ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اب تک آپؐ قبیلہ بنی ہاشم کے ایک رکن تھے۔ اپنی ذاتی حیثیت میں آپؐ نے کبھی کسی سردار یا قبیلہ سے کوئی سیاسی یا سماجی نوعیت کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ مطعم بن عدی نے اس معاہدے کے ذریعے مکہ کی شہری ریاست میں آپؐ کی ذاتی حیثیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اگرچہ باقی قریشی مسلمان ابھی تک اپنے اپنے قبیلہ سے ہی وابستہ تھے، لیکن دینی لحاظ سے وہ سب حضورؐ کا قبیلہ تھے۔ اس طرح اس نے مکہ کے مسلمانوں سے اتحاد قائم کر کے ان کی اہمیت کا اعتراف کر لیا تھا۔

اس معاہدے کے بعد قریشِ مکہ نے بھی آپؐ کو ایک سیاسی اور سماجی قوت کے طور پر تسلیم کرنا شروع کر دیا اور قریش نے اپنا وہ رویہ بدل لیا جو انہوں نے ابو طالب کی وفات اور ابولہب کے

بنی ہاشم کا سردار بن جانے کے بعد سے اختیار کیا ہوا تھا۔
حضورؐ کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد مطعم بن عدی فوت ہو گیا تھا۔جنگِ بدر میں مسلمانوں نے قریشِ مکہ کے بہت سے آدمی جنگی قیدی بنا لئے تھے۔
مطعم بن عدی سے اسی اتحاد کی قدر کرتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا تھا:"اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور مجھ سے سفارش کرتا تو میں یہ سب قیدی اسے ہبہ کر دیتا۔"

حواشی / حوالہ جات

1- رسولؐ اللہ نے طائف کا سفر کس مقصد کے لئے اختیار کیا تھا؟ اس بارے میں مختلف سیرت نگاروں نے مختلف وجوہ بیان کی ہیں۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی:۔ "آپؐ چاہتے تھے کہ طائف کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور وہاں کے طاقتور قبیلے بنی ثقیف کو کم از کم اس بات پر آمادہ کرلیں کہ وہ آپؐ کو اپنے ہاں پناہ دے اور دعوتِ اسلام کے کام میں آپؐ کی مدد اور حمایت کرے۔" (سیرتِ سرورِ عالمؐ جلد دوئم لاہور 1978ء صفحہ 633)

ابن کثیر:۔ "آپؐ قبیلہ بنی ثقیف کی نصرت و حمایت کے حصول اور قریش کی ایذا رسانی سے محفوظ رہنے کی خاطر طائف تشریف لے گئے۔" (سیرت النبیؐ جلد اول۔ البدایہ کے متعلقہ حصہ کا اردو ترجمہ۔ مکتبہ قدوسیہ لاہور۔ 1996ء صفحہ 203)

محمد احمد براق :۔ "آپؐ طائف اس لئے گئے کہ شاید وہاں والے مدد کریں اور آپؐ اطمینان کا سانس لے سکیں۔" (محمدؐ عربی اردو ترجمہ لاہور 1995ء صفحہ 219)

شیخ محمد رضا مصری :۔ "آنحضرتؐ اپنے غلام زیدؓ کو ہمراہ لے کر طائف کی طرف روانہ ہوئے تاکہ قبیلہ ثقیف کی مدد طلب کریں۔" (محمدؐ رسول اللہ اردو۔ تاج کمپنی لاہور صفحہ 213)

شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب :۔ "آپؐ مکہ چھوڑ کر طائف کی طرف چلے کہ شاید وہ لوگ آپؐ کو وہاں رہنے کے لئے جگہ دے دیں اور قریش کی زیادتیوں سے آپؐ کو بچائیں۔" (سیرتِ رسولؐ اللہ۔ اردو ترجمہ۔ جہلم 1990ء صفحہ 249)

حضرت عروہؓ بن زبیر:۔ قریش کی سختیاں بڑھ گئیں تو حضورِ اقدس نے قبیلہ ثقیف کا رخ کیا۔اس امید سے کہ وہ آپؐ کو ٹھکانہ دیں گے اور اس کارِ خیر میں دست و بازو بنیں گے"۔ (مغازی الرسولؐ اللہ۔ اردو ترجمہ۔ لاہور 1990ء صفحہ 122)

جنرل گلب پاشا:۔ "مکہ میں حضورؐ کی مخالفت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ان مخالفتوں کے پیشِ نظر حضورؐ نے مکہ چھوڑ دینے میں ہی بھلائی سمجھی اور طائف ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا"___ (محمدؐ رسول اللہ۔ اردو ترجمہ۔ سٹیزن پبلشرز کراچی صفحہ 157)

مارٹن لنگز :۔ "انہوں نے ثقیف سے مدد طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔" (محمدؐ کی زندگی قدیم ترین

معلومات کی بنیاد پر۔ انگریزی۔ سروسز بک کلب 1995ء صفحہ 98)

کونسٹن ورجیل جورجیو :- ''اسی اثنا میں قبیلہ بنو حنفیہ کے کچھ لوگ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ آئے۔قریش نے اس قبیلہ کے ایک فرد کو پیغمبرِؐ اسلام کے قتل کرنے کے لئے اُجرت پر لیا۔ حضرت محمدؐ اس سازش سے واقف ہو گئے اور چونکہ خدا نے انہیں حکم دیا تھا کہ مکہ سے نکل جائیں، چنانچہ وہ راتوں رات مکہ سے نکل کر طائف روانہ ہو گئے۔'' (سیارہ ڈائجسٹ عکسِ سیرتؐ نمبر فروری 1993ء صفحہ 182)

اب جملہ وجوہ کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ رسولؐ اللہ قریش کے ظلم اور قتل کر دینے کے امکان سے گھبرا گئے تھے۔آپؐ نے مکہ سے طائف ہجرت کر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔آپؐ بنی ثقیف سے پناہ طلب کرنے گئے تھے۔آپؐ ان سے مدد اور نصرت حاصل کرنے گئے تھے تاکہ ان کی مدد سے دعوت کا کام جاری رکھ سکیں۔

ہمارے خیال میں یہ ساری وجوہ مقامِ رسالت اور حضورؐ کے عملی کردار سے مطابقت نہیں رکھتیں اور اس وقت کے معروضی حالات کے بھی منافی ہیں، اللہ تعالیٰ نے خود آپؐ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا اور آپؐ کو مکہ سے ہجرت کر جانے کا حکم یا اجازت نہیں دی تھی۔آپؐ وہاں امن سے رہ رہے تھے۔شاہِ حبشہ اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر چکا تھا۔اگر آپؐ نے مکہ سے ہجرت کرنا ہوتی تو آپؐ حبشہ جا سکتے تھے،لیکن آپؐ تو اللہ کے حکم کے تابع تھے۔آپؐ کے بارے میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ آپؐ قریش کے ظلم سے خوفزدہ ہو کر بنی ثقیف کی پناہ لینے طائف گئے تھے۔طائف مکہ سے زیادہ دور نہیں تھا۔حضورؐ دس سال سے مکہ میں اسلام کی دعوت دے رہے تھے، مقامی لوگوں کو بھی اور باہر سے آنے والوں کو بھی اس کا علم تھا۔سارے جزیرۃالعرب کے لوگ آپؐ کے مشن اور تعلیمات سے واقف ہو چکے تھے۔وہ آپؐ کے اور قریش کے تعلقات سے بھی واقف تھے۔طائف کا سب سے بڑا قبیلہ ثقیف قریشِ مکہ ہی کی مانند مغرور اور اپنے آبائی دین پر سختی سے پابند تھا۔ان کا اپنا بت خانہ اور لات تھا جسے وہ بیت اللہ کی مانند مقدس مانتے تھے،اس لئے ان کے بارے میں کسی طرح بھی یہ سوچا نہیں جا سکتا تھا کہ وہ فوراً مسلمان ہو جائیں گے اور اگر مسلمان نہ بھی ہوں تو دعوتِ اسلام میں مدد پر آمادہ ہو جائیں گے، جزیرۃالعرب میں کوئی بڑے سے بڑا سردار اور قبیلہ بھی قریشِ مکہ کے خلاف کسی ایسے اتحاد میں شامل ہونے پر تیار نہیں ہو سکتا تھا جس کے نتیجے میں اسے قریش سے کھلی ٹکر لینا پڑے، رسولؐ اللہ کا طائف تشریف لے جانا کسی خوف اور ڈر کی وجہ سے نہیں تھا،بلکہ آپؐ وہاں کے لوگوں کو

اسلام اور توحید کی دعوت دینے طائف تشریف لے گئے تھے، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اگر طائف میں چند لوگ بھی مسلمان ہو گئے تو پھر وہاں بھی توحید کی روشنی کو پھیلنے سے کوئی نہیں روک سکے گا اور وہاں پر بھی مسلمانوں کی ایک جماعت پیدا ہو جائے گی' آپ توحید کی دعوت امیروں کو بھی دیتے تھے' غریبوں کو بھی' غلاموں کو بھی اور آزاد افراد اور قبائل کے سرداروں کو بھی' طائف میں بھی آپ نے سب طبقوں کو اسلام کی دعوت دی تھی' لیکن چونکہ آپ کو وہاں پر جو حادثہ پیش آیا' وہ آپ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دینے کے نتیجے میں اور ان کے ردِ عمل کی وجہ سے پیش آیا تھا اس لئے سب نے اسی کا ذکر کیا اور وہی باقی حالات پر غالب آ گیا۔

2- اکثر و بیشتر سیرت نگاروں اور مفسرین نے اس جگہ "قوم" کے لفظ سے مراد قریشِ مکہ لیا ہے اور لکھا ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے حضورؐ سے کہا تھا کہ اگر آپ حکم دیں تو میں قریشِ مکہ پر پہاڑ الٹ دیتا ہوں' امام بخاریؒ نے تو ان دو پہاڑوں کے نام بھی دیئے ہیں' یہ دونوں ابوقبیس اور تعیتعان مکہ میں واقع ہیں، لیکن اس بارے میں چند باتیں قابلِ غور ہیں' حضورؐ ابھی مکہ نہیں پہنچے تھے۔حضورؐ پر وہ شدید ظلم اہلِ طائف نے کیا تھا جس پر آپ نے دعائے طائف مانگی تھی اور اس ظلم اور دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جرائیل اور پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا تھا۔اگر واقعی مراد قریشِ مکہ ہیں تو اس کا مطلب ہوا کہ حضرت جبرئیل اور پہاڑوں کا فرشتہ حضورؐ کی دعا اور اہلِ طائف کے ظلم کے نتیجے میں نہیں آئے تھے۔گویا اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کا کوئی نوٹس لیا نہ حضورؐ کی پُرسوز دعا پر یہ فرشتے حاضر ہوئے تھے۔حضورؐ نے حضرت عائشہؓ صدیقہ کے سوال کے جواب میں کہ "کیا آپ پر اُحد کے معرکہ سے بھی زیادہ کوئی سخت وقت آیا ہے؟" یہ واقعہ بیان فرمایا تھا جس کا صاف مطلب ہے کہ آپ طائف کے لوگوں کے ظلم کو اپنی حیاتِ مبارکہ کا سب سے تکلیف دہ واقعہ فرماتے ہیں اور اس ضمن میں فرشتوں کی آمد اور پیشکش کا ذکر فرماتے ہیں۔ قریش کے مظالم کی بھی کوئی انتہا نہیں تھی، لیکن جب بات طائف والوں کے ظلم کی ہو رہی ہے' جسے حضورؐ اپنی زندگی کا سب سے سخت وقت فرماتے ہیں' تو قوم سے مراد قریشِ مکہ کیسے ہو گئے؟ عربی میں قوم کا لفظ ایک سے زیادہ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔اکثر و بیشتر احادیث میں قوم سے مراد قریشِ مکہ ہی ہیں، لیکن وسیع تر مفہوم میں اس کا مطلب جزیرۃ العرب کے رہنے والے بھی لیا جاتا ہے' اس لئے اس جگہ "قوم" سے مراد قریشِ مکہ نہیں اور پہاڑوں کے فرشتہ کی پیشکش قریش مکہ کے بارے میں نہیں تھی، بلکہ اہلِ طائف کے بارے میں تھی اور قوم کا لفظ یہاں وسیع مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔

3- رسولؐ اللہ نے اس موقع پر قرآن کی کونسی سورت تلاوت فرمائی تھی' اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔اکثر روایات میں سورہ رحمٰن کے بارے میں کہا گیا ہے' لیکن ایک روایت یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ جنّ ساتھ ساتھ "ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے" کہتے جاتے تھے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ روایت وادیٔ نخلہ میں جنّوں کی قرآن سننے کے بارے میں نہیں۔اس روایت میں وادی کا ذکر بھی نہیں۔

بعض مفسرین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جنّوں کے اس رات قرآن سننے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سورۂ احقاف کی آیات 29 تا 32 کے ذریعے آگاہ فرمایا تھا،لیکن ان آیات کے مضمون سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ بھی اس واقعہ سے متعلق نہیں۔اس طرح سورہ جن کی مذکورہ آیات ہی اس واقعہ سے متعلق ہو سکتی ہیں۔

4- بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے کہا: "قریش نے تو آپؐ کو مکہ سے نکال دیا ہے۔" وہی سیرت نگار خود لکھتے ہیں کہ رسولؐ اللہ اپنی مرضی سے طائف تشریف لے گئے تھے،مگر جب آپؐ واپس تشریف لاتے ہیں تو بلا سوچے سمجھے لکھتے ہیں کہ "قریش نے آپؐ کو مکہ سے نکال دیا تھا۔" ایسا کہنا حقائق و واقعات کے خلاف ہے اور یہ کہنا کہ "قریش نے تو آپؐ کو مکہ سے نکال دیا ہے۔" کسی طرح بھی درست نہیں۔بنی ہاشم کے آپؐ سے لاتعلق ہو جانے کے بعد ہی عرب روایات کے مطابق قریشِ مکہ میں سے نکال دیئے گئے تھے۔

قریش سے آپؐ کا تعلق بنی ہاشم سے تعلق کی وجہ سے تھا اور جب کوئی قبیلہ یا خاندان اپنے کسی فرد سے لاتعلق ہو جاتا تھا تو اس قبیلے اور خاندان کے حوالے سے باقی خاندانوں اور قبیلوں سے بھی اس کا ہر قسم کا تعلق ختم ہو جاتا تھا۔حضرت زیدؓ بن حارث نے حضورؐ کی توجہ اس حقیقت کی طرف دلائی تھی اور ان کا مقصد یہ تھا کہ طائف کے حادثہ کا قریش کو علم ہوچکا ہوگا۔اب اگر قریش کا رویہ بھی وہی ہوا جو طائف والوں کا تھا تو پھر کیا ہوگا؟ کیونکہ اس کا امکان موجود تھا کہ قریش بھی ناروا رویہ اختیار کریں۔

5- ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے نہیں'ابوجہل نے مطعم بن عدی سے یہ پوچھا تھا۔

مُلاقات اور مشاہدات

نماز فرض نہیں تھی، لیکن رسولؐ اللہ کی پسندیدہ عبادت نماز ہی تھی۔ آپؐ اکثر بیت اللہ کے احاطہ میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔بیت اللہ کا طواف کرتے،حطیم میں نماز ادا کرتے اور وہیں استراحت کے لئے لیٹ جاتے۔

ایک شام کے بعد آپؐ مسجدِ حرام گئے،طواف کیا،نماز پڑھی اور وہیں لیٹ گئے۔

کچھ دیر بعد آپؐ پر نیند غالب آنے لگی۔پھر نیند اور بیداری کی اسی درمیانی کیفیت میں آپؐ نے محسوس کیا کہ آپؐ اپنے گھر میں کمرے کے اندر لیٹے ہوئے ہیں، اچانک کمرے کی چھت میں شگاف ہو جاتا ہے اور حضرت جبرئیلؑ امین اس سوراخ میں سے اندر آتے ہیں۔ان کے ہمراہ اور فرشتے بھی ہیں۔وہ آپؐ کا سینۂ مبارک چاک کرتے ہیں اور پھر اسے آبِ زمزم سے دھوتے ہیں۔ ان کے پاس ایک سنہری طشت ہے جس میں ایمان و حکمت بھرے ہیں۔وہ یہ دونوں چیزیں آپؐ کے سینے میں ڈال کر اسے پھر سے بند کر دیتے ہیں(۱) جبرئیلؑ امین نے آپؐ کو بیدار کیا اور بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔جب آپؐ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے تو حضرت جبرئیلؑ آپؐ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور ساتھ چلتے ہوئے مسجدِ حرام سے باہر لے گئے۔وہاں سواری کا ایک جانور کھڑا تھا۔اس جیسا جانور آپؐ نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس کا رنگ سفید تھا۔قد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ اس آسمانی جانور کا نام ''براق'' ہے۔ آپؐ اس جانور پر سوار ہو گئے۔حضرت جبرئیلؑ نے اس کو اشارہ کیا۔جانور فضا میں اُڑنے لگا۔اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ اس کا قدم انسانی نظر کی آخری حد تک پڑتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔حضرت جبرئیلؑ خود ساتھ پرواز کرتے ہوئے جا رہے تھے۔چند ہی لمحوں میں آپؐ یروشلم پہنچ گئے۔حضرت جبرئیلؑ

نے براق کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔اس کے بعد آپؐ اس جگہ تشریف لے گئے جہاں زمانۂ قدیم سے انبیاء نماز ادا کیا کرتے تھے اور جس مقام پر اب مسجدِ عمرؓ ہے۔حضورؐ نے وہاں دو رکعت نفل ادا کئے۔جبرئیلؑ نے آپؐ کو دو پیالے پیش کئے۔ایک میں دودھ بھرا تھا اور دوسرے میں شراب تھی۔
حضورؐ نے دودھ سے بھرا پیالہ اٹھایا اور دودھ پی کر سفر کی پیاس مٹائی۔
جبرئیلؑ پاس کھڑے دیکھ رہے تھے۔آپؐ دودھ پی چکے تو کہا: "سب تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے فطرت کی طرف آپؐ کی رہنمائی فرمائی۔اگر آپؐ شراب کا پیالہ پسند کرتے تو آپؐ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حضورؐ کے اس سفر کے بارے میں فرمایا ہے: "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام (بیت اللہ) سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس (مسجد اقصیٰ) کے گرداگرد ہم نے برکتیں جمع کر دی ہیں۔(اس سفر کا مقصد یہ تھا) تاکہ ہم اپنے بندے (حضورؐ) کو اپنی نشانیاں دکھائیں' بلاشبہ وہی (اللہ) سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔" (1:17)

اس طرح زمین سے زمین تک کا سفر مکمل ہوگیا' رسولؐ اللہ ایک بار پھر براق پر سوار ہو گئے اور زمین سے آسمان کی طرف سفر شروع ہوا (2) مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کے حضورؐ کے اس سفر کو "اسریٰ" کہتے ہیں اور اس سے آگے کے آسمانوں کے سفر کو "معراج" کہا جاتا ہے۔ایک ہی سفر کی دو منازل کے یہ الگ الگ نام ہیں۔پہلے آسمان پر پہنچے تو اس کے باسیوں نے حضورؐ کا استقبال کیا۔
وہاں ایک بزرگ تھے۔حضورؐ نے سلام کہا تو انہوں نے جواب دیا اور کہا: "مرحبا اے بنیٔ صالحؑ اے فرزندِ صالح!"
حضورؐ نے جبرئیلؑ کی طرف دیکھا۔"یہ بزرگ کون ہیں؟"
"یہ آپؐ کے باپ حضرت آدمؑ ہیں۔" جبرئیلؑ نے جواب دیا۔
ان کے دونوں طرف بہت سی پرچھائیں (انسانی) تھیں۔جب وہ اپنے دائیں طرف کی پرچھائیں کو دیکھتے تو خوش ہو کر مسکراتے تھے اور جب بائیں طرف کی پرچھائیں کی طرف دیکھتے تو افسردہ ہو کر رو دیتے۔
حضورؐ نے پوچھا: "جبرئیلؑ یہ کیا ماجرا ہے؟"
جبرئیلؑ نے جواب دیا: "حضرت آدمؑ کی دونوں طرف ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔دائیں طرف ان کی روحیں ہیں جنہوں نے دنیا میں احکامِ خداوندی کی پیروی کی تھی۔یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔

حضرت آدمؑ ان کی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ان کے بائیں طرف ان کی اولاد سے ان خواتین و حضرات کی روحیں ہیں جنھوں نے دنیا میں خدا تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی اور روزِ جزا انہیں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔حضرت آدمؑ اپنی اولاد کے ان افراد کی طرف دیکھتے ہیں تو انہیں دکھ ہوتا ہے اور وہ رو دیتے ہیں۔"

دوسرے آسمان پر پہنچے تو اس کے باسیوں نے بھی حضورؐ کو خوش آمدید کہا۔

وہاں دو حضرات موجود تھے۔

"یہ حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ ہیں۔" حضرت جبریلؑ نے تعارف کرایا۔

حضورؐ نے انہیں سلام کیا۔

"خوش آمدید برادرِ صالح اور نبیؐ صالح!" انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

حضورؐ تیسرے آسمان پر پہنچے تو اس کے دربانوں نے کہا: "خوش آمدید! آنے والا کیا ہی بہتر ہے۔"

وہاں جبریلؑ نے آپؐ سے حضرت یوسفؑ کا تعارف کرایا۔

حضرت یوسفؑ نے حضورؐ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا: "خوش آمدید! صالح بھائی، صالح نبیؐ۔"

وہاں سے پرواز کر کے حضورؐ چوتھے آسمان پر پہنچے تو اس کے دربانوں نے بھی اسی خوشی اور احترام سے حضورؐ کا استقبال کیا۔

وہاں پر حضورؐ کی ملاقات حضرت ادریسؑ سے ہوئی۔

حضرت ادریسؑ نے حضورؐ کے سلام کا جواب دیا اور کہا: "صالح بھائی اور صالح نبیؐ خوش آمدید۔"

پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ موجود تھے۔

"یہ حضرت ہارونؑ ہیں۔" جبرئیلؑ نے انہیں سلام کہہ کر بتایا۔

حضورؐ نے حضرت ہارونؑ کو سلام کہا۔

انہوں نے سلام کا جواب دیا: "صالح بھائی اور صالح نبیؐ خوش آمدید" کہا۔

پانچویں آسمان پر سے پرواز کی تو چھٹے آسمان پر رکے۔وہاں حضرت موسیٰؑ سے تعارف کرایا گیا۔

انہوں نے بھی حضورؐ کے سلام کے جواب میں "خوش آمدید صالح بھائی اور صالح نبیؐ کہا۔"

جب آپؐ ساتویں آسمان کی طرف پرواز کرنے لگے تو حضرت موسیٰؑ رو دیئے۔

نِدا آئی: "اے موسیٰؑ! اس گریہ کا کیا سبب ہے؟"

"خداوند! میرے بعد تُو نے اس نوجوان کو مبعوث فرمایا ہے۔میں اس لئے رویا ہوں کہ میری امت کی نسبت اس کی امت کے لوگ زیادہ تعداد میں جنت میں جائیں گے۔"

حضرت موسیٰؑ کا رونا کسی حسد کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اپنی امت "بنی اسرائیل" کی خدائی احکام سے روگردانی پر تھا جس کے نتیجے میں وہ جنت میں نہیں جائیں گے۔

ساتویں آسمان پر حضورؐ نے ایک عظیم الشان محل دیکھا جس میں بے شمار فرشتے تھے۔وہ آ رہے تھے اور جا رہے تھے۔اس محل میں ایک بزرگ تشریف رکھتے تھے جن کی شکل و صورت خود حضورؐ جیسی تھی۔

"یہ آپؐ کے باپ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔" حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کو بتایا۔

حضورؐ نے انہیں سلام کہا۔

"مرحبا اے پیغمبرؐ اے فرزندِ صالح۔" حضرت ابراہیمؑ نے حضورؐ کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

آسمانوں کی سیر کے بعد رسولؐ اللہ کو جنت کا مشاہدہ کرایا گیا۔

اس جنت کا مشاہدہ جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے۔رسولؐ اللہ کو وحی کے ذریعے جس کی بشارت دی گئی تھی اور حضورؐ لوگوں کو جس کی خوشخبری دے کر اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا کرتے تھے۔

اللہ نے چاہا رسولؐ اللہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں۔

آپؐ نے کفارِ مکہ کے ظلم برداشت کئے تھے۔

اہلِ طائف نے آپؐ پر ظلم کی انتہا کر دی تھی۔

آپؐ کی دعوت قبول کرنے والوں کے لئے زندگی اجیرن کر دی گئی تھی۔

اس کے باوجود آپؐ کا اور دعوت قبول کرنے والوں کا اس وعدے پر ایمان تھا۔

رسولؐ اللہ نے واپس آ کر مسلمانوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جنت میں اپنے صالح بندوں کے لئے جو کچھ فراہم کر رکھا ہے' انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔جنت کے گنبد موتی کے تھے اور زمین مشک کی تھی۔

جب رسولؐ اللہ طائف سے نکلے تھے تو آپؐ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اس دعا سے کیا جا سکتا ہے جو آپؐ نے وہاں فرمائی تھی۔

جب آپؐ ایمان لانے والوں پر مظالم دیکھتے اور سنتے تھے تو آپؐ کی ذہنی حالت اور دکھ کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

لیکن جب آپؐ نے اس کے بدلے میں ملنے والی جنت اور اس کی نعمتوں کا اپنی آنکھوں سے نظارہ فرمایا تو آپؐ نے کس قدر مسرت و فرحت محسوس کی ہو گی؟

اللہ نے اپنے بندے کو دکھا دیا کہ دنیاوی آزمائشوں کا وہ کیا صلہ دینے والا ہے۔

مشاہدۂ جنت کے بعد آپؐ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جس پر رنگ چھائے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان رنگوں کے بارے میں فرمایا: ”معلوم نہیں وہ کیا تھے۔“

یہ مقام خالقِ کائنات اور اس کے پیدا کردہ عالم کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ اس سے آگے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا کسی کو علم نہیں دیا۔ نہ کسی مقرب کو نہ فرشتے کو اور نہ ہی حضرت جبریلؑ کو جو اللہ کی طرف سے آپؐ کے لئے وحی لاتے تھے۔

یہ وہ مقام تھا جہاں سے حضرت جبریلؑ وحی اور احکامِ الٰہی وصول کرتے تھے' جہاں سے خالقِ کائنات اپنی مخلوق کے لئے احکامات نازل فرماتے ہیں۔

یہاں پر آپؐ نے جبریلؑ کو اس کی اصلی شکل میں دیکھا(3) یہاں سے جبریلؑ آپؐ سے الگ ہو گئے۔ وہ اس سے آگے نہیں جا سکتے تھے۔

اس سے آگے آپؐ ایک میدان کی طرف بڑھے جو بلند تھا اس کی سطح ہموار تھی۔

وہاں اللہ اور اس کے رسولؐ میں کیا بات ہوئی' اللہ ہی جانتا ہے۔

رسولؐ اللہ نے اس کی تفصیل کبھی کسی کو نہیں بتائی۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کہتے ہیں ایک دفعہ میں نے پوچھا: ”یا رسول اللہ! آپؐ نے وہاں خدا تعالیٰ کو دیکھا بھی؟“

حضورؐ نے فرمایا: ”وہ تو نور ہے' میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں؟“

ایک روایت میں ہے آپؐ نے فرمایا: ”میں نے صرف نور دیکھا۔“

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پا لیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے“۔ (13 : 6)

”اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام کرے' لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کی آڑ سے۔“ (42 : 5)

اللہ نور السماوات والارض

اللہ کی طرف سے تحائف

اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو تین تحفے عطاء فرمائے۔

پہلا : قرآنِ کریم کی سورت بقرہ کی آخری آیات جن میں عقائد و ایمان کے مکمل ہونے اور

مصائب کے دور کے خاتمہ کی بشارت دی گئی۔
دوسرا: اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خوشخبری دی کہ آپؐ کی امت میں سے جو کوئی شرک نہیں کرے گا‘ اللہ چاہے تو اپنے کرم اور مغفرت سے اس کے باقی سب گناہ معاف فرما دے گا۔
تیسرا: اللہ نے آپؐ کی امت پر روزانہ پچاس نمازیں فرض فرمائیں۔
سورت بقرہ کی ان آیات کی تعداد کیا ہے؟
اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔حدیث کی کتابوں میں اس سورت کی فضیلت کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ وہ آخری دو آیات ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے:

”رسولؐ اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے۔
اور جو لوگ اس رسولؐ کے ماننے والے ہیں‘ انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کر لیا ہے۔
یہ سب اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں‘ اس کی (نازل کردہ) کتابوں اور رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ ”ہم خدا کے پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں“۔
اور (وہ) کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے احکام کو سنا اور ان کی اطاعت کی۔
اے ہمارے رب!ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔
اور خدا کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔
جس (کسی) نے اچھے کام کئے اس نے اپنے لئے ہی کئے۔
اور بُرے کام کئے تو اس کا نقصان بھی وہی اٹھائے گا۔
(اور ایمان لانے والو یہ دعا کیا کرو)
اے ہمارے رب!ہم سے بھُول چُوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔
مالک!ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تُو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔
پروردگار!ہم میں جس بوجھ کو اٹھانے کی طاقت نہیں‘ ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال۔
ہمارے ساتھ نرمی کر‘ہم سے درگزر فرما‘ہم پر رحم کر۔
تُو ہمارا مولیٰ ہے۔کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔“ (2 : 285 تا 286)

آپؐ بارگاہِ خداوندی سے واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے پوچھا: "بارگاہِ خاص سے کیا کچھ عطا ہوا؟"

رسولؐ اللہ نے اپنی امت کے لئے روزانہ پچاس نمازوں کے بارے میں بتایا تو حضرت موسیٰؑ نے کہا: "مجھے اپنی قوم بنی اسرائیل کا نمازوں کے بارے میں تجربہ ہے۔آپؐ کی امت پچاس نمازوں کا بار نہیں اٹھا سکے گی۔اللہ تعالیٰ کے حضور جائیں اور اس میں کمی درخواست کریں۔"

رسولؐ ایک بار پھر اللہ کے حضورؐ پیش ہوئے اور عرض کیا: "یا اللہ!میری امت نہایت کمزور ہے۔ اس کے قویٰ ضعیف ہیں۔"

ندا آئی: "ہم نے دس نماز معاف کر دیں۔"

حضورؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر پوچھا اور کہا کہ آپؐ کی امت چالیس نمازوں کا بار بھی نہیں اٹھا سکے گی۔آپؐ پھر اللہ سے نمازوں میں کمی کی درخواست کریں۔

حضورؐ ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں مزید معاف فرما دیں۔

حضورؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے ایک بار پھر ایسی ہی درخواست کا مشورہ دیا۔

حضورؐ درخواست لے کر حاضر ہوتے رہے اللہ تعالیٰ نمازیں کم کرتے رہے۔

جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو حضرت موسیٰؑ نے پھر وہی مشورہ دیا کہ ایک بار پھر اللہ کے حضور مزید کمی کی درخواست کریں۔

آپؐ نے فرمایا: "اب مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور مزید کمی کی درخواست کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

ندا آئی: "اے محمدؐ!اب میرے حکم میں بتدیلی نہیں ہو گی۔نمازیں پانچ رہیں گی'بدلا پچاس کا ملے گا۔ میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور فیصلہ نافذ کر دیا۔"

نبیوں کی امامت

واپسی کے سفر میں بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہاں وہ سب انبیاء کرام جمع تھے' جو اس جہان سے تشریف لے جا چکے تھے۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ نماز پڑھ رہے تھے۔

جماعت کا مرحلہ آیا تو حضورؐ نے امامت فرمائی۔

سب انبیاءِ کرام نے آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی۔

آپؐ کی امامت' اور آپؐ کے سید الانبیاء ہونے کا عملاً اقرار کیا۔

تمام انبیاء و رسل کی تعلیمات حضورؐ کی دعوت میں تکمیل کو پہنچ گئیں۔

سب کا ایک اللہ

سب کا ایک پیغام

سب کا دین اسلام

اور سب کا محمدؐ امام

اسلام مکمل ہو گیا۔

جن انبیاء و رسل نے بیت المقدس میں آپؐ کی امامت میں نماز ادا کی' ان سب کے لئے اور ان سب کی امتوں کے لئے یروشلم ایک دینی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ان سب مذاہب کے ماننے والے اسے اپنا مقدس مقام جانتے تھے۔اس دینی مرکز کی مقدس ترین عبادت گاہ میں سب انبیاء نے حضورؐ کی امامت میں نماز ادا کر کے اعلان کیا کہ ان سب کا دین وہی ہے جس کی دعوت محمدؐ رسول اللہ پیش کرتے ہیں اور اب بیت المقدس میں امامت کا اعزاز اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بخش دیا ہے۔

یہ فجر کی نماز تھی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز فرض کئے جانے کے بعد یہ پہلی نماز تھی۔

اس کے امام محمدؐ رسول اللہ تھے اور مقتدی سارے پیغمبر اور اللہ کے نبی تھے۔

اسلام میں باجماعت نماز کا آغاز بیت المقدس سے ہوا۔

نماز کے بعد حضورؐ ایک بار پھر براق پر سوار ہوئے اور بیت الحرام پہنچ گئے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ اسراء میں فرماتے ہیں :"ہم نے اپنے بندے کو یہ سیر اس لئے کرائی تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اور کیا کیا نشانیاں دکھائیں؟ ان کی تفصیل اللہ اور اس کا رسولؐ ہی جانتے ہیں۔

ابن ہشام کہتے ہیں :"اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا۔

جس طرح چاہا اور جیسے چاہا

تاکہ اس کو اسکے پروردگار کی نشانیوں میں سے

جو چاہے دکھائے

یہاں تک کہ آپؐ نے خدا کی شان اور اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو کچھ دیکھے۔

اور اس قدرت کو دیکھا جس سے وہ (اللہ) جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے"۔

بے ایمانوں کی بدگمانیاں

سورج طلوع ہوا۔روشنی پھیلنے لگی۔قریشِ مکہ بیت الحرام کی طرف چل پڑے۔وہ سویرے ہی حرم کے احاطہ میں محفلیں جما کر بیٹھ جاتے تھے۔تبادلۂ برتری کرتے تھے۔گپ شپ لگاتے تھے اور حالاتِ حاضرہ پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے۔ابوجہل نے دیکھا کہ رسولؐ اللہ حطیم میں تشریف فرما ہیں۔

آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا ہو گا۔حجرِاسود کو بوسہ دیا ہو گا۔حطیم میں دو رکعت نفل ادا کئے ہونگے اور اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں پر غور کرنے لگے ہونگے جو شبِ رفتہ اللہ نے آپ کو دکھائی تھیں۔

آپؐ جب بھی حرم میں آتے‘سب سے پہلے طواف فرماتے۔حجرِ اسود کو بوسہ دیتے۔حطیم میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے اور پھر لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا کرتے تھے اور انہیں قرآن سنایا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وحی آتی تھی‘انہیں اس سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔

حضورؐ کو اس طرح سوچ میں گم دیکھ کر ابوجہل نے طنز کے انداز میں پوچھا:"محمدؐ!آج بھی کوئی نئی خبر ہے؟"

رسولؐ اللہ نے فرمایا:"ہاں ہے"۔

"آج کیا خبر ہے؟" اس نے پوچھا۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:"آج رات مجھے ایک دُور مقام تک لے جایا گیا"۔

"کہاں تک؟"

"بیت المقدس تک"۔

"اور تم صبح ہونے تک واپس بھی پہنچ گئے؟"

"ہاں‘میرے اللہ نے مجھے واپس پہنچا دیا"۔

"اگر میں اور لوگوں کو یہاں بلالوں تو تم ان کے سامنے بھی یہ بات کہو گے؟" ابوجہل نے سوچا کہ اگر آپؐ اور لوگوں کے سامنے یہ بات کہیں گے تو انہیں آپؐ کا مذاق اڑانے اور لوگوں کو آپؐ سے بدظن کرنے کا موقع مل جائے گا۔

"ہاں‘میں سب کے سامنے وہی بات کہوں گا جو تمہارے سامنے کہی ہے"۔ رسولؐ اللہ نے جواب دیا۔

ابو جہل بلند آواز سے چلایا: "اے کعب بن لوی کی اولاد! ادھر آؤ"۔
لوگ اپنی اپنی محفلوں سے اٹھ کر وہاں جمع ہو گئے۔
"محمدؐ اپنی قوم کو وہ بات بتاؤ جو تم نے ابھی مجھے بتائی تھی"۔ ابو جہل نے کہا۔
آپؐ نے فرمایا: "آج رات مجھے ایک دُور مقام تک لے جایا گیا تھا"۔
"کہاں تک؟" سب نے بیک زبان پوچھا۔
"بیت المقدس تک"۔ آپؐ نے جواب دیا۔
"تم ایک ہی رات میں بیت المقدس سے ہو کر واپس آ گئے؟" انہوں نے وضاحت چاہی۔
"ہاں، میرا اللہ مجھے ایک ہی رات میں واپس بھی لے آیا"۔ آپؐ نے انہیں بتایا۔
یہ سن کر کچھ لوگ تالیاں بجانے لگے۔ بعض نے حیرانی سے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لئے۔

قریشِ مکہ کے تجارتی قافلے شام، فلسطین اور اس سے آگے تک جایا کرتے تھے۔ وہاں پر موجود اکثر افراد نے کئی بار مکہ سے یروشلم تک سفر کیا تھا۔ مکہ میں ہر کوئی جانتا تھا کہ مکہ سے یروشلم تک کے سفر میں دو مہینے لگتے ہیں۔ ایک مہینہ جانے میں اور ایک مہینہ آنے میں۔ ان کے لئے یہ چیز ناقابلِ یقین تھی کہ محمدؐ ایک ہی رات میں مکہ سے یروشلم گئے اور واپس بھی آ گئے۔

"اچھا، یہ بتاؤ بیت المقدس کی عمارت پہاڑ سے کتنی دُور ہے اور اس کا نقشہ کیا ہے؟" انہوں نے حضورؐ کی آزمائش کے لئے پوچھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ کبھی کسی قافلہ کے ساتھ بیت المقدس تک نہیں گئے تھے۔

حضورؐ نے یہ سفر رات میں کیا تھا۔ بیت المقدس کے نقشہ پر غور نہیں فرمایا تھا۔ آپؐ نے اندازے سے اس سوال کا جواب دے دیا۔

وہ تفصیلات پوچھنے لگے: "بتاؤ، اس کے دروازے کتنے ہیں؟"

حضورؐ کو اس سوال کا جواب دینے میں مشکل پیش آئی، تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپؐ کی نظروں کے سامنے لا کھڑا کیا۔

رسولؐ اللہ اس کو دیکھتے تھے اور ان کے ہر سوال کا جواب دے دیتے تھے(4) کفار کو ان کے سوالات کے جوابات مل گئے، لیکن انہوں نے پھر بھی آپؐ کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ مکہ کے ہر گھر میں باتیں ہونے لگیں کہ دیکھو محمدؐ کہتا ہے۔ وہ راتوں رات بیت المقدس سے ہو آیا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟(5) وہ مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو، محمدؐ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس سے ہو کر واپس آ گئے ہیں، لیکن کسی ایک بھی مسلمان کے دل میں ایک لمحہ

کے لئے بھی یہ خیال یا احساس پیدا نہ ہوا کہ اللہ اپنے محبوب بندے کو ایسی نشانیاں دکھانے اور راتوں رات مسجدِ حرام سے بیت المقدس اور اس سے بھی آگے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جانے پر قادر نہیں (6) جب کفارِ مکہ نے حضرت ابوبکرؓ کو یہی طعنہ دیا تو انہوں نے جواب دیا: "اگر واقعی رسول ؐ اللہ نے ایسا ہی فرمایا ہے تو میں اس پر ایمان لایا۔"

"تم عقل کے خلاف اس بات کو درست سمجھتے ہو؟" کفار نے حیرانی سے پوچھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "میں تو اس سے بھی زیادہ خلافِ عقل بات پر ایمان رکھتا ہوں اور اس پر یقین رکھتا ہوں کہ آپؐ پر آسمانوں سے وحی آتی ہے۔"

اسی روز سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب "صدیق" ہو گیا۔

رسول ؐ اللہ کو علم تھا کہ قریشِ مکہ آپؐ کی اس بات پر یقین نہیں کریں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے۔وہ مسلمانوں کو طعنے دیں گے اور اللہ اور اس کے رسول کے خلاف قسم قسم کی بدگوئی کریں گے۔

پھر بھی آپؐ نے قریش اور کفار کی کوئی پروا نہ کی۔

کیونکہ حق یہی تھا اور کسی حقیقت اور سچائی کو بدگمان اور بدفطرت لوگوں کے مذاق کے خوف سے چھپانا پیغمبرؐ کی شان اور مشن کے خلاف تھا۔ایک طرف حضورؐ کی اپنی ذات تھی، دوسری طرف خالقِ کائنات کی عظمت اور بڑائی کی وہ نشانیاں تھیں جو آپؐ دیکھ کر آئے تھے۔ان نشانیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا دعوتِ اسلام کا حصہ تھا۔آپؐ نے دعوت کو فوقیت دی۔

رسول ؐ اللہ تو خود کفارِ مکہ کو اس مبارک سفر اور اللہ کی نشانیوں سے آگاہ فرمانا چاہتے تھے۔ابوجہل نے سب کو بلا کر اور اکٹھا کر کے اس کا سبب پیدا کر دیا۔اس طرح تھوڑے ہی وقت میں رسول ؐ اللہ کے اسراء اور معراج کے بارے میں سب لوگوں کو علم ہو گیا۔

اسراء اور معراج کی تاریخ اور سال کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں، لیکن عام رائے ہے کہ یہ رجب کی ستائیس تاریخ تھی اور اس کے ایک سال بعد رسول ؐ اللہ نے مکہ سے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔

رسول ؐ اللہ کی زندگی اور دعوت کی تاریخ میں حضورؐ کے اس سفرِ افلاک کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو دکھا دیا کہ اس کی عظمت و کبریائی اور کائنات کی وسعت و فرمانروائی کے مقابلے میں دنیا اور اس کی نعمتیں تو کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔جنت اور اس کی نعمتوں کے مقابلے میں وہ مصائب اور تکالیف تو کچھ بھی نہیں جن کا حضورؐ اور مسلمانوں کو سامنا

کرنا پڑ رہا تھا۔

خالقِ کائنات کی عظمت و کبریائی کے اس تجربہ و مشاہدہ سے حضورؐ وہ سب تکالیف بھول گئے جن کا آپؐ کو سامنا کرنا پڑا تھا۔ابو طالب کی وفات' سیدہ خدیجہؓ کا اس جہان سے اٹھ جانا' بنی ہاشم کا آپؐ سے لاتعلق ہو جانا' قبائل کی طرف سے بے رُخی اور اہلِ طائف کے مظالم دنیاوی معیار پر یہ سب بہت بڑے حادثات تھے جو آپؐ کو پیش آ چکے تھے۔ایک انسان کی حیثیت سے حضورؐ کی زندگی پر ان حادثات کا گہرا اثر تھا،مگر سفرِ افلاک سے دنیا کی عارضی زندگی کی مشکلات اور مصائب کا احساس ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے مشاہدات سے سب غم دور ہو گئے۔

جنت اور اس کی نعمتوں کے وعدہ نے مسلمانوں کو نیا عزم و حوصلہ عطا کیا۔انہیں دنیاوی مصائب ہیچ نظر آنے لگے۔مسلمانوں کے فکروعمل میں اس سے پیدا ہونے والی تبدیلی نے آنے والے دنوں میں حالات کا رُخ بدلنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔

حواشی/ حوالہ جات

1- حضورؐ کی نبوت کا یہ بارھواں سال تھا۔قرآنِ کریم کا بہت سا حصہ آپؐ پر نازل ہو چکا تھا۔اللہ تعالیٰ کے وجود، وحدانیت، خلاّقی، رزاقی اور مالکِ کون و مکاں ہونے پر آپؐ کے ایمان اور یقین کی سخت ترین آزمائش ہو چکی تھی۔اس کے باوجود آپؐ کے ایمان و یقین میں کبھی لغزش نہیں آئی تھی، لہٰذا اس مقام پر جبریلؑ کی طرف سے حضورؐ کا سینہ چاک کر کے اس میں ایمان و حکمت ڈالنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:
"سینہ کا چاک کرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقتِ ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کو قبول کرنے کے لئے جو مظہر القدس سے خدا اس پر فائز کرتا ہے۔"

2- بہت سے مفسرینِ کرام اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ معراج کے سفر پر حضرت علیؓ کی بہن امِ ہانی کے گھر سے گئے تھے اور انہی کے گھر واپس تشریف لائے تھے۔اس کی بنیاد اس روایت پر ہے جو امِ ہانی سے منسوب کی گئی ہے جس میں وہ کہتی ہیں کہ اس رات رسولؐ اللہ نے ہمارے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی اور پھر ہمارے گھر پر ہی سو گئے اور صبح کی نماز کے وقت حضورؐ نے اسے (امِ ہانی کو) اس سفر کا حال سنایا تھا اور پھر جب آپؐ حرمِ کعبہ کی طرف جانے لگے تو امِ ہانی نے حضورؐ کی چادر پکڑ لی اور کہا کہ آپؐ کفار سے اس سفر کا حال بیان نہ کرنا۔وہ آپؐ کو جھوٹا کہیں گے اور ایذا پہنچائیں گے۔" امِ ہانی سے منسوب یہ روایات درست نہیں۔یہ روایات کلبی کے حوالہ سے تحریر کی گئی ہیں اور کلبی کو محدثین نے دروغ گو اور حددرجہ لغو (غریب و منکر) باتیں کرنے والا قرار دیا ہے، دوسرے اس لئے بھی کہ امِ ہانی تو اس وقت تک مسلمان ہی نہیں ہوئی تھیں۔وہ تو فتحِ مکہ کے بعد اسلام لائی تھیں اور ان کا خاوند ہبیرہ فتحِ مکہ کے بعد نجران بھاگ گیا تھا۔وہ کبھی مسلمان نہیں ہوا۔اس لئے اس روز حضورؐ کا ان کے گھر پر ان کے ساتھ مل کر نماز ادا کرنا کیسے ممکن تھا؟ ویسے بھی نماز اس وقت تک فرض نہیں ہوئی تھی۔نماز فرض تو معراج کے دوران ہوئی تھی۔

ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں خود فرماتے ہیں کہ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجدِ حرام (بیت اللہ) سے اس مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا....."

اس سے بڑھ کر امِ ہانی سے منسوب روایات کے بے بنیاد اور جھوٹی ہونے کا اور کیا ثبوت ہو سکتا

ہے۔

3- روز نامہ (Dawn) لاہور کی چھ جون 1997ء کی اشاعت کے صفحہ 23 پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ علمِ فلکیات کے ماہرین کو نظامِ شمسی کی ان کی اب تک متعین کردہ اپنی حدود سے بھی آگے کوئی چیز گھومتی ہوئی نظر آئی ہے۔اس دریافت سے نظامِ شمسی کے ماہرین کی متعین کردہ حدود میں وسعت پیدا ہو گئی ہے اور خیال ہے کہ ایسے بہت سے سیارے شہد کی مکھیوں کی مانند نظامِ شمسی سے باہر اڑتے پھر رہے ہیں۔اب تک کی ایجادات کی بنیاد وہ سائنسی اصول تھے جو صدیوں کی تحقیق کے بعد سائنس دانوں اور ماہرین فلکیات نے متعین کئے تھے۔چاند اور دوسرے سیاروں کی طرف بھیجے گئے راکٹ، فضاء میں چھوڑے گئے مصنوعی سیارے، سب ان اصولوں کے مطابق بنائے گئے ہیں اور ٹھیک کام کر رہے ہیں، اس لئے بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ وہ سارے اصول اور ضوابط جن کی بنیاد پر ماہرینِ فلکیات اور طبیعیات معراج اور اسریٰ پر اعتراض کرتے ہیں، صرف اس نظام سے متعلق ہیں جسے وہ صدیوں کی تحقیق کے بعد بھی پورا نہیں سمجھ سکے ہیں۔اس نظام سے آگے کیا ہے اور کیا کیا نظام ہیں، وہ کس طرح چل رہے ہیں، کسی کو کچھ علم نہیں۔اب تک سائنس دان اور ماہرینِ فلکیات بلیک ہول سے آگے کی کائنات کے بارے میں اپنی ناکامیوں پر پریشان تھے۔اب جس نظامِ شمسی کو وہ مکمل سمجھ رہے تھے، وہ بھی نامکمل ثابت ہو گیا ہے۔اس سے انسان کی فکر اور سمجھ کی خامیوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔جب اتنی خام فکر اور علم والا انسان اس خالق کے اصولوں پر اعتراض کرتا ہے جس نے سارے نظام خلق کئے ہیں، تو اسے لازماً اپنی بات پر شرم آنا چاہیے۔

4- آج دنیا کے کسی دور دراز ملک اور شہر میں کرکٹ میچ ہو رہا ہو تو ساری دنیا میں لوگ اپنے اپنے گھروں میں ٹیلیویژن سیٹ کے سامنے بیٹھے اس کی ایک ایک تفصیل اور باریکی دیکھ رہے ہوتے ہیں۔اس میچ کی تصویر اور باریکیاں ہر اس جگہ دکھانے کانظام کیمرے اور ٹیلیویژن سیٹ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اس انسان نے ایجاد کئے ہیں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتے ہیں: "اے انسانو! تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ عطا کیا گیا ہے"۔ (اسریٰ) اگر ایسا کم علم انسان ایسا نظام قائم کر سکتا ہے تو کائنات کا خالق و مالک جس کے علم اور قدرت کا کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا بیت المقدس کو حضورؐ کی آنکھوں کی سامنے لا کر کھڑا نہیں کر سکتا؟

5- انسان اپنے تجربے اور مشاہدے کی خامیوں اور ناکامیوں (Experimental Limitations) کا قیدی ہے۔ اور خالقِ کائنات کے معاملات کو بھی اپنے تجربے اور مشاہدے کے اصولوں پر ناپتا ہے۔

جو کچھ اس کے ان محدود، نامکمل اور خام اصولوں پر پورا نہیں اترتا، اسے وہ غیر عقل قرار دے دیتا ہے۔انسان کی اس بڑی کی بنیاد اس کے اس یقین (جسے جہالت اور کم فہمی کہنا زیادہ مناسب ہے) پر ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔صوفیاءِ کرام واقعہ معراج کو اپنے تجربہ و مشاہدہ کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مسلمان مؤرخ، سیرت نگار اور مفسر اسے علمی اصولوں کے ترازو میں تولنے میں مصروف رہے ہیں۔بعض اس سفر کو طبیعیات کے اصولوں کی مدد سے ثابت کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ان کی ان کوششوں کی بنیاد بھی ان کے اس یقین پر ہے کہ ان کے تجربات و مشاہدات، ان کے بنائے اور طبیعیات کے ماہرین کے دریافت کردہ اصول حتمی اور قطعی ہیں اور خالقِ کائنات کے سارے نظام کو ان خام اصولوں کے مطابق جانچا اور سمجھا جا سکتا ہے، دنیا میں ہزاروں لاکھوں ماہرین صدیوں سے کائنات کے اصول و ضوابط کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر جتنا وہ آگے سفر کرتے ہیں، اتنی ہی ان کی حیرت اور پریشانی بڑھ جاتی ہے اور وہ ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ انسان جو کچھ جانتا ہے، جو کچھ سمجھ سکا ہے، وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔کائنات اور اس کے نظم کے اصول ان کے علم و مشاہدہ کی نسبت سے بہت ہی وسیع اور عجیب و غریب ہیں۔ان سب کا جاننا اور سمجھنا کسی کے بس میں نہیں۔جب صورتِ احوال یہ ہے تو سفرِ معراج کی تشریح اور توضیح کی ساری کوششیں لاحاصل ہیں۔جس خالقِ کائنات کے علم کا کوئی احاطہ ہی نہیں کر سکا، کیا اس کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ اپنے بندے کو اپنی نشانیاں دکھانے کے لئے جہاں چاہے اور جیسے چاہے لے جائے۔

6- اکثر سیرت نگاروں اور مفسرین نے لکھا ہے کہ جب رسولؐ اللہ نے اپنے سفرِ معراج کا حال بیان کیا اور کفارِ مکہ نے اس پر اعتراضات کئے تو بعض ایمان اور دل کے کمزور مسلمان کفر کی طرف لوٹ گئے تھے، لیکن یہ لکھنے والے کسی ایک بھی مفسر اور سیرت نگار نے کسی ایک بھی ایسے ایمان اور دل کے کمزور مسلمان کا نام نہیں بتایا جو اس واقعہ کی وجہ سے کفر کی طرف لوٹ گیا تھا، اس وقت مکہ میں مسلمانوں کی تعداد کوئی زیادہ نہیں تھی۔آزمائش اور مظالم کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ایک دوسرے کے احوال سے بخوبی واقف تھے۔ان حالات میں کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ کوئی ایک بھی فرد اسلام لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹ جائے اور اس کے ساتھیوں کو اسکے نام کا علم نہ ہو۔حدیثیں بیان کرنے والوں میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو، حدیث کی ساری کتابوں میں کسی ایک بھی مرد یا عورت کا نام نہیں ملتا جو سفرِ معراج کا حال سن کر کفر کی طرف لوٹ گیا ہو۔اس کے باوجود معلوم نہیں کیوں اور کس شہادت کی بنیاد پر سارے ہی

یہ بات دُہرائے جا رہے ہیں۔سید سلیمان ندوی کا خیال ہے کہ یہ قصہ سورہ اسراء کی آیت 6 کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے اس کو لوگوں کی آزمائش ہی کے لئے کیا ہے۔" حالانکہ اس کے لئے عربی میں "ناس" کا لفظ آیا ہے جس کا مطلب عام لوگ ہے۔اگر اس کا تعلق مسلمانوں سے ہوتا تو اس کی جگہ "مومنین" یعنی مسلمان کا لفظ استعمال ہوتا۔

رُوحانی اور دُنیاوی تربیت کا ضابطہ

نماز

شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے پنج گانہ نماز فرض قرار دی تو اس سے اسلام کی دعوت اور تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔اس سے پہلے دعوت کا مرکزی نکتہ توحید اور رسالت کا اقرار تھا۔"میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔" معراج سے پہلے کا زمانہ دعوتِ عقائد کا زمانہ تھا۔اسے باطل عقیدوں کو چھوڑ دینے اور دینِ حنیف کی طرف واپسی کی دعوت کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔

جب قریش ایک وفد لے کر ابو طالب کے پاس گئے تو رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا: "میں انہیں ایک کلمے کی طرف بلاتا ہوں۔" ابوجہل نے پوچھا کہ وہ کیا کلمہ ہے تو آپؐ نے فرمایا تھا: "کہو لا الہ الا اللہ" اور وہ غضبناک ہو کر یہ کہتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے تھے کہ "اپنے معبودوں کی عبادت پر ڈٹے رہو۔اس بات سے تو کچھ اور ہی مراد ہے۔"

اب تک کفار کی طرف سے رسولؐ اللہ اور دعوتِ اسلام قبول کرنے والوں کی مخالفت کی وجہ عقائد کا اختلاف تھا۔مسلمانوں پر کفار کے ظلم و ستم کا سبب ان کے اسلامی عقائد تھے، لیکن نماز فرض قرار دیئے جانے کے ساتھ عقیدے کے ساتھ عمل کا اضافہ ہو گیا اور عملی تربیت کا مرحلہ شروع ہو گیا۔

رسولؐ اللہ خود شروع ہی سے نماز پڑھا کرتے تھے۔حضرت جبرئیلؑ نے ابتداء ہی میں آپؐ کو وضو کر کے دکھایا تھا اور حضورؐ نے اسی روز نماز شروع کر دی تھی۔دیگر مسلمان بھی نمازیں پڑھتے تھے، اکیلے اکیلے بھی اور مل کر بھی، لیکن ان کے اوقات مقرر نہیں تھے۔رکعتیں مقرر نہیں

تھیں۔نمازوں کی تعداد مقرر نہیں تھی اور ان کا ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض نہیں تھا' اب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلمان روزانہ پانچ وقت نماز ادا کیا کریں گے۔ان کے اوقات کے بارے میں بتانے کے لئے دو روز تک حضرت جبرئیلؑ خود تشریف لاتے رہے۔ایک روز اول وقت نمازیں ادا کی گئیں اور دوسرے روز آخری وقت پر۔جبرئیلؑ نے رسولؐ اللہ کو بتایا کہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیانی اوقات میں نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

اللہ کے حکم کے مطابق رسولؐ اللہ نے ظہر' عصر' مغرب اور عشاء اور فجر کی نمازوں کے اوقات اپنے عمل اور حکم سے متعین فرما دیئے۔

یہ فرض نمازیں کس طرح پڑھنا ہیں' یہ بھی رسولؐ اللہ نے اپنے عمل سے سکھا دیا اور قول سے سمجھا دیا اور فرمایا: "نماز دین کا ستون ہے۔"

نماز کے لئے جسم اور لباس کی پاکیزگی ضروری ہے۔

لیکن فوجی تربیت کی مانند اس کے لئے کوئی وردی (لباس) متعین نہیں کی گئی۔

نمازوں کے وقت مقرر ہیں۔اذان ہو جائے تو سب کام چھوڑ دیں اور باجماعت نماز کے لئے مسجد کی طرف چل دیں۔

جس طرح فوجی تربیت میں وسل کی آواز سنتے ہی سب کام چھوڑ کر تربیت گاہ کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

لیکن اگر کسی عذر یا مجبوری کی وجہ سے کوئی مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتا تو وہ جہاں ہے' وہیں نماز ادا کر لے۔فوجی تربیت اور ڈرل میں اگر کوئی تربیت گاہ میں نہیں جا سکتا تو وہ اکیلا تربیتی پروگرام نہیں کر سکتا۔اس کی ڈرل سے چھٹی ہو جاتی ہے' لیکن نماز سے کسی صورت بھی چھٹی نہیں ہو سکتی۔باہوش مریض پر بھی نماز ادا کرنا لازم ہے۔

باجماعت نماز میں نمازی امام کے پیچھے ایک قرینے سے صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں۔امیر' غریب' توانا اور کمزور ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔کسی کے مقام و مرتبہ کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہوتی۔مقررہ وقت پر ایک ہی امام کے پیچھے صفیں باندھ کر نمازیں ادا کرنے سے مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک انقلاب انگیز ڈسپلن اور نظم کا آغاز ہو گیا۔اطاعتِ امام اور مساوات ان کی عملی زندگیوں کا حصہ بن گئے۔

جزیرۃالعرب کے بدّو معاشرے میں انسانوں میں ان خصوصیات کے پیدا ہو جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس وقت کا عرب معاشرہ آقا اور غلام' سردار اور اس کے تابع فرمان

لوگوں کا معاشرہ تھا۔یہ معاشرہ دولت اور نسل کے امتیازات اور طبقات میں بٹا ہوا تھا۔اس معاشرے میں ذات پات اور اونچ نیچ کے سارے امتیازات سے دست بردار ہو جانا بہت دشوار تھا۔بڑے لوگ اسے اپنے مقام و مرتبہ کے منافی سمجھتے تھے۔ایک عام بدّو بھی کسی کے آگے جھکنا اپنی بے عزتی خیال کرتا تھا۔ایک بار رسولؐ اللہ مسجدِ حرام میں سورۃ نجم تلاوت فرما رہے تھے۔مقامِ سجدہ پر آپؐ نے سجدہ کیا تو وہاں پر موجود کفار بھی شدتِ تاثر میں سجدہ میں گر گئے۔امیہ بن خلف نے اس وقت بھی سجدہ نہیں کیا اور مٹی اٹھا کر پیشانی سے لگا کر کہا:"میرے لئے بس یہی کافی ہے"۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے وہ لوگ کتنے مغرور تھے۔ان کے مختلف قبائل کے بت بھی الگ الگ تھے اور وہ اپنے بتوں کو بھی دوسروں کے بتوں سے بلند تر خیال کرتے تھے۔قریشِ مکہ نے تو اپنی برتری جتانے کے لئے حج کے ابراہیمی طریقہ میں بھی تبدیلیاں کر دی تھیں۔

قیامِ صلوٰۃ سے انہیں اپنی اَنا اور برتری کے سارے بت پاش پاش ہو جانے کا خوف تھا۔

اس لئے وہ اور بھی شدت سے دعوتِ اسلام کے خلاف ہو گئے۔

دعوتِ توحید ان کے پتھراور لکڑی کے بتوں کے لئے موت کا پیغام تھی۔

تو قیامِ صلوٰۃ ان کی انا اور ذات کے بتوں کے لئے پیامِ مرگ تھا۔

لیکن اہلِ ایمان کے لئے قیامِ صلوٰۃ سے سیرت و کردار کی نئی تشکیل کا پروگرام شروع ہو گیا۔

پانچ وقت اذان دینے والا جب مسلمانوں کو نماز کے لئے دعوت دیتا ہے تو وہ سب سے اول جو کلمہ کہتا ہے وہ ہے:"اللہ اکبر! اللہ اکبر"۔ اللہ بہت بڑا ہے' اللہ بہت بڑا ہے!

پھر وہ کہتا ہے:"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں"۔

جب نمازی امام کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں' تو امام جو پہلا کلمہ کہتا ہے وہ ہے "اللہ اکبر"۔ اللہ بہت بڑا ہے۔

اس کے ساتھ ہی سارے نمازی یہ کلمہ دُہراتے ہیں اور اپنے اپنے ہاتھ سینوں پر باندھ کر اس عظمت والے اللہ کے حضور سر جھکا دیتے ہیں اور خلوصِ دل سے اللہ کی ثناء بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اے اللہ!تیری ذات پاک ہے۔

اور خوبیوں والی (ہے)

اور تیرا نام برکت والا ہے۔

اور تیری شان اونچی ہے۔

اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں"۔
پھر امام "اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمان اور رحیم ہے" سے سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع کرتا ہے:
"تعریف اللہ ہی کے لئے جو تمام کائنات کا رب ہے۔
رحمان اور رحیم ہے۔
روزِ جزا کا مالک ہے۔
(اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔
ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔
ان لوگوں کا راستہ جن پر تُو نے انعام فرمایا۔
جو معتوب نہیں ہوئے۔
جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں"۔
نماز کوئی بھی ہو' ثناء اور یہ سورت اس کا لازمی حصہ ہیں.ثناء پڑھے بغیر کوئی نماز اور سورہ الحمد کے بغیر کوئی رکعت مکمل نہیں ہوتی۔
ثناء اور اس سورہ میں دو ہی چیزیں ہیں:
توحید کا اقرار اور دعا۔

اس طرح بندہ دن چڑھنے سے پہلے اور رات پڑنے سے پہلے' دن ڈھلنے کے بعد' رات پڑنے کے بعد' چوبیس گھنٹے میں پانچ مرتبہ' دل' بدن اور لباس کی پاکیزگی کے ساتھ دست بستہ اللہ کی ثناء بیان کرتا ہے اور پھر اقرار کرتا ہے اے اللہ!تعریف کے قابل بھی تُو ہی ہے' کائنات کا رب بھی تُو ہی ہے.رحم کرنے والا بھی تُو ہی ہے' روزِ جزا کا مالک بھی تُو ہی ہے۔
اور عرض کرتا ہے کہ میں تیرے سوا نہ کسی اور کی عبادت کرتا ہوں' نہ ہی کسی اور سے مدد مانگتا ہوں۔
اس لئے تُو مجھے ان لوگوں والا سیدھا راستہ دکھا جن پر تُو نے انعامات کئے۔
اور ان لوگوں کے راستہ پر چلنے سے بچالے جن پر تیرا عذاب ہوا۔
اس کے بعد قرآنِ کریم کی کوئی سورت پڑھی جاتی ہے۔
جب رکوع میں جاتا ہے تو "اللہ اکبر" کہتا ہے۔
رکوع کی حالت میں "پاک ہے میرا رب عظمت والا" کا وِرد کرتا ہے۔
رکوع یہ کہتے ہوئے ختم کرتا ہے:"اللہ نے اس بندے کی (بات) سن لی جس نے اس کی حمد بیان

کی۔"

پھر "اللہ بہت بڑا ہے" کہہ کر سجدے میں جاتا ہے۔

سجدے سے اٹھتا ہے تو پھر کہتا "اللہ بہت بڑا ہے۔"

اس طرح نماز کی ایک رکعت مکمل ہوتی ہے۔

اور ہر رکعت میں یہی عمل دُہرایا جاتا ہے۔

اب ذرا وہ تشہد بھی دیکھ لیں جو کسی نماز کی مقررہ رکعت مکمل کرنے کے بعد نمازی خلوصِ دل سے پڑھتا ہے۔

"تمام زبان کی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں

اور بدنی عبادتیں

اور مالی عبادتیں بھی (اللہ کے لئے ہیں)

اے نبی، آپؐ پر سلام ہو۔

اور اللہ کی رحمتیں ہوں۔

اور اس کی برکتیں ہوں۔

سلامتی ہو ہم پر۔

اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

یہ تشہد بھی ہر نماز کا لازمی حصہ ہے۔

اس کے بعد رسولؐ اللہ پر درود بھیجتا ہے۔

درود کے بعد دعا مانگتا ہے۔

"اے اللہ! مجھے نماز کا پابند بنا دے۔

اور میری اولاد کو بھی۔

اے ہمارے رب! میری دعا قبول فرما۔

اے ہمارے پرودگار، مجھ کو

اور میرے ماں باپ کو

اور سارے مسلمانوں کو بخش دے۔

اس روز جب عملوں کا حساب ہو گا۔
سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمت۔"
کوئی مسلمان جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے یا اکیلا نماز پڑھے' فرض نماز پڑھے یا نفل ادا کرے' یہی عمل دہراتا ہے۔
یہی کہتا ہے:
"اللہ بہت بڑا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اس کی ذات پاک اور خوبیوں والی ہے۔
اس کا نام برکت والا ہے۔
اس کی شان اونچی ہے۔
وہ رحمان اور رحیم ہے۔
سب تعریفیں اس کے لئے ہیں۔
وہ سارے جہانوں کا پرودگار ہے۔
قیامت کے دن کا وہی مالک ہے۔
وہ پاک اور عظمت والا ہے۔
جب بندہ اس کی حمد بیان کرتا ہے تو وہ سنتا ہے۔
زبان'بدن اور مال کی سب عبادتیں اسی کے لئے ہیں۔
اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"
کھڑا ہو کر' رکوع میں جا کر' سجدے میں سر رکھ کر' دو زانو بیٹھ کر نمازی اللہ کی بڑائی اور کبریائی بیان کرتا ہے۔رسولؐ اللہ کی رسالت پر اپنا ایمان دُہراتا ہے اور پھر اس واحد خالق اور مالک سے اپنے لئے' اپنی اولاد اور مسلمانوں کے لئے دعا مانگتا ہے۔
اس وقت تک مسلمان جس عقیدے کا زبان سے اقرار اور اظہار کرتے تھے' اب عمل سے اس کا اظہار کرنا فرض قرار دے دیا گیا۔
بار بار' دن میں' رات میں' ہر روز باقاعدگی سے یہ عمل اور کلمات دُہرانے سے
توحید کا نقش دلوں پر ثبت ہو گیا۔
قلب کا رشتہ اللہ سے قائم ہو گیا۔
روح پاک ہو گئی۔

جسم پر قلب اور پاکیزگی کی حکمرانی ہو گئی۔
قلب و ذہن بدل گئے۔
اس طرح قیامِ صلوٰۃ کے ساتھ اس موحد جماعت (فوج) کی جسمانی اور روحانی تربیت کا اجتماعی پروگرام شروع ہو گیا جو مشرک معاشرے کے درمیان میں وجود میں آچکی تھی اور جسے آگے چل کر کفر اور شرک کے خلاف جنگِ عظیم جیتنا تھی۔
تربیت کے دو پہلو ہوتے ہیں:
جسمانی تربیت'
اور روحانی تربیت'
نماز میں دونوں قسم کی تربیت شامل ہے' جسمانی بھی اور روحانی بھی۔
جنگ میں سپاہی کا عقیدہ بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔جس فوج کے ہر سپاہی کے دل و دماغ پر ثبت ہو جائے کہ جس مقصد کے حصول کے لئے وہ میدان میں اتر رہا ہے' وہ بہت ہی عظیم ہے' اتنا عظیم ہے کہ اس کے مقابلے میں اس کی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں' اس فوج کی فتح یقینی ہوتی ہے۔
قیامِ صلوٰۃ سے ہر مسلمان کے دل و دماغ پر توحید کی عظمت ثبت ہو گئی۔
اور ان کے جسموں پر عقیدے کا غلبہ ہو گیا۔
عقیدے نے انسانوں کے قلب' روح اور جسم فتح کر لئے۔
اور ان انسانوں کی جماعت (نئی امت) کی دینی اور دنیاوی کامیابیوں کا مرحلہ شروع ہو گیا۔

ضابطۂ اخلاق

معراج کے فوراً ہی بعد اللہ نے مسلمانوں کی اس جماعت کی تربیت کے لئے ایک ضابطۂ اخلاق بھی نازل فرما دیا اور اس ضابطہ کو دین کا حصہ قرار دے دیا' کیونکہ مقصد اسلام قبول کرنے والوں کو صرف اچھے عبادت گزار بنانا ہی نہیں تھا' بلکہ انہیں توحید پرست' عبادت گزار' اچھے انسان اور اچھے شہری بنانا تھا تاکہ ان سے جو معاشرہ وجود میں آئے' وہ ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے پاک ہو جو اس وقت کے عرب معاشرہ میں پائی جاتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کو انسانوں کو بدلنے کے ساتھ اس معاشرے کو بدلنے کا فرض بھی سونپا تھا اور اسلام انسانوں کی اجتماعی زندگیوں کو بدلنے کے لئے آیا تھا۔
اسلام قبول کرنے والوں میں ایک بڑی تعداد نوجوانوں کی تھی۔ان میں سے اکثر کے والدین مشرک

تھے اور ان پر ظلم بھی کرتے تھے۔معاشرتی جبر اور والدین کے رویہ کی وجہ سے مسلمان اولاد اور مشرک والدین کے باہمی تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

خدا کے سوا کسی اور کو خدا نہ بنانا‘

ورنہ تو بُرا ٹھہرے گا اور بے یارو مدد گار رہ جائے گا‘

اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے‘

کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجنا‘

اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا‘

اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں‘

تو ان کے سامنے اُف تک نہ کرنا‘

اور نہ ان کو جھڑکنا‘

ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا‘

اور ان کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کے لئے جھک جانا‘

اور ان کے لئے یہ دعا کرنا‘

"پروردگار!میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے‘ جب میں چھوٹا تھا تو مجھ پر رحم کیا تھا۔"

تمہارا پروردگار تمہارے دلوں کے راز سے خوب واقف ہے۔

اگر تم نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں پر بخشش کرتا ہے۔" (22:17 تا 25)

اللہ تعالیٰ نے والدین کی خدمت اور فرماں برداری کو خدائے واحد کی عبادت کے ساتھ وابستہ کر دیا۔

پہلا حکم‘ صرف خدا کی عبادت کرو۔

دوسرا حکم‘ والدین کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو۔

اور فرمانبرداری خدمت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ نے والدین کے مسلمان ہونے کی شرط نہیں لگائی‘لیکن مشرک اور غیر مسلم والدین کی بخشش کے لئے دعا کرنے سے منع فرما دیا ہے۔صرف اللہ ہی کی عبادت اور پوجا کرنے کا حکم دے کر یہ واضح کر دیا کہ والدین کی اطاعت میں غیر اللہ کی عبادت اور پوجا کرنے کا ان کا حکم ماننا شامل نہیں ہے‘ لیکن مشرک اور غیر مسلم والدین کی بخشش

کے لئے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔والدین کی اطاعت اور خدمت کے اخلاقی فرض کو دینِ اسلام کا اصول قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے نسبی تعلق کو محترم قرار دے دیا اور خاندان میں رشتوں کے احترام سے بہتری کی صورت پیدا کر کے معاشرے کی اجتماعی اصلاح کی راہ ہموار کر دی۔

حق والوں کا حق دو

عرب معاشرہ صدیوں سے جاہلانہ عقائد اور رسوم و رواج میں جکڑا ہوا تھا۔اس کے افراد کی ساری جدوجہد ان کی اپنی ذات اور اولاد کے لئے ہوتی تھی۔وہ دولت کماتے تھے' تو اپنی ذات اور آل اولاد کے لئے' نمائش اور عیاشی کے لئے۔اس خطہ میں مسلمانوں کی جو جماعت وجود میں آئی وہ بھی اسی معاشرے اور ماحول کا حصہ رہی تھی اور چونکہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی'جب تک اس کے افراد کے دولت کے حصول اور اس دولت کے خرچ کرنے کے طریقوں کی اصلاح نہ ہو جائے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی رہنما اصول مقرر کر دیئے اور مسلمانوں کو حکم دیا:

"اور قرابت دار کو اس کا حق ادا کر'
اور غریب اور مسافر کا حق بھی دے'
اور فضول خرچی نہ کیا کر'
فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں'
اور شیطان اپنے آقا کا بڑا ہی ناشکرا ہے' (کیونکہ اس کا حق ادا نہیں کرتا)
اور اگر تو ان سے (حق والوں سے) روگردانی کرے (اس وجہ سے کہ تو اس قابل نہیں کہ انہیں کچھ دے سکے)
اور تو اپنے رب کے فضل کا منتظر ہو' (کہ وہ تیرا رزق وسیع کر دے)
تو مستحقین کو نرمی سے سمجھا دے'
اور اپنا ہاتھ (بخل سے) اس قدر نہ روک لے جیسا کہ وہ تیری گردن سے بندھا ہوا ہو'
اور نہ اتنا زیادہ پھیلا دے (اسراف سے)
کہ ہر طرف سے لوگ تجھ کو ملامت کریں'
اور تو تہی دست ہو جائے'

تیرا رب کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے
اور (روزی) تنگ بھی وہی کرتا ہے
بلاشبہ وہ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے"۔(17:26 تا 30)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واضح کر دیا کہ وہ انہیں جو رزق (مال و دولت) عطاء کرتا ہے اس میں ان کے عزیز و اقارب' غریبوں اور مسکینوں اور مسافروں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ دینا ان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح عبادت فرض ہے۔یہ حصہ دے کر اور فرض ادا کر کے وہ کسی پر احسان نہیں کرتے' بلکہ ان کا حق ہی انہیں دیتے ہیں۔یہاں بھی اللہ نے یہ شرط نہیں رکھی کہ تمہارے صرف ان ہی عزیز و اقارب کا تمہارے رزق میں حق ہے جو مسلمان ہیں۔یہ بھی نہیں کہا کہ جو غریب اور مسافر غیر مسلم ہیں' ان کا تمہارے مال میں بھی کوئی حق نہیں۔یہ بھی ضروری نہیں کہ جس مسافر کو آپ جانتے ہوں' اسی کا آپ کے رزق میں حق ہے۔جو بھی کوئی مسافر ہو' وہ اللہ کے دیئے مال میں حقدار ہے اور اگر وہ اللہ کو واحد اور لاشریک بھی مانتے ہیں' اس کی عبادت اور پوجا بھی کرتے ہیں عبادت گزار بھی ہیں' لیکن اپنے مال سے حقداروں کا حق نہ دیں گے تو اسی طرح کے ناشکرے ہوں گے جس طرح کا ناشکرا شیطان ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا شکر ادا کرنا اللہ کا حق ہے اور اگر کوئی اللہ کی کسی نعمت کا شکر ادا نہیں کرتا تو وہ اسی طرح کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے جس طرح شیطان نے کیا اور اللہ نے اس پر جو عنایات کی تھیں' شیطان نے ان کے لئے اللہ کا شکر ادا نہ کیا۔جب یہ سورت نازل ہوئی تھی اس دور کے معاشرے اور حالات کو سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مالی اور اقتصادی حالت اس قابل تھی کہ وہ اپنی آمدنی میں سے عزیز و اقارب اور غریبوں اور مسافروں کا حق دے کر صلہ رحمی کے تقاضے پورے کر سکیں۔ابتلا اور آزمائشوں کے ابتدائی دور کے بعد مکہ کی شہری ریاست میں مسلمانوں کا وجود مستحکم ہو چکا تھا اور سردار انِ قریش کی ساری چالوں' سختیوں اور مخالفت کے باوجود وہ Consolidation کے مرحلہ میں داخل ہو چکے تھے۔مکہ اور مکی معاشرے کے حوالے سے "مسافر" سے مراد وہ لوگ ہوتے تھے جو باہر سے حج اور عمرہ کے لئے مکہ آتے تھے۔ان زائرین (مسافروں) کی مدد اور خدمت کرنا اور اگر کسی مصیبت یا حادثہ کی وجہ سے ان کے پاس زادِ سفر نہ رہے' تو ان کی مالی مدد کرنا اس معاشرہ میں اچھائی کا کام سمجھا جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ایسے مسافروں (زائرین) اور دیگر مسافروں کی مشکلات دور کرنا مسلمانوں کے لئے فرض اور عبادت قرار دے دیا۔

ماں باپ سے نیکی اور ان کی فرمانبرداری،
عزیز و اقارب سے صلہ رحمی اور مالی تعاون،
مسکینوں اور مسافروں کا حق سمجھ کر ان کی مالی امداد،
کسی فرد، گروہ یا جماعت میں اگر یہ خصوصیات پیدا ہو جائیں تو وہ معاشرے میں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔
اہلِ مکہ اپنی دولت نمود و نمائش پر خرچ کرتے تھے۔ایسے کاموں اور رسموں پر مال خرچ کرتے تھے جن سے معاشرے میں بگاڑ اور خرابی پیدا ہوتی اور پھیلتی تھی۔
بگاڑ اور خرابیاں پیدا کرنا اور پھیلانا شیطان کا کام ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی سے بگاڑ اور خرابیاں پیدا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی قرار دے دیا۔
اسی کے بھائی بند، اسی کے کام کو آگے بڑھانے والے۔
کوئی مسلمان کبھی شیطان کا بھائی بننا پسند نہیں کرتا۔
اور جس معاشرے میں شیطان کے بھائی نہ رہیں، اس کی اصلاح خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔

خالق اور رازق

اسلام سے پہلے کے عرب معاشرے میں ایک بہت بڑی خرابی بیٹیوں (اولاد) کو اپنے ہاتھوں مار دینا تھی۔اس کی کئی وجوہات تھیں۔عرب قبائل اکثر باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں میں مبتلا رہتے تھے۔لڑائی میں افرادی قوت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے وہ بیٹوں کو اپنی قوت اور بازو سمجھتے تھے اور بیٹیوں کو خاندان اور قبیلے پر بوجھ سمجھا جاتا تھا۔جعلی احساسِ فخر کی وجہ سے انہیں یہ پسند نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ان کا داماد کہلائے۔قبائلی لڑائیوں میں خواتین کے دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جانے یا کسی اور طریقے سے خاندان اور قبیلے کی بے عزتی کا سبب بننے کا خوف بھی اس قتل کی ایک وجہ تھی۔بعض لوگ اس خوف سے اپنی بیٹیوں کو مار دیتے تھے کہ وہ ان کی پرورش کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گے۔وہ بچوں کو اپنے معبودوں کے استھانوں پر قربان کر دیتے تھے اور معاشرے میں اسے برا نہیں سمجھا جاتا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:
"اور تم افلاس کے خوف سے
اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

ہم ہیں جو انہیں اور تمہیں روزی دیتے ہیں
ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔" (31:17)

اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو گناہِ عظیم قرار دے دیا اور کہا کہ روزی دینے والے ہم ہیں اگر ہم تمہیں روزی دیتے ہیں تو تمہارے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو بھی ہم ہی روزی دیں گے یعنی جو خالق ہے، رازق بھی وہی ہے۔

یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ

ہاشم کی وفات کے وقت ان کے فرزند شیبہ (عبدالمطلب) مدینہ میں اپنے ننہال میں تھے۔
جب وہ ذرا سیانے ہو گئے تو ان کے چچا مُطّلب انہیں مکہ لے آئے۔ جب مُطّلب فوت ہو گئے تو عبدالمطلب کے دوسرے چچا نوفل نے ان کے والد کی حویلی کے صحن کے کچھ حصہ پر قبضہ کر لیا۔
عبدالمطلب نے مکہ کے سارے سرداروں سے کہا کہ وہ ان کے چچا سے ان کے صحن کا حصہ واپس دلائیں، مگر کسی ایک نے بھی اس کی مدد نہ کی، کیونکہ وہ یتیم اور اکیلا تھا اور نوفل طاقتور تھا۔
عبدالمطلب نے اپنے ماموں ابو سعید کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے۔ وہ اَسّی (80) مسلح سوار لے کر مکہ آیا۔
نوفل حطیم میں قریش کی محفل میں بیٹھا تھا۔ ابو سعید اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں پہنچ گیا اور تلوار لہراتے ہوئے کہا: "اس گھر کے رب کی قسم! اگر تم نے میرے بھانجے کی زمین واپس نہ کی تو میں یہ تلوار تمہارے جسم میں پیوست کر دوں گا۔"
"اچھا لو میں نے واپس کر دی۔" نوفل نے کہا۔
"مشائخ قریش! تم گواہ رہنا۔" ابو سعید نے وہاں موجود قریش کے سرداروں سے کہا۔
اس طرح یتیم کا حق اسے واپس مل سکا۔
ابو جہل ایک یتیم بچے کا وصی تھا اور اس کے مال پر قابض تھا۔
ایک روز وہ یتیم بچہ ابو جہل کے پاس آیا۔ اس کی حالت بہت بری تھی۔ کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اس نے ابو جہل سے درخواست کی کہ وہ اس کے باپ کے مال سے اسے کچھ دے دے تاکہ وہ کپڑے خرید لے اور اپنی ضروریات پوری کر سکے۔
اس کے مال سے کچھ دینا تو ایک طرف، ابو جہل نے اس کی طرف توجہ تک نہ کی۔
بے سہارا یتیم واپس جانے لگا تو قریش کے سرداروں نے اس پر رحم کھانے اور اس کے مال سے کچھ دلانے میں مدد کرنے کی بجائے اس سے شرارت کی اور رسول اللہؐ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"اس شخص کے پاس جاؤ' وہ تمہیں ابو جہل سے تمہارے مال میں سے کچھ دلا دے گا۔"

یتیم بچہ سمجھ نہ سکا کہ سنگدل سردار اس کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنا حال بیان کیا۔رسول اللہؐ اسے لے کر ابو جہل کے پاس گئے۔ابو جہل آپؐ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔آپؐ نے کہا:"اس بچے کا حق اسے دے دو۔"

ابو جہل پر حضورؐ کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ اس نے فوراً یتیم کا مال لا کر اسے دے دیا۔

ان دو واقعات میں یتیم کا مال دبانے والے دونوں قریش کے بڑے نامور سردار تھے۔ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عرب کے باقی لوگ یتیموں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہوں گے اور ان کا مال کس طرح کھا جاتے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اگر کوئی یتیم بچی کسی کی سرپرستی میں ہوتی اور بچی خوبصورت ہوتی تو سرپرست اس کا مال کھانے کے لئے خود اسے اپنے گھر میں ڈال لیتا تھا اور اس پر ظلم کرتا،لیکن اگر کوئی یتیم بچی مالدار ہوتی،مگر اس کی شکل و صورت زیادہ پسندیدہ نہ ہوتی تو اس کا سرپرست نہ خود اس سے نکاح کرتا تھا،کیونکہ خوبصورت نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی کسی اور سے اس کا نکاح ہونے دیتا تھا تاکہ اس کے باپ کے مال کی واپسی کا مطالبہ کرنے والا نہ کوئی بن جائے۔ اس طرح وہ اس بے سہارا لڑکی کا مال کھا جاتے تھے اوراس کی زندگی برباد کر دیتے تھے۔لوگ یہ ظلم اور زیادتی دیکھتے تھے،مگر یتیموں اور بے سہارا بچوں کی کوئی امداد نہیں کرتے تھے۔

اللہ تعالٰی نے حکم دیا:

"اور جب تک یتیم عقل و شعور اور جوانی کو نہ پہنچ جائے' اس کے مال و جائیداد کے قریب بھی نہ جانا،لیکن اس طریقے سے جا سکتے ہو جو اس کے حق میں بہتر ہو' عہد کو پورا کیا کرو کہ اس کی بازپُرس ہو گی" ___(34:17)

یتیم کا مال کھا جانا تو کیا اللہ نے اس کے قریب تک جانے سے منع کر دیا اور کہا کہ اگر تم خود اتنے غریب ہو کہ یتیم کی پرورش نہ کر سکو تو اس کے مال میں سے جو تمہارے پاس ہے' اس پر خرچ کرنے کے لئے اتنا لے سکتے ہو جو بہت ضروری ہو اور اگر اس کا نقد زر تمہارے پاس ہو' تو تم اس کے نام پر یہ مال بہتر طریقے سے تجارت میں لگا سکتے ہو جیسا کہ مکہ اور عرب میں لوگ اپنا مال تجارت میں لگایا کرتے تھے۔

اور ساتھ ہی اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ اگر تم کسی سے وعدہ کرو تو پورا کیا کرو۔اگر ایسا نہ کرو گے تو یوم حساب اس وعدہ خلافی کی بھی بازپُرس ہو گی۔اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب کسی

یتیم اور اس کے مال کو تمہارے حوالے کیا گیا تھا تو اس یقین اور وعدے پر کیا گیا تھا کہ تم وہ مال غصب نہیں کر لو گے اور جب یتیم عاقل اور بالغ ہو جائے گا تو اس کا پورا مال اس کی حوالے کر دو گے' لہٰذا یہ وعدہ پورا کیا کرو۔ایسا نہ کرو گے تو اللہ کے حضور جواب دینا پڑے گا۔
لیکن اس کا ایک اور مطلب بھی ہے کہ اگر تم کاروبار اور لین دین میں کسی سے کوئی وعدہ کرو تو وہ بھی پورا کرو۔اس بارے میں بھی تم سے پوچھا جائے گا۔

پُورا ناپو

اس کے بعد فرمایا:

"اور جب تم ناپو تو پورا ناپو'
اور سیدھی ڈنڈی سے وزن کرو'
یہ بہتر ہے'
اور انجام کے لحاظ سے احسن ہے'
اور جس بات کا تجھے علم نہیں'
اس کے پیچھے نہ لگ جا'
بلاشبہ کان آنکھ اور دل'
ان سب کے بارے میں سوال تم سے پوچھا جائے گا۔" (17:35 تا 36)
"یہ وہ حکمت ہے'
جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ہے'
اور تُو اللہ کے ساتھ اور معبود مت بنا'
ورنہ تجھے پھینک دیا جائے گا جہنم میں'
ملامت کیا ہوا ذلیل۔ (17:39)

خرید و فروخت انسانی معاشرے کا اہم ترین شعبہ ہے۔ہر فرد' ہر گھر' ہر خاندان' قوم اور ملک کو سب سے زیادہ واسطہ اسی شعبہ سے رہتا ہے۔بڑی تجارت سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز کی خرید و فروخت میں ناپ تول کے پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔اللہ نے حکم دیا ناپ تول کے پیمانے درست رکھو اور ناپتے اور تولتے وقت ڈنڈی نہ مارو' انصاف کرو' پورا ناپو اور پورا تولو' کیونکہ ایسا کرنا اس دنیا میں بھی اچھائی کا سبب ہو گا اور آخرت میں بھی ایسا کرنے والے فائدے میں رہیں

گے، جہاں غلط ناپ تول کا بھی حساب دینا ہو گا۔اگر خرید و فروخت میں کوئی کسی کا حق کھاتا ہے، ناپ تول کے غلط پیمانوں سے کسی کی کمزوری اور لاعلمی سے اس کا حق مارتا ہے، تو اس سے معاشرے میں دھوکہ دہی رواج پاتی ہے اور باہمی اعتماد جو کاروبار کی روح ہے، ختم ہو جاتا ہے۔ایسا کرنے والا اس جہان میں بھی نقصان اٹھاتا ہے، کیونکہ خریدار اس پر اعتماد کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔روزِ قیامت بھی اسے کسی کا حق مارنے کا بدلا دینا ہی دینا ہے، لہٰذا پورا ناپنے اور تولنے والا دونوں جگہ فائدے میں رہتا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے مال کے قریب نہ جانے اور وعدے پورے کرنے کا حکم دیا تھا۔کسی کا مال پورے کا پورا اس تک پہنچانا اور وعدہ پورا کرنا بھی انصاف ہے اور پورا ناپنا اور تولنا بھی انصاف ہے۔اگر کسی کو کسی معاملے کے بارے میں منصف اور ثالث مقرر کیا جائے تو اس کے ہاتھ میں بھی انصاف کا ترازو ہوتا ہے، جس میں معاملے کا وزن کر کے اسے حقدار کو اس کا حق دینا ہوتا ہے۔کسی معاملے میں رائے دینے سے پہلے بھی سارے پہلوؤں کو جانچ لینا چاہیے تاکہ کسی قسم کی زیادتی نہ ہو جائے اور بے انصافی نہ ہو جائے، اس لئے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور جس چیز کا تجھے علم نہیں، اس کے پیچھے نہ پڑ جا۔" کیونکہ بے علم ہونے کی وجہ سے تُو اس کی بارے میں صحیح رائے قائم کر کے انصاف نہیں کر سکے گا اور روزِ قیامت اس کا حساب دینا پڑے گا۔انسانی جسم میں اللہ تعالیٰ نے جانچنے، ناپنے اور تولنے کے لئے آنکھ، کان اور دل کے جو پیمانے لگا رکھے ہیں، ان کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا کہ انہیں تم نے ٹھیک استعمال کیا تھا اور ان کے استعمال میں کسی قسم کی ڈنڈی تو نہیں ماری تھی؟

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دعوت کے معاملے میں اصل توجہ دلائل اور انسانوں کے اردگرد موجود شواہد اور روز مرہ کے مظاہرہ پر رکھی ہے۔عقیدے کو مضبوط اور دلنشیں دلائل سے ثابت کیا ہے اور عقلی، فطری، وجدانی اور تاریخی دلیلیں دے کر لوگوں کو غور و فکر کرنے کو کہا اور فرمایا ہے: "بلاشبہ اس میں سوجھ بوجھ سے کام لینے والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔" (24:30)

اگر کوئی انسان اوہام اور وہم و گمان کو چھوڑ کر خلوص اور نیک نیتی سے قرآن اور ان دلائل پر غور کرے تو وہ ضرور دعوتِ اسلام قبول کر لے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کہا حقیقت کو دیکھو اور عقل و شعور سے کام لو۔

اکڑ کر نہ چلو

جاہلیت کا عرب معاشرہ فخرو مباہات کی بنیادوں پر استوار تھا۔جاہ و اختیار پر فخر‘مال و دولت پر غرور‘ خاندانی اور قبائلی برتری کے دعوے‘ سخاوت اور مہمان نوازی کے مقابلے‘شعرو شاعری کے چیلنج‘حدیہ کہ تعصب اور لڑائی مارکٹائی میں زیادہ تعداد میں دوسروں کے آدمی مارنے اور نسل درنسل لڑائیوں میں مارے جانے پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔جو آدمی اپنے کو جتنا بڑا تصور کرتا تھا‘اتنا ہی زیادہ سینہ تان کر اور اکڑ کر چلتا تھا تاکہ دوسروں پر اس کی چال ڈھال سے رعب طاری ہو جائے۔

اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا:

"اور زمین پر اکڑ اکڑ کر نہ چل
یقیناً نہ تو تُو زمین کو پھاڑ دے گا
اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا ہو جائے گا۔" (37:17)

زمین اور اس پر کھڑے پہاڑ اللہ کی بڑائی کی نشانیاں ہیں۔ان سے اپنی حیثیت کا موازنہ کر اور جان لے کہ ان کا اور تیرا پیدا کرنے والا ہی بڑا ہے۔اس طرح اللہ تعالٰی نے دنیاوی مال و دولت‘جاہ و اقتدار پر فخر کرنے سے منع کرتے ہوئے

فرمایا:

"ان میں سے ہر چیز کی برائی
تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔"
اور یہ وہ حکمت ہے
جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کی ہے
اور اللہ کے ساتھ اور معبود مت بنا
ورنہ تجھے پھینک دیا جائے گا جہنم میں
ملامت کیا ہوا ذلیل۔" (39-38:17)

جن کاموں کا ان آیات میں اللہ نے برائی میں ذکر کیا ہے‘ وہ سب برے ہیں اور اللہ انہیں پسند نہیں کرتا۔

اور جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے یا جن سے باز رہنے کا حکم دیا ہے‘یہ سارا ضابطہ حکمت اور دانائی پر مشتمل ہے۔

اس کے بعد ایک بار پھر صرف اور صرف اللہ کو معبود ماننے کا حکم دیا۔
کیونکہ مسلمان کے ہر عمل اور عقیدے کی بنیاد توحید ہے۔
اور کہا جو کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو معبود مانے گا وہ ذلیل ہو گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔

اس ضابطۂ عمل کی ابتداء بھی توحید سے ہوئی اور اختتام بھی توحید پر ہوا اور اسے توحید سے وابستہ کر کے اس ضابطہ کو اہلِ توحید کے دنیاوی زندگی کے اعمال و اقوال کا پیمانہ بنا دیا جس پر روزِ قیامت انسانوں کے اعمال و افعال کو جانچا جائے گا وہ پیمانہ جس سے فیصلہ ہو گا کہ جو لوگ اللہ کو مانتے تھے وہ اس کے بندوں سے کوئی زیادتی تو نہیں کرتے تھے اور کیا وہ ان کے حقوق ادا کرتے تھے یا غصب کر جاتے تھے۔(1) اس ضابطۂ عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کو انسانوں کی مدد کا پابند کر دیا اور اس کے ساتھ ہی روحانی اور دنیاوی تربیت کے اس ضابطہ پر عمل شروع ہو گیا۔

پیش بندی

معراج کے بعد رسولؐ اللہ نے دعوت کا طریقہ بھی بدل دیا' افراد کی بجائے حضورؐ عرب کے مختلف قبائل' ان کے سرداروں اور بااثر افراد کو اسلام اور اتحاد کا پیغام دینے لگے۔ معراج کے سفر میں حضورؐ نے خالقِ کائنات کی قوتِ کاملہ کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا۔ اللہ کی قدرت اور حاکمیت کے مظاہرے دیکھے تھے۔ کفارِ مکہ کی چالیں' سازشیں اور کوششیں پہلے ہی آپؐ کے سامنے تھیں۔ اب آپؐ کو خالقِ کائنات کے فیصلے کے سامنے کفر کی شکست اور کفار کی پسپائی صاف نظر آنے لگی تھی' مگر اسلام تو کفار کے دلوں اور جسموں پر توحید کی برتری کی فتح کا منصوبہ تھا۔ کفار کا وجود مٹا دینے کا منصوبہ تو نہیں تھا۔ ایسا ہوتا تو خالقِ کائنات عذاب نازل کرکے انہیں ملیامیٹ کر دیتے۔ دلوں اور جسموں پر فتح کے لئے وہی طریقے استعمال کرنا ضروری تھے' جو دنیاوی قوت رکھنے والے گروہوں پر جنگی اور اخلاقی فتح کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔

اپنی جماعت کی روحانی' اخلاقی اور جسمانی تربیت۔

اپنی قوت کو فیصلہ کن لڑائی کے لئے محفوظ رکھنا۔

اور دوسری قوتوں اور گروہوں کے ساتھ سیاسی اتحاد قائم کرنا۔

قیامِ صلوٰۃ اور ضابطہ عمل کے نزول کے ساتھ ہی مکہ کی مسلمان جماعت کی روحانی' اخلاقی اور جسمانی تربیت کا پروگرام شروع ہوگیا تھا۔

آپؐ نے کفر کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی کے لئے تیاریاں تو شروع کردیں' مگر قریشِ مکہ کے ساتھ تصادم اور لڑائی کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

ابو طالب کی وفات کے بعد حضورؐ اپنے خاندان اور قبیلہ کی حمایت اور پشت پناہی سے

محروم ہوگئے تھے۔اس کے باوجود طائف سے حضورؐ کی واپسی سے لے کر مدینہ کی طرف ہجرت تک کے درمیانی عرصہ میں ابوجہل اور اس کے ساتھی مشرک سرداروں نے حضورؐ اور مسلمانوں پر پہلے کی طرح مظالم نہیں کئے تھے اور نہ زیادتیاں کی تھیں'نہ ہی حضورؐ اور مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا گیا تھا جس طرح انہوں نے ابو طالب کی زندگی میں بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کا بائیکاٹ کیا تھا۔
اس زمانے میں کمزور مسلمانوں پر پہلے جیسے مظالم کے واقعات بھی کم ملتے ہیں۔
ایسی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ مسلمان مکہ کی تجارتی اور کاروباری سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے تھے۔
اس کی وجوہ کیا تھیں؟

اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مشرکینِ مکہ میں سے کچھ سردار حضورؐ کی ذاتی شرافت اور اخلاقی برتری اور مسلمانوں کی افرادی قوت کی وجہ سے آپؐ سے سیاسی اتحاد اور بہتر تعلقات قائم کرنے لگے تھے۔ معطم بن عدی نے حضورؐ کی طائف سے واپسی کے بعد جو حقِ جوار قائم کیا تھا' وہ کبھی ختم نہیں کیا۔معراج سے واپسی پر حضورؐ جب کفار کی محفل میں اپنے سفر کے واقعات بیان فرما رہے تھے' تو اس محفل میں مطعم بھی موجود تھا۔وہ دیگر کفار اور سرداروں کی مانند حضورؐ کے معراج کے سفر اور مشاہدات سے انکار کرتا رہا۔لیکن اس نے یا کسی سردار نے حضورؐ کے لئے کوئی نازیبا لفظ استعمال نہیں کیا۔

حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے'لیکن بیعتِ عقبہ ثانیہ (جس کا ذکر آگے آئے گا) کے دوران وہ حضورؐ کے ہمراہ تھے۔ابنِ ہشام نے مدینہ کے وفد کے سامنے حضرت عباسؓ کی اس رات کی تقریر کے جو حصے دیئے ہیں' وہ بھی اس کا ثبوت ہیں۔انہوں نے کہا تھا: "ہمارے اندر محمدؐ کی جو حیثیت ہے وہ تمہیں معلوم ہے' ہماری قوم کے جو لوگ دینی نقطہ نظر سے ہمارے جیسی ہی رائے رکھتے ہیں' ہم نے محمدؐ کو ان سے محفوظ رکھا ہے۔وہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں قوت و عزت اور طاقت و حفاظت کے اندر ہیں۔"
کفارِ مکہ کے سوار یثرب کے بیعت کرنے والوں میں سے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو پکڑ کر واپس مکہ لے آئے تھے۔جب کفار ان پر ظلم کر رہے تھے تو ابوالبختری نے حضرت سعدؓ کو اپنے اتحادیوں کے نام پکارنے کا مشورہ دیا۔انہوں نے مطعم بن عدی اور حارث بن حرب کے نام پکارے تو انہوں نے آکر اسے کفار سے رہا کرا دیا' حالانکہ وہ دونوں کفر کے دین پر قائم تھے۔
جب حضورؐ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ جا رہے تھے تو راستے میں حضرت زبیرؓ آپؐ سے ملے۔وہ

ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام سے واپس آ رہے تھے۔وہ آپؐ کے ہمراہ مدینہ نہیں گئے' بلکہ انہوں نے قافلے کے ساتھ مکہ کی طرف سفر جاری رکھا۔

ان شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان مکہ میں پہلے کی نسبت مستحکم اور مضبوط ہو چکے تھے اور وہاں کی معاشرتی زندگی میں پھر سے شامل ہوگئے تھے،مگر مکہ میں اسلام کی دعوت اس رفتار سے نہیں پھیل رہی تھی جو انقلاب کی تکمیل کے لئے ضروری تھی۔ایک ایک دو دو کر کے لوگ اب بھی اسلام قبول کر رہے تھے،لیکن ان سے مسلمانوں کی سیاسی قوت میں اضافہ نہیں ہو سکتا تھا۔عرب معاشرے میں مختلف قبائلی گروہ اور افراد اپنی قوت میں اضافے کے لئے دوسرے قبائل کے ساتھ معاہدے کر لیتے تھے۔اس سے دونوں فریق لڑائی اور صلح میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے پابند ہو جاتے تھے' حضورؐ نے سوچا کہ اگر مکہ کے باہر کے کسی قبیلے کے ساتھ سیاسی اتحاد ہو جائے تو اس سے مکہ کے اندر اور جزیرۃ العرب میں دعوتِ اسلام کا کام آسان ہو جائے گا اور مسلمانوں کی سیاسی قوت بڑھ جائے گی۔

حج کے موسم میں جزیرۃ العرب کے طول و عرض سے لوگ مکہ آتے تھے۔مختلف قبائل اور علاقوں کے سب لوگ مکہ اور عرفات میں قیام کے دوران اکٹھے رہتے تھے۔مختلف قبائل کے ڈیرے الگ الگ ہوتے تھے۔حضورؐ ہمیشہ سے حج کے لئے آنے والوں کو توحید کی دعوت دیا کرتے تھے۔مختلف افراد کو قرآن سناتے' اسلام پیش کرتے اور بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کو خالق و مالک اور معبودِ حقیقی ماننے کی دعوت دیا کرتے تھے،لیکن سفرِ معراج کے بعد حج کا پہلا موسم آیا تو حضورؐ افراد کی بجائے مختلف قبائل کے ڈیروں پر تشریف لے جاتے۔ان کے حسب نسب' جرأت و بہادری اور قوت کے بارے میں پوچھتے اور پھر ان سب کو اجتماعی دعوت پیش کرتے اور سیاسی اتحاد کے لئے کہتے۔

ایک دفعہ حضورؐ قبائل کو دعوت دینے گئے تو حضرت عباسؓ بھی آپؐ کے ہمراہ تھے (وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) ایک جگہ پہنچے تو حضرت عباسؓ نے کہا:"جناب' یہ کندہ قبیلہ ہے۔ان کے ہمراہ یمن کے اور گروہ بھی ہیں۔یہ بہترین حاجی ہیں۔ان کے پاس یہ بکر بن وائل کے ٹھکانے ہیں اور ادھر بنی عامر بن صعصعہ کے ڈیرے ہیں۔آپؐ جسے چاہیں دعوت کے لئے منتخب فرمالیں۔"

آپؐ نے کندہ کے قبیلہ کو دعوت کے لئے منتخب فرمایا اور پوچھا:"کہاں سے آئے ہو؟ اور کون لوگ ہو؟"

"ہم یمنی ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"کونسے یمنی ہو؟" آپ نے پوچھا۔
"کندہ قبیلہ سے۔"
"کندہ کی کس شاخ سے؟"
"عمرو بن معاویہ کی اولاد سے۔"
"آپ لوگوں کو خیر اور بھلائی کی تلاش ہے؟" آپؐ نے ان کے حسب نسب کے بارے میں یقین کر لینے کے بعد پوچھا۔
"وہ کیا ہے؟" انہوں نے وضاحت چاہی۔
آپؐ نے فرمایا: "تم لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دو، نماز قائم کرو اور اللہ کے احکام کو مانو۔"
"اگر ہم کامیاب ہوگئے تو آپؐ کے بعد حکومت ہمیں مل جائے گی؟" انہوں نے پوچھا۔
"ملک تو اللہ کا ہے، وہ جسے چاہے دے۔" آپؐ نے جواب دیا۔
"تو پھر آپؐ ہمیں اپنے خداؤں کی عبادت سے روکنے اور سارے عرب سے ہمارا تصادم کرانے آئے ہیں؟" انہوں نے جواب دے دیا۔

○

حضرت علیؓ فرماتے ہیں: "ایک دفعہ میں اور حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے ہمراہ تھے۔ پُروقار، پُرسکون، پُرہیبت اور صاحبِ حیثیت لوگوں کی ایک مجلس میں پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ نے انہیں سلام کیا۔ ابوبکرؓ ہر نیک کام میں پیش پیش ہوتے تھے۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا تو ابوبکرؓ نے پوچھا: "آپ کس قوم سے ہیں؟"
"ہم بنی شیبان بن ثعلبہ ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔
"میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ لوگ اپنی قوم کے نامور اور سرپرست ہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ سے عرض کیا۔
آپؐ ان کی مجلس میں تشریف فرما ہوگئے۔
"تمہاری قوم کے افراد کی تعداد کتنی ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔
"ہم ایک ہزار سے زائد ہیں اور تھوڑے ہونے کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوتے۔" حضرت ابوبکرؓ کے قریب بیٹھے ان کے سردار نے جواب دیا۔ اس سردار کا نام مفروق تھا اور اس کے لمبے بالوں کی مینڈھیاں اس کے سینے پر لٹک رہی تھیں۔
"تمہارا دفاع کیسا ہے؟"

"ہمارا کام صدق سے جدوجہد کرنا ہے اور ہر قوم کے لئے اس کا ایک مقام ہوتا ہے"۔ مفروق نے جواب دیا۔

"تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان لڑائی کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔

"جب ہم میدان میں اترتے ہیں تو سخت غضبناک ہوتے ہیں اور ہماری لڑائی اتنی ہی شدید ہوتی ہے جتنا شدید ہمارا غصہ ہوتا ہے۔ہم اپنے گھوڑوں کو اپنی اولاد پر ترجیح دیتے ہیں اور دودھ دینے والی اونٹنیوں سے زیادہ نیزوں سے محبت کرتے ہیں۔اپنی طرف سے ہم لڑائی میں پوری کوشش کرتے ہیں، مگر فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے۔وہ کبھی ہمیں غلبہ دیتا ہے اور کبھی دشمن ہم پر غالب آجاتے ہیں۔" مفروق نے جواب دیا اور پوچھا "کیا آپ کا تعلق قریش سے ہے؟"

"کیا تم نے سنا ہے کہ قریش میں اللہ کے رسولؐ پیدا ہوئے ہیں"۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے پوچھا اور پھر حضورؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا: "وہ نبی آپؐ ہی ہیں۔"

"ہاں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے"۔ مفروق نے جواب دیا اور پھر رسولؐ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: "قریشی بھائی! آپ کس چیز کی طرف بلاتے ہیں؟"

دھوپ تھی۔حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور چھاؤں کے لئے حضورؐ پر کپڑا تان کر کھڑے ہو گئے۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "میں تمہیں لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیتا ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور میں دعوت دیتا ہوں کہ تم میرے ساتھ تعاون کرو اور اپنے ہاں مقام مہیا کرو تاکہ میں لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا سکوں، کیونکہ میری قوم کے لوگ اللہ کے دین کی مخالفت پر تل گئے ہیں اور اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں۔وہ حق کو چھوڑ کر باطل کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اللہ بے نیاز اور قابلِ تعریف ہے۔"

"برادرِ قریش! اس کے علاوہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔" مفروق نے پوچھا۔

رسولؐ اللہ نے مجلس میں قرآنِ کریم کی سورۃ انعام کی آیت 15 تلاوت فرمائی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کہہ دو! آؤ میں تمہیں بتا دوں تمہارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ہم تمہیں اور انہیں رزق دیں گے اور بے حیائی کے ظاہر اور پوشیدہ کاموں کے قریب نہ جاؤ اور ناحق کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے۔اللہ تمہیں یہ حکم دیتا ہے تاکہ سمجھ جاؤ۔"

"واللہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو ہم سمجھ جاتے"۔ مفروق نے کہا اور پوچھا:

"آپؐ اور کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟"
رسولؐ اللہ نے سورۂ نحل کی آیت 90 تلاوت فرمائی: "بے شک اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ بے حیائی، بری بات اور ظلم سے منع کرتا ہے۔ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔"
"واللہ! برادرِ قریش! آپ نے عمدہ اخلاق اور نیک اعمال کی تلقین فرمائی۔ وہ جھوٹے ہیں جو آپؐ کی تکذیب اور مخالفت کرتے ہیں"۔ مفروق نے کہا اور پھر مجلس میں موجود ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ہمارے مذہبی رہنما ہمارے یہ بزرگ ہانی بن قبیصہ ہیں۔ آپؐ ان کی بات سن لیجئے۔"
ہانی نے کہا: "برادرِ قریش! میں نے آپ کی بات سن لی ہے، لیکن اس مجلس سے پہلے ہمارا کوئی باہمی تعارف نہیں۔ میرے خیال میں ایک ہی ملاقات میں آبائی عقیدہ چھوڑ کر آپؐ کا دین قبول کر لینا اور اس پر غور و فکر نہ کرنا اور اس کے انجام کو نہ سوچنا لغزش اور کم عقلی کی بات ہے اور جلد بازی سے لغزش ہوتی ہے۔ ہمارے معتبر بزرگ ہمارے وطن میں ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ہم کوئی معاہدہ کرنا پسند نہیں کرتے، وطن جا کر ہم آپؐ کے بارے میں مزید غور و فکر کریں گے۔ آپؐ بھی سوچئے ہم بھی سوچیں گے۔" پھر وہ محفل میں موجود ایک اور شخص کی طرف متوجہ ہوئے: "یہ مثنیٰ بن حارثہ ہمارے بزرگ اور جنگی معاملات میں ہمارے پیشوا ہیں۔ آپؐ ان کی رائے بھی معلوم کر لیں۔"
مثنیٰ نے کہا: "اے برادرِ قریش! میں نے آپؐ کا کلام سنا میں اسے بخوبی سمجھتا ہوں۔ آپؐ کی فصاحت و بلاغت نے مجھے حیرت میں ڈال دیا ہے اور آپؐ کی تجویز کا جواب وہی ہے جو ہانی نے دیا ہے۔ ایک ہی بات چیت کے بعد ہمارا اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر آپؐ کی پیروی کرنا مناسب نہیں ہم جس جگہ رہتے ہیں، اس کے حوالے سے ہمیں دو رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ ایک رکاوٹ یمامہ کی وجہ سے ہے اور دوسری سماوہ کی وجہ سے۔"
"یہ دو رکاوٹیں کیا ہیں؟" رسول اللہ نے استفسار فرمایا۔
"وہ علاقہ جہاں کسریٰ نے نہریں کھودی ہیں اور وہ علاقہ جہاں عرب کے دریا بہتے ہیں۔ کسریٰ کے نہروں والے علاقے میں کسی کا قصور معاف نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کا کوئی عذر سنا جاتا ہے، البتہ عرب کے دریائی علاقے میں قصوروار کا قصور معاف ہو سکتا ہے اور اس کا عذر بھی سنا جاتا ہے۔ کسریٰ نے ہم سے وعدہ لے رکھا ہے کہ اس کے علاقے میں ہم کوئی نیا طریقہ اختیار نہیں

کریں گے اور نہ ہی کسی نیا طریقہ جاری کرنے والے کو وہاں رکھیں گے۔اگر آپؐ پسند کریں تو ہم آپؐ کو عرب کے دریائی علاقہ میں جگہ بھی دے سکتے ہیں اور وہاں آپ کی مدد بھی کرسکتے ہیں۔" مثنیٰ نے وضاحت کی۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا:"تم نے پوری حقیقت بیان کر دی ہے۔یہ کوئی بری بات نہیں،لیکن اللہ کے دین کی مدد کرنے والے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ہر طرف سے اس کی حفاظت کرسکے۔ہاں یہ بتاؤ کہ اگر تھوڑے عرصہ میں اللہ تعالیٰ ایسا انقلاب برپا کر دیں کہ ان کے ملک میں تمہاری حکمرانی ہو جائے اور ان کی عورتیں تمہارے نکاح میں آجائیں تو تم اللہ کے فرمانبردار بن جاؤ گے اور اللہ کی تسبیح اور تقدیس اپنا شعار بنالو گے۔"

نعمان بن شریک نے جواب دیا:"ہاں،ہم آپؐ سے اس کا وعدہ کرسکتے ہیں۔"

رسولؐ اللہ نے اس پر سورۃ احزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں:

"اے نبی!ہم نے آپ کو
شاہد،مبشر،نذیر
اور اللہ کی طرف بلانے والا
روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔" (33:45-46)

پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور آگے چل دیئے۔

○

ایک بار حضورؐ بنی عامر بن صعصعہ کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے۔

انہیں اسلام کی دعوت دی اور دعوت میں تعاون کے معاہدہ کے لئے کہا۔

ان میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھیوں سے کہا:"خدا کی قسم!میں اگر قریش کے اس شخص کے ساتھ مل جاؤں تو اس کے ذریعے سارے عرب کو کھا جاؤں گا۔"

اس شخص کا نام ابن فراس تھا۔

"اگر ہم آپؐ کے کام میں آپ کا ساتھ دیں اور اللہ آپ کو مخالفین پر غالب کر دے تو کیا آپ کے بعد حکومت ہمیں ملے گی؟" ابن فراس نے پوچھا۔

"حکومت کا معاملہ میرے اللہ کے اختیار میں ہے،وہ جسے چاہے گا حکومت عطا کر دے گا۔" حضورؐ نے جواب دیا۔

"تو کیا ہم آپؐ کے لئے اپنی گردنیں عربوں کو نشانہ بنانے کے لئے پیش کر دیں اور جب آپؐ کو

اللہ غالب کر دے تو اقتدار اوروں کو ملے؟ جایئے ہمیں آپؐ کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے کہا۔

حج کے بعد وہ اپنے علاقے میں واپس گئے تو اپنے قبیلے کے بزرگ شیخ کو سفرِ حج کے واقعات سنائے اور بتایا کہ بنی عبدالمطلب کے ایک شخص نے ان سے اتحاد کے لئے کہا تھا اور کہتا تھا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔

بوڑھے نے اپنا سر پکڑ لیا:"اے بنی عامر!کیا اس کی تلافی ہوسکتی ہے؟ وہ موقع دوبارہ مل سکتا ہے؟ خدا کی قسم!جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' بنی اسماعیل میں سے کبھی کسی نے ایسا جھوٹ نہیں گھڑا!یہ لازماً حق ہے۔تمہاری عقل کو کیا ہوگیا تھا؟"

○

حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں عرب قبائل سے حضورؐ کی اس دور کی ملاقاتوں کے اور بھی بہت سے واقعات درج ہیں۔ان روایتوں کے الفاظ اور قبائل کے نمائندوں کے جوابات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضورؐ قریشِ مکہ کے کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے ان سے پناہ طلب کرنے کبھی نہیں گئے تھے۔آپؐ اسلام کی دعوت میں تعاون اور اسلام کے مخالفوں کے مقابلے میں سیاسی اتحاد کی بات کیا کرتے تھے اور ان کی جنگی طاقت اور صلاحیت کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔اوپر جو واقعات درج کیے گئے ہیں' ان میں قبائلی سرداروں نے "معاہدہ" کا لفظ استعمال کیا ہے اور تقریباً سارے ہی دیگر واقعات میں بھی جن کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا' کہا ہے کہ آپؐ کی وجہ سے عرب کے سارے لوگ ہمارے دشمن ہو جائیں گے اور ہماری گردنیں ان کا نشانہ بن جائیں گی یا یہ کہ ہم میں آپؐ کی وجہ سے سارے عربوں کی دشمنی مول لینے کی ہمت نہیں۔

صرف پناہ دینے سے عربوں کے گردنیں نشانہ بننے یا ان کے دشمن ہو جانے کا تو کبھی کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

صرف پناہ دینے والا کبھی یہ نہیں پوچھتا آپ کے بعد حکومت ہماری ہوگی؟

پناہ میں حکومت کہاں سے آگئی؟

حضورؐ نے جن قبائل کو اتحاد کی دعوت دی ان میں سے کچھ نام یہ ہیں:

کندہ' کلب' بنی بکر بن وائل' بنی البکاء' ثعلبہ بن عکابہ' بنی شیبان' بنی الحارث بن کعب' بنی حنیفہ' بنو سلیم' بنی عامر بن صعصعہ ، بنی عبس' بنی عذرہ' غسان' فزارہ' بنی عبداللہ اور بنی محارب بن خصفہ۔

یہ سب ایسے قبائل تھے جو اپنی جنگی قوت کے لئے معروف تھے۔اپنی افرادی تعداد، محلِ وقوع اور دیگر قبائل سے تعلقات کی وجہ سے سارے عرب میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔حضورؐ کے سامنے حالات کا جو نقشہ تھا اُس کے مطابق کفارِ مکہ سے آپؐ کا تصادم ہونا لازم تھا۔آپؐ اس مرحلہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ان قبائل کے سرداروں کے سوال و جواب اور ردِعمل سے صاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ سب حضورؐ کے مشن کی کامیابی کے امکانات روشن دیکھنے لگے تھے۔وہ محسوس کرنے لگے تھے قریشِ مکہ اور کفر آخر شکست کھاتے جا رہے ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی حضورؐ سے اتحاد کرنے پر تیار ہو جاتا اور ان کے خطہ میں مرکزِ اسلام قائم ہو جاتا تو ان کی تقدیر بدل جاتی اور اس قبیلہ کو وہی مقام و مرتبہ حاصل ہو جاتا جو اوس، خزرج اور یثرب کے مقدر میں لکھا تھا۔

کتب میں بعض ایسے واقعات بھی درج ہیں کہ رسولؐ اللہ قبائل کو دعوتِ اسلام دینے جاتے تو آپؐ کے بعد ابولہب بھی وہاں پہنچ جاتا اور انہیں حضورؐ کی دعوت قبول نہ کرنے کی ترغیب دیتا اور کہتا کہ یہ بے دین اور کذاب ہے۔

مگر دشمنی کے ان دوروں میں اب ابولہب اکثر اکیلا ہی نظر آتا ہے۔ابوجہل اور دوسرے دشمنانِ اسلام اس جوش اور نظم کے ساتھ حجاج کے ڈیروں پر حضورؐ کا تعاقب اور اسلام کی مخالفت کرتے نظر نہیں آتے جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔

یثرب میں روشنی

یہ سفرِ معراج سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حج کا موسم تھا۔رسولؐ اللہ باہر سے آنے والے حاجیوں کو اسلام کی دعوت پیش کرنے گئے تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوگئی۔

آپ نے اسے بھی دائرۂ اسلام میں آجانے کی دعوت دی۔

''شاید آپؐ کے پاس بھی وہی علم ہے جو میرے پاس ہے۔'' اس بزرگ نے پوچھا۔

''تیرے پاس کیا ہے؟'' رسولؐ اللہ نے استفسار فرمایا۔

''مجلّہ لقمان یعنی حکمت و امثالِ لقمان۔'' اس نے بتایا۔

''مجھے اس میں سے کچھ پڑھ کر سنائیں۔'' حضورؐ نے فرمایا۔

اس بزرگ نے مجلّہ لقمان آپ کو پڑھ کر سنایا۔

''یہ عمدہ کلام ہے۔'' آپؐ نے سن کر فرمایا۔''مگر میرے پاس قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے اور وہ اس کلام سے افضل ہے' سراپا ہدایت اور نور ہے۔''

پھر آپ نے اسے قرآن سنایا۔

وہ بڑی سرخوشی سے سنتا رہا۔اس نے خدا کے اس کلام کی تعریف کی۔

آپؐ نے اسے اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دُہرائی۔

''بلاشبہ جو آپؐ نے سنایا وہ اچھا کلام ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

اس بزرگ کا نام سوید تھا۔اس کے والد کا نام صامت تھا۔اس کا تعلق یثرب کے قبیلہ اوس سے تھا اور وہ حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کا خالہ زاد بھائی تھا۔

عرب کے لوگ اسے "کامل" کہتے تھے۔
کامل وہ ہوتا تھا جو اپنی ذاتی لیاقت، بہادری، شعر و سخن اور حسب نسب میں ممتاز ہو۔
یہ اسی سوید بن صامت کے اشعار ہیں:
"سُن! بہت سے لوگ جنہیں تو اپنا دوست کہتا ہے،
اگر تو اس کی وہ باتیں سن لے جو وہ تیری پیٹھ کے پیچھے کہتا ہے
تو اس کی بہتان تراشی تجھے غمناک کر دے گی۔
تیرے سامنے اس کی بات شہد جیسی میٹھی ہوتی ہے
اور پسِ پُشت حلق پر تلوار،
اس کا ظاہر مسرور کن ہے
اور اس کے دل میں دھوکے کی فریب خوری ہے جو کمر کو کاٹ دے
غور سے گہرائی سے دیکھنے سے اس کے دل میں چھپا کینہ اور بغض تجھ پر واضح ہو جائے گا،
تم نے بعض دفعہ مجھے تکلیف دی ہے، کبھی خیر و نیکی سے بھی نوازا ہے
بہترین دوست وہ ہوتا ہے جو نیکی کرے اور برائی نہ کرے۔"
کچھ عرصہ بعد سوید کو خزرج نے قتل کر دیا۔ اس کے قبیلے والے کہتے تھے کہ سوید بن صامت مسلمان مرا۔

ایاس بن معاذ کی گواہی

سوید بن صامت اوس کا سردار تھا۔ قبیلے کا کامل تھا۔ اس کے قتل پر اوس اور خزرج میں ٹھن گئی۔ دونوں طرف لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اوس کا ایک وفد قریشِ مکہ کے پاس آیا تاکہ خزرج کے خلاف قریش کو اپنا حلیف بنائے۔
رسول اللہ انہیں بھی اسلام کی دعوت پیش کرنے ان کے پاس تشریف لے گئے۔
"کیا تم اس سے بہتر چیز قبول کرو گے جس کے لئے تم مکہ آئے ہو؟" آپ نے اوس کے وفد والوں سے استفسار فرمایا۔
"وہ کیا چیز ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
رسول اللہ نے فرمایا: "مجھے اللہ نے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں انہیں اللہ کی طرف دعوت دوں کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو

شریک نہ کریں۔"
رسولؐ اللہ نے انہیں قرآن سنایا اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ فرمایا۔
"واللہ! یہ چیز اس سے بہتر ہے جس کے لئے تم یہاں آئے ہو۔" وفد میں شامل ایک نوجوان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
وفد کے قائد نے زمین سے کنکریاں اٹھا کر نوجوان کے منہ پر مارتے ہوئے کہا: "چپ رہو ہم کسی اور کام کے لئے آئے ہیں۔"
نوجوان خاموش ہوگیا۔
رسولؐ اللہ واپس تشریف لے گئے۔
اس نوجوان کا نام ایاس بن معاذ تھا اور وفد کے قائد کو ابو الحیسر کہتے تھے۔
قریشِ مکہ نے اوس کے حلیف بننے سے اتفاق نہ کیا۔
اوس کا وفد ناکام یثرب لوٹ گیا۔
اس کے کچھ عرصہ بعد اوس اور خزرج میں ایک زبردست لڑائی ہوئی جس میں دونوں فریقوں کے بہت سے بڑے بڑے سردار اور نامور مارے گئے۔
اس لڑائی کو تاریخ جنگِ بعاث کے نام سے یاد کرتی ہے۔
ایاس بن معاذ جنگِ بعاث کے بعد فوت ہوا۔
اس کے بارے میں بھی روایت ہے کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا اور مرتے وقت اس کی زبان پر کلمۂ توحید تھا۔
یثرب کے یہ دو پہلے مسلمان تھے۔
لیکن اہلِ یثرب رسولؐ اللہ کی بعثت اور اسلام سے اس سے بھی پہلے آگاہ ہوچکے تھے۔

یثرب کی انفرادیت

یثرب، مکہ سے شام اور مصر کی طرف جانے والے تجارتی راستہ کے قریب واقع تھا اور ایک اہم تجارتی مرکز تھا۔ قریش کے جو تجارتی قافلے شام کی طرف جاتے تھے، وہ یثرب میں بھی قیام کرتے تھے۔ وہاں پر بھی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ قریشِ مکہ کے یثرب کے لوگوں سے تجارتی اور حقِ جوار کے معاہدے تھے، رشتہ داریاں تھیں، حضورؐ کے دادا کے ننھیال یثرب میں تھے۔ حضورؐ کے والد نے ایک تجارتی سفر کے دوران اسی شہر میں وفات پائی تھی۔ حضورؐ کی والدہ محترمہ

آپ کے بچپن میں آپ کو یثرب لے گئی تھیں۔آپ نے وہاں طویل قیام فرمایا تھا۔اسی سفر سے واپسی پر حضرت آمنہ نے راستہ میں وفات پائی تھی۔حضرت خدیجہؓ کی پھوپھی اور ورقہ بن نوفل کی بہن یثرب میں بیاہی ہوئی تھیں' اس طرح اہلِ یثرب مکہ کے قریش کے احوال سے اچھی طرح واقف تھے۔حضورؐ کی نبوت کا یہ گیارھواں سال تھا۔حضورؐ حج اور عمرہ کے لئے مکہ آنے والے افراد اور وفود کے سامنے کئی سال سے اسلام کی دعوت پیش کرتے آئے تھے۔امام احمد نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ یمن اور مصر کا کوئی آدمی مکہ جانے کے لئے نکلتا تو اس کی قوم کے لوگ اور اس کے رشتہ دار اس سے کہتے کہ ذرا قریش کے اس جوان سے بچے رہنا،کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے' اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کی نبوت اور دعوت کا چرچا کہاں کہاں تک پہنچ چکا تھا اور یثرب تو مکہ سے صرف دو سو میل کے فاصلے پر تھا۔

یثرب کی ایک اور بھی خصوصیت تھی۔یثرب میں بڑی تعداد میں یہودی آباد تھے۔وہ اہلِ کتاب تھے' دینی اور دنیاوی علوم کے جاننے والے تھے اور اپنی مذہبی اور تاریخی کتب کے حوالے سے نبی آخرالزماں کی پیدائش کے منتظر تھے۔یثرب کے عرب قبائل اوس اور خزرج پونے دو سو سال سے ان یہودیوں کے ساتھ ایک ہی شہر میں رہ رہے تھے۔(1) وہ یہودی علماء کی ان پیش گوئیوں اور یہودیوں کی طرف سے آنے والے نبی کے انتظار سے اچھی طرح واقف تھے' ان یہودیوں کو امید تھی کہ آنے والا نبی انہی کی نسل سے ہوگا اور اہلِ کتاب ہونے کی وجہ سے وہی اس کے قریبی اور امتی ہوں گے۔وہ عربوں کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ جب وہ نبی آئے گا تو اس کی مدد سے وہ ان سے سارے بدلے چکا دیں گے۔

یہودیوں کے ساتھ رہنے اور میل جول کی وجہ سے یثرب کے عرب نبی کی آمد کے علاوہ نبوت' وحی'کتاب اور شریعت جیسے الفاظ اور ان کے مفہوم سے بھی کافی حد تک آگاہ تھے۔یثرب کے عربوں کے علاوہ اردگرد کے اور لوگ بھی ان باتوں سے واقف تھے۔حضرت ابوذرؓ غفاری اپنے سفرِ مکہ اور قبولِ اسلام کا حال بیان کرتے ہوئے خود بتاتے ہیں کہ وہ نواحِ یثرب میں رہتے تھے اور وہاں انہیں آپؐ کی نبوت اور دعوتِ اسلام کی خبر ملی تھی۔

اس لئے سوید اور ایاس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ یثرب کے پہلے مسلمان تھے یا پہلے دو افراد تھے جن کے قلب توحید سے آشنا ہوئے تھے۔

یہ کہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ یثرب ان کے ذریعے اسلام سے آگاہ ہوا۔

اہلِ یثرب حضورؐ کے مشن اور قریش کی طرف سے آپ کی مخالفت سے پہلے ہی اچھی طرح

واقف تھے۔

خزرج کے خوش بخت

نبوت کا گیارھواں سال تھا حج کے ایام تھے اور رات کا وقت۔
عقبہ کی گھاٹی میں ہر طرف حاجیوں کے ڈیرے تھے۔
مختلف قبائل کے حاجیوں کو اسلام اور اتحاد کی دعوت کے سفر میں حضورؐ ایک جگہ سے گزرے تو کچھ آوازیں سنیں۔
آپ رک گئے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔
"تم کون لوگ ہو؟" حضورؐ نے باتیں کرنے والوں سے پوچھا۔
"ہم قبیلہ خزرج کی ایک جماعت ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔
"وہ خزرج جو یہود کے دوست ہیں؟" آپؐ نے فرمایا۔
"ہاں۔" انہوں نے حضورؐ کے اندازے کی تصدیق کر دی۔
"میں آپؐ لوگوں سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں آپ تھوڑی دیر بیٹھتے نہیں؟" حضورؐ نے فرمایا۔
"کیوں نہیں، ہم بیٹھ جاتے ہیں، آپؐ فرمائیں۔"
خزرج کی جماعت بیٹھ چکی تو آپؐ نے انہیں بت پرستی چھوڑ کر توحید کی طرف دعوت دی۔اللہ تعالیٰ کے معبودِ حقیقی اور اپنے اللہ کا نبی ہونے کے بارے میں بتایا۔اسلام کی تعلیمات پر روشنی ڈالی اور قرآن سنایا۔
انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ان کے چہروں پر خوشی پھیل گئی تھی۔
"یہ تو وہی نبی ہے جس کی یہود پیش گوئیاں کرتے ہیں اور دھمکیاں دیا کرتے ہیں۔" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: "ہمیں اس نبی پر ایمان لانے میں یہودیوں پر سبقت کرنا چاہیے۔"
ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔
"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔" کا اعلان کر دیا۔
اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کا عہد کیا۔
رسولؐ اللہ نے ان کی قوم اور شہر کے سیاسی حالات کے بارے میں تفصیلات پوچھیں تو انہوں نے بتایا: "ہماری قوم میں جتنی باہمی دشمنی اور خون خرابہ ہے، دنیا کی کسی قوم میں نہیں۔"
حضورؐ نے ان مسلمانوں کو آپس میں امن اور بھائی چارے سے رہنے کی تاکید کی، تو انہوں

نے کہا: "ہو سکتا ہے آپؐ کی کوششوں سے ہماری قوم میں اتفاق ہو جائے ہم نے جو دین قبول کیا ہے یثرب جا کر ہم باقی قوم کو بھی اس کی طرف دعوت دیں گے۔ اگر ہماری ساری قوم مسلمان ہوگئی تو آپؐ سے زیادہ عزت والا کوئی نہیں ہوگا۔"

یثرب کی اسلام قبول کرنے والی اس جماعت میں کل چھ آدمی شامل تھے۔(2) ان سب کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

ان پہلے چھ مسلمانوں کے نام یہ تھے:

(1) ابو امامہؓ اسعد بن زرارہ

(2) عوفؓ بن الحارث بن رفاعہ

(3) رافعؓ بن مالک

(4) قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ

(5) عقبہؓ عامر بن نابی

(6) جابر بن عبداللہ بن رئاب

ان میں سے ابو امامہؓ اسعد بن زرارہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی بت پرستی کے خلاف تھے اور توحید کے قائل تھے۔

رافع بن مالک کو ان کی قوم میں "کامل" کا اعزاز حاصل تھا۔(3) ان افراد کا شمار اپنی قوم کے اہلِ بصیرت میں ہوتا تھا۔

گھر گھر میں اسلام

یثرب کے عرب بت پرست تو تھے، لیکن قریشِ مکہ کی مانند بتوں کے مجاور نہیں تھے اور نہ ہی یثرب کے اوس اور خزرج قبیلوں کے دنیاوی مقام و مرتبہ کا انحصار کسی بت خانے کے متولی ہونے پر تھا۔ مکہ میں اللہ کے گھر میں چھوٹے بڑے قسم قسم کے تین سو ساٹھ بت نصب تھے اور جزیرۃ العرب کے دور دراز کے حصوں سے آنے والے لوگ ان بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے، لیکن یثرب میں ایسا کوئی بت خانہ نہیں تھا۔ قریشِ مکہ کے ان بتوں اور بت خانہ سے مالی مفادات وابستہ تھے، مگر اوس اور خزرج کا کسی بت یا بت خانہ سے کوئی مالی یا دنیاوی مفاد وابستہ نہیں تھا۔ شرک اور بت پرستی ان کا عقیدہ تو تھا مگر ان کا آبائی کاروبار نہیں تھا۔

شہرِ مکہ وادئ غیر ذی زرع میں آباد تھا۔ سنگلاخ پہاڑوں میں گھرا ہوا جن میں نہ کھجوروں کے

باغ تھے نہ وافر پانی تھا۔ماحول اور آب و ہوا کی اسی سختی نے اہلِ مکہ کو تُند خُو اور سخت مزاج بنا دیا تھا۔قریشِ مکہ کے دل سخت ہوگئے تھے۔ان پتھروں کی مانند جو ان کو گھیرے ہوئے تھے۔قریشِ مکہ تاجر تھے۔وہ ہر چیز کو دنیاوی نفع نقصان کے پیمانے سے ناپتے تھے۔مکہ میں ایک شہری ریاست قائم تھی۔قبائلی ضابطہ پر مبنی اس کا ایک نظام تھا۔وہاں پر ایک دارالندوہ تھا جہاں اجتماعی معاملات پر بحث ہوتی تھی، فیصلے کئے جاتے تھے اور ریاست کے سب شہریوں کے لئے ان فیصلوں کی پابندی لازم تھی۔

یثرب کی ہوا لطیف اور فرحت بخش تھی۔اس کے چاروں طرف باغات تھے۔کھیتیاں تھیں۔ پانی وافر تھا۔اس ماحول اور آب و ہوا نے اس کے باسیوں کو خوش اطوار اور خوش کردار بنا دیا تھا اور ان کے دل نرم تھے۔ان کا شہر اور معاشرہ بنیادی طور پر زرعی معاشرہ تھا جس میں لوگ زمین میں بیج ڈال کر کونپل نکلنے سے فصل تیار ہونے تک اس کی دیکھ بھال اور آبیاری کرتے ہیں اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔یثرب میں نہ کوئی شہری ریاست تھی نہ دارالندوہ کے اجلاسوں کے فیصلوں کی پابندی سب پر لازم تھی۔اوس اور خزرج نے نہ کبھی کسی کی اطاعت کی تھی نہ کبھی کسی حکومت یا قبیلے کو تاوان یا ٹیکس دیا تھا۔(4) اہلِ مکہ کی نسبت اہلِ یثرب کو سوچ اور عمل کی زیادہ آزادیاں حاصل تھیں، ان پر خاندانی اور قبائلی رسوم و عقائد کی خلاف ورزی پر اتنی سخت گرفت نہیں کی جاتی تھی، جتنی سخت گرفت مکہ میں کی جاتی تھی۔یثرب کے کسی باسی کے دل میں اگر کسی سچائی کا بیج پڑ جاتا تو وہ اس کی اسی طرح دیکھ بھال اور آبیاری کرتا جس طرح کھیت میں ڈالے بیج کی کرتا تھا۔اس کے اردگرد کے لوگ اس کے قول و فعل کی تبدیلی کو اسی دلچسپی سے دیکھتے تھے جس دلچسپی سے کوئی کسان اپنے پڑوسی کسان کی اچھی فصل کو دیکھتا ہے۔

ان سارے عوامل کا یہ اثر ہوا کہ صرف چھ افراد کے اسلام قبول کرنے سے بقول ابن اسحاق "مدینہ میں اپنی قوم کے پاس پہنچ کر انہوں نے رسولؐ اللہ اور آپؐ کی دعوت کا ذکر کیا اور اسلام گھر گھر پھیل گیا۔" ان چھ افراد کی تبلیغ اور سیرت کی تبدیلی سے متاثر ہو کر ایک سال کی مدت میں یثرب کے کتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا اس کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں، لیکن جب اسلام گھر گھر پھیل گیا تھا تو بہت سے خواتین و حضرات اس عرصہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہوں گے۔

قبیلۂ خزرج کے اسلام قبول کرنے والے چھ افراد نے رسولؐ اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیں گے اور اس کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے کہا تھا۔(5) اگلے سال حج کے موسم

میں ہم آپؐ سے پھر ملیں گے۔"

حج کا موسم آیا تو جابر بن عبداللہ بن رئاب کسی وجہ سے حج کے لئے نہ جاسکے، مگر باقی پانچ مسلمانوں کے ساتھ سات اور افراد مکہ گئے۔ان نئے سات افراد میں سے پانچ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ان کے نام یہ ہیں:

(1) معاذؓ بن حارث بن رفاعہ (ان کے بھائی عوفؓ سالِ رفتہ اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے)

(2) ذکوانؓ بن عبد قیس

(3) عبادہؓ بن صامت بن قیس

(4) ابو عبدالرحمٰنؓ بن یزید بن ثعلبہ

(5) عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ

قبیلہ اوس سے تعلق رکھنے والے دو حاجیوں کے نام یہ تھے۔

(1) ابوالہیثم بن تیہان اشہلی

(2) عویمؓ بن ساعدہ

ہیثم کے معنی ہیں شاہین کا بچہ۔ابوالہیثم اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی بت پرستی کے خلاف تھے۔

مکہ پہنچ کر وہ رسول اللہ سے ملے اور طے پایا کہ وہ آپؐ سے اسی گھاٹی (عقبہ) میں تفصیلی ملاقات کریں گے جہاں سالِ رفتہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ملاقات کا وقت اور مقام طے کرنے کے بعد وہ واپس اپنے ڈیرے پر چلے گئے۔

وقتِ مقررہ پر رسولؐ اللہ عقبہ پہنچ گئے۔یثرب سے آنے والے مسلمان بھی حاضر ہوگئے۔انہوں نے آپؐ کو بتایا کہ یثرب میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔لوگ قرآنی تعلیمات قبول کر رہے ہیں، کیونکہ "قرآن اپنے سننے والوں کے دلوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے' ان کی سوچ بدل دیتا ہے اور کایا پلٹ دیتا ہے"۔

دعوت کی قبولیت اور اس کے نتیجے میں اسلام قبول کرنے والوں کے جوش و جذبہ اور اتحاد کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد انہوں نے یثرب کی سیاسی صورتِ حال کے بارے میں بھی حضورؐ کو رپورٹ دی اور بتایا کہ قبیلہ خزرج کا ایک سردار عبداللہ بن ابی کوشش کر رہا ہے کہ یثرب والے اسے اپنا سردار اور حاکم مان لیں۔اس نے جنگِ بعاث میں اوس کے خلاف لڑائی میں حصہ

نہیں لیا تھا اور وہ یہودیوں اور عربوں کو اکٹھا کرنے میں لگا ہوا ہے۔اگرچہ ایک زرگر نے اس کا تاج بنانے کی خاطر اس کے سر کا ناپ تو لے لیا ہے۔(5) مگر سارے قبائل ابھی تک اسے بادشاہ ماننے پر متفق نہیں ہوسکے' کیونکہ وہ ایک دنیا دار شخص ہے اور اہلِ یثرب کو دنیا کی بجائے ایک ایسے دین پر متفق کرنا آسان ہے جو اپنے ماننے والوں کے دل' دماغ' سوچ اور کردار بدل کر انہیں توحید اور بھائی چارے کی زنجیر میں متحد کر دیتا ہے۔

ان بارہ افراد میں سے پانچ سالِ رفتہ مسلمان ہوچکے تھے اور سات نے ان کی تبلیغ سے اسلام قبول کیا تھا۔رسولؐ اللہ نے ایک بار پھر ان سب کو توحید' رسالت اور اسلام کے بارے میں سمجھایا۔اسلام کے ضابطۂ اخلاق کے بارے میں بتایا اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: "آؤ' مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم "اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے۔

چوری اور زنا نہیں کرو گے۔

اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہیں کرو گے۔

کسی پر جھوٹا الزام نہیں لگاؤ گے۔

کسی نیک کام میں اللہ کے رسول کی نافرمانی نہیں کرو گے۔

اللہ کے رسول کا حکم سنو گے اور مانو گے خواہ خوشحال ہو یا تنگ حال' خواہ وہ حکم تمہیں گوارا ہو یا ناگوار محسوس ہو اور خواہ تم پر کسی اور کو ترجیح دی جائے۔

حکومت کے معاملے میں اہلِ حکومت سے نزاع نہیں کرو گے۔اگرچہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حکومت ہمارا حق ہے۔

جہاں بھی اور جس حال میں بھی ہو' حق بات کرو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے۔"

سب نے رسولؐ اللہ سے ان امور پر بیعت کرلی۔

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔اگر وہ اس دنیا میں پکڑا گیا اور سزا مل گئی تو وہ اس گناہ کا کفارہ ہوگی اور اگر قیامت تک اس کے فعل پر پردہ پڑا رہ گیا تو اللہ چاہے تو اسے سزا دے چاہے تو معاف فرما دے۔"

اہلِ یثرب نے جن باتوں پر بیعت کی ان میں

اول نمبر پر توحید ہے۔
اس کے بعد کردار اور اخلاق کی اصلاح ہے۔
ہر حال میں اطاعتِ رسولؐ ہے۔
کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے بے نیاز ہو کر حق (اسلام) کی حمایت اور فروغ ہے۔
اور حکومت بنانے اور حکومت کرنے کے بارے میں کوئی اختلاف نہ کرنے اور حکومت پر اپنا حق نہ جتانے کا عہد ہے۔

رسولؐ اللہ کی اب تک کی دعوتِ اسلام کی تفصیلات اور اس کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں اور مشکلات کا جائزہ لیا جائے تو قریشِ مکہ اور قبائلِ عرب انہی امور پر متفق نہیں ہوتے تھے۔کوئی بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو معبودِ حقیقی ماننے پر آمادہ نہیں تھا۔کوئی اپنے بتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے پر بضد تھا۔کسی کو یہ اعتراض تھا کہ اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے محمدؐ بن عبداللہ کو رسالت کے لئے کیوں منتخب کیا ہے؟ کسی کو آپؐ کی اطاعت میں اپنے دنیاوی مقام مرتبہ کے کم ہو جانے کا خوف تھا۔کئی قبیلے آپؐ کے ساتھ معاہدہ کرنے پر تو آمادہ تھے،مگر کامیابی کی صورت میں حکومت میں حصہ داری کی پہلے سے ضمانت چاہتے تھے' اس لحاظ سے یثرب کے عربوں کے ان بارہ نمائندوں کا عہد تاریخِ اسلام میں بہت اہم ہے۔مکہ میں جو لوگ ان سے پہلے مسلمان ہوچکے تھے،وہ توحید' رسالت اور قرآن پر ایمان اور ارکانِ اسلام کی پابندی کا اعلان کر کے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے تھے۔اب تک کبھی "حکومت" کا لفظ کسی عہد میں استعمال نہیں ہوا تھا۔رسولؐ اللہ نے کسی سے کبھی وعدہ نہیں لیا تھا کہ وہ حکومت سازی میں اختلاف نہیں کرے گا اور حکومت پر اپنا حق نہیں جتائے گا۔

اس مرحلہ پر رسولؐ اللہ نے اس عہد کو بیعت کا حصہ کیوں بنایا؟

یثرب میں اسلام کے فروغ اور وہاں کے حالات کے بارے میں رپورٹوں سے رسولؐ اللہ نے دیکھ لیا تھا کہ وہ شہر اور خطہ جلد مرکزِ توحید بن جائے گا۔اس صورت میں وہاں پر جو پہلا جھگڑا پیدا ہوسکتا تھا،وہ حکومت اور حکمرانی کے حق کا جھگڑا ہوسکتا تھا۔اوس اور خزرج میں پہلے سے برتری کا جھگڑا موجود تھا۔ان کے ساتھ یا یثرب اور باہر کے مسلمانوں کے درمیان اگر شروع ہی میں ایسا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوتا تو اس سے دعوت کے کام اور فروغ میں مشکلات پیش آسکتی تھیں' جزیرۃ العرب کے قبائل کے باہمی جھگڑوں اور اختلافات کی تاریخ آپ کے سامنے تھی۔آپؐ عربوں کی فطرت سے واقف تھے اس لئے آپؐ نے شروع ہی میں ایسے کسی فتنہ کا سدِباب کر دیا اور

اہلِ یثرب نے دین اور دنیا کے ہر معاملے میں آپؐ کے فرمان اور فیصلے کو قولِ فیصل مان لیا' خواہ وہ انہیں کسی ذاتی یا قبائلی حوالے سے ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ تاریخ اسلام میں اس بیعت کو "بیعتِ عقبہَ اولیٰ" یا عقبہ کی پہلی بیعت کہا جاتا ہے۔ اسے بیعت النساء کا نام بھی دیا گیا ہے(6) اور اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ چونکہ رسولؐ اللہ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر اور فتح مکہ کے بعد خواتین سے جو بیعت لی تھی' اس کے الفاظ بھی اسی بیعت سے ملتے جلتے تھے' اس لئے یثرب کے بارہ افراد سے لی گئی اس بیعت کو بھی بیعتِ نسواں یا بیعت النساء کہا گیا' لیکن اس بیعت کی اہمیت اور الفاظ کو دیکھا جائے تو اسے بیعت النساء کا نام دینا کسی لحاظ سے بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اسے پہلی بیعتِ انقلاب کہنا زیادہ مناسب ہے۔

نبیؐ کا سفیر یثرب میں

یثرب سے ملنے والی رپورٹیں بڑی حوصلہ افزا تھیں۔ وہاں دعوت تیزی سے پھیل رہی تھی۔ یثرب کے سیاسی اور معاشرتی حالات اسلامی معاشرے اور جماعت کی تشکیل کے لئے بڑے سازگار تھے۔ جن افراد نے اسلام قبول کیا تھا' ان کی اکثریت ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھی۔ پہلے سال آنے والے سب کے سب قبیلہَ خزرج سے تھے۔ عقبہ کی پہلی بیعت کرنے والوں میں بھی دس کا تعلق خزرج سے تھا۔ صرف دو افراد قبیلہ اوس سے تھے۔ اوس اور خزرج میں پرانے جھگڑے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے' اس لئے ضروری تھا کہ کسی تجربہ کار شخص کو اسلام کا سفیر اور مبلغ بنا کر یثرب بھیجا جائے تاکہ وہ دونوں قبیلوں کو دائرہَ اسلام میں لا کر ان میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرے۔ اس وقت تک تبلیغ کا طریقہ مشرکین کے سامنے قرآن کی تلاوت تھا۔ تلاوتِ قرآن ہی سب سے مؤثر ذریعہَ دعوت تھی' یثرب کے جن افراد نے اسلام قبول کیا تھا' انہیں قرآنِ کریم کا بہت کم حصہ ازبر تھا۔ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کی روزمرہ کی زندگی ایک مسلمان کی عملی زندگی کی چلتی پھرتی تصویر ہو' جس سے دوسروں کو اسلام کی روح سمجھ آسکے' وہ اس سے ترغیب اور رہنمائی حاصل کرسکیں۔

سارے حالات اور ضروریات پر غور کرنے کے بعد رسولؐ اللہ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اسلام کا سفیر بنا کر یثرب بھیجا۔(7) حضرت مصعبؓ بن عمیر بنی قصی میں سے تھے۔ رسولؐ اللہ کے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ان خوش نصیب افراد میں سے تھے جو شروع ہی میں مسلمان ہوگئے تھے اور حبشہ کی ہجرت میں بھی شامل تھے۔ اس حوالے سے وہ ہجرت اور غیر

معاشرے میں اسلام کی تبلیغ اور سفارت کاری کا بھی تجربہ رکھتے تھے۔رسولؐ اللہ نے انہیں یثرب کے مسلمانوں کو قرآن پڑھانے،اسلام سکھانے اور دینی مسائل سمجھانے کی ہدایت کی۔اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت مصعبؓ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتے تو غلام اور ملازم آگے پیچھے چلتے۔وہ بہت خوش لباس تھے،لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے رئیسانہ زندگی اور ٹھاٹھ سب ترک کر دیئے۔وہ موٹا کمبل لباس کے لئے استعمال کرنے لگے تھے۔اسلام ان کی عملی زندگی میں رچ بس گیا تھا۔

وہ بہت خوش کلام اور شیریں بیان تھے' قرآن کی تلاوت بہت خوش الحانی سے کرتے تھے۔

اعلیٰ نسب' اعلیٰ کردار' اعلیٰ کلام اور خوش بیان'یہ وہ خصوصیات تھیں جن کی عرب معاشرے میں بڑی اہمیت تھی۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے حضرت ابو امامہؓ اسد بن زرارہ کے ہاں قیام کیا۔

حضرت ابو امامہؓ اسعد بن زرارہ اپنے قبیلے میں بڑی عزت اور احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ وہ خزرج کے اہلِ رائے سرداروں میں سے تھے۔ان کی کوششوں اور خلوص کیوجہ سے قبیلہ خزرج میں دعوت تیزی سے پھیلنے لگی تھی۔وہ چاہتے تھے کہ قبیلہ اوس میں بھی اسلام اسی تیزی سے پھیلے۔وہ یثرب کے افراد اور حالات کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتے اور ان معلومات کی روشنی میں حضرت مصعبؓ بن عمیر دعوت کی منصوبہ بندی کرتے تھے۔

ایک روز حضرت ابو امامہؓ' حضرت مصعبؓ کو بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کی بستی میں لے گئے۔یہ دونوں قبیلہ اوس کی شاخیں تھیں۔ان کے سردار کا نام سعدؓ بن معاذ تھا۔وہ حضرت ابو امامہؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو امامہؓ کے ہمراہ اور مسلمان بھی تھے۔وہ سب جا کر ایک باغ میں بیٹھ گئے۔اوس کے کچھ لوگ بھی ان کے پاس آ بیٹھے۔حضرت مصعبؓ انہیں توحید اور اسلام سمجھانے لگے۔

سعد بن معاذ کو معلوم ہوا تو وہ غصہ میں آ گیا۔

اس نے اپنے قبیلہ کے ایک اور رئیس کو بلایا۔"اسید!تیرا باپ نہ رہے' ابھی ان دو آدمیوں کے پاس جاؤ۔وہ ہمارے محلے میں آ کر ہمارے کمزور عقیدہ والے لوگوں کو ورغلا رہے ہیں۔جا کر انہیں منع کرو اور خبردار کر دو کہ آئندہ ہمارے محلے میں آنے کی جرات نہ کریں۔میں یہ زحمت تمہیں اس لئے دے رہا ہوں کہ اسعدؓ میرا خالہ زاد بھائی ہے۔اگر وہ ساتھ نہ ہوتا تو میں خود جاتا اور انہیں یہاں سے نکال دیتا۔"

اسید نے نیزہ اٹھایا اور باغ کی طرف چل دیا۔
حضرت اسعدؓ نے اسے آتے دیکھا تو حضرت مصعبؓ کو ہوشیار کر دیا۔"وہ جو آپ کی طرف آ رہا ہے' اپنی قوم کا رئیس ہے۔"
"اگر وہ ہماری محفل میں بیٹھ گیا تو اس سے بھی بات ہوگی۔" حضرت مصعبؓ بن عمیر نے جواب دیا۔
اسید بہت طیش میں تھا۔"زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہم سے دور رہو۔" اس نے آتے ہی چلّا کر کہا۔
حضرت مصعبؓ بن عمیر نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا'وہ خاموش رہے۔
اسید نے حضرت اسعدؓ کو مخاطب کیا:"تم اس اجنبی کو جس کا نہ گھر ہے نہ گھاٹ' ہمارے محلے میں کیوں لائے ہو؟"
اسعدؓ اگر مسلمان نہ ہو چکا ہوتا تو اسید کو اسی انداز میں جواب دیتا'مگر اس کے غصہ اور ناراضگی پر وہ بھی خاموش رہا۔
اسید کو حیرانی ہونے لگی کہ اس کی ناراضگی پر کوئی بول ہی نہیں رہا۔
"تم ہمارے لوگوں کو ورغلا رہے ہو اور غلط بات کی طرف دعوت دیتے ہو۔" اسید نے حضرت مصعبؓ اور اسعدؓ کی ذات کے بعد ان کے دین پر بھی حملہ کیا۔
حضرت مصعبؓ نے بڑے تحمل سے کہا:"بیٹھیں' میں جو بات کر رہا ہوں' سنیں اور اس کے بعد اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کریں۔"
محفل میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھنے والے افراد موجود تھے۔کسی بات کو سنے بغیر اس کے بارے میں کوئی رائے دینا اس معاشرے میں اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا' اسید اپنے قبیلے کا رئیس تھا'اسے احساس ہوا کہ واقعی اس نے "تم غلط بات کی طرف دعوت دیتے ہو" کہہ کر اچھا نہیں کیا'اس سے محفل کے شرکاء نے اس کے اپنے بارے میں غلط تاثر لیا ہوگا۔
وہ بیٹھ گیا۔"یہ بات آپ کی دل کو لگتی ہے۔" اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑتے ہوئے کہا۔
حضرت مصعبؓ جو بات کر رہے تھے' وہ جاری رکھی۔اہلِ محفل کو اسلام کے بنیادی عقائد اور تعلیمات کے بارے میں بتایا اور پھر ان کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے لگے۔
سب اہلِ محفل سر ڈالے سن رہے تھے۔
اسید کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔
حضرت مصعبؓ قرآن کی تلاوت کرتے رہے۔
"یہ کس قدر عمدہ اور اچھا دین ہے۔" اسید نے کسی کی طرف سے اسلام کی دعوت دینے کے بغیر

خود ہی کہا۔
قرآن ان کے قلب و روح پر اثر دکھا چکا تھا۔
"تمہارے دین میں شامل ہونے کا کیا طریقہ ہے؟" اس نے حضرت مصعبؓ بن عمیر سے پوچھا۔
"اپنا جسم اور لباس صاف کریں اور توحید و رسالت کا اقرار کرکے دو رکعت نماز ادا کریں۔" انہوں نے جواب دیا۔
باغ میں ایک طرف کنواں تھا اسید اٹھ کر کنویں کی طرف چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد نہا کر واپس آیا، کلمہ پڑھا اور مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کرکے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔
ہر مسلمان کی مانند اس کے دل میں بھی خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے عزیز و اقارب اور قبیلے والے بھی دینِ حق قبول کرلیں۔
"میں ایک آدمی کو اپنے قبیلے کی مجلس میں چھوڑ کر آیا تھا اگر وہ آپ کی بات مان لے تو اس کی قوم کا کوئی فرد اس کے خلاف نہیں جائے گا۔" اسیدؓ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر سے کہا۔ "میں ابھی اسے آپ کی طرف بھیجتا ہوں۔"
اس کا اشارہ سعد بن معاذ کی طرف تھا جس نے اسے بھیجا تھا۔

بنی عبدالاشہل کا قبولِ اسلام

سعدؓ بن معاذ اپنی قوم کی محفل میں بیٹھے تھے۔
انہوں نے اسید کو آتے دیکھا تو محسوس کیا اس کے چہرے پر وہ غصہ نہیں جو لے کر گیا تھا۔
"کیا کر آئے ہو؟" سعدؓ نے پوچھا۔
"میں نے ان دونوں سے بات کی ہے اور انہیں روک آیا ہوں۔ خطرے والی کوئی بات نہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ خلاف ورزی نہیں کریں گے اور جیسا ہم نے کہا ہے، ویسا ہی کریں گے۔" اسید نے جواب دیا۔
سعد کے لئے یہ اطمینان کی خبر تھی۔
"مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنی حارثہ کے کچھ لوگ اسعدؓ کو قتل کرنے گئے ہیں، وہ آپ کا خالہ زاد ہے اور آپ کی قوم کے باغ اور محلے میں بیٹھا ہے اور وہ اسے یہاں قتل کرکے آپ کو نیچا دکھانا اور معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں۔" اسیدؓ نے سعدؓ سے کہا۔

سعد فوراً کھڑا ہوگیا، نیزہ اٹھایا اور اس طرف دوڑ پڑا جہاں حضرت اسعدؓ اور مصعبؓ بن عمیر دیگر مسلمانوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔"میں انہیں کہتا ہوں، ہم سے دور رہو۔"

وہ اسعد کو دشمنوں کے آنے سے پہلے وہاں سے واپس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ نیا جھگڑا نہ پیدا ہو جائے۔

"یہ مسلمان ہوگیا تو اس کی ساری قوم مسلمان ہو جائے گی۔" حضرت اسعدؓ نے سعدؓ کو آتے دیکھ کر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو بتا دیا۔

انہیں اطمینان سے بیٹھا دیکھ کر سعد کو کچھ شبہ ہوا کہ اسید نے اسے اسی لئے تو نہیں بھیجا کہ وہ بھی ان کی باتیں سنے۔اسے اور بھی غصہ آگیا اور وہ گالیاں دینے لگا۔

حضر اسعدؓ، حضرت مصعبؓ اور سارے اہلِ محفل خاموش رہے۔

"واللہ! ابو امامہ، اگر تُو میرا خالہ زاد نہ ہوتا تو اس محلے میں قدم نہ رکھ سکتا۔" سعدؓ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اس سے رشتہ داری کی وجہ سے وہ اس کی قوم کے محلے میں آیا ہے۔"اور یہ شخص (مصعبؓ) مجھ سے بچ کر نہ جاتا۔ تُو ہمارے گھر ہم پر وہ چیز مسلّط کرنے آیا ہے جو ہمیں پسند نہیں۔"

ایک بار پھر ویسی ہی صورتِ حال پیدا ہوگئی جیسی اسیدؓ کی آمد کے وقت پیدا ہوئی تھی۔

"ہماری بات سننے کے لئے بیٹھو گے بھی؟" حضرت مصعبؓ بن عمیر نے کہا۔"پسند آئے تو قبول کر لینا، ناپسند ہو تو ہم فوراً یہاں سے چلے جائیں گے اور اس بات کو آپ سے دور رکھیں گے۔"

اپنے جارحانہ اور ان کے شریفانہ رویہ کو دیکھا تو سعدؓ سوچ میں پڑ گیا۔

اس کے دل نے اسے ملامت کی اس نے اپنا نیزہ زمین میں گاڑ دیا۔

"آپ نے انصاف کی بات کہی۔" سعدؓ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر نے انہیں قرآن سنایا اور بتایا کہ وہ لوگوں کو کیا بات بتاتے ہیں۔

سعدؓ بن معاذ نے بھی وہیں اسلام قبول کر لیا۔

انہوں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے۔

"اے بنی عبدالاشہل! میرے بارے میں تم کیا رائے رکھتے ہو؟" انہوں نے واپس جا کر اپنے قبیلے والوں سے پوچھا۔

"آپ ہمارے سردار ہیں۔ہم میں سب سے زیادہ صائب الرائے ہیں۔سب سے زیادہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ہم سب سے زیادہ عقل اور تجربہ رکھتے ہیں۔" ان کی قوم نے جواب دیا۔

"جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لے آؤ گے، تمہاری عورتوں اور مردوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے۔" سعدؓ بن معاذ نے کہا۔

وہ جانتے تھے کہ اپنے قبیلہ کو وہ کس طرح ساتھ ملا سکتے ہیں؛

اس دن کا سورج غروب ہونے سے پہلے بنی عبدالاشہل کے ایک کے سوا سارے مرد اور عورتیں مسلمان ہوچکے تھے۔

اس ایک شخص کا نام الاصیرم عمرو بن ثابت تھا جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر نے اپنے ہاتھوں سے اپنی قوم کے سارے بت توڑ دیئے۔

یثرب کے مسلمانوں کا فیصلہ

حضرت سعدؓ بن معاذ نے بھی اپنے آپ کو دعوتِ اسلام کے لئے وقف کر دیا۔

وہ اپنا زیادہ وقت اپنے خالہ زاد بھائی حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے گھر، مصعبؓ بن عمیر کی صحبت میں گزارنے لگے۔حضرت اسیدؓ بھی وہیں آجاتے۔وہ قرآن پڑھتے۔اسلام سیکھتے اور دعوتِ اسلام پھیلانے کے طریقوں پر غور کرتے۔ان میں بہت جوش تھا۔وہ بڑے جوش و جذبہ سے دعوت پھیلانے میں لگ گئے۔خزرج اور اوس کے مسلمان ہونے والے جوانوں کی کوشش تھی کہ وہ دونوں قبیلوں کے بااثر افراد کو دائرۂ اسلام میں لے آئیں۔حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کی کوششوں سے یثرب کے عرب قبائل کا

''کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں کوئی فرد مسلمان نہ ہو گیا ہو۔''

حضرت مصعبؓ مسلمانوں کو قرآن پڑھاتے' دین سکھاتے اور باجماعت نماز کی امامت کرتے تھے۔جو کوئی اسلام قبول کرتا'ساتھ ہی اس کی عملی تربیت شروع ہو جاتی تھی۔حضرت مصعبؓ بن عمیر کو یثرب والے ''المقری'' یعنی پڑھانے والا یا استاد کہنے لگے۔

اسلام کی وجہ سے یثرب کے معاشرے میں خودبخود ایک تبدیلی پیدا ہونے لگی۔دونوں عرب قبیلے خزرج اور اوس صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آتے تھے۔ان میں کئی لڑائیاں ہو چکی تھیں۔ابھی پانچ سال پہلے جنگِ بعاث میں دونوں طرف کے بہت سے نامور سردار اور رئیس مارے گئے تھے' اس جنگ کے عظیم نقصانات کی وجہ سے فریقین میں جو جنگ بندی ہوئی تھی' وہ ایک عارضی مرحلہ خیال کیا جا رہا تھا۔دونوں طرف انتقام کا جذبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ایک اور جنگ ہونے والی تھی۔اوس اور خزرج میں باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں' لیکن جب جنگ کا وقت آتا تھا تو سب رشتے باطل ہو جاتے تھے'لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد ان متحارب اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن قبیلوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارے کا جو دینی

رشتہ قائم ہو جاتا تھا اس سے وہ ماضی کی قبائلی دشمنیاں اور اختلافات سب بھول جاتے تھے اور ایک نئے رشتہ اتحاد میں منسلک ہو جاتے تھے جو ان کے سارے ماضی کے جھگڑوں کو باطل کر دیتا تھا' اس تبدیلی کے مثبت اثرات ان کی زندگیوں میں صاف نظر آنے لگے تھے۔

اگلے سال حج کا موسم آنے سے کچھ عرصہ پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر مکہ واپس تشریف لے گئے۔جزیرۃالعرب کے سب سے بڑے مذہبی' سیاسی اور تجارتی اجتماع کا وقت آنے والا تھا۔وہ اس سے پہلے رسولؐ اللہ کو یثرب میں دعوتِ اسلامی کی کامیابی اور وہاں کے حالات کے بارے میں تفصیلی رپورٹ پیش کرنا چاہتے تھے۔

یثرب کے یہودی ہفتے میں ایک دن اجتماعی عبادت کرتے تھے۔مسلمانوں نے سوچا کہ انہیں بھی ہفتے کا ایک دن اجتماعی عبادت کے لئے وقف کر دینا چاہیے' مگر یہ دن یہودیوں سے مختلف ہونا چاہئے۔باہمی مشورہ سے انہوں نے جمعہ کا دن اس کے لئے منتخب کیا اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے جمعہ کی پہلی نماز پڑھائی۔نماز کے بعد انہوں نے بکری ذبح کر کے سارے نمازیوں کی دعوت کی۔ اس پہلی نمازِ جمعہ میں چالیس مسلمان شریک ہوئے۔

بعض سیرت نگار اور مؤرخ کہتے ہیں کہ باہمی اختلافات کی وجہ سے اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنے میں سے کسی کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے متفق نہیں ہوتے تھے' اس لئے حضرت مصعبؓ بن عمیر امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے'لیکن حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی امامت میں تو اوس اور خزرج دونوں قبیلوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں نے نماز جمعہ ادا کی تھی۔

اس وقت تک مکہ میں ابھی نمازِ جمعہ نہیں پڑھی جاتی تھی۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں :"اللہ نے ہمیں یثرب سے آپؐ کے پاس (مکہ) بھیج دیا۔ہم نے آپؐ کی تصدیق کی اور حال یہ ہو گیا کہ ایک آدمی گھر سے نکلتا' ایمان لاتا' قرآن پڑھتا اور جب اپنے گھر واپس آتا تو اس کے گھر والے بھی مسلمان ہو جاتے۔اس طرح انصار کے محلوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جس میں مسلمانوں کا ایک گروہ نہ پایا جاتا ہو اور وہ اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہ کرتے ہوں' ایک روز ہم سب جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ کب تک رسولؐ اللہ مکہ اور اس کے پہاڑوں میں اکیلے اور بے یارو مددگار پھرتے رہیں گے؟ اور خطرہ اور خوف میں گھرے رہیں گے' چنانچہ ستّر افراد کا وفد روانہ ہوا اور آپؐ کی خدمت میں حج کے ایام میں حاضر ہوا اور عقبہ میں اجتماع کا وعدہ لیا۔"

یثرب کے مسلمانوں نے یہ مشورہ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے مکہ واپس چلے جانے کے بعد کیا تھا۔
مشورہ کیا تھا؟
"رسولؐ اللہ کو مکہ سے یثرب لے آئیں۔" یہ تھا مشورہ!
پھر انہوں نے کیا کیا؟
حج کے موقع پر ستّر افراد کا وفد مکہ بھیجا۔
وفد نے مکہ میں کیا کیا؟
حضورؐ سے عقبہ میں اجتماع کا وعدہ لیا۔
یثرب کے مسلمانوں کا یہ وفد آپؐ کی نبوت کے تیرھویں سال مکہ گیا تھا۔اس سال حج جون کے آخری دنوں یا جولائی کے ابتدائی دنوں میں ہوا تھا۔
جزیرۃالعرب کے گرم ترین موسم میں۔
اس وفد میں شامل ایک مسلمان کا نام تھا براءؓ بن معرور۔
براء اپنی قوم کے رئیس تھے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ یثرب کے مسلمان اور مشرک سب حاجیوں کے قافلہ کے قائد تھے۔دورانِ سفر ایک روز براء نے مسلمانوں سے کہا:"دوستو! میری ایک ذاتی رائے ہے، معلوم نہیں تم میری رائے سے اتفاق کرو گے یا نہیں۔"
"کیا رائے ہے وہ؟" ساتھیوں نے پوچھا۔
"ہمیں بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھنا چاہیے۔" براء نے اپنی رائے پیش کر دی۔
"ہمیں تو معلوم ہوا ہے کہ رسولؐ اللہ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔" اس کے ساتھیوں نے جواب دیا۔"ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ رسولؐ اللہ کے عمل کے خلاف عمل کریں۔"
"میں تو بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے ہی نمازیں پڑھوں گا۔" براء نے فیصلہ سنا دیا۔
"ہم ایسا نہیں کریں گے۔" باقی مسلمانوں نے جواب دیا۔
باقی سفر کے دوران حضرت براءؓ بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے اور مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں پڑھتے رہے۔
مکہ پہنچ کر انہوں نے حضرت کعبؓ بن مالک سے کہا:"بھتیجے!جس مسئلے میں دورانِ سفر ہم میں اختلاف ہو گیا تھا،چلو اس کے متعلق رسولؐ اللہ سے پوچھیں،کیونکہ میرے دل میں اس بارے میں

خلش ہے۔"
چنانچہ حضرت براءؓ نے حضرت کعبؓ کو ساتھ لیا اور اپنے ڈیرے سے شہر کے لئے روانہ ہو گئے مگر دونوں میں سے کسی نے پہلے رسولؐ اللہ کو دیکھا نہیں تھا۔انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ رسولؐ اللہ کہاں مل سکتے ہیں؟

"کیا تم انہیں پہچانتے ہو؟" اس نے استفسار کیا۔

"جی نہیں۔" انصاریوں نے جواب دیا۔

"ان کے چچا عباس کو جانتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں انہیں پہچانتے ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

حضرت عباسؓ تجارتی سفروں کے دوران یثرب میں ٹھہرا کرتے تھے۔

"تم مسجدِ حرام چلے جاؤ وہاں رسولؐ اللہ اور عباس اکٹھے بیٹھے ہیں۔" اس نے بتایا۔

وہ مسجدِ حرام پہنچ گئے اور حضرت عباسؓ کو پہچان کر وہاں چلے گئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

رسولؐ اللہ نے حضرت عباسؓ سے استفسار فرمایا: "ان آدمیوں کو جانتے ہو؟"

"جی ہاں!یہ اپنی قوم کے رئیس ہیں۔براءؓ بن معرور اور ان کے ساتھ وہ کعبؓ بن مالک ہیں۔" عباسؓ نے جواب دیا۔

"شاعر کعب؟" رسولؐ اللہ نے پوچھا۔

حضرت عباسؓ نے جواب دیا: "ہاں کعب شاعر۔"

"یا نبی اللہ!میں اسلام قبول کر کے اس سفر پر روانہ ہوا تھا۔میرے دل میں آیا کہ میں بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کروں۔میرے باقی ساتھی بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے ہیں۔آپؐ فرمائیں میں کس طرف رُخ کیا کروں؟" براءؓ نے سوال کیا۔

"تمہارے لئے قبلہ متعین تھا۔تم اس کے پابند رہتے۔" رسولؐ اللہ نے فرمایا۔

اپنے ڈیرے پر واپس جانے سے پہلے براءؓ اور کعبؓ نے رسولؐ اللہ سے طے کیا کہ وہ اور ان کے ساتھی مسلمان ایامِ تشریق کے وسط میں رات کے وقت عقبہ میں رسولؐ اللہ سے ملیں گے۔

مشکل سوال

رسولؐ اللہ سارے حالات پر غور کرتے رہے تھے۔حضرت مصعبؓ بن عمیر آپؐ کو یثرب میں مسلمانوں کی تعداد اور ان کے جوش و جذبہ کے بارے میں سب کچھ بتا چکے تھے۔یثرب کے

غیر مسلم عربوں اور یہودیوں کی تعداد اور رویئے کے بارے میں بھی انہوں نے تفصیلی رپورٹ دی تھی۔یثرب میں اسلام اور دعوت کی اس انداز میں مخالفت نہیں ہوئی تھی جس انداز میں قریشِ مکہ نے مخالفت کی تھی۔وہاں پر اسلام قبول کرنے والوں پر ظلم و تشدد بھی نہیں ہوا تھا۔ایک سال کے عرصہ میں مجموعی طور پر کتنے خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا'اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں'لیکن حج کے لئے آنے والے مسلمانوں کی تعداد سے اندازہ ہوتا ہے کہ یثرب میں اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد کافی زیادہ ہو گئی تھی۔

یثرب کے دونوں عرب قبائل اوس اور خزرج بڑے بہادر تھے۔جزیرۃالعرب میں ان کی جرأت اور بہادری مُسلّم تھی۔کبھی کسی نے ان پر فتح نہیں پائی تھی۔وہ اپنی غیرت' خودداری' قوت' مردانگی اور شہسواری میں ممتاز تھے' آزادی کے خوگر تھے اور انہی اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے مسلمان رسولؐ اللہ کو اپنے ساتھ لے جانے مکہ آئے تھے۔یہ ان کی عقیدت اور قوتِ ایمانی کا ثبوت تھا'لیکن اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ یہ بڑا اہم سوال تھا۔

انصار کی دعوت قبول کر کے مکہ چھوڑ کر یثرب منتقل ہوجانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ایسا اقدام اپنے خون' قبیلے'نسل اور تاریخ کے سارے رشتے ناطے ختم کر کے ایک ایسی جگہ منتقل ہو جانا تھا جہاں حضورؐ کا عرب معاشرے والا کوئی رشتہ نہیں' نہ خون کا'نہ قبیلے کا'نہ نسل کا اور نہ تاریخ کا۔

مکہ میں کچھ دشمن تھے تو کچھ دوست بھی تھے۔کچھ کھلی ہمدردی رکھنے والے تھے تو کچھ کے دلوں میں خون' قبیلے اور رشتہ داری کی وجہ سے ہمدردی تھی'کچھ لحاظ تھا۔کچھ لوگ مشرک اور دشمن ہوتے ہوئے بھی قبائلی تعصب کی بنیاد پر کسی وقت ساتھ دے سکتے تھے'لیکن یثرب والوں سے صرف اور صرف دین کا رشتہ تھا۔اگرچہ یہ رشتہ باقی سب رشتوں سے مستحکم تھا'لیکن یثرب والوں کے اس رشتہ کی ابھی آزمائش نہیں ہوئی تھی۔

کیا کسی آزمائش کے مرحلے میں وہ اس رشتے کی خاطر باقی سارے رشتوں اور رشتہ داروں کے خلاف رسولؐ اللہ کا ساتھ دیں گے؟

یہ کوئی کم اہم سوال نہیں تھا۔

رسولؐ اللہ جانتے تھے کہ اگر یثرب والوں کی دعوت قبول کر کے آپؐ مکہ چھوڑ کر یثرب چلے گئے تو قریشِ مکہ کی دشمنی اور بھی شدید ہو جائے گی۔یثرب کے غیر مسلم قبائل کے ساتھ بھی تصادم کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ قریشِ مکہ' مشرکینِ یثرب سے کوئی اتحاد کر لیں۔ایسے اتحاد کے خلاف یثرب کے انصار کھڑے ہو جائیں گے؟ اور آپؐ کے ساتھ کھڑے رہیں

گے؟ یہ بڑے اہم سوال تھے۔
رسولؐ اللہ اس مسئلے کے سارے پہلوؤں پر غور فرماتے رہے۔
اپنے چچا حضرت عباسؓ سے بھی مشورہ کیا۔
وہ ابھی تک آبائی دین پر ہی تھے، لیکن رسولؐ اللہ سے ہمدردی رکھتے تھے۔
خونی رشتہ اور خاندانی وقار اس کی وجوہ تھیں۔

یثرب والوں کا عہد

وہ جون کی گرم رات تھی۔منیٰ کے میدان میں دور دور تک حاجی اپنے اپنے ڈیروں میں پڑے سو رہے تھے۔صبح انہیں منیٰ سے روانہ ہو جانا تھا۔رسوماتِ حج پوری ہو جانا تھیں، اس لئے وہ سفر کا پروگرام بنا کر سوئے تھے۔یثرب کے مسلمان اپنے مشرک ساتھیوں کے ساتھ ایک ہی کیمپ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔وہ ان کے پاس ہی سونے کے لئے لیٹ گئے۔
لیکن یہی وہ رات تھی جس کے ایک حصے میں انہیں رسولؐ اللہ سے ملنا تھا، اسی گھاٹی میں جہاں گذشتہ سال ان کی قوم کے بارہ افراد نے اسلام قبول کر کے رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔
جب ملاقات کا وقت طے ہوا تو رسولؐ اللہ نے انہیں ہدایت فرمائی تھی: "کسی سوتے کو جگانا نہیں اور کسی غائب کا انتظار نہیں کرنا۔"
جو مسلمان رسولؐ اللہ سے ملے تھے، انہوں نے اپنے باقی ساتھیوں کو بھی ملاقات کے وقت اور جگہ کے بارے میں بتا دیا تھا۔رسولؐ اللہ کی احتیاط برتنے کی ہدایت بھی سب تک پہنچ چکی تھی۔
مشرکینِ یثرب منیٰ کے میدان میں گہری نیند سوتے رہے اور مسلمان ایک ایک، دو دو کر کے نہایت خاموشی سے ان کے درمیان سے ہو کر عقبہ کی گھاٹی کی طرف روانہ ہوتے رہے۔
اپنے غیر مسلم ساتھیوں میں سے صرف ایک کو انہوں نے اسلام کی دعوت پیش کی تھی۔ان کا نام ابو جابرؓ عبد اللہ تھا۔
"آپ ہماری قوم کے رئیس ہیں۔ہمارے بزرگ ہیں۔ہمیں پسند نہیں کہ آپ بھی کفار کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں۔"
اس کو آمادہ دیکھ کر انہوں نے بتا دیا کہ وہ آج رات رسولؐ اللہ سے ملنے والے ہیں۔
وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

اور اپنے مشرک ساتھیوں میں سے نکل کر عقبہ کی طرف چل دیا۔
وہ سب معیّنہ جگہ پر پہنچ گئے۔ان کی کُل تعداد پچھتّر (75) تھی۔تہتّر مرد اور دو خواتین۔
تھوڑی دیر بعد رسولؐ اللہ بھی وہاں پہنچ گئے۔آپؐ کے ہمراہ حضرت عباسؓ بھی تھے۔
وہ ابھی اپنے اجداد کے دین پر ہی تھے‘لیکن انصارِ یثرب سے مل کر یقین کرنا چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ اگر ان کی دعوت قبول کر کے کبھی یثرب منتقل ہو جائیں تو وہ آپؐ کا کہاں تک ساتھ دیں سکیں گے۔
رسولؐ اللہ نے مسلمانانِ یثرب سے کہا:”تمہارا خطیب بات کرے‘ مگر بات لمبی نہ کرے‘کیونکہ مشرکین جاسوسی کر رہے ہیں۔اگر ان کو پتہ چل گیا کہ تم نے ملاقات کی ہے تو اس سے تمہاری رسوائی اور توہین ہو گی۔“
حضرت ابو امامہؓ اسعد بن زرارہ نے کہا:”یا رسولؐ اللہ! پہلے آپؐ ہمیں اللہ کے جو ہم پر حقوق ہیں ان سے آگاہ فرما دیں‘پھر اپنی ذات کے لئے آپؐ ہم سے جو وعدہ لینا چاہیں‘وہ فرمائیں اور بتائیں کہ اگر ہم نے وہ سب حقوق ادا کر دیئے تو ہمیں کیا جزا ملے گی؟“
گفتگو کاآغاز حضرت عباسؓ نے کیا:”اے گروہِ خزرج!تم نے محمدؐ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی ہے۔اس وقت محمدؐ اپنے خاندان اور رشتہ داروں کے درمیان سب سے مضبوط حیثیت رکھتے ہیں۔ہم میں سے جنہوں نے ان کا دین قبول کیا ہے وہ اور جنہوں نے ان کا دین قبول نہیں کیا وہ بھی سب محمدؐ کے حسب اور شرافت کی وجہ سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں‘ مگر محمدؐ سب کو چھوڑ کر تمہارے پاس ہی جانا چاہتے ہیں۔اب تم دیکھ لو کہ تم اتنی طاقت‘ استقامت اور جنگی فراست رکھتے ہو یا نہیں کہ تم تمام عرب کی دشمنی کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے رہو‘کیونکہ عرب متحد ہو کر تم پر ٹوٹ پڑیں گے‘ لہٰذا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔آپس میں مشورہ سے فیصلہ کر کے کوئی رائے دو‘ کیونکہ سب سے اچھی بات سچی بات ہے۔“
حضرت عباسؓ نے اہلِ یثرب سے پوچھا:”ذرا مجھے بتاؤ‘ تو تم اپنے دشمن سے لڑتے کس طرح ہو؟“
سب لوگ خاموش رہے۔

ابو جابرؓ عبداللہ بن عمرو جنہوں نے تھوڑا ہی وقت پہلے اسلام قبول کیا تھا‘بولے:”خدا کی قسم!ہم جنگجو لوگ ہیں۔لڑائی ہماری گھٹی میں پڑی ہے۔یہ میراث ہمیں باپ دادا سے ملی ہے اور ہم اس کے خوب ماہر ہیں۔جنگ میں ہم سب سے پہلے دشمن پر تیر پھینکتے ہیں۔جب ہمارے پاس تیر ختم ہو جائیں تو ہم نیزوں سے لڑتے ہیں۔جب نیزے ٹوٹ جائیں تو ہم تلواریں نکال لیتے ہیں اور

دشمن کی طرف بڑھتے ہیں۔تلوار کی لڑائی اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک ہم میں سے یا ہمارے دشمنوں میں سے جس کی موت جلد آجائے'وہ مرجاتا ہے۔"

"تم واقعی فنِ جنگ کے ماہر ہو۔" حضرت عباسؓ نے سن کر کہا۔

براء بن معرور بولے:"آپ نے جو کچھ کہا ہم نے سن لیا'ہم تو رسولؐ اللہ کے ساتھ سچی وفاداری کرنا اور آپؐ پر اپنی جانیں فدا کر دینا چاہتے ہیں۔خدا کی قسم!اگر ہمارے دلوں میں کچھ اور ہوتا تو ہم صاف صاف کہہ دیتے۔"

حضرت عباسؓ نے کہا:"اب اگر تم لوگ سمجھتے ہو کہ تم اس عہد و پیمان کو پورا کرو گے جس کے ساتھ تم محمدؐ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے ہو اور ان کے مخالفین کے مقابلے میں ان کی حفاظت کرو گے تو جو ذمہ داری تم اپنے اوپر اٹھا رہے ہو اٹھا لو'لیکن اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ محمدؐ کے مکہ چھوڑ کر یثرب میں تمہارے ساتھ جا ملنے کے بعد تم پر ایسا بھی وقت آ سکتا ہے جب تم ان کا ساتھ چھوڑ کر انہیں دشمنوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے' تو یہی بہتر ہے کہ انہیں یہیں رہنے دو۔وہ اپنی قوم میں مضبوط حیثیت اور اپنے شہر میں محفوظ مقام رکھتے ہیں۔"

یثرب والوں نے کہا:"یا رسولؐ اللہ!ہم نے ان کی بات سن لی ہے۔اب آپؐ ارشاد فرمائیں اور اپنے لئے جس قسم کا بھی عہد ہم سے لینا چاہیں لے لیں۔"

رسولؐ اللہ نے قرآنِ کریم کی تلاوت سے خطاب کا آغاز فرمایا۔اللہ کی توحید اور اسلام کے بارے میں تقریر فرمائی اور کہا:"میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس آجاؤں تو تم میری اسی طرح حمایت اور حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔"

براءؓ بن معرور نے حضورؐ کا دستِ مبارک اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔"اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم آپؐ کی ہر اس چیز سے حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنی جان اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔آپؐ ہم سے بیعت لے لیجئے۔ہم جنگ آزمودہ لوگ ہیں اور یہ چیز ہمیں باپ دادا سے وراثت میں ملی ہے۔"

ابوالہیثمؓ نے ان کی بات کاٹی:"یا رسول اللہ!ہمارے کچھ دیگر لوگوں کے ساتھ حلیفانہ معاہدے ہیں جنہیں اب ہم ختم کرنے جا رہے ہیں۔اس کے بعد کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ جب اللہ تعالیٰ آپؐ کو غلبہ عطا کر دے گا تو آپؐ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس آجائیں گے؟"

دیگر لوگوں سے حلیفانہ معاہدوں سے ان کی مراد وہ معاہدے تھے جو انہوں نے یثرب کے یہودیوں

سے کر رکھے تھے۔وہ جانتے تھے کہ رسولؐ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے غیر مسلموں سے پہلے سے کیے معاہدوں پر قائم رہنا ممکن نہیں ہو گا۔

رسولؐ اللہ اس کی بات سن کر مسکرائے۔"نہیں، ایسا نہیں ہو گا بلکہ اس کے بعد تمہارا خون میرا خون ہو گا اور ہماری قبریں بھی ساتھ ساتھ ہوں گی، میں آپ کا ہوں گا اور آپ میرے ہوں گے۔ جس کے ساتھ تمہاری لڑائی ہو گی اس کے ساتھ میری بھی لڑائی ہو گی اور جس کسی سے تمہاری صلح ہو گی اس سے میری بھی صلح ہو گی۔"

یہ سن کر یثرب کے حاجی اٹھ کھڑے ہوئے اور رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کے لئے آگے بڑھے۔

حضرت اسعدؓ بن زرار نے آگے بڑھ کر آپؐ کا دستِ مبارک پکڑ لیا۔وہ یثرب کے حاجیوں میں حضرت جابرؓ کے سوا سب سے کم عمر تھے۔"اے اہلِ یثرب! ٹھہرو! جلدی نہ کرو۔ہم سب کا ایمان ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ہم نے ان کے لئے ہی یثرب سے مکہ تک کے سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔انہیں مکہ سے یثرب لے جانا سارے عرب کی دشمنی مول لینا ہے اور اپنے عزیزوں کو کشت و خون کے لئے پیش کرنا اور تلواروں کی زد میں آنا ہے۔اگر تم یہ سب کچھ برداشت کرنے کے لئے تیار ہو تو آپؐ کو اپنے ہمراہ لے چلو۔اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا،لیکن اگر تم کوئی خطرہ محسوس کرتے ہو تو آپؐ کو مکہ میں ہی رہنے دو۔ابھی صاف صاف کہہ دو کہ تم ایسا نہیں کر سکو گے۔معذرت کر لینا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔"

حضرت اسعدؓ کی بات سن کر سب بیک آواز بول پڑے:"اسعدؓ! درمیان سے ہٹ جاؤ،خدا کی قسم! ہم جس بات پر بیعت کر رہے ہیں،اس سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے اور نہ ہی کوئی ہمیں اس عہد سے الگ کر سکے گا۔"

حضرت عباسؓ بن عبادہ انصاری نے پوچھا:"خزرج کے لوگو!تم جانتے ہو کہ رسولؐ اللہ سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟"

"ہاں ہم جانتے ہیں۔" ہر طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔

عباسؓ بن عبادہ نے کہا:"تم گورے اور کالے سب سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو۔اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس بیعت کی وجہ سے کبھی تمہارے مال تباہی کے اور اشراف ہلاکت کے خطرے میں ہوئے تو تم رسولؐ اللہ کو دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو آپؐ کو مکہ ہی میں رہنے دو۔خدا کی قسم! اُس وقت تم نے ایسا کیا تو وہ تمہاری اِس دنیا میں بھی رسوائی ہو گی اور آخرت میں بھی،لیکن اگر

تم سمجھتے ہو کہ جس عہد کے ساتھ تم رسولؐ اللہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہے ہو‘ اپنے مال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے باوجود تم اپنا یہ عہد پورا کرو گے تو بے شک آپؐ کا ہاتھ تھام لو‘ خدا کی قسم!یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔“

سب نے کہا:”ہم رسولؐ اللہ کو اپنے ہاں لے جانے کے بدلے اپنے اموال کی تباہی اور اپنے اشراف کی ہلاکت کا خطرہ بھی لینے کے لئے تیار ہیں۔“

اس کے بعد رسولؐ اللہ نے ان سب سے ان باتوں پر بیعت لی۔

1- چستی اور سستی دونوں حالتوں میں بات سنو گے اور اس کے مطابق عمل کرو گے۔

2- تنگی اور خوشحالی ہر حالت میں اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو گے۔

3- دوسروں کو برائی سے روکو گے اور بھلائی کا حکم دو گے۔

4- دین کی تبلیغ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے۔

5- اور جب میں تمہارے پاس آجاؤں گا تو میری مدد کرو گے اور جس طرح اپنی جان اور اولاد کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری حفاظت کرو گے۔

آپؐ نے فرمایا:”اس کے اجر میں تمہیں جنت ملے گی۔“

ایک ایک آدمی آگے آتا گیا اور رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرتا رہا۔

خواتین نے زبانی بیعت کی۔

بیعت کرنے والوں میں سے گیارہ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا اور باقی کا قبیلہ خزرج سے۔

بارہ نقیب

رسولؐ اللہ کے چچا حضرت عباسؓ یثرب کے مسلمانوں کا جذبۂ ایمان و قربانی دیکھ رہے تھے۔وہ خاندان کے ایک ہمدرد بزرگ کی حیثیت میں رسولؐ اللہ کے ساتھ آئے تھے۔وہ تسلی کرنا چاہتے تھے کہ اگر کسی وقت رسولؐ اللہ نے اہلِ یثرب کی دعوت پر مکہ چھوڑ جانے کا فیصلہ کرلیا تو ایک نئے شہر اور معاشرے میں وہ اکیلے نہیں ہوں گے‘ ان کے لئے جانیں لڑانے والا کوئی گروہ وہاں موجود ہو گا۔انھوں نے یثرب کے مسلمانوں سے ہر قسم کی وضاحت اور ضمانت لے لی تھی اور یثرب کے مسلمانوں کے نمائندوں نے بھی انہیں اچھی طرح بتا دیا تھا کہ وہ جو دعوت دے رہے ہیں اور رسولؐ اللہ سے جو عہد کر رہے ہیں‘ اس کے نتائج کیا ہوں گے اور اس میں انہیں کس کس قسم کے خطرات پیش آسکتے ہیں‘ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

یثرب کے مسلمانوں نے اچھی طرح سب معاملات، خطرات اور نتائج سے آگاہ ہونے کے بعد حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔اس میں ان کا کوئی دنیاوی فائدہ نہیں تھا۔دنیاوی لحاظ سے خطرات ہی خطرات تھے۔اس کے باوجود انہوں نے اللہ اس کے دین اور رسولؐ کی خاطر ہر قسم کی مالی اور جانی قربانی دینے کا عہد کیا تھا۔

حضرت عباسؓ کے لئے یہ بیعت ایک انوکھا تجربہ تھا۔

رسولؐ اللہ کی دوربین نگاہیں ایک نیا منظر دیکھ رہی تھیں۔

مکہ سے دو سو میل دور ایک شہر ہے جس میں مختلف قبائل رہتے ہیں۔ان میں یہودی قبائل اور خاندان بھی ہیں۔عرب قبائل اور ان کے مختلف قبیلے ہیں۔ان کے آپس کے لڑائی جھگڑوں اور اختلافات کی لمبی تاریخ ہے۔اس معاشرے میں کچھ لوگ مسلمان ہیں۔اکثریت ابھی غیر مسلموں کی ہے۔ان مسلمانوں نے ایک بہت بڑا عہد کیا ہے۔جب یثرب والوں کو اس کا علم ہو گا تو وہ مسلمانوں میں اختلافات کو ہوا دینے کی سازش کریں گے۔آپؐ ان کے درمیان نہیں ہوں گے۔ اگر کسی بات پر مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا، کوئی تنازعہ پیدا ہو گیا تو اسے دور کون کرے گا؟ یثرب میں جو نیا معاشرہ جنم لے رہا ہے، اس کے مختلف اجزاء کو متحد کر کے اس کے استحکام اور اس میں نئے لوگوں کو شامل کرنے کی اجتماعی کوششیں کیسے کامیاب ہو سکتی ہیں؟

یثرب کے مسلمانوں اور معاشرے کی دینی، دنیاوی اور سیاسی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے حضورؐ نے فرمایا: "اپنے میں سے بارہ نقیب چن لو جو اپنی اپنی قوم (قبیلے) کا خیال رکھیں اور ان کے باہمی جھگڑے نپٹائیں۔"

حضورؐ کے حکم کی تعمیل میں یثرب کے مسلمانوں نے اپنے اپنے نقیبوں کا وہیں انتخاب کر لیا۔تین نقیب اوس قبیلہ کے لئے چنے گئے اور نو خزرج کے لئے۔یہ سب اپنے اپنے قبیلے کے معزز اور بااثر افراد تھے۔

قبیلہ اوس سے نقیب یہ تھے:

1- حضرت اسیدؓ بن حضیر (یہ یثرب میں کامل کے لقب سے جانے جاتے تھے)

2- حضرت سعدؓ بن خیثمہ

3- حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر

بعض روایتوں میں ان کی جگہ حضرت ابوالہیثمؓ کا نام آیا ہے۔

قبیلۂ خزرج کی مختلف شاخوں کے لئے چنے گئے نقیبوں کے نام یہ ہیں:

1- حضرت اسعدؓ بن زرارہ

2- حضرت سعدؓ بن الربیع (یہ اس وقت کے یثرب کے چند پڑھے لکھے آدمیوں میں سے تھے)

3- حضرت عبداللہؓ بن رواحہ (یہ بھی پڑھے لکھے تھے)

4- حضرت رافعؓ بن مالک (یہ کامل کے لقب سے مشہور تھے)

5- حضرت براءؓ بن معرور

6- حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

7- حضرت عبادہؓ بن صامت

8- حضرت سعدؓ بن عبادہ (یہ بھی کامل کے لقب سے مشہور تھے)

9- حضرت منذرؓ بن عمرو (یہ بھی پڑھے لکھے تھے)

یثرب والے نقیبوں کا انتخاب کر چکے تو رسولؐ اللہ نے ان میں سے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کو نقیبوں پر نقیب مقرر کر دیا۔

شیطان جاسوس کی پکار

فضاء میں ایک آواز گونجی: "اے منیٰ کے خیموں میں اترنے والو!کیا تم جانتے ہو؟ تمہیں محمدؐ اور اس کے بے دین ساتھیوں کے منصوبوں کا کچھ علم ہے؟ جو تم سے لڑائی کے لئے جمع ہیں۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "یہ اس گھاٹی پر متعین شیطان کی آواز ہے۔" پھر فرمایا: "اے اللہ کے دشمن! کان کھول کر سن لے۔اللہ کی قسم! میں عنقریب تجھ سے نپٹنے کے لئے فارغ ہو جاؤں گا۔"

حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نصنلہ نے کہا: "اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' آپؐ اجازت دیں تو ہم تلواریں سونت کر ان منیٰ کے خیموں والوں سے ابھی نپٹ لیتے ہیں۔ ہم انہیں ختم کر دیں گے۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "ہمیں اس کی اجازت نہیں۔آپ سب اپنے اپنے ڈیروں پر واپس چلے جائیں۔"

رسولؐ اللہ کے حکم کی تعمیل میں وہ سب اٹھے اور خاموشی سے اپنے اپنے ڈیرے پر واپس چلے گئے۔

ڈیروں میں ان کے قریب سوئے ان کے مشرک ساتھیوں کو کچھ بھی علم نہ ہوسکا۔

”ابی ہلاک ہو گیا“

غفلت کی نیند سونے والے مشرکینِ یثرب میں عبداللہ بن ابی بھی شامل تھا جو یثرب پر حاکمیت کے خواب دیکھا کرتا تھا اور جس کے سر کے لئے تاج بنانے کی خاطر ایک زرگر نے ناپ بھی لے رکھا تھا۔

وہ یثرب کے یہودیوں اور عربوں کو اپنی حاکمیت پر متفق کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔اس بیعت سے قریشِ مکہ کی مانند عبداللہ بن ابی کے منصوبے بھی ناکام ہو گئے۔

حضرت کعبؓ بن مالک نے عقبہ کی اس دوسری بیعت اور بارہ نقیبوں کے تقرر کے بارے میں ایک نظم کہی تھی، وہ کہتے ہیں:

”ابی کو آگاہ کر دو کہ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے\
اور شعب کی صبح وہ ہلاک ہو گیا ہے\
اور اس کی موت واقع ہونے والی ہے\
اللہ نے اس کی آرزو کی تکمیل کی خواہش پوری نہیں کی\
اللہ لوگوں کے معاملات کی گھات میں ہے\
وہ دیکھنے، سننے والا ہے\
ابوسفیان کو بتا دو کہ ہمارے سامنے احمدؐ کی بدولت\
اللہ کا درخشاں نور ظاہر ہو چکا ہے\
لو دیکھ لو کہ بیعتِ عقبہ توڑنے سے\
ہمارے گروہ نے بیعت کے وقت ہی انکار کر دیا تھا؟“

قریش کا شبہ

مخبر شیطان کی پکار سے قریشِ مکہ کے دلوں میں شبہ پیدا ہو گیا۔

رسولؐ اللہ کے ہاتھ پر یثرب کے جنگجو عربوں کی بیعت ان کے لئے پیغامِ اجل تھا۔

اگر رسولؐ اللہ یثرب میں ایک مرکز قائم کر لیتے ہیں، اوس اور خزرج ان کے لئے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔رسولؐ اللہ مکہ چھوڑ کر یثرب چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی دینی اور دنیاوی قیادت سنبھال لیتے ہیں۔

تو کیا ہو گا؟

وہ اس کے نتائج سے آگاہ تھے۔
صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک وفد بنایا اور اہلِ یثرب کے ڈیروں پر پہنچ گئے۔
یثرب کے مسلمان اور مشرک سب اکٹھے ہو گئے۔
مکہ کے قریش کے سرداروں کا استقبال عرب روایت تھی۔
”خزرج کے لوگو!ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ ہمارے اس صاحب کو ہمارے درمیان سے نکال کر اپنے ہاں لے جانا چاہتے ہیں اور اس کے ہاتھ پر تم نے ہم سے جنگ کرنے کی بیعت کی ہے۔عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس سے جنگ کرنا ہمیں اتنا زیادہ ناگوار ہو جتنا تم سے جنگ کرنا ہمیں ناگوار ہے۔“ قریش کے سرداروں نے یثرب کے عربوں سے کہا۔
خزرج کے مشرک رئیسوں نے اللہ کی قسمیں اٹھا کر کہا:”اللہ کی قسم!ایسی کوئی بات نہیں ہوئی نہ اس قسم کی کسی بیعت کے بارے میں ہمیں کچھ علم ہے۔“
ان کی تو نیند کے دوران یہ سب کچھ ہوا تھا واقعی انہیں کچھ بھی علم نہیں تھا۔
مجلس میں موجود مسلمان خاموش رہے۔ان سے تو کسی نے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔
وہ کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔
بات کا رخ موڑنے کے لئے حضرت کعبؓ بن ازدی نے رئیسِ قریش حارث بن ہشام کے شاندار نئے جوتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو جابرؓ سے کہا:”اے ابو جابر!آپ ہمارے رئیس لوگوں میں سے ہیں۔کیا آپ اس قریشی نوجوان جیسا جوتا پہننے کی استطاعت نہیں رکھتے؟“
حارث بن ہشام نے اپنا جوتا اتار کر حضرت کعبؓ کی طرف پھینک دیا:”خدا کی قسم!اب تم ہی یہ پہنو گے۔“
حضرت ابو جابرؓ نے کہا:”واللہ!تم نے اس قریشی نوجوان کو ناراض کردیا ہے‘ واپس کرو اس کا جوتا۔“
حضرت کعبؓ نے جواب دیا:”نہیں‘ میں یہ جوتا واپس نہیں کروں گا۔یہ نیک فال ہے۔“ پھر آہستہ سے کہا۔”اگر یہ فال درست نکلی تو میں اس کا لباس بھی سلب کر لوں گا۔“
قریش کے سردار اس مکالمہ میں دلچسپی لینے لگے۔
وہاں سے اٹھ کر وہ عبداللہ بن ابی کے خیمے پر گئے۔وہ خزرج کا سردار تھا۔اس کا ڈیرہ الگ تھا۔قریش کے سرداروں نے اس سے بھی پوچھا۔
اس نے جواب دیا:”یہ معاملہ بہت سنگین ہے‘ ایسے اہم معاملے میں میری قوم مجھے نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔میں یہاں ان کے درمیان موجود ہوں اگر میں یہاں نہ ہوتا یثرب میں بھی ہوتا تو بھی

وہ مجھ سے مشورہ کیے بغیر ایسا کوئی معاہدہ نہ کرتے۔میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں"۔
ان بیانات سے قریش کے سرداروں کی کچھ تسلی ہو گئی اور وہ واپس چلے گئے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ کی گرفتاری

یثرب والوں کا قافلہ روانہ ہو گیا،مگر قریشِ مکہ کی پریشانی دور نہیں ہوئی تھی۔وہ ٹوہ لگانے میں لگے رہے کہ رسولؐ اللہ سے یثرب والوں کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں اور اگر ہوئی تھی تو اس ملاقات میں انہوں نے کن باتوں پر رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔جب کسی ذریعے سے بیعت کی تصدیق ہو گئی،تو ان کا فوری ردِعمل وہی تھا،غصہ اور پریشانی،مگر اہلِ یثرب کا قافلہ تو دور نکل گیا تھا۔قریش نے تیز رفتار اونٹ سواروں کا ایک دستہ ترتیب دیا اور اسے کہا کہ بیعت کرنے والوں میں سے جو بھی قابو آجائے اسے پکڑ لاؤ (8) تاکہ اس سے معاہدے کے بارے میں ساری تفصیل معلوم کی جائے۔قریش کے سوار یثرب کے مسلمانوں کے قافلہ تک نہ پہنچ سکے۔

ان کے بارہ نقیبوں میں سے دو حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت منذرؓ بن عمرو کسی وجہ سے اپنے قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔قریش کے سواروں نے ان کا تعاقب کیا۔حضرت منذرؓ نے ان کے ارادہ کو بھانپ لیا اور نکل جانے میں کامیاب ہو گئے،مگر حضرت سعدؓ بن عبادہ ان کے قابو آ گئے۔قریش کے سواروں نے ان کے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے کجاوے کی رسّی سے باندھ دیئے اور مکہ لے آئے۔انہوں نے حضرت منذرؓ کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔انہیں خوف تھا کہ یثرب کے قافلہ والوں سے آمنا سامنا ہو گیا تو بات بڑھ جائے گی۔

وہ حضرت سعدؓ کی پٹائی کرتے رہے۔مکہ پہنچ کر قریش نے تفتیش شروع کر دی۔حضرت سعدؓ کے پٹے (بال) کافی لمبے تھے،وہ انہیں بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے رہے۔گھونسوں اور مُکّوں سے ان کی پٹائی کر رہے تھے۔

ابوالبختری نے دیکھا تو پوچھا:"قریشِ مکہ میں سے کسی کے ساتھ تمہارا عہد و پیمان اور پناہ کا سلسلہ ہے؟"

"کیوں نہیں، واللہ جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ تجارتی سفروں کے دوران جب یثرب آتے ہیں تو میں انہیں پناہ دیا کرتا ہوں اور انہیں کسی کی زیادتی اور ظلم سے بچایا کرتا ہوں"۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا۔

"تو پھر ان دونوں کے نام بلند آواز سے پکارو اور ان کے ساتھ اپنے تعلق کا اعلان کرو"۔ ابو

البختری نے مشورہ دیا۔
حضرت سعدؓ نے جبیر بن مطعم اور حارث بن امیہ کے نام بلند آواز میں پکارے۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ اس زیادتی اور ظلم سے نجات دلانا تم دونوں کا فرض ہے، کیونکہ میں اپنے ہاں کسی کو تم سے زیادتی نہیں کرنے دیتا۔
وہ دونوں اس وقت کعبہ میں تھے۔
ابوالبختری ان کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ قریش کے لوگ ایک یثربی کی پٹائی کر رہے ہیں اور وہ تمہارا نام پکار رہا ہے۔
"اس کا نام کیا ہے؟" انہوں نے پوچھا۔
"سعدؓ بن عبادہ" ابوالبختری نے بتایا۔
"وہ ٹھیک پکار رہا ہے، واللہ! وہ یثرب میں ہمارے تاجروں کو پناہ دیتا ہے اور انہیں ہر کسی کی زیادتی اور ظلم سے بچاتا ہے" انہوں نے کہا اور اسی وقت اٹھ کر اس طرف چل دیئے۔
انہوں نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو قریشیوں کی گرفت سے رہا کرا دیا۔
وہ اپنی منزل کو روانہ ہو گئے۔
دوسری طرف جب حضرت منذرؓ بن عمرو نے قافلہ تک پہنچ کر مسلمانوں کو بتایا کہ قریش کے سوار حضرت سعدؓ بن عبادہ کو پکڑ کر مکہ لے گئے ہیں تو انہوں نے سفر منقطع کر دیا اور حضرت سعدؓ کی رہائی کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تیاریاں کرنے لگے۔
ابھی وہ تیاریاں ہی کر رہے تھے کہ حضرت سعدؓ ان سے جا ملے۔

شوقِ شہادت

رسولؐ اللہ کے مقرر کردہ ان بارہ نقیبوں میں سے سات نے بعد میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پائی۔
حضرت براءؓ بن معرور رسولؐ اللہ کے یثرب تشریف لے جانے سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔
انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے ترکہ میں سے ایک تہائی رسولؐ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ رسولؐ اللہ یثرب تشریف لائے تو براءؓ کے بیٹوں نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اس کے ترکہ کا ایک تہائی آپؐ کو پیش کر دیا، مگر آپؐ نے یہ ترکہ انہیں واپس کر دیا۔
حضرت ابو امامہؓ اسعد بن زرارہ بھی اسلام کی پہلی لڑائی جنگِ بدر سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔

اس طرح جب جہاد کی اجازت ملی تو دس نقیب بقیدِ حیات تھے۔
ان دس میں سے سات نے جنگِ بدر میں شرکت کی۔
ان میں سے ایک سعدؓ بن خیثمہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔
جن بہتر مردوں نے رسولؐ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی' ان میں سے ستر ہ نے مختلف لڑائیوں میں شہادت پائی۔
اور سینتالیس (47) نے جنگِ بدر میں شرکت کی۔
جن دو خواتین نے بیعت کی تھی' ان میں سے ایک امِ عمارہؓ نسیبہ بنت کعب بن عمرو تھیں۔وہ اپنے خاوند زیدؓ بن عاصم' دو بیٹوں عبداللہ اور خبیب اور ہمشیرہ کے ہمراہ جنگِ اُحد میں شریک ہوئیں۔وہ جنگِ یمامہ میں بھی شریک ہوئیں۔اس جنگ میں ان کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا اور انہیں بارہ زخم آئے۔
ان کا بیٹا خبیب مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں گرفتار ہوا تو اس نے پوچھا:"کیا تو محمدؐ کو اللہ کا رسول مانتا ہے؟"
"جی ہاں' مانتا ہوں۔" حضرت خبیب نے جواب دیا۔
"کیا تو میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہے؟" مسیلمہ کذاب نے پوچھا۔
حضرت خبیبؓ نے جواب دیا:"یہ تو میں سن بھی نہیں سکتا۔"
مسیلمہ کذاب نے ان کے جسم کا ایک ایک جزو کاٹ دیا۔
لیکن وہ جب بھی پوچھتا حضرت خبیبؓ وہی جواب دیتے:"یہ تو میں سن بھی نہیں سکتا۔"
اس طرح انہوں نے مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا
بیعت کرنے والی دوسری خاتون کا نام صنیع اسماءؓ بنت عمرو بن عدی تھا۔
حضرت ذکوانؓ بن عبد قیس' حضرت عباسؓ بن عبادہ اور حضرت عقبہ بن وہب یثرب سے مکہ واپس آ گئے اور رسولؐ اللہ کی صحبت میں رہنے لگے۔جب آپؐ نے مکہ کے مسلمانوں کو یثرب ہجرت کر جانے کو کہا تو وہ بھی ہجرت کر کے یثرب چلے گئے۔
اس طرح وہ تینوں انصاری مہاجر کہلائے۔

منات کی رسوائی

عمرو بن جموح خزرج کی ایک شاخ بنی سلمہ کا سردار تھا۔ایک صبح وہ نیند سے بیدار ہوا تو

اس کا بت منات غائب تھا۔یثرب کے مشرک شرفاء اپنے اپنے گھروں میں بھی بت رکھتے تھے اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔عمرو بن جموح بہت پریشان ہوا۔

"تم ہلاک ہو جاؤ ہمارے خدا کو کون چرا لے گیا؟"اس نے غصے میں گھر والوں سے پوچھا۔

مگر ان میں سے تو کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔

وہ تلاش کرنے نکلا تو منات گندگی کے ایک ڈھیر پر اوندھا پڑا تھا۔

عمرو اسے اٹھا کر گھر لایا۔دھو کر صاف کیا خوشبو لگا کر اونچی جگہ پر رکھا۔"خدا کی قسم!اگر مجھے پتہ چل جائے کہ یہ کس کی حرکت ہے تو میں اسے رسوا کُن سزا دوں گا۔" اس نے منات سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

اگلی صبح بھی اس کا منات غائب تھا۔عمرو کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔اس روز بھی اس کا خدا گندگی کے ڈھیر پر پڑا تھا۔وہ پھر اسے اٹھا کر لایا۔نہلایا اور خوشبو لگا کر بلند جگہ پر رکھ دیا۔

وہ ہر رات سوتے وقت منات کو چھپا کر حفاظت سے رکھتا مگر صبح اٹھتا تو غائب پاتا۔

کئی روز تک ایسے ہی ہوتا رہا۔

ایک رات سونے سے پہلے اس نے ایک تیز دھار والی تلوار منات کے گلے میں لٹکا دی۔"خدا کی قسم!مجھے نہیں معلوم تیرے ساتھ یہ زیادتی کون کرتا ہے۔یہ تلوار لے اور کر سکتا ہے تو اپنی حفاظت خود کر۔جو کوئی بھی یہ حرکت کرتا ہے، تلوار سے اس ٹکڑے کر دے۔"

صبح بیدار ہوا تو تلوار وہیں پڑی تھی اور منات غائب تھا۔وہ اسے تلاش کرنے نکلا تو منات بنی سلمہ کے محلّے کے گندگی سے بھرے ایک گڑھے میں پڑے مُردہ کتے کے گلے میں بندھا پڑا تھا۔وہ سوچنے لگا یہ بت اپنی حفاظت کیوں نہیں کر سکا۔اس نے اپنے دشمن کے ٹکڑے کیوں نہیں کر دیئے؟

اس کے قبیلے کے جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، وہ ان سے سن چکا تھا کہ یہ پتھر اور لکڑی کے بت نہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔کیا یہ مسلمان سچ ہی تو نہیں کہتے؟ وہ سوچنے لگا۔

اس کے قبیلے کے مسلمانوں نے اس کو پریشان دیکھا تو اسے سمجھایا کہ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

پہلے وہ ان کی بات پر غور نہیں کیا کرتا تھا۔اپنے جھوٹے خدا کی بے بسی اور بے کسی کے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کے بعد اسے یقین آ گیا کہ اب تک وہ جس دین پر قائم تھا، وہ جھوٹ اور فریب تھا۔

اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔اس نے اس واقعہ اور تبدیلی کے بارے میں اشعار کہے:

"واللہ!اگر تو خدا ہوتا تو کنویں میں کتے کے ساتھ نہ پڑا ہوتا"

افسوس کہ تو مخدوم اور خدا ہوتے ہوئے بھی گرا پڑا ہے
اب ہمیں تیرے متعلق بدترین فریب کی اصل معلوم ہو گئی ہے
سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو بلند مرتبہ' احسانات والا'
رزق دینے والا' اعمال و خصائل کی جزا دینے والا ہے'
وہی ذات ہے جس نے مجھے قبر کی تاریکی میں بند ہونے سے قبل راہِ نجات عطاء کی ہے۔"

اس کا بیٹا معاذؓ عقبہ میں اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھا۔وہ اپنے باپ کو اس کے آبائی دین کا جھوٹ اور فریب سمجھانے کے لئے بنی سلمہ کے ایک اور مسلمان نوجوان معاذؓ بن جبل کے ساتھ مل کر اس کا بت راتوں کو چرا لیتا تھا اور گندگی کے ڈھیر پر پھینک آتا تھا۔

یثرب کے بُت شکن

مکہ سے واپس آکر یثرب کے مسلمان بڑے جوش و جذبہ سے دعوتِ اسلام میں لگ گئے تھے۔وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرتے' قرآن سناتے اور بت پرستی چھوڑ کر توحید پرست بن جانے کی دعوت دیتے۔

وہ بت پرستی کے خلاف صرف تبلیغ ہی نہیں کرتے تھے' عملاً بت شکنی کا فریضہ بھی انجام دینے لگے تھے۔

حضرت ابو عبسؓ اور حضرت ابو بردہؓ نے بنی حارثہ کے سارے بت توڑ دیئے۔

حضرت عمارہؓ بن حزم' حضرت اسعدؓ بن زرارہ' حضرت عوفؓ بن عفراء' حضرت سلیطؓ بن قیس اور ابو صرمہؓ نے بنی نجار کے بتوں کا صفایا کر دیا۔

حضرت زیادؓ بن لبید اور فروہؓ بن عمرو نے بنی بیاضہ کے بت توڑے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ' حضرت منذرؓ بن عمرو اور حضرت ابودؓجانہ نے بنی ساعدہ کے بت توڑے۔

حضرت معاذؓ بن جبل' حضرت ثعلبہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن انیس کے حصہ میں بنی سلمہ کے بت توڑنے کی سعادت آئی۔

مسلمانوں کے جذبۂ ایمانی اور قربانی کے سامنے نہ بت ٹھہر سکتے تھے' نہ بت پرست کوئی مزاحمت کر سکتے تھے۔یثرب کی زمین توحید اور اسلام کے لئے پہلے ہی تیار ہو چکی تھی۔جب ہر گھر اور گھر گھر میں تبلیغ کرنیوالے پیدا ہو گئے' حق سمجھانے اور باطل مٹانے والے آ گئے تو تھوڑے ہی عرصہ میں اس شہر اور معاشرہ میں توحید غالب آنے لگی۔

حواشی/ حوالہ جات

1- یمن میں سدِمارب کے ٹوٹنے کے بعد قومِ سبا کا ایک شخص عمرو بن عامر شمالی عرب کی طرف نکل آیا تھا۔اس کے بیٹے ثعلبہ کی اولاد سے ایک شخص حارث کے دو بیٹے تھے۔اوس اور خزرج دونوں قبیلے ان کی اولاد تھے۔صدیوں تک یہودیوں نے ان قبائل کو یثرب شہر اور اس کے شاداب علاقوں کے قریب نہیں آنے دیا تھا،لیکن پھر انہوں نے غسانیوں سے مدد طلب کی اور یہودیوں کو شکست دے کر شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔اس کے بعد سے یہودی اور اوس اور خزرج یثرب میں رہتے آئے تھے۔ رسولؐ اللہ کی ہجرت کے وقت اس لڑائی کو پونے دو سو سال ہوئے تھے۔

2- بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ خزرج کی جماعت کے اسلام قبول کر لینے کے بعد حضورؐ نے ان سے فرمایا:"کیا تم میری پشت پناہی کرو گے تاکہ میں لوگوں تک اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں"۔ جس کے جواب میں انہوں نے عرض کیا کہ جنگِ بعاث کی وجہ سے ہماری قوم میں تفریق ہے۔اس لئے اگر آپؐ یثرب تشریف لے گئے تو وہ آپ پر جمع نہیں ہو سکے گی۔فی الحال ہمیں واپس جانے دیں تاکہ ہم انہیں متحد کرنے کی کوشش کریں۔ رسولؐ اللہ کے اس سوال سے کہ "تم وہ خزرج ہو جو یہود کے دوست ہیں"؟ صاف ظاہر ہے کہ آپؐ یثرب کے قبائلی جھگڑوں اور گروہ بندیوں سے واقف تھے۔پھر جنگِ بعاث اتنی بڑی لڑائی تھی کہ عرب کے سارے قبائل اس کی بربادیوں سے واقف تھے۔ان حالات میں یثرب کے صرف ایک قبیلہ کے افراد سے اور وہ بھی صرف چھ افراد سے حضورؐ کا پشت پناہی کے لئے کہنا اور یثرب جانے کا ارادہ ظاہر کرنا جیساکہ ان کے جواب سے ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، کسی طرح بھی ممکن نہیں تھا۔خزرج کے چھ مسلمانوں کے جواب سے جو اصل بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے انہیں باہمی اختلافات اور تنازعات ختم کر کے اسلام کے جھنڈے کے نیچے متحد ہو جانے کی دعوت دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو "آپؐ سے زیادہ عزت والا (طاقتور) کوئی نہیں ہو گا۔"

3- بعض روایتوں میں یثرب کی اسلام قبول کرنے والی اس جماعت کے افراد کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے اور جابر بن عبداللہ بن راب کی جگہ حضرت عبادہؓ بن صامت کا نام لکھا ہے، لیکن اہلِ علم کی اکثریت نے اور حافظ ابنِ حجر نے ابن اسحاق کے اسی بیان کو مقدم رکھا ہے جو ہم نے درج کیا ہے۔

4- ڈاکٹر سید محمد لقمان اعظمی ندوی / عہدِ نبوی کا مدنی معاشرہ قرآن کی روشنی میں / البدر پبلی کیشنز لاہور 1996 / صفحہ 54

5- کونسٹن ورجیل جورجیو / سیارہ ڈائجسٹ/عکسِ سیرتؐ نمبر فروری 1993ء / صفحہ 194

6- صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے موقع پر خواتین کی جس بیعت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سورہ ممتحنہ کی بارھویں آیت ہے۔سورہ ممتحنہ مدنی ہے صلح حدیبیہ 6ھ کا واقعہ ہے۔اس لحاظ سے بیعتِ عقبہ اولیٰ کے تقریباً سات سال بعد کے واقعہ کےحوالے سے ایک اہم اور تاریخی واقعہ کا نام کیسے رکھا جاسکتا ہے؟ کسی مفسر اور مؤرخ نے اس کی وضاحت نہیں کی۔پھر سورہ ممتحنہ کی بارھویں آیت میں بیعتِ عقبہ اولیٰ کا اہم ترین حصہ حکومت کے بارے میں اختلاف نہ کرنا اور حق نہ جتانا بھی شامل نہیں۔بیعت کے صرف ایک حصہ کی مماثلت کی وجہ سے سات سال پہلے کے واقعہ کا سات سال بعد کے واقعہ کے حوالے سے نام رکھنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

7- حضرت مصعبؓ بن عمیر کو سفیر بنانے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ یثرب واپس جاکر مسلمانوں نے حضورؐ سے درخواست کی تھی کہ کوئی مبلّغ بھیجا جائے۔ایک اور روایت ہے کہ ایک دو رکنی وفد آپؐ کے پاس آیا تھا اور ان کی درخواست پر حضورؐ نے انہیں یثرب بھیجا تھا۔

8- بعض مفسرین اور سیرت نگاروں کی تحریروں سے تاثر ملتا ہے کہ قریش مکہ نے سارے یثرب والوں یا سارے بیعت کرنے والوں کو پکڑ کر مکہ واپس لانے کے لئے سوار روانہ کئے تھے مگر عملاً ایسا ممکن نہیں تھا۔یثرب کے مسلمان اور مشرک حاجیوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق پانچ صد تھی۔ایک دستہ ان سب کو پکڑ کر واپس نہیں لا سکتا تھا۔ویسے بھی سب کو پکڑنے اور مکہ لانے کی کوشش خزرج اور اوس دونوں قبیلوں کے خلاف اعلانِ جنگ ہوتا۔یثرب کے محلِ وقوع اور ان دونوں قبیلوں کی اہمیت کے پیشِ نظر قریش ایسی غلطی نہیں کرسکتے تھے'اس لئے یہی ممکن دکھائی دیتا ہے کہ انہوں نے دستہ اس لئے بھیجا ہو کہ بیعت کرنے والوں میں سے جتنے مل جائیں انہیں پکڑ لاؤ تاکہ ان سے ساری تفصیل معلوم کی جائے۔اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ لگ جانے کے بعد قریش کے سواروں نے حضرت منذرؓ کا تعاقب نہیں کیا تھا تاکہ سارے قافلہ والوں سے سامنا نہ ہو جائے۔

امن کے گھر کی طرف

جزیرۃ العرب کی تاریخ میں اس قسم کے معاہدے کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی۔

ایسا تو ہوتا تھا کہ کوئی ایک آدمی کسی دوسرے خاندان یا قبیلے سے حقِ جوار قائم کر لے یا دو قبیلے آپس میں ایسا معاہدہ کر لیں، مگر ایسے حقِ جوار میں ایسے افراد اور قبیلوں کا اپنے اصل خاندان اور قبیلے سے تعلق اسی طرح قائم رہتا تھا جس طرح حقِ جوار سے پہلے ہوتا تھا۔اگر کسی قبیلے میں رہنے والا دوسرے قبیلے کا کوئی فرد کسی قبیلے سے حقِ جوار حاصل کرتا تھا تو وہ اس کے اتحادی کی حیثیت میں اس کے رسم و رواج اور روایات کا پابند ہوتا تھا اور عملاً اس خاندان اور قبیلے کی بالادستی تسلیم کرتا تھا۔اس خاندان یا قبیلے کے سردار کو اپنا سردار مانتا تھا اور اس سردار کے فیصلوں کی پابندی اس پر لازم ہوتی تھی۔

مگر اس بیعت میں عرب کے دو طاقتور اور بلند مرتبہ قبائل کے منتخب سرداروں اور نمائندوں نے ایک فردِ واحد سے خود پیشکش کر کے ایک معاہدہ کیا تھا اور اسے دنیاوی اور دینی ہر قسم کے امور میں اپنا رہنما اور امام تسلیم کر لیا تھا۔اس کے حکم پر مالی اور جانی ہر قسم کی قربانی دینے کا عہد کیا تھا اور یہ عہد وقتی نہیں تھا، ہمیشہ کے لئے تھا۔اس میں ایسی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کہ کوئی فریق کسی وقت یہ معاہدہ ختم کر دے جیسا کہ حقِ جوار کے معاہدوں میں ہوتا تھا۔

یہ معاہدہ کرنے والے اپنے خاندانی، قبائلی، سماجی، سیاسی اور تاریخی سارے رشتوں ناطوں اور تعلقات و تعصبات سے دست بردار ہو گئے تھے۔

جزیرۃ العرب میں پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔عرب کے شہری، قبائلی اور بدوی معاشرے کی تو بنیاد ہی خون اور خاندان کے رشتوں پر تھی۔خون کا رشتہ ہی سب سے مقدس رشتہ تھا۔ان رشتوں کو

ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کا وہاں پر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔
ان رشتوں کا ختم کر دینا اپنے آبائی بتوں سے لاتعلقی کے اعلان سے بھی بڑا جرم اور گناہ سمجھا جاتا تھا۔

اس معاہدے کا ایک اور پہلو بھی تھا۔
جزیرۃ العرب کے سارے قبائل دو نسلی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔
ایک بنی عدنان تھے اور دوسرے بنی قحطان۔
ان دونوں نسلی گروپوں میں ہمیشہ سے نسلی تعصب اور فخر و مباہات کا مقابلہ چلا آتا تھا۔دونوں اپنے کو دوسرے سے برتر سمجھتے تھے۔اس معاہدے کے ذریعے بنی قحطان نے بنی عدنان کے ایک شخص کو اپنا حاکم اور امام تسلیم کر لیا تھا اور اس کے حکم پر تن من دھن قربان کرنے کا عہد کیا تھا۔
یہ معاہدہ عرب تاریخ معاشرے اور روایات کے خلاف ایک اور "بغاوت" تھی۔
قریشِ مکہ کے لئے یہ "بغاوت" ناقابلِ برداشت تھی۔
پہلے انہیں شکوہ تھا
کہ رسولؐ اللہ ان کے بتوں کی توہین کرتے ہیں۔
ان کے آباواجداد کے دین کو باطل قرار دیتے ہیں۔
ان کی عقلوں کی توہین کرتے ہیں۔
آپؐ کی دعوت سے ان کے خاندانوں میں تفریق پیدا ہو گئی ہے۔
ان کے اتحاد کو نقصان پہنچا ہے۔
باہر سے آنے والے لوگوں کے سامنے وہ آپؐ کے خلاف جو سب سے بڑی دلیل دیتے تھے، یہی تھی کہ "محمدؐ کے جادو سے خاندانوں میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔"
قریش کے اسی پرچار کی وجہ سے عرب قبائل آپؐ کی دعوت پر توجہ نہیں دیتے تھے۔
قریش کا دینی اور دنیاوی مرتبہ سارے جزیرۃالعرب میں مُسلّم تھا۔
ان کے خوف سے کوئی قبیلہ دل سے چاہتے ہوئے بھی رسولؐ اللہ سے کوئی معاہدہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔
اس لئے یہ معاہدہ قریش کے اس دینی اور دنیاوی مقام و مرتبہ کے لئے بہت بڑا چیلنج تھا۔
یثرب کے اوس اور خزرج نے اس معاہدے کے ذریعے اعلانیہ قریشِ مکہ کی تاریخی برتری کو مسترد کر دیا تھا۔

اور رسولؐ اللہ سے قریش کے ظلم اور جبر کے خلاف جنگی معاہدہ کر لیا تھا۔
اس سے قریشِ مکہ کی تیرہ سال کی کوششیں، دعوتِ اسلام کے خلاف ان کے سارے دلائل اور صدیوں کی تاریخ باطل ہو گئی تھی۔
ان کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا۔
جس دعوت کو انہوں نے مکہ کی حدود تک محدود رکھنے کی بھرپور کوششیں کی تھیں، وہ یثرب تک پہنچ گئی تھی۔وہ جانتے تھے کہ اب اسے دیگر علاقوں تک پھیلنے سے روکنا ان کے بس میں نہیں رہے گا۔
انہیں اپنی شکست کا احساس ہونے لگا تھا۔
مگر وہ آسانی سے شکست قبول کرنے والے نہیں تھے۔
اس میں انہیں اپنی موت دکھائی دے رہی تھی۔
مگر اب کریں کیا؟
اللہ تعالٰی کی حکمت کے سامنے ان کی ساری چالیں ناکام ہو گئی تھیں۔
ایک بار پھر انہوں نے مکہ کے مسلمانوں کے خلاف ظلم کی مہم تیز کر دی۔
اس میں کسی رشتے اور قرابت کا بھی خیال نہ کیا۔
رسولؐ اللہ ان کی چالوں سے آگاہ تھے۔ان کی منصوبہ بندی مکمل ہونے سے پہلے ہی آپؐ نے مسلمانوں کو یثرب ہجرت کر جانے کا حکم دے دیا۔
آپؐ مسلمانوں کو قریش کے ظلم سے بچانا چاہتے تھے۔
اپنی قوت محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔
قریش کی چالوں کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔
آپؐ نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر بار مہیا کر دیئے ہیں جہاں تم امن و سکون سے رہ سکتے ہو۔"
آپؐ کے حکم سے ظاہر ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کو "امن" اور "سکون" میسر نہیں تھے۔
مگر دنیا میں کسی انسان کے لئے سب سے مشکل کام
اپنا گھر، اپنا شہر، اپنا قبیلہ اور اپنا وطن چھوڑ دینا ہے۔
جس جگہ انسان پیدا ہوتا ہے، اس کی مٹی اور ماحول سے اس کا جذباتی تعلق ہوتا ہے۔اس بستی کے در و دیوار، گلیاں، بازار، اسے پیارے لگتے ہیں۔انہیں کچھ عرصہ کے لئے تو وہ چھوڑ سکتا ہے، مگر ہمیشہ

کے لئے سب کچھ چھوڑ کر چلے جانا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

پھر ایسی جگہ جانا جہاں کوئی تعلق دار اور رشتہ دار بھی نہ ہو' جہاں کوئی اپنا روزگار کا وسیلہ بھی نہ ہو' یہ بھی معلوم نہ ہو کہ وہاں سر چھپانے کو جگہ ملے گی یا نہیں۔

کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یثرب میں اس کا کیا انجام ہوگا۔

مکہ میں ان کے اپنے کاروبار تھے' اپنے گھر تھے' اپنے خون کے رشتے والے تھے' قبیلے والے تھے۔

ان سب سے تعلق ختم کر لینا اور ہمیشہ کے لئے تعلق ختم کر دینا'

بہت ہی مشکل مرحلہ تھا۔

اس ملک میں' اس معاشرے میں' جہاں افراد کی ساری شناخت اور بقاء کا دارومدار ہی قبیلے اور اس سے تعلق پر ہو'

وہاں کبھی کسی انسان نے ایسا کیا ہی نہیں تھا۔

کوئی انسان کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

جزیرۃ العرب میں اس وقت کوئی حاکم نہیں تھا۔کوئی محکمہ پولیس نہیں تھا۔کوئی عدالت نہیں تھی۔

کسی فرد کا حاکم' پولیس اور انصاف لے کر دینے والا سب کچھ اس کا اپنا قبیلہ ہوتا تھا۔اس کے جسم' جان' عزت آبرو' مال و اسباب' سب کا تحفظ کرنے والا بھی اس کا اپنا قبیلہ ہی ہوتا تھا۔

جس فرد کا کوئی قبیلہ نہ ہو یا جسے اس کا قبیلہ کسی وجہ سے اپنے سے نکال دے' اسے جو چاہے قتل کر دے' پکڑ کر غلام بنالے' یا غلامی میں بیچ دے' کوئی روکنے ٹوکنے اور پوچھنے والا نہیں ہوتا تھا۔

یہ سارے رشتے ہمیشہ کے لئے ختم کر کے ایک اجنبی شہر اور معاشرے کی طرف ہجرت کرنا بہت بڑا Risk تھا۔

لیکن جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے رشتہ قائم کر رکھا تھا' وہ رسولؐ اللہ کا حکم ملتے ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ یثرب کی طرف جانے لگے۔

آباد دل' ویران گھر

ایک روز قریش کے تین سردار عتبہ بن ربیعہ' عباس بن عبدالمطلب اور ابوجہل بن ہشام مکہ کے بالائی حصہ میں کہیں جا رہے تھے۔بنی جحش کے محلے سے گزرے تو ان کے سب مکان ویران پڑے تھے۔دروازے کھلے تھے۔ہوا چلتی تو کواڑ ایک دوسرے سے ٹکراتے۔عتبہ بن ربیعہ نے اس ویرانی کو دیکھ کر سرد آہ بھری اور ابوداؤد ایادی کے قصیدے کے یہ شعر پڑھے :

"کوئی گھر خواہ کتنا ہی عرصہ شاد و آباد رہے
آخر تباہی اور بربادی ہی اس کا مقدر ہوتی ہے
ہر آدمی موت کے ہاتھ میں گرفتار ہے
گویا وہ ایک ہدف ہے جو موت کے لئے نصب کیا گیا ہے"

پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "دیکھو' بنی جحش کے سارے گھر کیسے ویران پڑے ہیں"۔

"تو ایسے بے وقار لوگوں کے لئے کیوں رو رہا ہے"۔ ابوجہل نے عتبہ سے کہا۔

پھر وہ عباسؓ بن عبدالمطلب سے مخاطب ہوا: "یہ سب تیرے بھتیجے کا کیا دھرا ہے' جس نے ہماری قوم میں انتشار پیدا کر دیا' اس کے اتحاد کو نقصان پہنچایا اور قطع رحمی کی ترغیب دی"۔

عبد بن جحش نے جن کی کنیت ابو احمد تھی' اپنے قبیلہ بنی غنم کے قبولِ اسلام اور مکہ میں اپنے آباد گھر چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کر جانے کے بارے میں ایک طویل قصیدہ لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"اگر ام احمد صفا اور مروہ کے درمیان قسم اٹھاتی'
تو اس کی قسم پوری ہو جاتی تھی'
ہم ہی وہاں کے باسی تھے اور مکہ میں ہی رہے'
یہاں تک کہ موٹی تازی چیز لاغر اور کمزور ہو گئی'
غنم بن دودان نے اسی مقام پر اپنے خیمے لگائے اور گھر بنائے تھے'
کیا ہوا جو اب بنی غنم یہ گھر خالی کر گئے ہیں'
وہ تو ایک ایک دو دو کر کے اللہ کی طرف گئے ہیں'
اور اللہ کے رسولؐ کا سچا دین ان کا دین ہے۔

جب ام احمد نے مجھے اس ذاتِ واحد کی پناہ اور امان میں
جانے کے لئے تیار دیکھا جس ذات سے میں اسے دیکھے بغیر ڈرتا ہوں
تو اس نے کہا: "اگر تم نے یہ شہر چھوڑ دینے کا عزم کر لیا ہے
تو یثرب نہ جانا اور جہاں چاہو لے چلو"۔

میں نے کہا: "آج ہماری منزل یثرب نہیں

میری منزل تو رحمٰن کا حکم ہے، بندہ جس کا پابند ہے،
میرا قصد تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہے،
اور آج جو کوئی اللہ کی طرف قصد کرے گا اسے کبھی مایوسی نہیں ہوگی،
اور ہم نے بہت سے مخلص اور خیر خواہ دوستوں کو روتے ہوئے،
اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔
ان کا خیال تھا کہ ظلم اور تشدد ہم سے دور ہیں (اس لئے ہمیں ہجرت نہیں کرنا چاہیے)
مگر ہم نے تو اللہ کی نعمتوں کی امید پر اپنے گھر چھوڑے ہیں۔

میں نے بنی غنم کو حق کی طرف آنے،
اور فتنہ و فساد سے بچنے کا مشورہ دیا،
کیونکہ اصلی راستہ صاف سامنے کھلا تھا،
جب داعی نے انہیں حق اور کامیابی کی طرف بلایا،
تو بحمد اللہ سب نے دعوت کو قبول کر لیا،
ہم اور ہمارے وہ ساتھی جو حق سے بھٹک گئے،
اور جنہوں نے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ ہمارے مخالفوں کی مدد کی تھی،
دو الگ الگ جماعتیں ہیں،
ایک جماعت وہ ہے جو ہدایت یافتہ ہے،
جسے حق قبول کرنے کی توفیق عطاء کی گئی ہے
اور دوسری جماعت وہ ہے جو عذاب میں مبتلا ہے۔

ایک جماعت نے سرکشی کی، جھوٹی امیدوں کا سہارا لیا،
اس جماعت کو شیطان نے حق سے پھسلا دیا،
اس جماعت کے لوگ مایوس اور پریشان حال ہیں،
ہم نے محمدؐ رسول اللہ کے قول کو پسند کیا،
جو لوگ حق کے دوست ہیں وہ ہم سے خوش ہوئے،

اور ہمیں خوش و خرم کر دیا‘
ہم ان (قریش) کے قریب ترین رشتہ دار ہیں‘
لیکن جب خلوصِ تعلق نہ ہو تو کوئی رشتہ‘ رشتہ نہیں رہتا‘
ہمارے بعد کونسا بھانجا تم (مکہ والوں) سے محفوظ رہے گا‘
مجھ جیسے داماد کے بعد تمہیں اور کیسے داماد کی ضرورت ہے؟
ایک دن تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے حق پر کون ہے‘
اور وہ دن وہ ہو گا جب دونوں گروہ الگ الگ کر دیئے جائیں گے‘
اور اللہ لوگوں کے معاملات تہ و بالا کر دے گا۔“

ابو احمدؓ رسولؐ اللہ کی پھوپھی امیمہ کے بیٹے تھے اور ان کی بیوی ابوسفیان کی بیٹی تھی۔اس طرح وہ قریش کے داماد بھی تھے اور بھانجے بھی۔وہ نابینا ہو گئے تھے‘اس کے باوجود وہ مکہ کی گھاٹیوں میں آزادانہ گھوما کرتے تھے۔ان کے ساتھ مکہ چھوڑ کر یثرب ہجرت کر جانے والوں میں ان کے بھائی عبداللہ بن جحش‘ ان کی بہنیں حضرت زینبؓ جو بعد میں ام المومنین بنیں‘ حمنہؓ بنت جحش جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کی بیوی تھیں اور اُم حبیبؓ بنت جحش جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بیوی تھیں‘ سب شامل تھے۔ان کے اپنے خاندان کے عزیز و اقارب کے علاوہ بنی اسد بن خزیمہ کی عورتیں‘ مرد اور بچے بھی ان کے قافلہ ہجرت میں شامل تھے۔اس قافلہ افراد کی تعداد تیس تھی۔

رسولؐ اللہ کے ہجرت کا حکم دینے کے بعد سب سے پہلے حضرت عامرؓ بن ربیعہ نے ہجرت کی تھی۔ان کے ہمراہ ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت خیثمہ بھی تھیں۔اس طرح وہ پہلے مہاجر تھے۔ان کے بعد آلِ جحش کا قافلہ ہجرت پر روانہ ہوا۔امام بخاری نے حضرت مصعبؓ بن عمیراور حضرت ابن ام مکتوم کو پہلے مہاجر بتایا ہے۔وہ دونوں یثرب والوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے۔

ام سلمہؓ کے مصائب

رسولؐ اللہ کی پھوپھی برہ کے فرزند حضرت ابو سلمہؓ ہجرت کے حکم سے بھی ایک سال پہلے مکہ چھوڑ کر یثرب چلے گئے تھے۔وہ مہاجرینِ حبشہ میں بھی شامل تھے‘مگر کچھ عرصہ بعد حبشہ سے واپس مکہ آ گئے تھے اور ان کے ماموں ابو طالب نے انہیں اپنی پناہ میں لے لیا تھا‘لیکن ابو طالب کی

وفات کے بعد ان کے خاندان والوں نے ان پر مظالم شروع کر دیئے تو تنگ آ کر انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹے کو اونٹ پر بٹھایا اور مکہ سے نکل چلے۔ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان کے سسرال کے خاندان کے لوگوں (بنی مغیرہ) نے انہیں گھیر لیا۔"ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔تمہارا جہاں دل چاہے جاؤ۔" انہوں نے حضرت ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے اونٹ کی نکیل چھین لی۔حضرت ابو سلمہؓ اکیلے یثرب روانہ ہوگئے۔"میں تمہارا انتظار کروں گا جب اللہ تمہیں رہائی دلائے۔" انہوں نے اپنی بیوی اور بچے سے جُدا ہوتے وقت کہا۔

ان کے اپنے خاندان والوں کو معلوم ہوا تو وہ بنی مغیرہ کے ہاں پہنچ گئے۔"تم نے ہمارے خاندان کے آدمی سے اپنی لڑکی تو چھین لی ہے،مگر ہم اپنے خاندان کا بچہ تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے۔"

وہ ام سلمہؓ سے ان کا معصوم بچہ چھیننے لگے۔اس چھینا جھپٹی میں بچے کا ہاتھ اتر گیا۔

لیکن وہ روتے ہوئے معصوم بچے کو اس کی ماں سے چھین کر لے گئے۔

اب حضرت ام سلمہؓ کا خاوند یثرب میں تھا،اکلوتا معصوم بچہ بنی مغیرہ والوں کے پاس تھا اور وہ اکیلی اپنے خاندان والوں کی گرفت میں تھی۔وہ ہر روز صبح سویرے اس مقام پر جا بیٹھتی جہاں اس سے اس کا بچہ چھینا گیا تھا اور شام تک روتی رہتی،لیکن قریشِ مکہ میں سے کسی کو اس پر رحم نہ آیا۔

اسی طرح ایک سال گزر گیا۔

آخر اس کے ایک چچا زاد بھائی کو اس کی حالتِ زار پر ترس آ گیا،وہ اپنے خاندان والوں کے پاس گیا۔"کیا تم اس بے چاری پر ظلم سے باز نہ آؤ گے؟ تم نے اسے اس کے شوہر اور بیٹے سے جدا کر دیا ہے۔"

اس نے حضرت ام سلمہؓ کو اپنے خاندان والوں سے رہائی دلائی۔پھر وہ بنی مغیرہ کے پاس گیا اور اس کا بیٹا اسے دلایا۔

حضرت ام سلمیٰؓ کو بیٹا مل گیا،اپنے خاوند کے پاس جانے کی اجازت بھی مل گئی،لیکن ساتھ جانے والا کوئی نہ تھا۔کئی سو میل کا صحرائی سفر اور ایک اکیلی خاتون اور اس کا بچہ۔

انہوں نے سوچا ہو گا اجازت دے بھی دی ہے تو جائے گی کیسے؟ اس سے کیا فرق پڑے گا؟

ام سلمہؓ بہادر خاتون تھیں،انہوں نے اپنا اونٹ لیا،بیٹے کو آگے بٹھایا اور اکیلی یثرب روانہ ہوگئیں۔

مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک شخص ملا۔"بنتِ ابی امیہ،کہاں جا رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"یثرب اپنے خاوند کے پاس جا رہی ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہارے ہمراہ تو کوئی بھی نہیں؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔
"میرے اللہ اور بیٹے کے سوا کوئی نہیں۔"
"واللہ!میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" اس نے کہا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر آگے آگے چلنے لگا۔
منزل آتی تو وہ اونٹ کو بٹھا کر دور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا۔حضرت امِ سلمہ اپنے بیٹے کو لے کر اونٹ سے اتر جاتیں۔وہ اونٹ کا پالان اتارتا'اونٹ کو درخت سے باندھ کر'دور ہٹ کر کسی اور درخت کے سائے میں لیٹ جاتا۔روانگی کے وقت اونٹ پر پالان ڈال کر دور ہٹ کر کھڑا ہو جاتا'امِ سلمہؓ سوار ہو جاتیں تو مہار پکڑ کر آگے آگے چلنا شروع کر دیتا۔
قبا کی بستی نظر آئی تو کہا:"تمہارا شوہر اس بستی میں ہے۔اللہ کی خیر و برکت کے ساتھ اس کے پاس چلی جاؤ۔" اور خود مکہ واپس روانہ ہوگیا۔
یہ شخص قریش کا سردار عثمان بن طلحہ تھا جو کعبہ کا کلید بردار تھا۔لڑائی کے وقت قریش کا جھنڈا بھی اسی کے پاس ہوتا تھا۔فتحِ مکہ کے بعد بھی رسولؐ اللہ نے کعبہ کی کلید برداری پر اسے اور اس کے عم زاد شیبہ کو بحال رکھا تھا۔
حضرت امِ سلمہؓ کہا کرتی تھیں:"اسلام میں جس قدر آلِ ابی سلمہ نے دکھ اور تکلیف اٹھائی میرے علم کے مطابق کسی اور نے ایسی کوفت اور مشقت نہیں اٹھائی ہوگی اور عثمان بن طلحہ جیسا اچھا اور مشفق انسان میں نے نہیں دیکھا۔"
حضرت ابوؓ سلمہ اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد نے کفار کے خلاف لڑائیوں میں شہادت پائی تھی۔

قریش کی پریشانی

مسلمان اپنے گھر اور مال و اسباب سب کچھ چھوڑ کر یثرب کی طرف ہجرت کرنے لگے تو قریشِ مکہ پریشان ہو گئے۔وہ سوچنے لگے اگر یہ سلسلہ جاری رہا اور سارے مسلمان یثرب میں جا بسے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ صورتِ حال پر غور کیا تو انہیں وہ سارے مظالم یاد آنے لگے جو انہوں نے مسلمانوں پر توڑے تھے۔وہ مسلمانوں کے جذبۂ ایثار و قربانی سے آگاہ تھے۔قریش کے تجارتی قافلے جن راستوں سے شام کی طرف جاتے تھے'وہ یثرب کے قریب سے ہو کر گزرتے تھے۔اب تک قریش یہی خیال کرتے تھے کہ مکہ کے مسلمانوں کو وہ ظلم'زیادتی اور طاقت سے دبائے رکھیں گے'کیونکہ مسلمان اپنے اپنے خاندانوں اور قبیلوں کے ساتھ ہیں۔ان کے قبیلوں کی اکثریت کفر پر

قائم ہے۔باہمی تعلق، رواداری، قبائلی جبر اور روایات کی وجہ سے مسلمان ان کے لئے کبھی بڑا خطرہ نہیں بن سکیں گے۔جو مسلمان ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے، وہ بھی کوئی خطرہ نہیں تھے۔جزیرۃ العرب اور حبشہ کے درمیان سمندر تھا۔حبشہ میں وہ ایک بادشاہ کے ملک میں تھے۔اگر ان کے پاس قوت جمع بھی ہو جائے تو وہ مکہ پر کبھی حملہ نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی ان کی وجہ سے قریش کے کسی مالی مفاد کو کوئی نقصان پہنچا تھا۔مگر یثرب کی طرف ہجرت ان کے لئے پریشان کن تھی۔وہاں کے جنگجو قبائل رسول اللہ سے معاہدۂ جنگ کر چکے تھے۔وہ ہجرت کر کے آنے والوں کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کر رہے تھے۔اگر مکہ کے سارے مسلمان یثرب چلے گئے تو مہاجر اور انصار مل کر ایک بڑی طاقت بن جائیں گے۔اس سے ان کے تجارتی راستے غیر محفوظ ہو جائیں گے۔یہ سوچ کر قریش نے فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کو یثرب کی طرف ہجرت کرنے سے طاقت کے ذریعے روک دیا جائے تاکہ سارے مسلمان ایک جگہ اکٹھے نہ ہو سکیں۔وہ مسلمانوں کی نگرانی کرنے لگے۔اگر کسی کے بارے میں علم ہو جاتا کہ وہ ہجرت کی تیاری کر رہا ہے تو اس کے خاندان اور قبیلے والے اسے قید کر دیتے۔اس پر ظلم اور زیادتیاں شدید کر دیتے۔اس سے مکہ میں خوف و ہراس کی فضاء پیدا ہو گئی، لیکن مسلمانوں کو قریش کے یہ حربے بھی نہ روک سکے۔وہ راتوں کو چھپ چھپ کر چوری گھروں سے نکلتے اور یثرب روانہ ہو جاتے۔

حضرت عامرؓ بن ربیعہ اور آلِ جحش کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسرؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور حضرت بلالؓ یثرب پہنچ گئے۔

ان کے بعد حضرت عثمانؓ بن عفان اپنی بیوی رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ وہاں پہنچے۔

حضرت عمرؓ کا قافلہ

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سے ہجرت کی اجازت حاصل کی۔

انہوں نے قریش اور ان کے سرداروں کے سامنے اعلان کیا: "میں مکہ چھوڑ کر یثرب جا رہا ہوں۔تم میں سے جو کوئی اپنی بیوی کو بیوہ، بچوں کو یتیم اور ماؤں کو دکھی کرنا چاہتا ہے، وہ آئے اور مجھے روکے۔"

قریش میں کون ایسا تھا جو حضرت عمرؓ کے مقابلے میں آتا۔

حضرت عمرؓ اپنے عزیز و اقارب اور حلیف خاندانوں سمیت ہجرت کر رہے تھے۔انہوں نے سب کو

اپنے پروگرام سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ وہ سب سورج نکلنے سے پہلے شہر سے باہر تناصب کے تالاب پر پہنچ جائیں اور بتا دیا کہ وقتِ مقررہ پر جو کوئی وہاں نہیں پہنچے گا وہ اس کا انتظار نہیں کریں گے۔

حضرت ہشامؓ بن عاص اور حضرت عیاشؓ بن ربیعہ نے بھی ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام بنایا۔

حضرت ہشامؓ، حضرت عمرؓ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ان کا والد عاص بنی عبدالشمس کا سردار تھا۔حضرت ہشامؓ کچھ ہی عرصہ پہلے حبشہ سے واپس آئے تھے۔

عمرو بن عاص جو قریشِ مکہ کی طرف سے شاہِ حبشہ کے دربار میں سفارت لے کر گیا تھا ان کا بھائی تھا۔مسلمانوں کے یثرب کی طرف ہجرت سے انہیں فکر ہوئی کہ ہشامؓ بھی یثرب نہ چلا جائے۔

حضرت عمرؓ کے اعلان سے انہیں یقین ہو گیا کہ ہشامؓ ضرور ان کے ساتھ چلا جائے گا۔

عمرو بن عاص نے حضرت ہشامؓ کو گھر میں قید کر دیا اور وہ حضرت عمرؓ کے قافلے کے ساتھ شامل نہ ہو سکے۔

حضرت عیاشؓ رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے۔ابو جہل کے والد کی وفات کے بعد اس کی ماں نے اپنے دیور (ابوجہل کے چچا) ابی ربیعہ سے نکاح کر لیا تھا۔عیاشؓ ابوجہل کی ماں سے اس کے چچا کا بیٹا تھا۔

اس کا ماں جایا بھائی بھی تھا اور چچازاد بھائی بھی۔وہ بھی یثرب کی طرف ہجرت کا سن کر حبشہ سے واپس آ گیا تھا۔

وہ پروگرام کے مطابق مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ ہشام کو روک لیا گیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور قافلے کو روانگی کی لئے کہہ دیا۔

حضرت عمرؓ کے قافلے میں بیس افراد شامل تھے جن میں ان کے بھائی زیدؓ بن الخطاب، ان کے بیوی بچے، بہنوئی سعیدؓ بن زید بن عمرو اور ان کے بیوی بچے، حضرت عمرؓ کے داماد حضرت خنیسؓ اور بیٹی حضرت حفصہؓ (جو خنیسؓ کی شہادت کے بعد ام المومنین بنیں) اور خاندان کے دیگر سب افراد شامل تھے۔

حضرت عمرؓ کے حلیف بکیر کے چاروں بیٹے عاقلؓ، ایاسؓ، خالدؓ، عامرؓ اور ان کے اہل و عیال مالکؓ بن ابی خولی اور خولیؓ بن خولی اور ان کے اہلِ خاندان، سراقہ بن معتمر کے بیٹے عمروؓ اور عبداللہؓ اور واقدؓ بن عبداللہ تمیمی بھی اس قافلۂ مہاجرین میں شامل تھے۔

یہ قافلہ یثرب کی بستی قباء میں رفاعہؓ بن عبدالمنذر کے ہاں اترا۔

ابوجہل کی چال

ابوجہل کو اپنے بھائی کی ہجرت سے سخت تکلیف پہنچی۔وہ دوسروں پر ظلم اور زیادتی کرکے انہیں ہجرت سے روکتے رہے اور ان کا اپنا بھائی یثرب پہنچ گیا تھا۔

ابوجہل نے اپنے بھائی حارث کو ساتھ لیا اور عیاشؓ کے پیچھے قباء پہنچ گئے۔"ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ تجھے دیکھ نہ لے، وہ دن کو دھوپ میں بیٹھا کرے گی اور اپنے سر میں نہ تیل ڈالے گی اور نہ کنگھی کرے گی۔" انہوں نے عیاشؓ کو ساتھ چلنے پر آمادہ کرنے کے لئے کہا۔

ماں کی قسم کا سن کر حضرت عیاشؓ واپسی پر آمادہ ہوگئے۔

"واللہ!یہ لوگ تمہیں دین سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ان کے دھوکے میں نہ آنا۔خدا کی قسم! تمہاری ماں کو جب جوئیں ستائیں گی، تو وہ سر میں کنگھی کرنے لگے گی اور مکہ کی سخت گرمی سے تنگ آکر وہ چھاؤں میں بیٹھنا شروع کردے گی۔" حضرت عمرؓ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں جاتا ہوں۔مکہ میں میرا کچھ مال ہے، میں وہ بھی لے آؤں گا اور ماں کی قسم بھی پوری ہو جائے گی۔" حضرت عیاشؓ نے جواب دیا۔

"مال کی فکر نہ کر۔میں اپنا نصف مال تمہیں دے دیتا ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں قریش کے امیر ترین لوگوں میں سے ہوں۔" حضرت عمرؓ نے کہا۔

مگر حضرت عیاشؓ نہ مانے اور واپس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔

"تم جانا ہی چاہتے ہو تو یہ میری اونٹنی لے جاؤ۔یہ سبک رو اور تیز رفتار ہے۔اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس کو چھوڑنا نہیں۔اگر تم محسوس کرو کہ تمہارے بھائیوں کی نیت خراب ہے تو اس کا رُخ موڑ کر بھاگ آنا۔یہ تمہیں پکڑ نہیں سکیں گے۔" حضرت عمرؓ نے اپنی عمدہ نسل کی اونٹنی اسے دیتے ہوئے کہا۔

حضرت عیاشؓ نے یہ تجویز مان لی اور حضرت عمرؓ کی اونٹنی پر سوار ہو کر ابوجہل اور حارث کے ساتھ مکہ روانہ ہوگئے۔

راستہ میں ایک جگہ ابوجہل نے عیاشؓ سے کہا:"میرا اونٹ سفر سے تھک گیا ہے، میں بھی بے آرام ہوں۔کیا آپ مجھے اپنے ساتھ سوار نہیں کرلو گے۔"

"کیوں نہیں۔ آپ میرے ساتھ سوار ہو جائیں۔" حضرت عیاشؓ نے جواب دیا۔

دونوں نے اپنی اپنی سواریاں بٹھا دیں تاکہ ابو جہل اپنے اونٹ سے اتر کر حضرت عیاشؓ کی اونٹنی پر سوار ہوسکے۔
جیسے ہی حضرت عیاشؓ نے اونٹنی بٹھائی' ابو جہل کے اشارے پر حارث بھی اپنے اونٹ سے کود گیا اور دونوں نے مل کر حضرت عیاشؓ کو قابو کر لیا اور انہیں رسّیوں سے باندھ کر اپنے ساتھ اونٹ پر ڈال لیا۔
جب وہ مکہ میں داخل ہوئے تو حضرت عیاشؓ رسّیوں میں بندھے اونٹ پر بیٹھے تھے اور ابو جہل اور حارث بلند آواز میں اعلان کرتے جاتے تھے: "اے اہلِ مکہ! اپنے نالائق لونڈوں کو اس طرح سیدھا کرو جس طرح ہم نے اپنے احمق کو سیدھا کیا ہے۔"
انہوں نے حضرت عیاشؓ کو قید کر دیا۔

حضرت ولیدؓ بن ولید کا خفیہ مشن

رسولؐ اللہ ابھی مکہ ہی میں تھے۔ آپؐ حضرت ہشامؓ اور حضرت عیاشؓ کے ساتھ ان کے خاندانوں کے سلوک سے بہت فکرمند رہتے تھے۔ جب آپؐ نے یثرب ہجرت کی' اس وقت بھی وہ دونوں قید میں تھے۔ یثرب پہنچنے کے بعد رسولؐ اللہ نے ایک روز فرمایا: "کون ہے جو میرے لئے ہشامؓ اور عیاشؓ کو چھڑا کر لائے گا؟"
ولید بن ولید نے عرض کیا: "حضورؐ! میں آپؐ کے لئے ان دونوں کو چھڑا کر لانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"
رسولؐ اللہ نے دعا دی۔
حضرت ولیدؓ بن ولید مکہ روانہ ہوگئے۔
رسولؐ اللہ نے نماز کے دوران دعا فرمائی۔ "اے اللہ! ولید بن ولید ہشامؓ' عیاشؓ بن ابو ربیعہ اور مکہ مکرمہ کے کمزوروں کو نجات عطا فرما۔"
ولیدؓ حضرت خالدؓ بن ولید کے بھائی تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید ابھی اپنے آبائی دین پر ہی تھے اور مکہ میں تھے۔ ان کے خاندان کا بہت اثر تھا، مگر حضرت ولیدؓ بن ولید نے اپنا سفر خفیہ رکھا۔ مکہ پہنچ کر وہ حضرت ہشام اور حضرت عیاشؓ کے بارے میں معلومات جمع کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں کو ایک ہی جگہ قید کیا گیا ہے۔ انہوں نے ایک عورت کا پتہ کیا جو ان دونوں کے لئے کھانا لے جاتی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اس جگہ تک پہنچ گئے۔ یہ بغیر چھت کے ایک مکان تھا۔

مکان کا پتہ چلا کر وہ رات کا انتظار کرنے لگے۔رات ہوئی تو دیوار پھلانگ کر مکان کے اندر داخل ہو گئے۔وہ دونوں انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ان دونوں کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔حضرت ولیدؓ بن ولید نے نیچے پتھر رکھ کر تلوار سے ایک ایک کی بیڑیاں کاٹیں۔مکان سے باہر لائے اور اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

اونٹ ایک تھا اور سوار تین تھے۔جب خطرے کی حدود سے نکل گئے تو حضرت ولیدؓ بن ولید اونٹ سے اتر کر پیدل چلنے لگے۔ایک جگہ وہ پھسل گئے اور پاؤں کی انگلی زخمی ہوگئی۔

کتب میں یہ زخم آنے پر ان کا ایک شعر محفوظ ہے جس کا مطلب ہے:

تو صرف ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوئی ہے
تو نے یہ تکلیف اللہ ہی کی راہ میں اٹھائی ہے

وہ جس خفیہ طریقے سے مکہ پہنچے تھے' انہی خفیہ راہوں سے مدینہ واپس پہنچ گئے۔قریش ان کو پکڑ نہ سکے۔

حضرت عبداللہؓ کا باپ

قریش کے ایک اور سردار سہیل بن عمرو کا بیٹا عبداللہ بھی یثرب کی طرف ہجرت کی خبر سن کر حبشہ سے واپس مکہ پہنچ گیا تھا۔حبشہ کے مہاجرین میں سہیل کے دو بھائی بھی شامل تھے۔ان کے دو داماد حضرت ابو سبرہؓ اور حضرت ابو حذیفہؓ بھی مسلمان ہو چکے تھے۔سہیل کے دو بھائی' دو داماد' دو بیٹیاں پہلے ہی مہاجرین میں شامل تھے۔اس نے عبداللہؓ کو قید کر دیا۔اس پر سختیاں کرنے لگا اور کسی طرح بھی فرار کا موقع نہ دیا۔حضرت عبداللہؓ نے حیلہ کیا۔اس نے اپنے رویہ سے یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ وہ آبائی دین پر واپس آ گیا ہے۔رسولؐ اللہ کی ہجرت کے بعد مسلمانوں اور قریش کے درمیان بدر کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو حضرت عبداللہؓ کفار سے الگ ہو کر مسلمانوں سے جا ملے۔

حضرت حمزہؓ ہجرت کے سفر پر

حضرت عمرؓ کے بعد طلحہؓ بن عبیداللہ بن عثمان اور صہیبؓ بن سنان مکہ سے یثرب کی طرف نکل جانے میں کامیاب ہوگئے۔

حضورؐ کے چچا حضرت حمزہؓ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کے سفر پر چلے تو ان کے حلیف ابو

مرثدؓ کناز بن حصین غنوی اور ان کے بیٹے مرثدؓ غنوی بھی ان کے ساتھ تھے۔
حضرت زیدؓ بن حارثہ رسول اللہ کے غلام ابو کبشہؓ اور انسہؓ نے بھی ان کے ساتھ ہجرت کی۔
رسولؐ اللہ کے چچا حارث کے بیٹے حضرت عبیدہؓ، ان کے بھائی طفیلؓ اور حصینؓ اور مسطحؓ بن اثاثہ' سویبطؓ بن سعد حضورؐ کے پھوپھی زاد حضرت طلیبؓ بن عمیر اور حضرت زبیرؓ بھی ہجرت کر گئے۔
حضرت ابو سبرہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ، حضرت ابوحذیفہؓ' ان کے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ اور عتبہؓ بن غزوان اکٹھے مکہ سے نکلے۔
قریش کی ساری کوششوں کے باوجود مسلمان چھپ چھپ کر یثرب پہنچتے رہے۔
ان مہاجرین کی مجموعی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ رسولؐ اللہ کے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد بھی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ جاری رہا تھا۔
سید امیر علی کے مطابق مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کرنے والے خاندانوں کی تعداد ایک سو کے قریب تھی۔یہ تعداد ان خاندانوں کی ہے جو رسولؐ اللہ کے ہجرت فرمانے سے پہلے یثرب پہنچ گئے تھے۔

ہجرت کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کے مختلف راستے

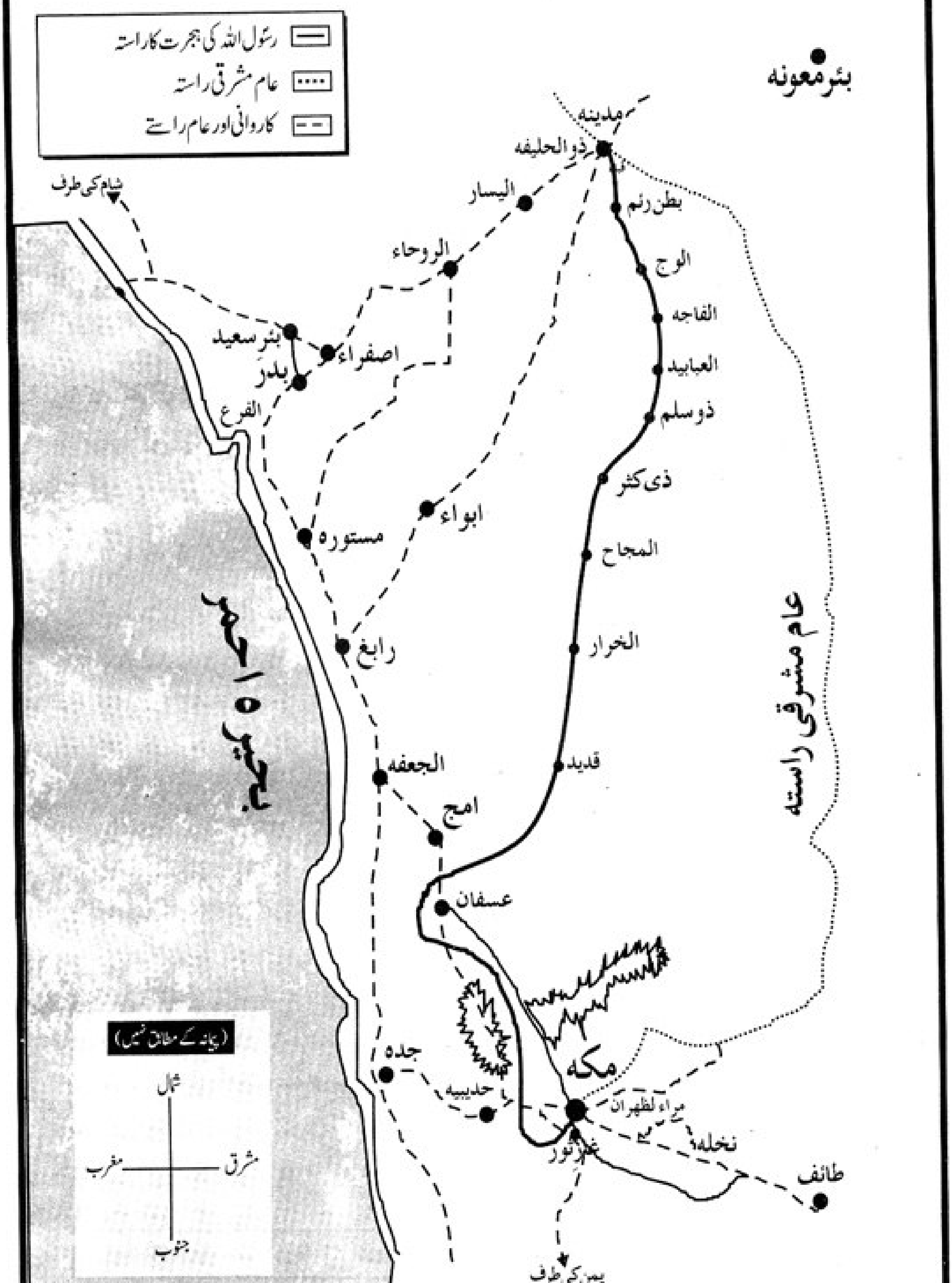

رسولؐ اللہ کی ہجرت

مکہ میں بہت ہی تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے۔وہ جو مفلس مجبور اور لاچار تھے اور وہ جو قید کر لئے گئے تھے۔حبشہ کے مہاجرین کو یثرب کی طرف ہجرت کی اطلاع ملی تو ان میں سے کچھ مکہ آ گئے۔وہ مکہ سے ہو کر یثرب جانا چاہتے تھے‘ مگر قریش نے انہیں قید کر لیا۔ان قیدیوں کی تعداد سات تھی۔
کچھ مسلمان ہجرت کے لئے نکلے تو قریش کے نگرانوں نے انہیں روک لیا اور راستہ سے پکڑ کر واپس لے آئے۔انہیں بھی قید میں ڈال دیا گیا۔کچھ بوڑھے‘ عورتیں اور بچے تھے جو سفر کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔
صرف دو مسلمان ایسے تھے جنہیں کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی‘ مگر انہوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی اور رسول اللہؐ کے ساتھ مکہ میں موجود تھے۔ایک حضرت ابوبکرؓ صدیق اور دوسرے حضرت علیؓ۔
اس طرح رسولؐ اللہ عملاً کفر اور کفار کے نرغے میں تھے۔
دو کے سوا سارے Able Bodied مسلمان یثرب جا چکے تھے۔
حضرت عمرؓ‘ حضرت حمزہؓ اور آپؐ کے دیگر جانثاروں میں سے کوئی بھی مکہ میں نہیں تھا۔
آپؐ کے اپنے خاندان اور عزیز و اقارب کے جو لوگ مکہ میں تھے‘ وہ ابولہب کے حکم کے پابند تھے جو آپؐ کا سخت ترین دشمن تھا۔
مطعم بن عدی جس سے آپؐ نے حقِ جوار قائم کیا تھا وہ فوت ہو گیا تھا۔
مسلمانوں کے گھر ویران پڑے تھے۔قریش کے بڑے بڑے سرداروں اور خاندانوں کے بیٹے بیٹیاں بھائی بہنیں‘ عزیز و اقارب ان سے ہر قسم کا ناطہ توڑ کر یثرب چلے گئے تھے۔قریش ان زخموں سے

تڑپ رہے تھے۔
قریش کے سردار جانے والوں کے خالی گھروں کو دیکھتے تھے،مگر وہ اپنے رویہ پر غور کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔
وہ اس کی ساری ذمہ داری رسولؐ اللہ پر ڈال رہے تھے۔
رسولؐ اللہ ان سب کے اس سارے غم وغصہ اور دشمنی کے باوجود ابھی تک مکہ میں تھے۔
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک آپؐ کو ہجرت کر جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔کوئی نبی اللہ کے حکم اور اجازت کے بغیر اپنا مرکز نہیں چھوڑ سکتا۔ایک طرف دشمن ہی دشمن اور خطرات ہی خطرات تھے اور دوسری طرف فرض اور اللہ کی طرف سے سونپی گئی ذمہ داری تھی۔
آپؐ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے بھی سفر کے لئے دو اونٹنیاں خریدیں اور سامان باندھ لیا اور آپؐ کی خدمت میں اجازتِ سفر کے لئے حاضر ہو گئے۔
آپؐ نے فرمایا:”جلدی نہ کرو،شاید اللہ تمہیں ایک ساتھی عطا فرما دے۔“

حضرت ابوبکرؓ صدیق سمجھ گئے کہ وہ ساتھی خود رسولؐ اللہ ہی ہوں گے۔انہوں نے خاندان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام ملتوی کر دیا۔وہ رسولؐ اللہ کے سفرِ ہجرت کی اہمیت اور مشکلات کو سمجھتے تھے۔انہوں نے دونوں اونٹنیوں کی پرورش اور اچھی طرح دیکھ بھال شروع کر دی اور رسولِؐ خدا کے لئے اللہ کی طرف سے اجازت کا انتظار کرنے لگے۔ایک طرف تو قریشِ مکہ آپؐ کے جانی دشمن تھے،اسلام کی دعوت ختم کرنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کر رہے تھے،مگر دوسری طرف اہلِ مکہ آپؐ کو ”امین“ سمجھتے تھے۔سب کو آپؐ کی دیانت اور امانت پر مکمل اعتماد تھا،وہ اپنے قیمتی مال حفاظت کے لئے آپؐ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ان کی امانتیں اس وقت بھی حضورؐ کے پاس محفوظ تھیں، حضورؐ کو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہجرت کی اجازت دے دیں گے،لیکن آپؐ نے کسی کی امانت واپس نہ کی۔اس سے قریش کو شک ہو جاتا۔آپؐ کے غلام بھی یثرب جا چکے تھے۔گھر میں صرف حضرت امِ ؓ کلثوم، حضرت فاطمہؓ، حضرت سودہؓ اور امِ ؓ ایمن کے سوا کوئی نہ تھا۔آپؐ نے حضرت علیؓ کو بھی روک لیا تاکہ آپؐ کے ہجرت کر جانے کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔عقبہ میں یثرب کے مسلمانوں نے بارہ ذوالحج کو حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔
ذوالحج ختم ہو گیا،محرم کا مہینہ شروع ہوا،وہ بھی ختم ہو گیا،مسلمان ہجرت کرتے رہے،وہ بھی سارے یثرب چلے گئے،لیکن اللہ کی طرف سے حضورؐ کے لئے ہجرت کی اجازت کا پیغام نہ آیا۔

قریش کا المیہ

قریشِ مکہ ان حالات پر غور کر رہے تھے اور آپس میں مشورے کرتے رہتے تھے۔انہیں تو اسی دن سے اپنے حال اور مستقبل کی فکر نے پکڑ رکھا تھا جب انہیں معلوم ہوا تھا کہ یثرب کے پچھتّر افراد نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی ہے۔مکہ کے جو مسلمان ہجرت کر کے یثرب گئے تھے،وہاں کے مسلمانوں نے انہیں اپنے گھروں میں ٹھہرایا تھا۔بڑے جوش سے ان کا استقبال کیا تھا۔ایک چھوٹے سے شہر میں ایک سو خاندان ہجرت کر کے پہنچے تھے اور جاتے ہی وہاں کے باسیوں کے ساتھ یک جان دو قالب ہو گئے تھے، نہ کوئی رہائش کا مسئلہ پیدا ہوا تھا، نہ طعام و تعاون کا۔جس کے پاس جو کچھ تھا،اس نے مہاجرین کی خدمت کے لئے پیش کر دیا تھا۔عرب معاشرے میں مہمان نوازی کی روایت تو بہت قدیم تھی،لیکن اتنے زیادہ مہمانوں کی اس انداز میں مستقل مہمان نوازی کی کہیں کوئی مثال نہ تھی، مہاجرین کی اتنی بڑی تعداد آجانے کے باوجود اس چھوٹے سے شہر کی معیشت اور معاشرت میں کوئی ہنگامی صورتحال پیدا نہیں ہوئی تھی۔قریشِ مکہ کو یہ سب اطلاعات مل رہی تھیں، یہ خبریں ان کے لئے بہت زیادہ پریشان کُن تھیں۔

جب اوس اور خزرج کے چند درجن افراد نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے آپؐ سے معاہدۂ جنگ کیا تھا، تو قریش کو یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسولؐ اللہ کو عرب کے ایک جنگ جُو قبیلے کا تعاون حاصل ہو گیا ہے،لیکن انہیں یہ امید نہیں تھی کہ یہ قبیلے اپنے مال اور گھر بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو پیش کر دیں گے۔اب وہ سوچنے لگے تھے کہ جو اوس اور خزرج عام مسلمانوں کے لئے بے مثال ایثار و قربانی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، اگر رسولؐ اللہ بھی ان کے ہاں پہنچ گئے تو ان کے جذبۂ قربانی کا کیا حال ہو گا؟

ان کے اپنے عزیز و اقارب اور خون کے رشتوں والے اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ان سے سارے رشتے توڑ گئے ہیں جس کی عرب کی تاریخ میں کہیں کوئی مثال نہیں۔اوس اور خزرج اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر جو کچھ کر رہے ہیں، اس کی بھی کہیں کوئی مثال نہیں ملتی تھی اور یہ انقلاب جس شخصیت نے برپا کیا تھا، اس کی بھی ان کے سامنے کہیں کوئی مثال نہیں تھی۔

مکہ کے بے مثال مہاجر، اوس اور خزرج کے بے مثل انصار اور دین و دنیا کے لاثانی قائدؐ سب ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تو پھر کیا صورتحال پیدا ہو سکتی ہے؟ اس بارے میں وہ جتنا زیادہ غور کرتے

تھے' ان کا غم و غصہ اتنا ہی زیادہ بڑھتا جا رہا تھا۔

انہیں صاف نظر آنے لگا تھا کہ اس صورت میں ان کا صدیوں سے چلا آنے والا دینی اور دنیاوی وقار و مرتبہ اور اجارہ داری سب ختم ہو جائیں گے۔مکہ جزیرۃ العرب کا سب سے اہم تجارتی مرکز بن چکا تھا۔مقامی تجارت کا ہی نہیں بین الاقوامی تجارت کا بھی مرکز تھا۔ہندوستان اور چین تک سے آنے والا تجارتی مال خلیج اور یمن کی بندرگاہوں سے ہوتا ہوا مکہ آتا تھا۔وہاں سے آگے شام' فلسطین اور یورپ کے ممالک تک جاتا تھا۔ایک زمانہ میں یہ مالِ تجارت لانے والے قافلے مکہ میں سے ہو کر آگے چلے جاتے تھے'لیکن اب ادھر سے آنے والا زیادہ تر مال مکہ کے قریش کے ہاتھوں مکہ سے آگے جاتا تھا اور اس ساری تجارت کا دارومدار اس راستے پر تھا جو یثرب کے قریب سے ہو کر جاتا تھا۔وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر یثرب اور اردگرد کے قبائل نے رسولؐ اللہ کی قیادت قبول کر لی'تو قریش کی ساری خوشحالی' تجارت' تجارتی اجارہ داری اور جزیرۃالعرب پر اقتصادی گرفت ختم ہو جائے گی۔اردگرد کے ممالک کے شاہی درباروں میں ان کی اہمیت باقی نہیں رہے گی۔

وہ قرآن اور اسلام کی قوت اور تاثیر سے واقف تھے۔رسولؐ اللہ کی قائدانہ صلاحیتوں سے سب سے زیادہ آگاہ تھے۔وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر رسولؐ اللہ بھی یثرب پہنچ گئے تو توحید کا پیغام تیزی سے پھیلے گا اور اسلام جزیرۃالعرب کے صحراؤں اور نخلستانوں تک پھیل جائے گا اور ان کی صدیوں سے چلی آنے والی مذہبی مجاوری اور برتری بھی متاثر ہو گی۔

اور پھر ایسا وقت بھی آ سکتا ہے جب رسولؐ اللہ انصار و مہاجرین اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ آئیں اور مکہ پر قبضہ کرلیں گے۔تیرہ سال تک قریشِ مکہ نے اسلام کے پیغام' رسولؐ اللہ کی ذات اور دعوت اور مسلمانوں کے بارے میں کبھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لیا تھا'لیکن اب انہیں سارے حقائق بالکل صاف دکھائی دینے لگے تھے۔اس کے باوجود قریش اسلام اور اسلام کی دعوت قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ان کا قبائلی تعصب اور جاہلانہ تفاخر ان کے سب سے بڑی حقیقت کے قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

رسولؐ اللہ کے قتل کی سازش

محرم ختم ہو گیا۔صفر کے بھی پچیس دن گزر گئے'مگر قریشِ مکہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ انہیں کیا کرنا چاہئے۔حقیقتِ اولیٰ تسلیم کرلیں یا اُنا کے بتوں کی پرستش جاری رکھیں۔قریش اس بات پر

بھی یقیناً پریشان ہوں گے کہ رسول اللہؐ اپنے سارے ساتھیوں کے چلے جانے کے باوجود ان کے درمیان موجود ہیں اور ان کی قوت اور تعداد کی کوئی پروا ہی نہیں کر رہے۔

چھبیس صفر کی صبح قریشِ مکہ نے اپنی پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا۔وہ جمعرات کا دن تھا اور ستمبر کی بارہ تاریخ تھی۔سنِ عیسوی 622ء تھا۔حرمِ کعبہ سے ذرا ہٹ کر دارالندوہ میں اس روز قریش کی تاریخ کا اہم ترین اجلاس منعقد ہوا۔اس اجلاس کے فیصلوں پر قریشِ مکہ کے حال اور مستقبل کا دارومدار تھا۔اجلاس کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا صرف ایک نکاتی ایجنڈا رکھا گیا تھا اور اجلاس میں شرکت کے لئے تمام قبائل کے اہلِ رائے افراد کو بلایا گیا تھا۔قریشِ مکہ کے سرداروں کے علاوہ ان کے حلیف قبیلوں کے نمائندے بھی اس اجلاس میں شریک ہوئے تاکہ جو بھی فیصلہ ہو،سب اس میں شامل ہوں،سارے اس کے پابند رہیں۔

اجلاس میں مکہ کے صرف ایک قبیلے کا کوئی نمائندہ موجود نہیں تھا۔وہ قبیلہ تھا بنی ہاشم کا جس سے رسولؐ اللہ کا تعلق تھا۔قریش کی پارلیمنٹ میں بنی ہاشم کا نمائندہ ابولہب تھا۔اس نے جان بوجھ کر اس اجلاس میں شرکت نہیں کی یا اسے بلایا نہیں گیا تھا،اس بارے میں کچھ معلوم نہیں،لیکن اس اجلاس کے متفقہ فیصلے کے مطابق رسولؐ اللہ کو قتل کرنے جو بارہ افراد گئے تھے،ان میں ابولہب بھی شامل تھا۔

اجلاس میں قریشِ مکہ کے جن اہم سرداروں نے شرکت کی ان کے نام اس طرح ہیں:

1- قبیلہ بنی مخزوم سے ابوجہل بن ہشام
2- بنی نوفل بن عبدمناف سے جبیر بن مطعم، طعیمہ بن عدی اور حارث بن عامر
3- بنی عبدشمس بن عبدمناف سے شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ابوسفیان بن حرب
4- بنی عبدالدار سے نضر بن حارث
5- بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود اور حکیم بن حزام
6- بنی سہم سے نبیہ بن حجاج اور منبیہ بن حجاج
7- بنی جمح سے امیہ بن خلف

یہ چودہ سردار تھے جن میں سے چھ کا تعلق عبدمناف کی آل سے تھا،تین نوفل کی اولاد سے اور تین عبدشمس کی اولاد سے تھے۔

اجلاس میں ساری صورتحال پر بڑی تفصیل سے غور کیا گیا۔"محمدؐ نے جو کچھ کیا ہے،وہ آپ سب کے سامنے ہے۔خدا کی قسم!اغیار کی مدد سے ہم پر حملہ کرنے کے سوا اس کا کوئی اور منصوبہ

نہیں۔اب پانی سر سے گزر گیا ہے، اس لئے اس کے بارے میں حتمی اور آخری فیصلہ کرنا لازم ہو گیا ہے۔آپ سب اس بارے میں اپنی اپنی رائے دیں کہ اس کا حل کیا ہے؟" ایک سردار نے کہا۔
مختلف سردار تجاویز پیش کرنے لگے۔
"اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اسے اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دو اور اس کی موت کا انتظار کرو جس طرح زہیر اور نابغہ سے ان کی قوم نے کیا تھا۔" ایک تجویز آئی۔
زہیر اور نابغہ جزیرۃ العرب کے دو شاعر گزرے تھے۔
"نہیں، یہ مناسب تجویز نہیں۔اس کے ساتھیوں کو علم ہوا تو وہ اسے چھین لے جائیں گے اور پھر طاقت جمع کر کے مکہ پر حملہ کر دیں گے اور تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔کوئی اور حل تلاش کرو۔" ایک شریک مشورہ نے کہا۔
سب نے یہ تجویز مسترد کر دی۔
ایک اور سردار نے تجویز پیش کی:"اسے ملک سے نکال دو، وہ جہاں چاہے چلا جائے، ہم تو ہر روز کی مصیبت سے نجات پا لیں گے اور آپس کے اختلافات ختم کر کے پہلے کی طرح امن کی زندگی گزار سکیں گے۔"
اس تجویز پر اعتراض کیا گیا:"تم محمدؐ کی فصاحت اور بلاغت سے واقف ہو۔وہ باتوں سے لوگوں کے دل موہ لیتا ہے۔جہاں جائے گا لوگوں کو ساتھ ملا لے گا اور ان کو ساتھ لے کر تم سے اقتدار چھین لے گا اور تمہارے ساتھ جیسا اس کا دل چاہے گا، سلوک کرے گا۔کوئی اور حل ڈھونڈو۔"
ابوجہل اب تک خاموش تھا۔وہ سب کی باتیں سن رہا تھا۔وہ بولا:"میں نے ایک تجویز سوچی ہے جو ابھی تک تم میں سے کسی کے دماغ میں نہیں آئی۔"
"ابوالحکم!وہ کیا ہے؟" سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔
"ہر قبیلے سے طاقتور، اچھے نسب اور ارادے کا، تلوار کا دھنی ایک ایک فرد (1) لیں۔ایسے منتخب افراد کو تلواریں دیں اور سمجھا دیں کہ وہ سب مل کر ایک ہی بار محمدؐ پر حملہ کر کے اسے ختم کر دیں، اس سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گا کہ وہ کس کے وار سے ختم ہوا ہے۔اس کے دو فائدے ہوں گے۔بنی ہاشم (2) بدلہ بھی لینا چاہیں، تو وہ سب قبیلوں کے خلاف لڑائی نہیں کر سکیں گے اور انہیں مجبوراً خون بہا (دیت) قبول کرنا پڑے گا اور ہم سب مل کر خون بہا ادا کر دیں گے۔"
سب نے ابوجہل کی تجویز کو سراہا اور مکہ کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر اس فیصلے کی منظوری دے دی۔

فیصلے کے بعد قریش کے سردار رسولؐ اللہ کے قتل کے لئے افراد کے انتخاب اور دیگر انتظامات میں لگ گئے۔

اللہ کا فیصلہ

قریشِ مکہ نے اللہ تعالیٰ سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کا منصوبہ ناکام بنا دیا۔

"وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب حق سے انکار کرنے والے تیرے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ

تجھے قید کر دیں یا تجھے قتل کر ڈالیں یا جلا وطن کر دیں۔

وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا۔

اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے"۔ (30:8)

حضرت جبریلِؑ امین حاضر ہوئے، رسولؐ اللہ کو قریشِ مکہ کے فیصلے سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔حضرت جبریلؑ نے رسولؐ اللہ سے کہا کہ آنے والی رات آپؐ اپنے اس بستر پر نہ سوئیں جس پر آپؐ سویا کرتے ہیں۔

جبریلِؑ امین اللہ کی طرف سے اجازت اور قریش کے فیصلے سے آگاہ کر کے چلے گئے اور رسول اللہؐ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔

خوشی کے آنسو

ستمبر کا دوسرا ہفتہ تھا اور ظہر کے بعد کا وقت!

شہرِ مکہ میں ستمبر کے مہینے میں بھی دن کو کافی گرمی ہوتی ہے، لیکن وہ آج سے پونے چودہ سو سال پہلے کے ستمبر(3) کی دوپہر تھی، جب مکہ اور اردگرد کی وادیوں میں آج کی مانند درخت نہیں ہوتے تھے۔سنگلاخ پہاڑیوں کی وادیاں ویران ہوتی تھیں۔حضرت ابوبکرؓ صدیق اپنے گھر میں اپنی صاجزادیوں حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

کسی نے اطلاع دی رسولؐ اللہ تشریف لائے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان!ضرور کوئی اہم معاملہ ہے جو آپؐ اس وقت تشریف لائے ہیں"۔

رسولؐ اللہ حضرت ابوبکرؓ کے گھر صبح یا شام کے وقت تشریف لے جاتے تھے۔معمول سے ہٹ کر

آنے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے یہ سوال کیا تھا۔
رسولؐ اللہ نے دروازے سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔
پھر حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ اندر آ گئے۔آپؐ نے اپنا سر اور منہ چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔
آپؐ نے فرمایا:"سب کو یہاں سے ہٹا دو۔"
"یا رسولؐ اللہ!یہاں صرف میری بیٹیاں ہیں' کوئی جاسوسی کرنے والا نہیں۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔
"مجھے اللہ تعالیٰ نے مکہ چھوڑ دینے کی اجازت دے دی ہے۔"
"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان!کیا مجھے بھی آپؐ کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل ہو گا؟" حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا۔
"ہاں' آپ بھی میرے ساتھ ہوں۔" رسولؐ اللہ نے فرمایا۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔
وہ اپنی خوش بختی پر نازاں ہوئے۔
سفر کے انتظامات کی بات ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے رسولؐ اللہ کو بتایا کہ انہوں نے پہلے ہی سفر کے لئے دو اونٹنیاں خرید رکھی ہیں اور کہا ان میں سے جو بھی اونٹنی آپؐ پسند فرمائیں' وہ آپؐ کی ہو گی۔دوسری پر میں سفر کروں گا۔
آپؐ نے فرمایا:"ٹھیک ہے' مگر میں اس اونٹنی کی قیمت ادا کروں گا تاکہ اللہ کے ہاں اس کا صلہ بھی مجھے ہی ملے۔"
حضرت ابوبکرؓ صدیق سے ہجرت کے سفر کے انتظامات کی تفصیلات طے کر کے حضورؐ واپس اپنے گھر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکرؓ تیاریوں میں لگ گئے اور آپ کی صاحبزادیاں سفر کے لئے کھانا وغیرہ تیار کرنے میں مصروف ہو گئیں۔
حضرت ابوبکرؓ نے اپنے آزاد کردہ غلام عامرؓ بن فہیرہ کو بھیج کر عبداللہ بن اریقط کو بلوایا۔
وہ جزیرۃالعرب کے صحراؤں اور ریگستانوں میں سے گزرنے والے عام اور خاص راستوں سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس سے مکہ سے یثرب تک کے سفر میں راہ نمائی کا معاوضہ طے کیا اور دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کر دیں اور حکم دیا کہ عامر جس روز جس جگہ کہے' وہ اونٹنیاں لے کر وہاں حاضر ہو جائے۔
یہ وہی شخص تھا جسے رسولؐ اللہ نے طائف سے واپسی پر ساتھ لیا تھا اور غارِ حرا میں قیام فرما کر

مکہ کے سرداروں کے پاس حقِ جوار کے معاہدے کا پیغام دے کر بھیجا تھا۔
عبد اللہ ابھی تک اپنے آبائی دین پر ہی تھا لیکن رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو اس پر اعتماد تھا وہ آپؐ کا آزمودہ تھا۔
اور ان لوگوں میں سے تھا جو آپؐ کے حسنِ سیرت و کردار کی وجہ سے دل سے آپؐ کا احترام کرتے تھے۔

قریش کے سروں میں خاک

رسولؐ اللہ گھر تشریف لے آئے۔باقی دن اسی انداز میں گزارا جو آپؐ کا معمول تھا۔
آپؐ نے پوری احتیاط کی کہ قریشِ مکہ کو شبہ تک نہ ہو کہ آپؐ ان کی سازش سے آگاہ ہیں۔
غروبِ آفتاب کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو لوگوں کی امانتوں کی تفصیل بتائی اور حکم دیا کہ اگلے روز وہ سب لوگوں کو ان کی امانتیں واپس کر دیں۔گھر کے معاملات کے بارے میں بھی آپؐ نے انہیں ہدایات دیں۔
حضورؐ نے رات کا کھانا اپنے خاندان کے ساتھ کھایا۔جب سونے کا وقت آیا تو حضورؐ کے لئے اسی جگہ بستر بچھایا گیا جہاں آپؐ رات کو سویا کرتے تھے۔حضورؐ رات کو سبز حضرمی چادر اپنے اوپر تان کر سویا کرتے تھے۔آپؐ نے وہ چادر حضرت علیؓ کو دے دی اور فرمایا: "آج رات تم اس بستر پر یہ چادر تان کر سو جاؤ اور فکر نہ کرو اللہ کے فضل سے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"
رات گہری ہو گئی'لوگ سو گئے تو کفار کے منتخب افراد نے رسولؐ اللہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔
ان بارہ (4) افراد کے نام یہ ہیں:

1- ابوجہل بن ہشام
2- حکم بن عاص
3- عقبہ بن ابی معیط
4- نضر بن حارث
5- امیہ بن خلف
6- زمعہ بن الاسود
7- طعیمہ بن عدی
8- ابولہب

9- ابی بن خلف

10- نبیہ بن الحجاج

11- منبیہ بن الحجاج

12- حارث بن قیس ابن الغیطلہ

ان بارہ افراد میں سات وہ تھے جو قریش کی پارلیمنٹ کے اجلاس میں بھی شامل تھے۔بنی ہاشم کا سردار ابولہب پارلیمنٹ کے اجلاس میں شامل نہیں تھا،لیکن اس اجلاس کے فیصلے کے مطابق جن افراد کو رسولؐ اللہ کے قتل کے لئے چنا گیا'ان میں وہ بھی شامل تھا۔بنو عبد مناف کا ایک اور سردار طعیمہ بن عدی بھی ان بارہ میں شامل تھا۔اس طرح مکہ کے سارے ہی قبائل رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کی سازش میں شامل ہو گئے تھے۔جن سے رسولؐ اللہ کا خون کا قریبی رشتہ تھا'وہ بھی اور جن سے خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا'وہ بھی۔

قریش نے سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی ایک آدمی کو رسولؐ اللہ کے گھر کی نگرانی پر متعین کر دیا تھا تاکہ وہ نظر رکھے کہ رسولؐ اللہ گھر میں ہی ہیں اور اگر کہیں جائیں تو انہیں اطلاع کر دے(5) ابوجہل اور اس کے ساتھی پہنچے'تو اس نے انہیں بتایا کہ رسولؐ اللہ گھر میں ہی ہیں۔وہ اطمینان سے آپؐ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔رسولؐ اللہ رات ڈھلے تہجد کی نماز کے لئے بھی کبھی کبھی بیت اللہ جایا کرتے تھے۔فجر کی نماز تو بیت اللہ میں ادا کرتے تھے۔کفار کا پروگرام یہ تھا کہ جب بھی رسولؐ اللہ گھر سے باہر تشریف لائیں تو وہ سب مل کر آپؐ پر حملہ کر دیں۔

کسی کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اس کے گھر میں داخل ہونا قریش کی روایت کے خلاف تھا۔ رسولؐ اللہ کے گھر میں آپؐ کی صاجزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ،اُم المومنین حضرت سودہؓ اور ام ایمنؓ بھی موجود تھیں۔"اگر ہم دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہو گئے تو یہ سارے عرب میں ہمارے لئے سخت بدنامی کا باعث ہو گا۔لوگ کہیں گے انہوں نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کا بھی عزت و احترام نہ کیا۔" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اور گھر کو گھیر کر بیٹھ گئے۔

انہیں یقین تھا کہ رسولؐ اللہ کی زندگی کا اس رات خاتمہ ہو جائے گا۔

ابوجہل اس پر خوش تھا۔

رسولؐ اللہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔

آپؐ نے مٹھی بھر خاک لی'دروازہ کھولا اور خاک ان کی طرف پھینک کر سورۃ یاسین کی نویں

9- ابی بن خلف

10- نبیہ بن الحجاج

11- منبیہ بن الحجاج

12- حارث بن قیس ابن الغیلطہ

ان بارہ افراد میں سات وہ تھے جو قریش کی پارلیمنٹ کے اجلاس میں بھی شامل تھے۔بنی ہاشم کا سردار ابولہب پارلیمنٹ کے اجلاس میں شامل نہیں تھا،لیکن اس اجلاس کے فیصلے کے مطابق جن افراد کو رسولؐ اللہ کے قتل کے لئے چنا گیا'ان میں وہ بھی شامل تھا۔بنو عبد مناف کا ایک اور سردار طعیمہ بن عدی بھی ان بارہ میں شامل تھا۔اس طرح مکہ کے سارے ہی قبائل رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کی سازش میں شامل ہو گئے تھے۔جن سے رسولؐ اللہ کا خون کا قریبی رشتہ تھا'وہ بھی اور جن سے خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا'وہ بھی۔

قریش نے سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی ایک آدمی کو رسولؐ اللہ کے گھر کی نگرانی پر متعین کر دیا تھا تاکہ وہ نظر رکھے کہ رسولؐ اللہ گھر میں ہی ہیں اور اگر کہیں جائیں تو انہیں اطلاع کر دے(5) ابوجہل اور اس کے ساتھی پہنچے'تو اس نے انہیں بتایا کہ رسولؐ اللہ گھر میں ہی ہیں۔وہ اطمینان سے آپؐ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرنے لگے۔رسولؐ اللہ رات ڈھلے تہجد کی نماز کے لئے بھی کبھی کبھی بیت اللہ جایا کرتے تھے۔فجر کی نماز تو بیت اللہ میں ادا کرتے تھے۔کفار کا پروگرام یہ تھا کہ جب بھی رسولؐ اللہ گھر سے باہر تشریف لائیں تو وہ سب مل کر آپؐ پر حملہ کر دیں۔

کسی کے گھر کی دیوار پھلانگ کر اس کے گھر میں داخل ہونا قریش کی روایت کے خلاف تھا۔ رسولؐ اللہ کے گھر میں آپؐ کی صاحبزادیاں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ،ام المومنین حضرت سودہؓ اور ام ایمنؓ بھی موجود تھیں۔"اگر ہم دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہو گئے تو یہ سارے عرب میں ہمارے لئے سخت بدنامی کا باعث ہو گا۔لوگ کہیں گے انہوں نے اپنے قبیلے کی بیٹیوں کا بھی عزت و احترام نہ کیا۔" انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اور گھر کو گھیر کر بیٹھ گئے۔

انہیں یقین تھا کہ رسولؐ اللہ کی زندگی کا اس رات خاتمہ ہو جائے گا۔

ابوجہل اس پر خوش تھا۔

رسولؐ اللہ ان کی باتیں سن رہے تھے۔

آپؐ نے مٹھی بھر خاک لی'دروازہ کھولا اور خاک ان کی طرف پھینک کر سورۃ یاسین کی نویں

آیت پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل گئے اس آیت کا ترجمہ ہے۔"ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی، پس ہم نے انہیں ڈھانپ لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں سکتے۔"

اللہ تعالیٰ نے ان سب کی بصارت جذب کر لی۔

ابو جہل اوراس کے ساتھی بدستور محاصرہ کئے بیٹھے تھے۔انہیں علم ہی نہ ہو سکا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی چال ناکام بنا دی ہے۔ایک شخص ادھر سے گزرا تو انہیں دیکھ کر پوچھا؛"آپ سب لوگ یہاں کس کا انتظار کر رہے ہیں؟"

"محمدؐ کا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم!محمدؐ تو آپ کے سروں میں مٹی ڈال کر جدھر جانا تھا چلے گئے ہیں۔وہ تمہارے پاس سے گزر گئے اور تمہیں پتہ نہ چل سکا۔" اس شخص نے کہا۔

اس نے رسولؐ اللہ کو جاتے ہوئے کسی جگہ دیکھ لیا تھا(6) مگر اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ آپؐ کہاں گئے ہیں۔

"بخدا!ہم نے تو انہیں جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔" وہ پریشانی میں اپنے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

اس شخص نے جو بات محاورے میں کہی تھی، وہ سچی نکلی۔ان سب کے سروں میں مٹی پڑی ہوئی تھی۔

وہ پریشانی میں اٹھے اور دروازے میں سے جھانک کر دیکھا۔"خدا کی قسم!محمدؐ تو اپنے بستر پر سوئے پڑے ہیں۔"

انہوں نے حضرت علیؓ کو حضورؐ کے بستر پر سویا ہوا دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا اور اطمینان سے بیٹھ گئے۔

اس شخص نے جدھر جانا تھا چلا گیا۔

صبح کی روشنی پھیل گئی، مگر رسولؐ اللہ گھر سے باہر نہ آئے تو انہیں پریشانی ہونے لگی۔

جب حضرت علیؓ کو بستر سے اٹھتے ہوئے دیکھا تو مزید پریشان ہو گئے۔"کہنے والے نے سچ کہا تھا۔" مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

"تمہارے صاحب کہاں ہیں؟" انہوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم وہ کہاں تشریف لے گئے۔میں ان پر نگران تھوڑا ہی ہوں۔تم نے انہیں نکالا،وہ نکل گئے۔"

وہ حضرت علیؓ کو پکڑ کر مسجدِ حرام میں لے گئے، دھمکیاں دیں تشدد کیا،مگر انہیں کچھ معلوم ہوتا تو بتاتے۔

ابو جہل بھاگتا ہوا حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر گیا،دروازے پر سے آواز دی۔حضرت ابوبکرؓ صدیق کی صاحبزادی اسماءؓ دروازے پر آئیں۔

"اے بنتِ ابوبکرؓ،تمہارا باپ کہاں ہے؟" ابو جہل نے پوچھا۔

"مجھے خبر نہیں۔" حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

ابو جہل نے انہیں اس زور کا تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا گری۔

کفار کو پہلے ہی یقین تھا کہ اگر رسولؐ اللہ کہیں گئے ہیں، تو ابوبکرؓ بھی آپؐ کے ساتھ ہی گئے ہوں گے۔

رسولؐ اللہ اور ابوبکرؓ کے نکل جانے کی تصدیق ہو گئی تو شہر میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ صورتحال پر غور کرنے کے لئے ایک بار پھر پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔

مکہ سے جُدائی کا دُکھ

کفار کے سروں میں خاک ڈال کر رسولؐ اللہ سیدھے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر تشریف لے گئے تھے۔وہ سفر کی تیاریاں مکمل کر کے آپؐ کا انتظار کر رہے تھے۔ان کی صاحبزادیوں نے سفر کے لئے کھانا تیار کر رکھا تھا،ایک مشکیزے میں پانی بھر دیا تھا۔حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر میں کل پانچ چھ ہزار درہم زرِنقد تھا۔انہوں نے سفر خرچ کے لئے وہ ساری جمع پونجی اٹھا لی، کھانا اور پانی لیا اور رسولؐ اللہ کے ہمراہ گھر کی پچھلی کھڑکی سے باہر نکل گئے۔

یہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات تھی۔صفر کی ستائیسویں کا چاند ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے مکہ کی گلیوں اور گھاٹیوں میں گھپ اندھیرا تھا رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ تیز تیز چلے جا رہے تھے۔وہ جلد از جلد شہر سے باہر نکل جانا چاہتے تھے۔حزورہ کے مقام پر پہنچے تو رسولؐ اللہ چلتے چلتے رک گئے۔بیت اللہ کی طرف رُخ کیا: اور فرمایا:"اے مکہ! خدا کی قسم، خدا کی زمین پر تُو مجھے سب سے عزیز ہے۔خدا تعالیٰ کو بھی اپنی زمین پر تُو ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔اگر تیرے باسیوں نے مجھے نکالا نہ ہوتا تو میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا۔"

آپؐ کی آواز پر دکھ غالب تھا۔

آپؐ نے زندگی کے ترپن سال مکہ میں گزارے تھے۔آپؐ کا بچپن اسی شہر کی گلیوں، بازاروں

اور حرمِ کعبہ میں اپنے دادا کی مجلسوں میں گزرا تھا۔جوانی اور تجارت کی یادیں، سیدہ خدیجہؓ سے شادی، حضرت جبرئیلؑ کا وحی لے کر آنا اور آپؐ کو نبوت کی بشارت دینا'زندگی کی جتنی بھی خوشگوار یادیں تھیں، اسی شہر سے وابستہ تھیں جسے آج آپؐ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جا رہے تھے۔آپؐ کی بیوی اور بیٹیاں اس گھر میں تھیں جسے آپؐ دشمنوں کے محاصرمیں چھوڑ آئے تھے۔

دنیا کی دولت جو کچھ بھی تھی، چھوڑ دی تھی اور صرف دین کی دولت سینے سے لگائے آپؐ تیز تیز چلے جا رہے تھے۔

اگر آپؐ دنیا پسند کرتے تو قریشِ مکہ نے تو سب کچھ پیش کیا تھا۔مال، دولت، حاکمیت اور سرداری لے کر بار بار آپؐ کے پاس آئے تھے، مگر اللہ کے دین کی خاطر آپؐ نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا تھا۔

صرف اللہ اور دین کی خاطر سب کو اپنا جانی دشمن بنا لیا تھا۔

خون کے رشتہ والے بھی، نسل اور قبیلے کے رشتہ والے بھی، شہرداری اور دنیاداری کے تعلق اور رشتے والے بھی، سب آپؐ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔

اس ساری دشمنی کی بنیاد صرف ایک کلمہ تھا۔

اور وہ کلمہ تھا:"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔"

اس زمانے اور معاشرے میں دنیاوی عزت اور فخر کے جتنے بھی تعلق اور واسطے تھے، وہ سب آپؐ نے ہمیشہ کے لئے منقطع کر لئے تھے۔

اور صرف اللہ سے تعلق کو قائم رکھا تھا۔

اللہ کی طرف سے سونپے گئے مشن کی تکمیل کے لئے سب کچھ قربان کر دیا تھا۔

اور آپؐ کے ساتھ صرف ایک شخص تھا۔

وہ بھی اپنا گھر، بال بچے، سب کچھ چھوڑ کر جا رہا تھا۔

پھر رسول اللہؐ نے دعا کی:

"شکر ہے اس خدا کا، جس نے مجھے عدم سے پیدا کیا۔

اے اللہ!دنیا کی ہولناکی، زمانے کی سختی اور شب و روز کے مصائب پر میری مدد کر۔

اے اللہ!میرے سفر میں میرا صاحب اور رفیق بن۔

اور میرے گھر میں میرا محافظ ہو۔

اور میرے رزق میں برکت دے۔

اور مجھے اپنا متواضع بنا اور مجھے حُسنِ اخلاق پر قائم رکھ۔

اے اللہ! تُو مجھے اپنا محبوب بنا۔
اور لوگوں کے سپرد نہ کر۔
اے کمزوروں کے رب! تو میرا بھی رب ہے۔
میں تیرے وجہِ کریم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔
کہ میں تیرے غضب کا شکار نہ ہوں اور مجھ پر تیرا عذاب نازل نہ ہو۔
زوالِ نعمت اور اچانک عذاب سے، صحت اور عافیت کی تبدیلی اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔
آخرت اور عقبیٰ تیرے لئے ہی ہے۔
میرے پاس تو وہی نیکی ہے جس کی تو نے مجھے توفیق بخشی۔
گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت صرف تیری قدرت کے ساتھ ہی ہے۔"
حضرت ابوبکرؓ کبھی آپ ؐ کے آگے چلتے کبھی پیچھے چلنے لگتے۔
"ابوبکرؓ، یہ کیا؟ پہلے تو آپ نے کبھی اس طرح نہیں کیا۔" رسول ؐ اللہ نے استفسار فرمایا۔
"یا رسول اللہ! اس خیال سے کہ آگے دشمن یا کوئی خطرہ نہ ہو، میں آپ ؐ کے آگے ہو جاتا ہوں۔ پھر اس خیال سے کہ دشمن آپ ؐ کے پیچھے سے نہ آجائیں، میں آپ ؐ کے پیچھے ہو جاتا ہوں۔" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔
"اے ابوبکرؓ، کیا آپ ؐ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی خطرہ ہو تو آپ خود میری بجائے اس سے دو چار ہوں؟" رسول ؐ اللہ نے استفسار فرمایا۔
"اس خدا کی قسم جس نے آپ ؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میری یہی خواہش ہے۔" حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جواب دیا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو حالات کا تجزیہ کر کے منصوبہ بنانے کی بے مثال صلاحیت دی تھی۔ آپ ؐ نے مکہ سے نکلنے اور یثرب تک کے سفر کا جو منصوبہ بنایا، وہ کسی کے ذہن میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔
یثرب مکہ کے شمال میں تھا۔ آپ ؐ نے مکہ سے نکل کر جنوب کا رُخ کیا۔ آپ ؐ کو معلوم تھا کہ جب کفار کو آپ ؐ کے گھر اور شہر سے نکل جانے کا علم ہو گا تو ان کے سوار دستے آپ ؐ کا تعاقب کریں گے اور چونکہ ان کے ذہن میں ہو گا کہ آپ ؐ یثرب جانے کے لئے روانہ ہوئے ہیں، اس لئے وہ یثرب کو جانے والے راستے اور اس کے اردگرد کی گھاٹیوں اور پہاڑیوں کی طرف جائیں گے۔ آپ ؐ نے پہلے سے ہی راتوں رات مکہ کے جنوب میں واقع پہاڑی تک پہنچنے کا پروگرام تیار کر رکھا تھا۔

تاکہ دن چڑھنے سے پہلے پہلے اس کی چوٹی پر واقع ایک غار تک پہنچ جائیں۔اس پہاڑ کا نام جبلِ ثور ہے اور سطح سمندر سے اس کی چوٹی کی اونچائی سات سو انسٹھ میٹر (759) ہے۔یہ پہاڑ حرم سے پانچ کلو میٹر دور ہے۔اس وقت یہ سارا راستہ پہاڑی، ویران اور پتھریلا تھا جس پر چلنا دشوار تھا۔اس لئے حضورؐ کے حکم پر حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو پہلے ہی روانہ کر دیا تھا اور وہ دو اونٹنیوں کے ساتھ شہر سے باہر ایک خفیہ مقام پر آپؐ کا انتظار کر رہا تھا۔(7) ایک اونٹنی پر رسولؐ اللہ سوار ہو گئے، دوسری پر حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ان کا بیٹا سوار ہو گئے اور ان کا رُخ اس جبلِ ثور کی طرف موڑ دیا۔

وادیوں اور سنگلاخ پہاڑیوں پر رات کا تہ در تہ اندھیرا جما ہوا تھا اور دونوں اونٹنیاں پتھریلی زمین پر دوڑی جا رہی تھیں۔صبح کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے عبداللہ کو واپس مکہ آنا تھا تاکہ کوئی دیکھ نہ لے۔پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر رسولؐ اللہ نے اونٹنی کی مہار کھینچ لی۔حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ان کا بیٹا بھی اونٹنی سے اتر آئے اور عبداللہ کو واپس مکہ بھیج دیا۔

رسولؐ اللہ نے جس غار کو پناہ کے لئے منتخب فرمایا تھا اُس کا نام بھی "ثور" ہے۔اس غار تک پہنچنے کے لئے پہلے پہاڑ کی ساری بلندی چڑھنا پڑتی ہے، سنگدل ڈھلوانوں پر چلنا پڑتا ہے (آج بھی جب اس پہاڑی کے دامن کی کچھ بلندی تک سڑک بن گئی ہے اور گاڑیاں جا سکتی ہیں، ہر کوئی غار کی بلندی تک نہیں جا سکتا) رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق رات کے گھپ اندھیرے میں پہاڑ پر چڑھنے لگے۔کبھی سیدھے چلتے، کہیں ایسی بلندی آ جاتی کہ دونوں ہاتھوں اور پاؤں کے سہارے پتھریلی دیوار پر چڑھنا پڑتا تھا(8) رات کے اندھیرے میں نوکیلے پتھروں پر چلتے ہوئے رسولؐ اللہ کے پاؤں زخمی ہو گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کو حضورؐ کے زخموں کا اندازہ ہوا تو انہوں نے آپؐ کو کندھوں پر اٹھا لیا اور چلنے لگے، مگر ان کے لئے بھی آپؐ کو اٹھا کر سارا راستہ طے کرنا دشوار تھا۔اندھیرے میں عمودی اور ڈھلوان چٹانوں پر رسول اللہؐ کو اٹھا کر چڑھائی چڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔رسولؐ اللہ نے انہیں روک دیا اور خود چل کر پہاڑ کی بلندی تک گئے۔

رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا۔مشرقی افق سے چاند نمودار ہو گیا تھا اور پہاڑوں کی بلندیوں پر اس کی چاندنی پھیل گئی تھی۔حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عرض کیا: "حضورؐ! آپؐ یہیں تشریف رکھیں، میں غار میں اتر کر دیکھ لوں۔"

حضورؐ وہیں رک گئے۔حضرت ابوبکرؓ صدیق اندھیرے غار میں اتر گئے۔

پہاڑوں کے ویران غاروں میں کیڑے مکوڑے بسیرا کر لیتے ہیں۔ان میں سانپ، بچھو اور دیگر زہریلے حشرات الارض بھی ہوا کرتے ہیں۔پرندے گھونسلے بنا لیتے ہیں۔ان کے فرش پر پتھر روڑے اور کنکر بکھرے ہوتے ہیں۔حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنے ہاتھوں سے غار کا فرش صاف کیا اور پتھر اور روڑے اٹھا کر باہر پھینک دیئے۔

جب باہر زرد رُو چاند کی روشنی دم توڑ رہی تھی، تو غار کے اندر ابوبکرؓ ٹٹول ٹٹول کر اس کی دیواروں کا جائزہ لے رہے تھے۔دیواروں میں جگہ جگہ سوراخ تھے۔انہوں نے سوچا کیا معلوم کسی سوراخ میں کوئی زہریلا کیڑا مکوڑا، سانپ بچھو چھپا بیٹھا ہو، انہوں نے اپنی پگڑی اتاری اور اس کے ٹکڑے کر کے سوراخوں میں ٹھونس دیئے اور حضورؐ سے درخواست کی: "تشریف لائیں۔"

حضورؐ غار میں اتر گئے۔

آپؐ کے پاؤں زخمی تھے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنی قبا کے بچے ہوئے ٹکڑے آپؐ کے زخموں پر باندھ دیئے۔

فرش پر بچھانے کی لئے کوئی کپڑا نہیں تھا اور نہ ہی سر کے نیچے رکھنے کے لئے کوئی تکیہ تھا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق بیٹھ گئے اور حضورؐ سے عرض کیا: "آپؐ میری گود میں سر رکھ کر آرام فرمائیں۔"

"نہیں، آپ بھی تو تھکے ہوئے ہیں۔" حضور نے ارشاد فرمایا۔

آپؐ غار کے پتھریلے فرش پر لیٹ گئے۔

حضرت ابوبکرؓ بھی آرام کے لئے لیٹ گئے۔

دن کی روشنی پھیلی تو انہوں نے دیکھا کہ ایک سوراخ رہ گیا ہے۔اسے بند کرنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا۔حضرت ابوبکرؓ نے رخ بدل کر اپنا پاؤں سوراخ پر اس انداز میں رکھ دیا کہ سوراخ بند ہو گیا۔

انہیں تسلی ہو گئی کہ حضورؐ کے آرام میں اب کوئی چیز خلل نہیں ڈال سکے گی۔

رات بھر جاگتے رہے تھے۔سفر کے بعد پہاڑ کی چڑھائی چڑھنے سے تھکے ہوئے تھے۔جلد ہی آپؐ کی آنکھ لگ گئی۔

حضرت ابوبکرؓ بھی سو گئے۔

نیند میں ان کے پاؤں میں سخت درد اٹھا۔پھر یہ درد اوپر ٹانگ میں بھی شروع ہو گیا۔ان کی آنکھ کھل گئی۔درد بڑھتا جا رہا تھا۔وہ پوری کوشش کر رہے تھے کہ درد کی وجہ سے منہ سے آواز

تک نہ نکلے۔انہوں نے سختی سے اپنے ہونٹ سی لئے تاکہ رسولؐ اللہ کی نیند میں خلل نہ آئے۔

درد مسلسل بڑھتا جا رہا تھا۔حضرت ابوبکرؓ پسینہ پسینہ ہو گئے،مگر منہ سے اُف تک نہیں کیا۔

ان کی پیشانی سے گرنے والے پسینے کے قطرے رسولؐ اللہ پر گرنے لگے تو حضور کی نیند کھل گئی۔

حضرت ابوبکرصدیق کی حالت دیکھ کر پوچھا:"کیا ہوا؟"

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس بل کی طرف اشارہ کیا جس پر اب بھی انہوں نے سختی سے اپنا پاؤں جما رکھا تھا:"اس بل میں بند کسی چیز نے میرے پاؤں پر کاٹ لیا ہے؟"

حضورؐ اٹھ کر بیٹھ گئے۔حضرت ابوبکر کے پاؤں کا ملاحظہ فرمایا۔زخم کو ہاتھوں سے دبا دبا کر زہر نکالا۔اپنا لعاب مبارک زخم پر لگایا اور پاؤں کے اوپر کر کے ٹانگ پر کس کر کپڑا باندھ دیا تاکہ زہر اور درد اوپر نہ جائیں۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کو جلد ہی افاقہ ہو گیا۔

انہوں نے کپڑا پھاڑ کر وہ سوراخ بھی بند کر دیا۔

جب سورج کی روشنی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیلی تو رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق غارِ ثور کے پتھریلے فرش پر گہری نیند سو رہے تھے۔

مکہ کی پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس

ادھر دارالندوہ میں قریش کی پارلیمنٹ کا ہنگامی اجلاس جاری تھا۔مکہ کے قریش اور ان کے حلیف قبیلوں کے سارے سردار جمع تھے۔ابوجہل بہت طیش میں تھا۔رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کا منصوبہ اسی نے پیش کیا تھا۔رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کے لئے جن افراد کو چنا گیا تھا'وہ بھی اس کی مرضی اور مشورہ سے چنے گئے تھے۔رسولؐ اللہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں میں وہ خود شامل تھا۔ ان کی قیادت کر رہا تھا اور رسول اللہؐ ان سب کے سروں میں خاک ڈال کر محاصرے سے نکل گئے تھے' یہ ابوجہل کی ذاتی ناکامی تھی۔اس پر اسے شرم آنا چاہئے تھی۔رسولؐ اللہ کے گھر اور شہر سے نکل جانے کا علم ہوتے ہی قریش نے تیز رفتار گھوڑ سواروں کے دستے آپؐ کے تعاقب میں بھیج دیئے تھے۔اگر وہ رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق تک پہنچ جاتے تو انہیں اب تک اس کی خبر ہو جانا چاہئے تھی'مگر ابھی تک انہیں کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔اس ساری رسوائی کے باوجود ابوجہل ڈھٹائی اور بے شرمی میں چلّا رہا تھا اور قریش کے باقی سردار اب بھی اس کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے۔

"جو کوئی محمدؐ کو پکڑ لائے یا قتل کر دے، اسے ایک سو اونٹ انعام دیا جائے"۔ کسی نے تجویز پیش کی۔
"اور جو کوئی محمدؐ اور ابوبکرؓ دونوں کو پکڑ لائے گا یا قتل کر دے گا اُسے دو سو اونٹ انعام دیا جائے گا"۔ کسی اور نے کہا۔

پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر یہ تجویز منظور کر لی۔

اس وقت کے عرب معاشرے میں اونٹ سب سے قیمتی چیز تھی۔ جس کے پاس ایک سو اونٹ ہوں وہ بہت امیر کبیر اور مرتبہ والا ہوا کرتا تھا۔ اونٹ کی حیثیت اور مالیت ایسی ہی تھی جیسی (1997ء) کی سواریوں میں اعلیٰ قسم کی پجارو گاڑی کی ہے۔

قریش نے دو سو اونٹ انعام مقرر کر دیا۔

وہ جانتے تھے کہ مکہ کے اندر اور باہر مکہ سے یثرب تک پھیلے صحراؤں اور ریگزاروں میں جو کوئی بھی اتنے بڑے انعام کے بارے میں سنے گا رسولؐ اللہ اور ابوبکرؓ کی تلاش میں نکل پڑے گا۔ انہیں یہ بھی یقین تھا کہ رات کے کچھ حصے میں رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ مکہ سے زیادہ دور نہیں جا سکتے۔ وہ ابھی قریب ہی کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ جب بھی وہ اپنی پناہ گاہ سے نکل کر سفر شروع کریں گے، مکہ اور یثرب کی درمیان بسنے والے قبائل انہیں پکڑ کر مکہ لے آئیں گے۔ قریش کی پارلیمنٹ کے اس فیصلے اور انعام سے دیگر قبائل کو آگاہ کرنے کے لئے ایلچی دوڑا دیئے گئے۔

قریش کی پارلیمنٹ نے سابقہ اجلاس میں رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا، اس کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ اس اجلاس کے شرکاء اور قتل کے لئے چُنے گئے افراد کو چھوڑ کر باقی لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا، مگر نئے فیصلے اور انعام کی خوب تشہیر کی گئی۔ ایک ایک فرد اور قبیلے کو قریش کے اس متفقہ فیصلے سے آگاہ کیا گیا۔

مکہ کے اندر یا باہر کسی ایک بھی فرد نے یہ نہ پوچھا کہ آخر محمدؐ نے جرم کیا کیا ہے؟

آپؐ کے حُسنِ سیرت اور حُسنِ سلوک سے جزیرۃالعرب کے سارے قبائل واقف تھے۔ آپؐ کی شرافت، دیانت، حُسنِ معاملہ اور بنی نوعِ انسان سے ہمدردی سے سب ہی آگاہ ہو چکے تھے۔ اس کے باوجود کسی ایک بھی فرد کے ضمیر نے اسے ملامت نہیں کی۔ جس کسی نے بھی سنا، انعام کے لالچ میں حضورؐ کی تلاش میں نکل پڑا۔

عبداللہ بن ابوبکرؓ

سورج مشرق سے نکلا اور قریشِ مکہ کی بے بسی کا نظارہ کر کے مغرب میں غروب ہو گیا۔ قریش

کے گھوڑ سوار دن بھر یثرب کو جانے والے راستوں، اردگرد کے پہاڑوں، وادیوں اور غاروں میں رسول اللہ ؐ کو تلاش کرتے رہے اور ان کے سردار دارالندوہ میں جمع اپنے اپنے سروں سے وہ خاک نکالنے کے طریقے سوچتے رہے جو رسول اللہ ؐ نے ڈالی تھی۔

اندھیرا ذرا گہرا ہوا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کے فرزند عبد اللہؓ کھانا اور خبریں لے کر غارِ ثور میں پہنچ گئے۔ عبد اللہ بڑا ہوشیار نوجوان تھا۔ رسول اللہ ؐ نے اس کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ قریش کی مجلسوں اور محفلوں سے خبریں جمع کرے اور رات کو یہ ساری خبریں آپ ؐ تک پہنچا جایا کرے تاکہ قریش کے فیصلوں اور چالوں کی روشنی میں یثرب کے لئے روانگی کا پروگرام بنایا جائے۔

عبداللہؓ کے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق کا آزاد کردہ غلام عامر بھی بکریوں کا ریوڑ لے کر پہاڑی کے دامن تک آ گیا۔ عامرؓ اُجرت پر حضرت ابوبکرؓ کی بکریاں چَرایا کرتا تھا۔ مکہ کی وادیوں اور پہاڑیوں میں بکریاں چَرانے والے رات کو بھی وہیں کوئی کھلی جگہ دیکھ قیام کیا کرتے تھے۔ وہ ہر شام بکریاں لے کر مکہ نہیں جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عامرؓ کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ دن کو اردگرد کی وادیوں میں بکریاں چَراتا رہے اور رات کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی پہاڑی کے دامن تک آ جایا کرے تاکہ وہ اس سے رسول ؐ اللہ کے لیے تازہ دودھ حاصل کر سکیں۔

عبد اللہ بکریوں کے ریوڑ تک گیا اور دودھ لے کر واپس آ گیا۔ رات کو وہ وہیں سو گیا، مگر آدھی رات گزرنے کے بعد وہ واپس مکہ روانہ ہو گیا تاکہ صبح ہونے سے پہلے پہلے گھر واپس پہنچ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ رات گھر پر نہیں تھا۔

اگر یہ پتہ چل جاتا تو اس کا صاف مطلب ہوتا کہ اس نے رات رسول اللہ ؐ اور حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ گزاری ہے، کیونکہ سب کو یہ علم تھا کہ رسول اللہ ابھی مکہ کے گرد و نواح میں ہی کہیں موجود ہیں۔

عبد اللہؓ کے جانے کے بعد عامرؓ بھی اس راہ سے بکریاں پہاڑی سے دور لے گیا۔ پہاڑی کے دامن اور وادی کی مٹی پر آنے جانے والوں کے پاؤں کے نشان بن جاتے تھے۔ عرب کے صحراؤں اور ریگزاروں کے کھوجی بڑے ماہر ہوتے اور اونٹنی کے پاؤں کے نشان سے ان کی عمر کا اندازہ کر لیا کرتے تھے۔ عامرؓ پورا ریوڑ اسی راہ سے لاتا اور واپس لے جاتا تھا جس راہ سے عبد اللہؓ آتا اور واپس جاتا تھا تاکہ عبد اللہ کے قدموں کے نشان مٹ جائیں۔

جتنی راتیں رسول ؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ غارِ ثور میں مقیم رہے، عبد اللہؓ اور عامرؓ کا یہی معمول رہا۔

جہاں تیسرا اللہ تھا

ایک روز سورج اپنے سفر کی تیسری منزل میں داخل ہو چکا تھا،حضرت ابوبکرؓ صدیق غار میں لیٹے ہوئے تھے اور رسولؐ اللہ نماز پڑھ رہے تھے' رسولؐ اللہ ہر تکلیف اور پریشانی کے وقت نماز کی نیت باندھ لیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے محسوس کیا کہ باہر سے آدمیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔انہوں نے کان آوازوں پر لگا دیئے۔آوازیں اور بھی قریب ہوتی جا رہی تھیں'پانچ چھ آدمی غار کی طرف آ رہے تھے۔

غار کے اندر رسولؐ اللہ تھے اور حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے۔ان کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا اور پانچ چھ آدمی غار کے دہانے تک پہنچ گئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ پریشان ہو گئے۔

رسولؐ اللہ سلام پھیر چکے تو حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کہا:"یا رسولؐ اللہ!اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف نظر کی تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا:"ابوبکرؓ خاموش رہو۔ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔"

پھر اللہ تعالٰی نے حضرت ابوبکرؓ پر اپنی "سکینت" اتار دی۔سکینت وہ امن ہے جس سے دل سکون اور اطمینان محسوس کرتے ہیں۔

قریش کی طرف سے انعام کے اعلان کے بعد ایک طرف ہر کوئی رسولؐ اللہ کی تلاش میں نکل پڑا تھا'تو دوسری طرف خود قریشِ مکہ شہر کے گرد پھیلے پہاڑوں کے غاروں میں رسولؐ اللہ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ان کا ایک گروہ دو ماہر کھوجیوں کے ساتھ غار تک پہنچ گیا تھا۔ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں' ڈنڈے اور کمانیں تھیں۔کرز بن علقمہ خزاعی نامی کھوجی نے کہا:"اس سے آگے کوئی پتہ نہیں چلتا۔"

"چلو'غار میں بھی اتر کر دیکھ لیں۔" ایک قریشی نے کہا۔

"غار میں تمہیں کیا ملے گا؟ اس کے منہ پر تنا ہوا جالا تو محمدؐ کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔" امیہ بن خلف نے آگے بڑھ کر غار کو دیکھ کر کہا۔

اور وہ سارے واپس چلے گئے۔

حضرت ابوبکرؓ کو نیچے سے ان کے پاؤں دکھائی دے رہے تھے۔

غارِ ثور کی گہرائی صرف چھ فٹ تھی
غار میں داخلہ کے راستے پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکڑی نے جالا بُن دیا تھا(۹) اس طرح کفار کی یہ چال بھی ناکام ہو گئی، کیونکہ غار میں دو کا تیسرا اللہ تھا۔

ہجرت کا سفر

رات آدھی سے زیادہ رات گزر چکی تھی۔جبلِ ثور کی ویران چوٹیوں نے اندھیرے کی سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔نیچے وادیوں میں اندھیرا اور بھی گہرا تھا۔یہ اتوار اور سوموار کی درمیانی رات تھی۔رسولؐ اللہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات مکہ سے نکل کر غارِ ثور میں آئے تھے۔وہ رات گزر گئی۔جمعہ کا دن اور اگلی رات حضورؐ نے غار میں گزارے۔پھر ہفتے کا دن آیا اور گزر گیا۔رات آئی اور وہ بھی گزر گئی۔اتوار کی شام ڈھلے رسولؐ اللہ نے قریش کی تلاش پارٹیوں کی سرگرمیوں کی خبروں کا جائزہ لیا۔

وہ تین دن سے مکہ کے پہاڑوں، وادیوں اور مکہ سے مختلف اطراف کو جانے والے راستوں پر رسولؐ اللہ کو تلاش کر رہے تھے۔ان کے سوار دور دراز تک ہو آئے تھے۔قریش اپنی ناکامی پر پریشان تھے۔وہ جانتے تھے کہ رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق مکہ سے دور نہیں گئے۔اس کا بھی امکان تھا کہ وہ اردگرد کے پہاڑوں اور غاروں کو پھر سے چھاننے کا پروگرام بنا لیں۔
ساری صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد رسولؐ اللہ نے یثرب کے لئے روانگی کا فیصلہ کر لیا۔
عبداللہؓ کے قدموں کی آواز سن کر رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق غار سے باہر آ گئے اور رات کے اندھیرے میں پہاڑ سے نیچے اترنے لگے۔وادی میں پہنچے تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی صاحبزادی اسماءؓ منتظر تھیں۔وہ سفر کے لئے کھانا تیار کر کے لائی تھیں۔حضرت ابوبکرؓ صدیق کے آزاد کردہ غلام عامرؓ بھی موجود تھے۔وہ گائیڈ عبداللہ بن اریقط کو لے کر پہنچ گئے تھے۔عبد اللہ بن اریقط رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کی سواری کے لئے اونٹنیاں بھی لے آیا تھا۔اپنی سواری کے لئے وہ اپنا الگ اونٹ بھی لایا تھا۔
حضرت اسماءؓ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ہمراہ آئی تھیں۔ان کا تیار کیا ہوا کھانا اور پانی کا مشکیزہ عبداللہؓ بھی اٹھا کر لا سکتا تھا،لیکن شاید وہ رسولؐ اللہ اور اپنے باپ کو زندگی کے سب سے خطرناک سفر پر روانہ ہوتے وقت دیکھنا چاہتی تھیں۔ان سے ملنا چاہتی ہوں گی۔
حضرت اسماءؓ اپنے ہاتھ سے کھانے کا تھیلا اور پانی کا مشکیزہ اونٹ کے کجاوے سے باندھنے لگیں، تو

معلوم ہوا کہ جلدی میں وہ رسّی لانا بھول گئی ہیں۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کہا: "اپنا نطاق کھول کر اس کے دو ٹکڑے کر لو۔"
نطاق اس کو پٹکے کہتے تھے جو عرب خواتین اپنی کمر کے گرد باندھتی تھیں۔
حضرت اسماءؓ نے نطاق کھولا' اس کے دو ٹکڑے کئے' ایک سے تھیلا کجاوے سے باندھ دیا اور دوسرا اپنی کمر کے گرد باندھ لیا۔
اسی وجہ سے حضرت اسماءؓ کو ذات النطاقین "دو نطاقوں والی" کہا جاتا ہے۔
سامان بندھ چکا تو رسول ؐ اللہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق دوسری اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ان کے ساتھ عامرؓ بن فہیرہ سوار ہوئے۔
گائیڈ اپنے اونٹ پر سوار ہو گیا۔
اور رسول ؐ اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ اس سفر پر چل پڑے جس نے دنیا کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔
حضرت اسماءؓ اور عبداللہؓ تھوڑی دیر کھڑے رسول ؐ اللہ اور اپنے باپ کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔
جب رات کے سیاہ اندھیرے کی چادر نے حضورؐ کو ڈھانپ لیا تو وہ واپس مکہ کی طرف چل پڑے۔
تین دن اور تین راتیں جب مکہ کے سارے مرد اردگرد کے راستوں' پہاڑوں اور وادیوں میں رسول ؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کو تلاش کرتے پھر رہے تھے' ان بہن بھائی نے بہت دانائی اور ہوشیاری سے رسول ؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ سے رابطہ قائم رکھا تھا۔وہ انہیں ضروریات اور خبریں پہنچاتے رہے تھے۔انہوں نے ہی اس سفر کا انتظام کیا تھا اور کسی کو شبہ تک نہ ہونے دیا تھا۔

ابو قحافہ کے غم

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے والد ابو قحافہ بوڑھے تھے۔آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔ سردار بیٹے کے چلے جانے سے انہیں کئی غموں نے آن پکڑا۔قریش نے ان کے بیٹے کو پکڑ لانے اور قتل کر دینے والے کے لئے ایک سو اونٹ انعام مقرر کر دیا تھا۔یہ فیصلہ کرنے والوں میں ان کے اپنے قبیلے کے لوگ اور عزیز و اقارب بھی شامل تھے۔
انہیں معلوم ہوا کہ ان کا بیٹا گھر سے جاتے وقت اپنی ساری جمع پونجی ساتھ لے گیا ہے۔
اور اپنے بیوی بچے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔
ابو قحافہ کو فکر ہوئی کہ بہو اور پوتے پوتیوں کا گزارہ کیسے ہو گا۔وہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کے گھر گئے۔

"میرا خیال ہے' ابوبکر اپنی جان کے ساتھ سارا مال بھی لے گیا ہے۔" انہوں نے پوتیوں سے پوچھا۔
"نہیں اباجان' انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لئے چھوڑی ہے۔" حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔
پھر انہوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں پوٹلی میں باندھیں۔انہیں ایک طاقچے میں رکھ کر اوپر کپڑا ڈال دیا اور دادا کو پکڑ کر وہاں لے گئیں۔
ابو قحافہ نے کپڑے کو ہاتھ سے ٹٹول کر کہا: "اگر انہوں نے یہ تمہارے لئے چھوڑا ہے تو کافی ہے۔"

پُر خطر راستوں پر

مکہ کے قریش ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نہیں بیٹھ گئے تھے ان کے ایلچی صحراؤں اور ریگزاروں میں بسنے والے تمام قبائل کے پاس پہنچ رہے تھے وہ انہیں رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کا حلیہ بتاتے ان کی اونٹنیوں کے قدکاٹھ کے بارے میں آگاہ کرتے اور قریش کی طرف سے بڑے انعام کا وعدہ کرتے' عرب کے ویرانوں میں رہنے والے قبائل اپنے اپنے علاقے کے خود مختار حاکم ہوتے تھے ان کے سرداروں کا حکم ان علاقوں کا قانون ہوتا تھا ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر ان کی علاقے سے کوئی شخص نہیں گزر سکتا تھا اپنے علاقے سے بلا معاہدہ گزرنے والے کو وہ لوٹ لیں' پکڑ کر قید کر لیں تو بھی انہیں کوئی نہیں پوچھ سکتا تھا۔ مکہ اور یثرب کے درمیان ایسے بہت سے قبائل آباد تھے اور ان سب کے قریش مکہ کے ساتھ قدیمی تعلقات تھے بیرونی تجارت پر قریش کی اجارہ داری اور ان کے حرم کے متولی ہونے کی وجہ سے یہ سب قبائل قریش مکہ کی برتری تسلیم کرتے تھے ان کی خوشنودی کے خواہش مند رہتے تھے

رسولؐ اللہ کو ان سب کے علاقوں سے گزر کر یثرب پہنچنا تھا اس طرح آپؐ کے لئے یہ سفر بہت ہی خطرناک تھا آپؐ ان سب خطرات سے اچھی طرح آگاہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو جو مشن سونپا تھا اس کی تکمیل کے لئے آپؐ کسی خطرے کی پروا نہیں کرتے تھے
اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کا وعدہ کر رکھا تھا
اور آپؐ کو اللہ کے وعدے پر پختہ یقین تھا
ایمان اور وعدے کی اسی پختگی کی وجہ سے آپؐ بلا کوئی ہتھیار اٹھائے یثرب کے سفر پر نکل پڑے تھے راستے کی سمت کا تعین آپؐ خود فرماتے تھے اور اس سمت سے ہو کر جانے والے پیچیدہ راستوں کا انتخاب گائیڈ کے ذمے تھا غار ثور سے نکل کر آپؐ نے مغرب کا رخ کیا (یثرب شمال

میں تھا) اور تھوڑا سا جنوب کی طرف مڑ کر سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

ایک دن اور اگلی پوری رات آپؐ مسلسل سفر کرتے رہے۔اس سے اگلے روز دھوپ کی شدت بڑھ گئی‘تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگے جہاں حضورؐ کچھ دیر کے لئے آرام فرمالیں۔دور ایک چٹان دکھائی دی۔وہاں پہنچے تو چٹان کا سایہ ابھی باقی تھا۔سورج ایسے زاویئے پر نہیں آیا تھا جہاں سے چٹان کا سایہ معدوم ہو جائے۔حضرت ابوبکرؓ نے سائے میں جگہ صاف کی اور فرش بچھا دیا۔"حضورؐ!آپؐ آرام فرمالیں۔"

حضرت ابوبکرؓ خود نگرانی کرنے لگے کہ کسی طرف سے کوئی تلاش کرنے والا تو نہیں آرہا۔انہیں دور ایک چرواہا نظر آیا۔وہ بھی اپنی بکریاں ہانکتا ہوا اسی سائے کی طرف آرہا تھا۔اسے معلوم تھا کہ اس وقت چٹان کا سایہ دراز ہو گا۔وہ اپنی بکریوں کو آرام کے لئے ادھر لا رہا تھا۔

"اے نوجوان!تم کس کے غلام ہو؟" حضرت ابوبکرؓ صدیق نے چرواہے سے پوچھا۔

اس نے ایک قریشی کا نام لیا جسے حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے۔

"تمہاری بکریاں دودھ دیتی ہیں؟" حضرت ابوبکر نے پوچھا۔

"جی ہاں‘دیتی ہیں۔"

"تم ہمارے لئے بکری کا کچھ دودھ نکال دو گے؟"

"ہاں نکال دوں گا۔" چرواہے نے جواب دیا۔

چرواہا ایک بکری پکڑ لایا۔

"پہلے اس کے تھن صاف کرو اور پھر اپنے ہاتھ۔" حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔

چرواہے نے بکری کے تھن صاف کئے‘اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے اور بکری کا دودھ نکال دیا۔

دودھ گرم تھا۔حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضورؐ کے لئے ایک مشکیزے میں پانی ڈال کر اس کے اوپر ایک گیلا کپڑا لپیٹ رکھا تھا تاکہ پانی ٹھنڈا رہے۔انہوں نے ٹھنڈا پانی دودھ والے برتن پر ڈالا دودھ ٹھنڈا ہو گیا تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔حضورؐ نیند سے بیدار ہو چکے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے دودھ پیش کیا‘حضورؐ نے سیر ہو کر ٹھنڈا دودھ پیا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خود ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نہیں کیا تھا۔ان کا آزاد کردہ غلام عامرؓ بھی خدمت کے لئے ساتھ تھا‘مگر رسولؐ اللہ کی خدمت کا شرف وہ خود حاصل کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد چاروں اونٹنیوں پر سوار ہوئے اور آگے چل دیئے۔

اور اللہ نے سراقہ کو گرا دیا

قبیلہ بنی مدلج کا سردار سراقہ بن مالک اپنی قوم کی محفل میں بیٹھا تھا۔"اے سراقہ!میں نے ابھی ابھی ساحل کے راستے پر چند آدمی دیکھے ہیں۔میرا خیال ہے کہ وہ محمدؐ اور اس کے ساتھی ہی ہیں۔" ایک آدمی نے اسے اطلاع دی۔

سراقہ نے اس کی بات غور سے سنی' پھر اس سے ان مسافروں کا حلیہ پوچھا۔بتانے والے نے مسافروں کا حلیہ بھی اچھی طرح بیان کر دیا۔

"نہیں' وہ محمدؐ اور اس کے ساتھی نہیں تھے' بلکہ وہ تو فلاں فلاں تھے جو ادھر ہمارے پاس سے گئے ہیں' تمہیں دھوکا ہوا ہے۔" سراقہ نے اس کی بات رد کر دی۔

وہ تھوڑی دیر محفل میں بیٹھا رہا۔پھر اٹھ کر اپنے گھر گیا۔لونڈی کو حکم دیا کہ وہ اس کا گھوڑا تیار کر کے باہر ٹیلے کے پیچھے لے جائے۔پھر اس نے اپنا برچھا لیا اور پچھلی طرف سے گھر سے باہر نکل کر اس ٹیلے کی طرف چلنے لگا جہاں اس کی لونڈی گھوڑا لئے کھڑی تھی۔اس نے اپنے برچھے کی نوک والا حصہ نیچے کی طرف کیا ہوا تھا اور اس طرح برچھا چھپا کر چل رہا تھا کہ اس کی نوک زمین سے چھو رہی تھی۔

اس کے قبیلے کے آدمی نے ساحلِ سمندر کے راستے پر سفر کرنے والے مسافروں کا جو حلیہ بتایا تھا' اس سے سراقہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ رسولؐ اللہ اور آپؐ کے ساتھی ہی ہیں' لیکن اگر وہ محفل میں موجود باقی لوگوں کے سامنے کہتا کہ تم نے ٹھیک پہچانا ہے تو وہاں موجود سب لوگوں کو رسولؐ اللہ کے تعاقب میں شامل کرنا پڑتا اور دو سو اونٹ سب میں تقسیم ہو جاتے' کیونکہ قریش کے آدمی اسے اور اس کی قوم کو بتا گئے تھے کہ محمدؐ رسول اللہ مکہ سے یثرب کے لئے نکل آئے ہیں اور جو کوئی انہیں زندہ یا مردہ قریش کے حوالے کرے گا' وہ اسے دو سو اونٹ انعام دیں گے۔

سراقہ اتنا بڑا انعام اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا۔اسے یہ بھی معلوم تھا کہ رسولؐ اللہ اور آپؐ کے ساتھیوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں۔اس نے سوچا وہ اکیلا ہی ان چاروں کے لئے کافی ہو گا۔اپنی قوم کے باقی لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کے لئے اس نے پہلے گھوڑا ٹیلے کے پیچھے بھجوایا' پھر گھر کے پچھلی طرف سے نکل کر برچھا لہرانے کی بجائے اس کی نوک زمین کی طرف کر لی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ وہ ہتھیار لے کر رسولؐ اللہ اور آپؐ کے ساتھیوں کے تعاقب میں جا رہا ہے۔ٹیلے کے

پیچھے پہنچ کر اس نے لونڈی سے گھوڑا لیا اور سوار ہو کر اس راستے کی طرف دوڑا دیا۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اسے دور سے آتے دیکھا تو فکر مند ہو گئے۔"یا رسولؐ اللہ! تلاش کرنے والے قریب پہنچ گئے ہیں"۔
"فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا اور اسی رفتار سے چلتے رہے۔
سراقہ کا گھوڑا بہت تیز دوڑتا آ رہا تھا۔وہ اور بھی قریب پہنچ گیا۔
حضرت ابوبکرؓ اسی کی طرف دیکھتے جا رہے تھے اور رسولؐ اللہ بلند آواز میں تلاوت فرما رہے تھے۔
سراقہ کے گھوڑے نے اچانک ٹھوکر کھائی اور گر گیا۔
سراقہ کے دل میں شبہ پیدا ہونے لگا۔آزمودہ گھوڑے کا اچانک گر جانا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔اس نے فال نکالی کہ وہ رسولؐ اللہ اور ساتھیوں کو نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو جائے گا یا نہیں۔
فال اس کی خواہش کے خلاف نکلی۔
مگر انعام اتنا بڑا تھا کہ اس نے فال کی بجائے اپنی خواہش پر عمل کیا۔گھوڑے پر سوار ہو کر پھر اسے دوڑا دیا اور رسولؐ اللہ اور ساتھیوں کے اتنا قریب پہنچ گیا کہ حضورؐ کی تلاوت کی آواز اس تک پہنچ رہی تھی۔
حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کہا:"یا رسول اللہ! دشمن قریب پہنچ گیا ہے"۔
رسولؐ اللہ نے دعا فرمائی:"یا اللہ! اس کو گرا دے"۔
رسولؐ اللہ نے اس کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا۔
سراقہ کا دوڑتا ہوا گھوڑا اچانک رک گیا اور اس کی سامنے کی ٹانگیں زمین میں دھنس گئیں۔سراقہ گھوڑے سے گر گیا۔
سراقہ اٹھا۔گھوڑے کو چابک دکھایا تو گھوڑے نے پورا زور لگا کر اپنی ٹانگیں زمین سے نکالیں۔
سراقہ نے ایک بار پھر فال نکالی۔
اس بار بھی فال اس کی خواہش کے خلاف نکلی۔
رسولؐ اللہ اور ساتھی آگے نکل گئے تھے۔
سراقہ نے وہیں سے بلند آواز میں باہمی امن اور تحفظ کی درخواست کی۔
رسولؐ اللہ رک گئے۔
سراقہ آپؐ کے پاس پہنچا۔قریش کے ایلچیوں اور انعام کے بارے میں بتایا اور کہا:"آپؐ سفر میں

ہیں۔اجازت ہو تو زادِ سفر فراہم کر دوں۔" اس کی قوم کا علاقہ اس سے بھی آگے تک تھا اور اس کے ملازم اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں کے ساتھ آگے بھی موجود تھے۔
رسول اللہ نے فرمایا:"ہمارے حال کو پوشیدہ رکھ۔"
سراقہ نے درخواست کی کہ اسے تحریر لکھ دی جائے کہ جب آپ دوسروں پر غالب آجائیں گے تو اسے امن دیں گے۔
اسے یقین ہو گیا تھا کہ رسول اللہ قریش پر غالب آجائیں گے۔
رسول اللہ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا جس کے پاس لکھنے کا سامان تھا اس نے حضورؐ کے حکم کے مطابق سراقہ کو امن کی سَند لکھ دی۔
اور رسول اللہ اپنے سفر پر آگے چل دیئے۔

اُمِ معبد کی بکری

ایک روز رسول اللہ کا قافلہ ایک چھوٹی سی بستی میں داخل ہوا۔یہ قبیلہ بنو خزاعہ کی بستی تھی۔
راستے کے پاس ہی دو خیمے کھڑے تھے۔خیموں کے سامنے ایک باوقار خاتون بیٹھی تھی۔اس کا نام اُمِ معبد تھا۔پیاسے مسافر کو پانی پلانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا عربوں کی روایت تھی۔اہلِ قافلہ کو بتایا گیا تھا کہ اُمِ معبد اس روایت کی پابندی کیا کرتی ہے۔
"کیا آپ کے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ دودھ کھجور یا گوشت، جو بھی ہو، ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔" اہلِ قافلہ نے خاتون سے پوچھا۔
"واللہ!گھر میں کچھ ہوتا تو میں آپ کی ضیافت کرتی۔" خاتون نے جواب دیا۔"میری بکریاں چَرنے گئی ہوئی ہیں۔اس وقت گھر میں بھی کھانے کو کچھ نہیں۔"
ایک خیمے کے کونے میں ایک بکری بیٹھی تھی۔
"اُمِ معبد، وہ بکری کیسی ہے؟" رسول اللہ نے بکری دیکھ کر پوچھا۔
"وہ بکری بہت لاغر ہے اور کمزوری کی وجہ سے باقی بکریوں کے ساتھ چَرنے بھی نہیں جا سکتی۔" اُمِ معبد نے بتایا۔
"کیا یہ بکری کچھ دودھ دیتی ہے؟" رسول اللہ نے استفسار فرمایا۔
"وہ تو اتنی کمزور ہے کہ دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دے سکتی۔" اُمِ معبد نے جواب دیا۔
"اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس کا دودھ دوہ لیں؟" رسول اللہ نے پوچھا۔

"میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! اگر آپؐ اس کے تھنوں میں دودھ دیکھتے ہیں' تو خوشی سے نکال لیں۔" اُمِ معبد نے روایتی خوش اخلاقی سے کہا۔

رسول اللہ ﷺ نے بکری منگوائی' بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی: "الٰہی! اس بکری میں برکت عطا فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی دعا قبول فرمالی۔ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آپؐ نے ایک بڑا برتن منگوایا اور اپنے دستِ مبارک سے بکری کا دودھ نکالنے لگے۔ برتن بھر گیا۔

سب سے پہلے آپؐ نے اُمِ معبد کو دودھ پینے کو کہا۔ وہ سیر ہو گئیں تو اپنے تمام ساتھیوں کو دودھ پلایا اور سب سے آخر میں خود دودھ پیا اور فرمایا: "پلانے والا آخر میں پیتا ہے۔"

اس کے بعد آپؐ پھر دودھ دوہنے لگے۔ برتن پھر بھر گیا۔ دودھ سے بھرا ہوا برتن اُمِ معبد کے حوالے کر کے آپؐ نے فرمایا: "ابومعبد آئے تو یہ دودھ اسے دے دینا۔" اور خود اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔

اُمِ معبد بڑے غور سے آپؐ کی باتیں سن رہی تھیں۔ آپؐ کے ساتھیوں کا رویہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ روزانہ اس راہ سے گزرنے والے بہت سے مسافروں کو دیکھتی تھیں۔ ان سے گفتگو کرتی تھیں' لیکن ایسے مسافر تو اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

وہ لاغر اور سُوکھی بکری کے اتنا دودھ دینے پر بھی حیران تھی۔

شام کو اس کا خاوند بکریاں چَرا کر واپس آیا تو گھر میں دودھ سے بھرا برتن دیکھ کر پوچھا: "یہ دودھ کہاں سے آیا؟"

"خدا کی قسم! یہ ایک بابرکت مسافر کی وجہ سے اترا ہے۔" اس نے اپنے خاوند کو سارا واقعہ سناتے ہوئے کہا۔

"بخدا! یہ تو وہی آدمی معلوم ہوتا ہے جسے قریش کے آدمی ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ مجھے ذرا اس کا حلیہ تو بتا۔"

قریش کے لوگ جہاں اور جدھر بھی رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈنے جاتے تھے' لوگوں کو آپؐ کا حلیہ خوب اچھی طرح بتاتے تھے تاکہ جو کوئی دیکھے' پہچاننے میں کوئی غلطی نہ کرے۔

اُمِ معبد نے اپنے خاوند کو بتایا:

"وہ ایک پاکیزہ اخلاق کا خوبصورت انسان تھا۔
بڑی توند نے اس کے حُسن کو داغدار نہیں کیا تھا۔

اور نہ ہی گنجے سر نے اسے حقیر بنایا تھا۔
اس کی گردن لمبی تھی۔
آنکھیں موٹی موٹی تھیں جن کا سفید حصہ بہت سفید اور سیاہ حصہ بہت سیاہ تھا۔
پلکیں لمبی اور گھنی تھیں' ابرو لمبے تھے۔
سر کے بال سیاہ اور دراز تھے۔
داڑھی بھاری تھی۔
آواز گرجدار تھی۔
چپ رہتا تو پُر وقار ہوتا۔
بات کرتا تو منہ سے موتی جھڑتے۔
میٹھی بولی' علیحدہ علیحدہ الفاظ' نہ ضرورت سے زیادہ اور نہ کم۔
قد نہ اتنا لمبا کہ آنکھ کو برا لگے' نہ اتنا پست جس کو آنکھ حقیر جانے۔
وہ جب بات کرتا تھا تو اس کے ساتھی کان لگا کر سنتے تھے۔
حکم دیتا تو فوراً بجا لاتے تھے۔
وہ ایسا مخدوم تھا جس کی مجلس ہر وقت بھری رہتی ہے۔
نہ ماتھے پر بل ڈالنے والا تھا اور نہ حواس باختہ بوڑھا۔"

عرب کے صحرانشیں ایک ہی نظر میں آدمی کا حلیہ دماغ میں محفوظ کر لینے اور خوبصورت انداز میں بیان کرنے کی بے مثل صلاحیت رکھتے تھے۔

"خدا کی قسم! یہ تو قریش کا وہی آدمی ہے جسے وہ ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اور جس کے واقعات ہم سے بیان کئے جاتے ہیں' میں اس سے ملتا تو ساتھ دینے کی درخواست کرتا۔ جب بھی کبھی موقع ملا میں اس کی خدمت میں حاضری دوں گا۔" معبد کے باپ نے حضورؐ کا حلیہ سن کر کہا۔

کچھ عرصہ بعد ابو معبد اور ام معبد دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔

حضرت زبیرؓ سے ملاقات

رسولؐ اللہ کا قافلہ مسلسل سفر میں رہا۔ آپؐ جزیرۃ العرب کی شدید گرمی میں دن رات سفر کر رہے تھے۔ گرد آلود گرم ہوائیں چلتی رہیں اور رسولؐ اللہ یثرب کی طرف رواں دواں رہے۔

ایک روز دور سے ایک قافلہ آتا نظر آیا۔قافلہ اسی راستے پر آ رہا تھا جس پر حضورؐ کا قافلہ یثرب کی طرف جا رہا تھا۔سامنے سے آنے والا قافلہ کافی بڑا تھا۔اونٹوں کی قطاریں تھیں۔سوار تھے اور قافلہ کے محافظ تھے۔رسولؐ اللہ نے اسی راستے پر سفر جاری رکھا۔قریب پہنچے تو حضرت زبیرؓ بن عوام نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔یہ تجارتی قافلہ تھا جو شام سے آ رہا تھا اور مکہ جا رہا تھا۔حضرت زبیرؓ کا مالِ تجارت بھی اس قافلے میں تھا۔وہ بھی شام کے تجارتی سفر سے آئے تھے۔انہیں یثرب سے گزرتے ہوئے معلوم ہو چکا تھا کہ رسولؐ اللہ مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔وہ بھی جلد از جلد یثرب پہنچنا چاہتے تھے،مگر تجارت کا مال مکہ پہنچانا ضروری تھا۔انہوں نے دیکھا کہ طویل سفر میں رسولؐ اللہ کا لباس گرد آلود ہو گیا ہے۔وہ شام سے جو سامان لائے تھے اس میں سے کپڑوں کے دو جوڑے نکالے۔ایک حضورؐ کو پیش کیا اور ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اور وعدہ کیا کہ وہ بھی جلد یثرب میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو جائے گا۔حضورؐ نے انہیں تجارتی قافلے کے ساتھ جانے مکہ کی طرف سفر جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔

سلامتی کی منزل میں

ایک روز ایک جگہ کچھ اونٹ نظر آئے تو حضورؐ نے پوچھا:"یہ کس کے اونٹ ہیں؟"

"یہ قبیلہ اسلم کا علاقہ ہے اور کسی اسلم کے اونٹ ہیں۔" حضورؐ کو بتایا گیا۔

"انشاء اللہ میں سلامتی تک آگیا۔" رسولؐ اللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اسلم قبیلہ والے بھی ابھی تک اپنے آبائی دین پر ہی تھے۔وادیٔ رکوبہ کے ویرانے میں مسافروں کو لوٹنے والے چور "مہانان" اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔حضورؐ کو ان کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا۔اسلم قبیلہ والوں کو بھی پہلے سے علم تھا کہ رسولؐ اللہ مکہ سے یثرب کے لئے روانہ ہو چکے ہیں اور قریش نے آپؐ کو گرفتار یا قتل کرنے والوں کے لئے بھاری انعام مقرر کر رکھا ہے۔قبیلے کے سردار اوس بن حجر اسلمی کو آپؐ کی آمد کی خبر ملی،تو وہ خود حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اپنے غلام مسعود کو حکم دیا کہ وہ قبیلے کے علاقہ میں حضورؐ کے ساتھ رہے اور وادیٔ کوبہ کے مختصر راستے سے حضور کے قافلے کو یثرب کی طرف لے جائے۔مسعود اونٹ پر سوار ہو گیا اور آگے آگے چلنے لگا۔کسی قبیلے کے سردار کی طرف سے اپنے علاقہ سے گزرنے والے کسی قافلے یا مسافر کے ساتھ اپنا رہنما بھیجنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ اس فرد یا قافلے کے سالار کی عزت اور احترام کرتا ہے(10) اسلم قبیلے کی حدود ختم ہو گئیں تو مسعود نے حضورؐ سے واپسی کی

اجازت چاہی اور عرض کیا کہ وہ دوسرے قبیلے کے علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا۔
حضورؐ نے اسے واپس جانے کی اجازت دے دی۔
اس سے آگے آتش فشاں کے سیاہ ٹھنڈے لاوے کے ٹیلے تھے جن کی دوسری طرف قباء کی ہری بھری وادی تھی۔سورج دوسری منزل میں داخل ہو چکا تھا۔گرمی بہت شدید پڑ رہی تھی اور حضورؐ لاوے کے سیاہ پہاڑوں میں سفر کر رہے تھے۔اتنی گرمی میں اس وقت لوگ گھروں میں آرام کرتے ہیں۔مسافر سامان کھول کر سائے میں بیٹھ جاتے ہیں‘ لیکن حضورؐ کا قافلہ چلتا رہا۔
سیاہ پہاڑوں کا سلسلہ ختم ہوگیا۔جب قافلہ قباء کی خوبصورت وادی میں داخل ہوا تو سورج نصف النہار سے تھوڑا نیچے آگیا تھا۔

رسولؐ اللہ کا قباء میں داخلہ

گرمی بہت شدید تھی۔زمین ایسے تپ رہی تھی جیسے بھٹی میں گرم کیا لوہا ہو۔قباء کے باسی مکانوں کے اندر پناہ لئے ہوئے تھے۔بستی کی گلیاں ویران تھیں۔
”اے مسلمانو! جس سردار کا تمہیں انتظار تھا‘وہ آ رہا ہے۔“ بستی کی خاموش فضاء میں ایک آواز گونجی۔
”اللہ اکبر!اللہ اکبر!“جس کسی نے سنا نعرے لگاتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔
بستی اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔
مردوں نے جلدی جلدی ہتھیار لگائے اور باہر کی طرف دوڑے۔
خواتین مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئیں۔
لڑکے”اللہ اکبر‘ رسولؐ اللہ تشریف لائے! اللہ اکبر‘ محمدؐ تشریف لائے!“ کے نعرے لگاتے گلیوں میں دوڑنے لگے۔
قباء کی بستی میں عجیب منظر تھا۔عورتیں‘ بچے‘بوڑھے اور جوان سب رسولؐ اللہ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔
اہلِ یثرب کئی روز سے رسولؐ اللہ کا انتظار کر رہے تھے۔صبح کی نماز کے بعد مہاجرین اور انصار سارے ہی وادی سے نکل کر مکہ سے آنے والے راستے پر جا بیٹھتے تھے۔جیسے جیسے رسولؐ اللہ کی آمد میں تاخیر ہو رہی تھی‘مہاجرین کی تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔اس روز بھی وہ سارے صبح ہی لاوے کی چٹانوں میں جا بیٹھے تھے۔دوپہر تک وہ رسولؐ اللہ کی راہ تکتے رہے تھے اور جب

چٹانوں نے اپنے سائے سمیٹ لئے اور گرمی ناقابلِ برداشت ہو گئی تو وہ بستی کی طرف واپس آ گئے تھے۔اس جگہ کوئی درخت نہیں تھا۔ہر طرف آتش فشاں کے لاوے کی چٹانیں اور ڈھیر تھے جو دھوپ میں لوہے کی مانند گرم ہو جاتے تھے۔ابھی وہ واپس ہوئے ہی تھے کہ رسولؐ اللہ کا قافلہ وادی میں داخل ہو گیا۔ایک یہودی کسی کام سے اپنے مکان کی چھت پر کھڑا تھا۔یثرب اور قباء کے یہودیوں کو بھی علم تھا کہ یثرب کے انصار اور مہاجرین کس ہستی کی راہ دیکھتے جاتے ہیں۔رسولؐ اللہ کا قافلہ وادی میں داخل ہوتے دیکھ کر اس نے مکان کی چھت سے ہی آواز دی تھی: "اے مسلمانو! جس سردار کا تمہیں انتظار تھا وہ آ رہا ہے۔"

اور سارے مسلمان گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔

وادی میں داخل ہو کر رسولؐ اللہ نے عامر بن فہیرہ کو آگے بھیج دیا تھا تاکہ وہ انصار کو آپؐ کی آمد کی اطلاع دے، لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی مکان پر کھڑے یہودی نے آپؐ کا قافلہ دیکھ لیا تھا۔

رسولؐ اللہ اور حضرت ابوبکرؓ صدیق نے بستی کے قریب پہنچ کر کھجور کے ایک درخت کے پاس اپنی اونٹنیاں روک لیں۔

دھوپ بہت تیز تھی۔آپؐ کھجور کی چھدری چھاؤں میں بیٹھ گئے۔

بستی کے لوگ نعرے لگاتے چلے آ رہے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق رسولؐ اللہ کے اوپر چادر تان کر کھڑے ہو گئے۔

جو بھی آتا رسولؐ اللہ کو سلام عرض کر کے پاس کھڑا ہو جاتا۔

بستی کی خواتین مکانوں کی چھتوں پر کھڑی رسولؐ اللہ کا انتظار کر رہی تھیں۔

رسولؐ اللہ خاموش تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ پر وحی نازل ہو رہی تھی:

"اللہ آپؐ کا مولیٰ ہے اور جبریلؑ اور صالح مومنین بھی اور اللہ کے فرشتے آپؐ کے مددگار ہیں۔"

(4:66)

انصار عربوں کے روایتی انداز میں استقبالیہ نعرے لگانے لگے۔

ان کے بزرگوں نے آپؐ سے عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ! تشریف لائیے۔آپؐ ہمارے امام، حاکم اور امن کے پیامبر ہیں۔"

قباء کے انصار نے اپنے اپنے ہتھیار سجا رکھے تھے۔وہ جلوس بنا کر آپؐ کو اور حضرت ابوبکرؓ صدیق

کو بستی میں لے گئے۔

جب آپؐ بستی میں داخل ہوئے تو قباء والوں کے بچے اور خادم گلیوں میں نعرے لگاتے ہوئے دوڑتے پھر رہے تھے۔ ہر کوئی آپؐ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ جدھر سے آپؐ گزرتے خواتین چھتوں پر سے پوچھتیں: "رسولؐ اللہ کونسے ہیں؟ رسول اللہ کدھر ہیں؟"

جس کسی کو آپؐ کی ایک جھلک نظر آجاتی' وہ اپنے مقدر پر ناز کرنے لگتا۔

آپؐ اوس کے قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے محلے میں حضرت کلثومؓ بن ھدم کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے بھی قبا میں انہی کے ہاں قیام کیا تھا۔ اس وقت بھی کئی مہاجر حضرت کلثومؓ کے ہاں مقیم تھے۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق بنی حارث بن خزرج کے ایک شخص حضرت خبیبؓ بن اساف کے ہاں ٹھہرے۔

یثرب اور اردگرد کی بستیوں میں آپؐ کی آمد کی خبر پہنچی تو وہاں بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ انصار اور مہاجرین میں سے جس کسی نے بھی سنا حضورؐ سے شرفِ ملاقات کے لئے قباء کی طرف چل دیا۔

قباء سے باہر کا جو شخص سب سے پہلے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ حضرت عمرؓ بن خطاب تھے۔

دوسری بستیوں سے آنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ حضرت سعدؓ بن خثیمہ کا گھر کافی وسیع تھا۔ انہوں نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ حضرت کلثومؓ کے گھر میں ان کے بال بچے بھی تھے۔ حضرت سعدؓ نے بھی اپنا گھر حضورؐ کو پیش کر دیا۔

حضورؐ انصار اور مہاجرین سے ملاقات حضرت سعدؓ بن خثیمہ کے گھر فرماتے' لیکن رہائش حضرت کلثومؓ بن ھدم کے ہاں ہی رکھی۔

رسولؐ اللہ یکم ربیع الاول کو غارِ ثور سے روانہ ہوئے تھے۔ آپؐ آٹھ ربیع الاول (23 ستمبر622ء) کو قباء پہنچ گئے۔ وہ سوموار (دو شنبہ) کا دن تھا۔

حضورؐ کا مکہ معظمہ سے قباء تک کا سفر نہایت پُر خطر تھا۔ بہت کٹھن تھا۔ قریش کے سوار آپؐ کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ قریش کی طرف سے دو سو اونٹ کا انعام مقرر کرنے کی وجہ سے راستہ کے سارے قبائل اور ان کے افراد آپؐ کی تلاش میں تھے۔ آپؐ کے ساتھ نہ کوئی حفاظتی دستہ تھا اور نہ ہی آپؐ کے پاس کوئی ہتھیار تھا۔

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اللہ تعالیٰ کی مدد اور کرم کے سہارے یہ پُرخطر سفر اختیار کیا تھا۔ اللہ

تعالیٰ نے حفاظت اور سلامتی کے ساتھ آپؐ کو قباء تک پہنچا دیا۔راستے میں جس کسی نے بھی آپؐ کا راستہ روکنے کی کوشش کی'وہ دشمن سے محافظ اور دوست بن گیا تھا۔

حضورؐ کی عمر اس وقت ترپن سال تھی۔موسم شدید گرم تھا۔اس گرمی میں آپؐ مسلسل سفر میں رہے۔دن رات پُرپیچ راستوں پر چلتے رہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت' بصیرت اور رہنمائی سے سب مشکلات پر فتح یاب ہو گئے۔

حضرت علیؓ بھی اہلِ مکہ کی امانتیں واپس کر کے قباء پہنچ گئے اور حضورؐ کے ساتھ حضرت کلثومؓ بن ھدم کے ہاں ہی قیام کیا۔

قباء میں قیام کے دوران رسولؐ اللہ نے اپنے دستِ مبارک سے ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ حضرت کلثومؓ بن ھدم کے گھر کے پاس ہی ان کی کچھ خالی زمین پڑی تھی۔یہ مسجد اس زمین پر تعمیر کی گئی۔رسولؐ اللہ کی بعثت کے بعد یہ پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے تعمیر کی گئی۔اس مسجد کی تعمیر میں رسولؐ اللہ نے خود حصہ لیا۔انصار اور مہاجرین بھی اپنے ہاتھوں سے مٹی اور گارا اٹھا کر لاتے رہے تھے۔

حواشی/ حوالہ جات

1- اکثر کتابوں میں لکھا ہے کہ ابو جہل نے تجویز کیا تھا کہ ہر قبیلے سے ایک نوجوان لیا جائے، لیکن اس متفقہ فیصلے کے مطابق اس کام کے لئے جو افراد چنے گئے تھے اور جنہوں نے رسولؐ اللہ کو قتل کرنے کے ارادے سے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا' ان میں خود ابو جہل اور ابولہب بھی شامل تھے اور کم از کم یہ دونوں کسی لحاظ سے بھی نوجوان نہیں تھے۔

2- تفسیر اور سیرت کی بعض کتابوں میں بنی ہاشم کی بجائے بنو عبد مناف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ سب کے خلاف لڑ نہیں سکیں گے' مگر اجلاس میں فیصلہ کرنے والے چودہ سرداروں میں سے چھ کا اپنا تعلق بنو عبد مناف سے تھا اس لئے ابو جہل بنو عبد مناف کیسے کہہ سکتا تھا؟

3- آج سے مراد 1997ء ہے۔

4- صفی الرحمٰن مبارکپوری نے رحیق المختوم میں ان افراد کی تعداد گیارہ بتائی ہے اور حارث بن قیس ابن الغیطلہ کو ان میں شامل نہیں کیا' مولانا مودودی' مولانا ابوالکلام آزاد اور شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب تینوں نے یہ تعداد بارہ بتائی ہے۔ مولانا مودودی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے رسولؐ اللہ کے گھر کا محاصرہ کرنے والوں کے نام بھی وہی لکھے ہیں جو ہم نے لکھے ہیں۔ البتہ شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے زمعہ بن اسود کی بجائے ربیعہ بن اسود اور حارث بن قیس ابن الغیطلہ کی بجائے ابن ابی حاتم کو ان بارہ افراد میں شامل کیا ہے۔

6-5- Martin Lings/Muhammad His life Based on the earliest sources/ Services Book Club /1985/ page 117

7- Martin Lings/Muhammad His life based on the earliest sources/ Services Book Club/ 1985/page 118

8- بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ رسولؐ اللہ دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی مدد سے اس لئے پہاڑ پر چڑھ رہے تھے تاکہ آپؐ کے پاؤں کے نشانات نہ بن جائیں اور انہیں دیکھ کر کفارِ مکہ غار تک نہ پہنچ جائیں۔ جن لوگوں نے کوہ پیمائی کی ہے یا کبھی پہاڑوں پر چڑھے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھتے وقت دن کی روشنی میں بھی کئی بار دونوں ہاتھوں اور پاؤں پر چلنا پڑتا ہے' کیونکہ راستے کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے' آپؐ جب غارِ ثور کی بلندی چڑھ رہے تھے' اس وقت تو رات تھی۔ رات کا اندھیرا تھا۔ پہاڑوں پر چڑھنے کے لئے تو دن کی روشنی میں بھی کئی مقامات پر پیشہ ور کوہ پیما بھی پاؤں پاؤں

نہیں چل سکتے۔ویسے بھی اس پتھریلی زمین اور چٹانوں پر پاؤں کے نشانات بن جانے کا زیادہ امکان نہیں تھا۔اگر کہیں پتھروں پر تھوڑی بہت مٹی کی تہ جم گئی ہو تو اس پر بنے نشانات ہوا چلنے سے مٹ جاتے ہیں۔

9- جس کسی نے بھی چھوٹی سی مکڑی کو جالا بُنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' اس کے لئے یہ بات کوئی حیرانی کی نہیں۔مکڑی چند لمحوں میں بہت لمبا چوڑا جالا بنا لیتی ہے۔

10- قاضی محمد سلیمان منصورپوری نے رحمتہ اللعالمین میں لکھا ہے کہ بریدہؓ اسلمی اپنے ستّر ساتھیوں کے ہمراہ رسولؐ اللہ کو پکڑنے نکلا تھا اور حضورؐ سے ملاقات کے بعد وہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔بریدہ نے اپنی پگڑی اتار کر نیزے پر باندھ لی تھی اور "امن کا بادشاہ، صلح کا حامی' دنیا کو عدالت و انصاف سے بھرپور کرنے والا تشریف لا رہا ہے۔" کا اعلان کرتا ہوا حضورؐ کے قافلے کے آگے چلنے لگا تھا۔امام احمدؒ نے روایت بیان کی ہے کہ حضورؐ کو اسلم قبیلے کے چوروں "مہانان" کے بارے میں بتایا گیا تو آپؐ نے فرمایا مجھے ان کے پاس لے چلو۔آپؐ سے مل کردہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے تھے اور حضورؐ نے ان کے نام مہانان کی بجائے "مکرمان" رکھ دیئے تھے اور انہیں یثرب حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔

گارڈ آف آنر

آپؐ قباء میں مقیم تھے۔یثرب اور اردگرد کی آبادیوں کے مسلمان مسلسل آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔یثرب کے مختلف قبائل کی اپنی الگ الگ آبادیاں تھیں۔بڑے قبیلے کی زمینوں اور باغات کے پاس ہی اس کی الگ بستی ہوتی تھی۔اس وقت ایسی بستیوں کی تعداد نو تھی۔ ان میں سب سے بڑی بستی یثرب تھی جسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔انصار کے سارے قبیلوں کی خواہش تھی کہ حضورؐ ان کے ہاں تشریف لے چلیں اور ان کے ہاں ہی قیام فرمائیں، مگر رسولؐ اللہ نے ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کس بستی میں مستقل قیام کرنا ہے۔اس لئے انصار کی ساری ہی بستیوں کے مسلمان آپؐ کی میزبانی کا انتظار کر رہے تھے۔

قباء میں دس راتیں (1) قیام فرمانے کے بعد آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے۔اس روز جمعہ کا دن تھا۔ربیع الاول کی اٹھارہ (6 اکتوبر 622ء) تاریخ تھی۔جب آپؐ قباء سے نکلے تو راستہ کے دونوں جانب انصار کے ہتھیار بند افراد کھڑے تھے۔ان کا تعلق سارے خاندانوں اور بستیوں سے تھا۔آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے اور آپؐ کے دونوں جانب دائیں بائیں اوس اور خزرج کے افراد چل رہے تھے۔انہوں نے ہتھیار لگا رکھے تھے۔ان کے ہاتھوں میں بے نیام تلواریں تھیں۔ آپؐ کو وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا،لیکن انہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جو عہد کیا تھا کہ وہ اپنی آل اولاد کی مانند آپؐ کی حفاظت کریں گے،یہ اس عزم کا عملی اظہار تھا۔یہ رسول اللہ کے حضور اہلِ یثرب کا گارڈ آف آنر تھا۔وہ یثرب اور جزیرۃالعرب کے کفار کو بتانا چاہتے تھے کہ ان کی تلواریں اور ہتھیار رسولؐ اللہ اور دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہیں اور اس خدمت میں وہ اپنے سارے قدیمی اور قبائلی جھگڑے اور اختلافات ترک کر چکے ہیں اور رسولؐ اللہ ان کے امام اور

گارڈ آف آنر

آپؐ قباء میں مقیم تھے۔یثرب اور اردگرد کی آبادیوں کے مسلمان مسلسل آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔یثرب کے مختلف قبائل کی اپنی الگ الگ آبادیاں تھیں۔بڑے قبیلے کی زمینوں اور باغات کے پاس ہی اس کی الگ بستی ہوتی تھی۔اس وقت ایسی بستیوں کی تعداد نو تھی۔ ان میں سب سے بڑی بستی یثرب تھی جسے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔انصار کے سارے قبیلوں کی خواہش تھی کہ حضورؐ ان کے ہاں تشریف لے چلیں اور ان کے ہاں ہی قیام فرمائیں، مگر رسولؐ اللہ نے ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ کس بستی میں مستقل قیام کرنا ہے۔اس لئے انصار کی ساری ہی بستیوں کے مسلمان آپؐ کی میزبانی کا انتظار کر رہے تھے۔

قباء میں دس راتیں (1) قیام فرمانے کے بعد آپؐ وہاں سے روانہ ہوئے۔اس روز جمعہ کا دن تھا۔ربیع الاول کی اٹھارہ (6 اکتوبر 622ء) تاریخ تھی۔جب آپؐ قباء سے نکلے تو راستہ کے دونوں جانب انصار کے ہتھیار بند افراد کھڑے تھے۔ان کا تعلق سارے خاندانوں اور بستیوں سے تھا۔آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ صدیق تھے اور آپؐ کے دونوں جانب دائیں بائیں اوس اور خزرج کے افراد چل رہے تھے۔انہوں نے ہتھیار لگا رکھے تھے۔ان کے ہاتھوں میں بے نیام تلواریں تھیں۔ آپؐ کو وہاں کوئی خطرہ نہیں تھا،لیکن انہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جو عہد کیا تھا کہ وہ اپنی آل اولاد کی مانند آپؐ کی حفاظت کریں گے،'یہ اس عزم کا عملی اظہار تھا۔یہ رسول اللہ کے حضور اہلِ یثرب کا گارڈ آف آنر تھا۔وہ یثرب اور جزیرۃالعرب کے کفار کو بتانا چاہتے تھے کہ ان کی تلواریں اور ہتھیار رسولؐ اللہ اور دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف ہیں اور اس خدمت میں وہ اپنے سارے قدیمی اور قبائلی جھگڑے اور اختلافات ترک کر چکے ہیں اور رسولؐ اللہ ان کے امام اور

حاکم ہیں۔

حضورؐ بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو جمعہ کی نماز کا وقت ہوگیا۔آپؐ نے وہاں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔رسولؐ اللہ کی امامت میں پڑھا جانے والا یہ پہلا جمعہ تھا۔جس جگہ حضورؐ نے جمعہ کی نماز پڑھائی تھی' وہاں پر بعد میں جو مسجد بنی' اس کا نام ہی مسجد جمعہ ہوگیا۔

نماز کے بعد حضورؐ اونٹنی پر سوار ہوگئے تو بنو سالم کے سرداروں نے آپؐ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر درخواست کی : "یارسول اللہ!ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ہمارے پاس ہتھیار بھی بہت ہیں' لڑنے والے افراد بھی کافی ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا : "یہ فیصلہ کرنا میرے اللہ کے بس میں ہے کہ مجھے کہاں ٹھہرنا ہے اور میری اونٹنی اللہ کے حکم کی پابند ہے۔آپ اس کا راستہ چھوڑ دیں"۔

انہوں نے اونٹنی کی نکیل چھوڑ دی۔

بنی سالم کے جن سرداروں نے حضور سے درخواست کی' ان میں حضرت عتبانؓ بن مالک' حضرت عباسؓ بن عبادہ اور دوسرے شامل تھے۔

اوس اور خزرج کے ہتھیار بند افراد اب بھی حضورؐ کی اونٹنی کے ساتھ چل رہے تھے۔اونٹنی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔

بنی بیاضہ کی بستی میں پہنچے تو اس کے باسی بھی گھروں سے نکل آئے۔عورتیں اور بچے حضورؐ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہو رہے تھے۔

اس قبیلے کے سرداروں حضرت زیادؓبن لبید اور حضرت فروہؓ بن عمرو نے بھی ویسی ہی درخواست گزاری :"یا رسولؐ اللہ!ہمیں قیام سے سرفراز فرما دیں۔ہمارے قبیلے کے پاس ہتھیار بھی کافی ہیں اور افراد بھی"۔

حضورؐ نے انہیں بھی وہی جواب دیا جو بنو سالم کے سرداروں کو دیا تھا۔

بنو ساعدہ کی بستی کے قریب سے گزرے تو اس کے سرداروں نے بھی عرض کیا :"یا رسولؐ اللہ! ہمارے ہاں قیام فرمائیں"۔

حضرت سعدؓبن عبادہ اور حضرت منذرؓ بن عمرو نے حضورؐ کی اونٹنی کی مہار تھام کر کہا :"یا رسولؐ اللہ' ہمارے پاس افراد بھی کافی ہیں ہتھیار بھی وافر ہیں"۔

حضورؐ نے فرمایا :"اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے"۔

انہوں نے بھی حضورؐ کے حکم کی تعمیل کی اور راستہ چھوڑ دیا۔

جبلِ سلع کے دامن میں بنو ساعدہ کی بستی سے حضورؐ کی اونٹنی جنوب مشرق کی طرف مڑ گئی۔ خزرج کے قبیلہ بنو حارث کی بستی آئی تو حضرت سعدؓ بن ربیع اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے اپنے قبیلے کی طرف سے درخواست پیش کی: "یارسولؐ اللہ! ہمارے ہاں قیام فرمائیں۔ ہمارے قبیلہ کے پاس ہتھیار بھی ہیں اور افراد بھی۔"

رسولؐ اللہ نے انہیں بھی وہی جواب دیا۔

انہوں نے بھی حضورؐ کی اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔

بنی ظفر کی بستی سے ہوتے ہوئے حضورؐ کا جلوس بنی عبدالاشہل کی بستی میں پہنچا تو بچے بوڑھے حضورؐ کے استقبال کے لئے گھروں سے باہر کھڑے تھے۔ خواتین حضورؐ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے مکانوں کی چھتوں پر کھڑی تھیں۔ پُرجوش استقبال کے بعد حضورؐ نے آگے چلنے کا ارادہ کیا تو حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اسیدؓ نے آپؐ کا راستہ روک لیا۔ اونٹنی کی مہار تھام کر عرض کیا: "حضورؐ! ہمارے گھر اور مال حاضر ہیں۔ ہماری بستی میں قیام فرمائیں۔ ہم اپنی افرادی قوت اور جنگی مہارت کے لئے جانے جاتے ہیں۔"

حضورؐ نے ان کے جذبہ پر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا: "میں اس بارے میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔"

انہوں نے اونٹنی کا راستہ چھوڑ دیا۔

بنی نجار کی بیٹیوں کی خوشی

اوس اور خزرج کے مختلف قبیلوں کے ہتھیار بند افراد اسی طرح ساتھ چلے جا رہے تھے۔ سب سوچ رہے تھے کہ حضورؐ کی میزبانی کا شرف کس کے حصہ میں آئے گا۔ حضورؐ یثرب کی مرکزی آبادی میں پہنچ گئے تھے۔ بنو عدی بن نجار کے محلے میں داخل ہوئے تو وہاں عجیب منظر تھا۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں:

"وداع کی پہاڑیوں کے پیچھے سے،
ہمارے لئے چودھویں کا چاند نکل آیا ہے،
ہم پر شکر ادا کرنا لازم ہے،
اس عمدہ دین اور تعلیم کے لئے،
تیرے بھیجنے والا کبریا ہے،

تیرے حکم کو ماننا فرض ہے۔"

گھروں میں رہنے والی بیبیاں مکانوں کی چھتوں پر کھڑی تھیں، بچے بوڑھے اور خدام راستوں کے دونوں طرف قطاریں باندھے ہوئے تھے۔ ہر طرف بے تاب لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ آپؐ کی ایک جھلک دیکھنے آئے تھے۔

"اللہ اکبر، رسولؐ اللہ تشریف لائے! اللہ اکبر، محمدؐ تشریف لائے!" کے نعرے لگا رہے تھے۔

حبشی نوجوان تلواروں سے گتکا کھیلتے ہوئے آپؐ کے جلوس کے آگے چلے جا رہے تھے۔

خوشی اور شادمانی کا بڑا عجیب سماں تھا۔

یہ وہی محلّہ تھا جہاں بچپن میں آپؐ اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ تشریف لا چکے تھے۔

اسی محلے میں آپؐ بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔

آپؐ کے والدِ محترم نے اسی محلے میں وفات پائی تھی۔

آپؐ کے دادا عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔

حضرت سلیطؓ بن قیس اور حضرت ابو سلیط اسیرہ نے درخواست کی: "یا رسولؐ اللہ! اپنے ننہال میں قیام فرمائیں۔ ہمارے گھر حاضر ہیں، مال حاضر ہیں اور جانیں حاضر ہیں۔

اس محلے سے اور اس کے باسیوں سے آپؐ کی بچپن اور رشتہ داری کی یادیں وابستہ تھیں۔

مگر آپؐ نے انہیں بھی خیروبرکت کی دعا دے کر فرمایا: "اونٹنی کو جانے دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔"

بنی نجار کی بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں:

"ہم بنی نجار کی بیٹیاں ہیں۔

محمدؐ کیا ہی اچھا ہمسایہ ہے۔"

آپؐ نے بچیوں سے پوچھا: "کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

بچیوں نے جواب دیا: "ہاں یا رسولؐ اللہ!"

آپؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم! میں بھی تم لوگوں (انصار) سے محبت رکھتا ہوں۔"

جائے قیام

آپؐ کی اونٹنی چلتی رہی۔ اوس اور خزرج کے ہتھیار بند مرد ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ یثرب کے لوگ خوشیاں مناتے رہے۔

بنو مالک بن نجار کا محلّہ قریب آیا تو اونٹنی اس طرف مڑ گئی۔اس محلے میں ایک کھلا احاطہ تھا جس میں ایک طرف گڑھے سے تھے' دوسری طرف مشرکین کی چند پرانی قبریں تھیں۔دو چار کھجور کے درخت تھے۔اونٹنی وہاں پہنچ کر بیٹھ گئی۔لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔آپؐ نے اونٹنی کی مہار چھوڑ دی۔ اونٹنی اٹھی اور ایک چکر لگا کر وہیں واپس آ کر بیٹھ گئی۔چھاتی زمین سے لگا کر گردن ڈال دی۔یہ اس بات کی علامت تھی کہ اب اس جگہ سے نہیں اٹھوں گی۔

حضورؐ اونٹنی سے اتر آئے اور فرمایا:"اللہ نے چاہا تو یہی ہماری جائے قیام ہے۔"

حضرت ابو ایوبؓ نے عرض کیا:"یا رسولؐ اللہ!اجازت ہو تو سامان اتار لوں۔"

حضورؐ نے اجازت دے دی۔

وہ اونٹنی کا کجاوا اور سامان اپنے گھر لے گئے۔ان کا گھر سب سے قریب تھا۔

حضرت ابوایوبؓ انصاری کا تعلق بنو مالک بن نجار سے تھا۔ان کا نام خالد تھا (خالد بن زید) ابوایوب ان کی کنیت تھی۔وہ خزرج کے ان چھ افراد میں سے تھے جنھوں نے سب سے پہلے بیعت کی تھی۔

وہاں موجود سب اہلِ یثرب کی خواہش تھی کہ حضورؐ ان کے ہاں قیام فرمائیں۔

حضورؐ نے فرمایا:"آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہوتا ہے۔"

حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے آگے بڑھ کر حضورؐ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور اپنے گھر لے گئے۔

حضور کی اونٹنی کا نام قصویٰ تھا۔

اس میدان میں ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا جہاں بنو مالک بن نجار کے قبیلے کے مسلمان نماز ادا کیا کرتے تھے۔باقی میدان میں وہ کھجوروں کے موسم میں اپنی کھجوریں سُکھایا کرتے تھے۔

دیگر انصار کا اصرار تھا کہ رسولؐ اللہ انہیں میزبانی کا شرف بخشیں۔

اس پر قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے نام ہی نکلا۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو سب نے تسلیم کر لیا۔

رسولؐ اللہ نے بنی عبدالاشہل کی محبت اور خلوص کی تعریف فرمائی۔

جب تک آپؐ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے ہاں مقیم رہے بنی عبدالاشہل والے تحائف اور کھانا تیار کر کے بھیجتے رہے۔حضرت سعدؓ بن معاذ اسّی اسّی افراد کے لئے کھانا بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مکان دو منزلہ تھا۔وہ خود اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ اوپر کی منزل میں منتقل ہو گئے اور نیچے کی منزل رسولؐ اللہ کے قیام کے لئے خالی کر دی۔پھر خیال آیا کہ حضورؐ جس کمرے میں قیام رکھتے ہیں' اس کی چھت پر قیام بے ادبی نہ ہو۔پھر آپؐ کے پاس آسمان سے فرشتے

بھی آتے ہیں، اس خیال سے وہ میاں بیوی ساری رات سو نہ سکے۔

صبح ہوتے ہی وہ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ "یارسولؐ اللہ! آپؐ اوپر کی منزل میں منتقل ہو جائیں۔"

"کیوں، کیا ماجرا ہے؟" رسولؐ اللہ نے پوچھا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں ایسے بالاخانے میں نہیں رہ سکتا جس کے نیچے آپؐ کا قیام ہو۔"

رسولؐ اللہ نے فرمایا: "نیچے والے مکان میں ان لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے جو میرے پاس آتے ہیں۔"

حضرت ابوایوبؓ انصاری اوپر کی حصے میں رہنے لگے۔ ایک رات ان کا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں پانی ٹپک کر نیچے نہ گر جائے اور اس سے رسولؐ اللہ کو تکلیف ہو۔ وہ میاں بیوی پانی خشک کرنے لگے۔ گھر میں ایک ہی لحاف تھا، وہ پانی کے اوپر ڈال دیا۔

رسولؐ اللہ کو علم ہوا تو آپؐ نے اوپر کی منزل میں منتقل ہونے کی درخواست قبول فرمالی۔

مدینۃ النبیؐ

رسولؐ اللہ کے یثرب پہنچتے ہی اس بستی کا صدیوں پرانا نام ختم ہوگیا اور لوگ اسے "مدینۃ النبیؐ" کہنے لگے۔ کسی کو یاد بھی نہ رہا کہ کل تک ان کی بستی کا کیا نام تھا۔ پھر سارے جزیرۃ العرب میں یہ بستی "مدینۃ النبیؐ" کے نام سے جانی جانے لگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے لئے مکہ کی وادیٔ غیر ذی زرع کا انتخاب فرمایا تھا، اپنے رسول کے گھر کے لئے چشموں اور باغوں والی وادی پسند فرمائی اور رسولؐ اللہ کو اپنی حفاظت کے سائے میں ان کے گھر تک پہنچا دیا۔ رسولؐ اللہ جب اللہ کے گھر سے روانہ ہوئے تھے تو آپؐ کا دل غم سے بوجھل تھا۔ اپنے لئے اللہ کی طرف سے منتخب کئے گھر پہنچے تو آپؐ کا دل مطمئن تھا۔

پہلی مسجد

آپؐ اللہ کے ہر فیصلے کو خوش دلی اور دل کے اطمینان سے قبول فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مدینۃ النبیؐ میں رسولؐ اللہ کے قیام کی جگہ متعین فرما دی تو آپؐ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔

اپنے اور اپنے بال بچوں کے قیام کے لئے اپنا گھر نہیں بنوایا۔
مسجد کے لئے آپؐ نے وہی جگہ پسند فرمائی جہاں مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ جماعت کرایا کرتے تھے۔
حضورؐ نے اس زمین کی ملکیت کے بارے میں استفسار فرمایا تو بتایا گیا کہ دو یتیم لڑکے سہیلؓ اور سہل اس کے مالک ہیں اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ ان کے سرپرست ہیں۔حضورؐ نے یہ احاطہ خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تو وہ دونوں لڑکے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا:
"یا رسولؐ اللہ!ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے بلکہ اسے ہبہ کر دیتے ہیں۔"
حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے بھی لڑکوں کے سرپرست کی حیثیت سے عرض کیا:"یا رسولؐ اللہ!آپؐ یہ نذر قبول فرمالیں۔"
آپؐ نے فرمایا:"اگر یہ زمین تمہاری ہوتی تو بھی میں بلا قیمت قبول نہ کرتا۔یہ زمین یتیموں کی ہے اور میں جانتا ہوں کہ یتیموں کو کتنے غم اٹھانا پڑتے ہیں۔میں ایک شرط پر یہ زمین خرید سکتا ہوں کہ تم اس کی قیمت مدینہ کی عام زمینوں سے زیادہ لگا کر بتاؤ اور میں وہ قیمت ادا کروں۔"
"یا رسولؐ اللہ!اس احاطے کی قیمت سات دینار ہے۔" حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے حساب لگا کر عرض کیا۔
رسولؐ اللہ نے مدینہ کے دوسرے مسلمانوں سے پوچھا کہ اسعدؓ نے زمین کی قیمت کم تو نہیں لگائی۔
سب نے تصدیق کر دی کہ اس وقت کے حساب سے اس زمین کی قیمت اتنی ہی بنتی ہے۔
آپؐ نے فرمایا:"میں اس زمین کے دس دینار دیتا ہوں تاکہ اسعدؓ بن زرارہ ان یتیموں کے لئے بہتر زمین خرید سکیں۔"
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فوراً دس دینار ادا کر دیئے۔
اس زمانے میں جزیرۃ العرب میں دو سکے چلتے تھے۔ایک ایرانی سکہ تھا جسے "خسروی" یا "دنیارِ خسرواں" کہا جاتا تھا۔دوسرا رومی سکہ تھا جسے "ہرقلی دینار" کہتے تھے۔یہ دینار سونے کے ہوتے تھے اور ایک دینار بہت بڑی رقم سمجھا جاتا تھا۔
زمین کا سودا ہو گیا تو احاطے میں موجود کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے۔ان کے تنے مسجد کے ستونوں کے لئے رکھ لئے اور شاخیں چھت کے لئے محفوظ کر لیں۔مشرکین کی قبریں مٹا دی گئیں اور گڑھے ہموار کر دیئے گئے۔
مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو رسولؐ اللہ خود بھی صحابہؓ کے ساتھ مل کر اینٹیں اٹھا اٹھا کر لایا کرتے

تھے۔حضرت ابوبکرؓ صدیق،حضرت عمرؓ فاروق،حضرت علیؓ،حضرت عثمانؓ اور انصار و مہاجرین سب دیواریں اٹھانے اور گارا مٹی اٹھا اٹھا کر لانے میں لگ گئے‘وہ شعر پڑھتے:

"اللہ کے رسولؐ کام کریں اور ہم بیٹھے رہیں تو یقیناً ہمارا یہ عمل گمراہی کا عمل ہے۔"

رسولؐ اللہ فرماتے:

"آخرت کا اجر ہی اصل اجر ہے۔

اے اللہ!انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی بنائی گئیں۔بنیادیں تین ہاتھ چوڑی رکھی گئیں۔مسجد کی قبلہ کی دیوار کی لمبائی ایک سو ہاتھ تھی اور چوڑائی اس سے کچھ کم تھی۔محراب بیت المقدس کی طرف بنایا گیا۔مسجد میں داخلہ کے لئے تین دروازے رکھے گئے۔درمیان میں جو ستون تھے‘وہ کھجور کے تھے۔
چھت کھجور کی شاخوں سے ڈالی گئی۔
کسی نے کہا چھت اچھی ہونی چاہیئے۔
آپؐ نے فرمایا:"نہیں‘ موسیٰؑ کے چھپر جیسا چھپر ہی مناسب ہے۔"
فرش مٹی کا تھا۔

کھلے صحن میں مشرق کی جانب ایک چبوترہ بنا کر اس پر چھپر ڈال دیا گیا۔جن مہاجرین کا کوئی کاروبار اور ٹھکانہ نہیں تھا‘وہ یہاں پڑے رہتے تھے اور اپنا بیشتر وقت قرآن کی تلاوت اور عبادت میں گزارتے تھے۔یہ صحابۂ کرامؓ رسولؐ اللہ کی بابرکت صحبت سے فیضیاب ہوتے۔آپؐ کے ارشادات سنتے اور دوسروں تک پہنچاتے تھے اور محفوظ کر لیتے تھے۔عربی زبان میں چبوترے کو "صُفہ" کہتے ہیں۔اسی وجہ سے ان صحابۂ کرامؓ کو اصحابِ صُفہ کہا جاتا ہے۔رسولؐ اللہ نے ایک استاد مقرر کر دیا تھا جو انہیں تعلیم دیا کرتا تھا۔

نبیؐ کا گھر

مسجد کے پاس ہی رسولؐ اللہ نے دو حجرے تعمیر کروائے۔ایک اُمّ المومنین حضرت سودہؓ کے لئے اور ایک اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے لئے‘ ہر حجرہ دس فٹ چوڑا اور پندرہ فٹ لمبا تھا۔حجروں کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی گئیں اور ان پر کھجور کی شاخوں کی چھتیں ڈالی گئی تھیں۔ دونوں حجروں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لئے کھجور کی شاخوں کو چُن کر دیوار بنا دی گئی اور اس پر مٹی کا لیپ کر دیا گیا۔دروازوں کی بجائے کمبل کے پردے لٹکائے گئے تھے۔حجروں کی

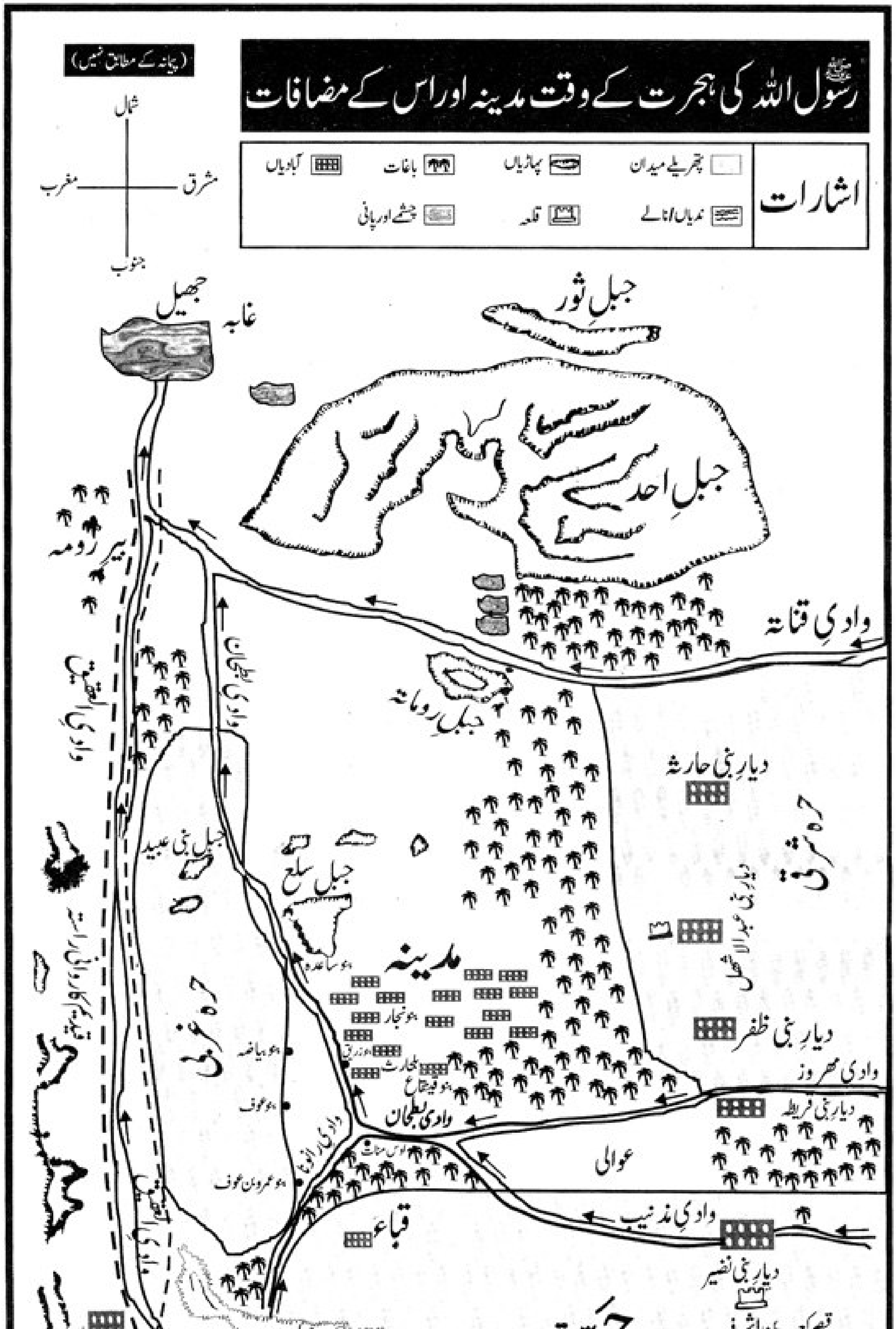
رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے وقت مدینہ اور اس کے مضافات
(پیمانہ کے مطابق نہیں)
اشارات
پتھریلے میدان
پہاڑیاں
باغات
آبادیاں
ندیاں / نالے
قلعہ
چشمے اور پانی
شمال
مشرق
مغرب
جنوب
جھیل
غابہ
جبلِ ثور
جبلِ احد
وادیِ قناۃ
بیر رومہ
جبلِ رومانہ
دیارِ بنی حارثہ
حرّہ
جبلِ بنی عبید
جبلِ سلع
مدینہ
دیارِ بنی ظفر
وادی مھروز
دیارِ بنی قریظہ
بنو ساعدہ
بنو نجار
بنو زریق
بنو حارث
بنو قینقاع
بنو بیاضہ
بنو عوف
بنو عمرو بن عوف
وادیِ بطحان
عوالی
وادیِ مذنیب
قباء
دیارِ بنی نضیر
قصر کعب بن اشرف
حرّہ
جبلِ عیر
ذوالحلیفہ

چھتیں اتنی نیچی تھیں کہ ہاتھ اٹھائیں تو چھت کو جا لگتا تھا۔

رسولؐ اللہ کے اہلِ خانہ ابھی تک مکہ مکرمہ میں تھے۔آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابورافعؓ کو دو اونٹ اور پانچ سو درھم دے کر مکہ بھیجا تاکہ وہ انہیں مدینہ لے آئیں۔ ۱۔حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عبداللہؓ بن اریقط کو اپنے بیٹے عبداللہؓ کے لئے خط دے کر ساتھ کر دیا۔ اس طرح حضورؐ کی دو صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ اور حضرت امِ کلثومؓ اُمّ المومنین حضرت سودہؓ، حضرت زیدؓ بن حارثہ کی بیوی اُمِ ایمنؓ اور بیٹا اسامہؓ مدینہ آ گئے۔حضرت ابوبکرؓ صدیق کا بیٹا حضرت عبداللہؓ بھی اپنی والدہ اور دو بہنوں حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کے ہمراہ مدینہ پہنچ گیا۔ رسولؐ اللہ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا خاوند ابوالعاص ابھی اپنے آبائی دین پر تھا۔اس نے حضرت زینبؓ کو مکہ ہی میں روک لیا۔

حواشی / حوالہ جات

رسولؐ اللہ کے قباء میں قیام کی مدت کے بارے میں مختلف روایات ہیں، لیکن اگر آٹھ ربیع الاول سوموار کے روز آپؐ قباء پہنچے تھے تو پھر قباء میں آپؐ کے قیام کی تین راتوں والی روایت بظاہر درست معلوم ہوتی ہے۔باقی چودہ، اٹھارہ، بائیس اور تئیس والی کسی بھی روایت کے حساب سے آپؐ کی قباء سے روانگی کا دن جمعہ نہیں بنتا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس روز آپؐ قباء سے یثرب کے لئے چلے، وہ جمعہ کا دن تھا۔ لیکن تین راتوں والی یہ روایت ہم اس لئے تسلیم نہیں کر رہے کہ ایک تو طویل سفر کے بعد آپؐ تھکے ہوئے تھے، آپؐ کو آرام کی ضرورت تھی۔دوسرے اس قیام کے دوران آپؐ نے مسجد کی بنیاد بھی رکھی اور اس کی تعمیر میں حصہ لیا تھا۔اس دوران آپؐ یثرب اور اردگرد کی بستیوں سے آنے والے افراد اور وفود سے ملاقاتیں بھی فرماتے رہے تھے۔ حضرت سلمانؓ فارسی بھی قباء ہی میں آپؐ کی خدمت میں پیش ہوئے تھے۔ان سب مصروفیات اور واقعات کو دیکھا جائے تو تین دن کا قیام کم معلوم ہوتا ہے، اس لئے حضرت عائشہؓ صدیقہ اور حضرت عروہؓ بن زبیر کی وہ روایت ہی درست ہے کہ آپؐ نے قباء میں دس روز سے کچھ زیادہ قیام فرمایا تھا۔آپؐ سوموار کی دوپہر ڈھلے قباء پہنچے تھے اور ایک چھوڑ اگلے جمعہ کی دوپہر سے پہلے وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔اس حساب سے آپؐ کا قباء میں قیام دس راتیں ہی بنتا ہے۔